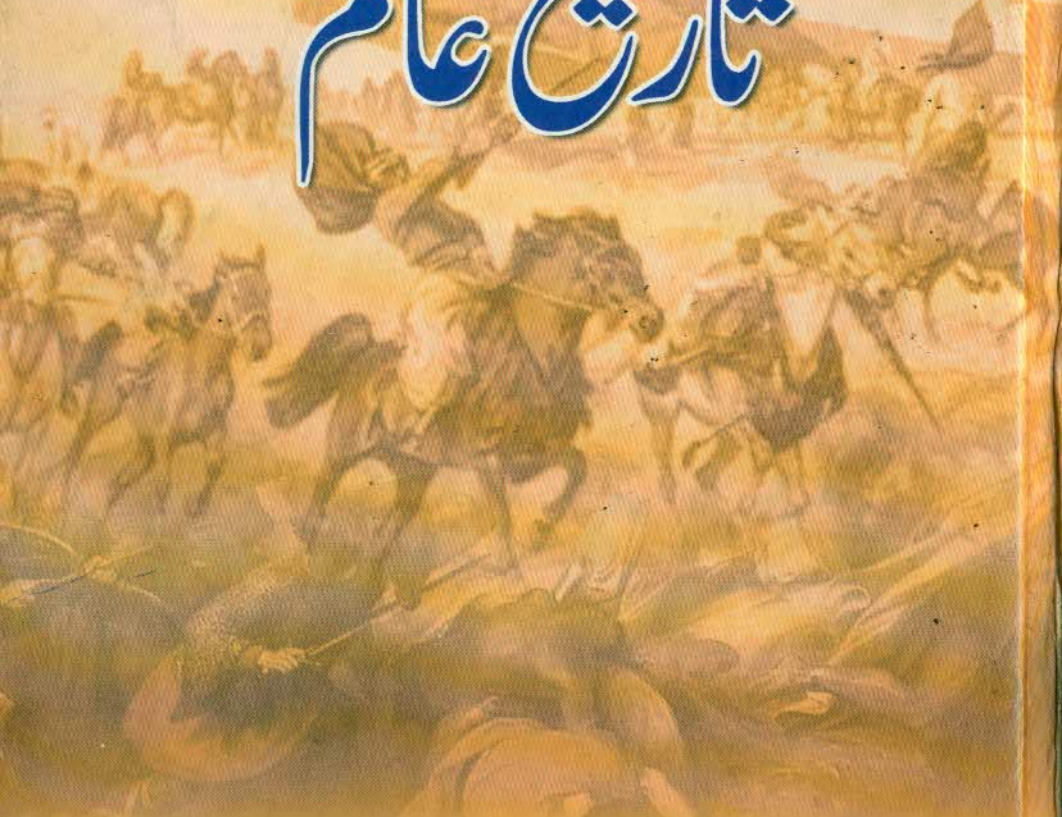




زمانہ قبل از مسیح پر اردو زبان کی اولین مستند حوالہ جاتی کتاب

تاریخ عالم



اخلاق احمد قادری



زمانہ قبل از مسیح پر اردو زبان کی اولین مستند حوالہ جاتی کتاب نئے اضافوں کے ساتھ

تاریخ عالم

5000 ق م سے پیدائش مسیح تک کے اہم واقعات سال بہ سال

اخلاق احمد قادری

CITY BOOK POINT

Naveed Square Urdu Bazaar, Karachi

Ph # 021-2762483 Cell # 0322-2820883

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASSAN DEEN

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: تاریخ عالم

مصنف: اخلاق احمد قادری

پرنٹر: برکت اینڈ سنز کراچی

پروفنگ: ارم اخلاق

کمپوزنگ: عمران احمد کراچی

ناشر: شی بک پوائنٹ کراچی

قیمت: 450/=

انتساب

استاد محترم!

مرزا ابن خیف صاحب کے نام!
جو پاکستان کے پہلے ماہر مصریات تھے

فہرست

صفحہ نمبر

فہرست

صفحہ نمبر

48	3000 ق م۔۔۔ اولین یورپی تہذیب	9	حرف آغاز
50	3100 ق م۔۔۔ سنون پتہ کی تعمیر	11	ابتدائے آفرینش
51	3000 ق م۔۔۔ آلات موسیقی	12	آرودیسی دور
53	3000 ق م۔۔۔ گنتار The Abacus	12	ڈیونی دور
54	3000 ق م۔۔۔ 1100 ق م۔۔۔ یونان میں کانسی کا عہد	12	کاربونی فیرس دور
56	3000 ق م۔۔۔ سومیری دور شجاعت	13	پریمیائی دور۔۔۔ سہ طبقاتی
58	2900 ق م۔۔۔ مصر میں تیسرے شاہی خاندان	13	جراحی دور
59	2900 ق م۔۔۔ وائے مصر حوتپ اور اہرام زمر	15	ارتقا کی کہانی
61	2870 ق م۔۔۔ ٹرائے آباد ہوا	18	اولین انسان
64	2750 ق م۔۔۔ فوجی بندرگاہ اور صور کی آباد کاری	18	نی اینڈ رتھل آدمی
65	2610 ق م۔۔۔ غزہ میں اہراموں کی تعمیر	19	کرومیکٹان آدمی
67	2500 ق م۔۔۔ منچو داؤد کا تہذیبی عروج	20	کرہ ارض کی براعظمی تقسیم
70	2500-2000 ق م۔۔۔ جنوبی امریکہ میں تمدن کا آغاز	22	آگ کا استعمال
71	2400-2000 ق م۔۔۔ عیسائی تہذیب کا عروج	23	زمین پر آخری برفانی عہد
73	2400 ق م۔۔۔ قوم عاد کی تباہی	24	زرعی انقلاب
75	2400 ق م۔۔۔ آریاؤں کی نقل و حرکت	25	8000 ق م۔۔۔ جبریکو کی فصلوں کی تعمیر
77	2350 ق م۔۔۔ دنیا کی اولین شہنشاہیت	27	7000 ق م۔۔۔ زراعت کا آغاز
79	2250 ق م۔۔۔ بابل میں علم ریاضی کی ابتدا	29	5000 ق م۔۔۔ اولین تہذیب انسانی کا ظہور
81	2350 ق م۔۔۔ دنیا کا اولین فلکیاتی رصد گاہیں	33	4241 ق م۔۔۔ دنیا کے پہلے کیلنڈر کا اجراء
82	2258-2205 ق م۔۔۔ چین میں شہنشاہیت کا آغاز	34	5000 ق م۔۔۔ وادی نیل میں تمدن کا آغاز
84	2118 ق م۔۔۔ شہر ابراہیم کی تعمیر نو	38	4000 ق م۔۔۔ دمشق وجود میں آیا؟
86	2000 ق م۔۔۔ حضرت صالحؑ کا زمانہ	40	3760 ق م۔۔۔ یہودی تقویم کی ابتدا
88	2000 ق م۔۔۔ لوہے کا زمانہ	45	3500 ق م۔۔۔ صوب کی گھڑی
91	1913 ق م۔۔۔ ہجرت ابراہیمی	46	3338 ق م۔۔۔ طوفان نوحؑ
93	2000-1000 ق م۔۔۔ پاک و ہند میں آریاؤں کی آمد	49	3500 ق م۔۔۔ پیسے کی ایجاد

148	1122 ق م۔۔ چین میں چاؤ حکومت	95	2000 ق م۔۔ یورپ میں کانسی کا زمانہ
150	1115 ق م۔۔ آشوری سلطنت کا عروج	96	1955 ق م۔۔ بابل کا عہد زریں
151	1020 ق م۔۔ ساؤل کی تخت نشینی	100	1950 ق م۔۔ حورانی کا ضابطہ قوانین
152	1000 ق م۔۔ حضرت داؤد اور سلطنت اسرائیل	103	1850 ق م۔۔ حضرت یعقوب اور انکا عہد
154	965 ق م۔۔ معبد سلیمانی کی تعمیر	104	1800 ق م۔۔ لگ ہے مصر کا بازار دیکھو!
156	931 ق م۔۔ شمالی سلطنت کی علیحدگی	106	1750 ق م۔۔ مصر پر عمالیک کا حملہ
158	930 ق م۔۔ شیشونک اول کا یروشلیم پر حملہ	107	1600 ق م۔۔ مائی سینائی تہذیب کا ظہور
159	913 ق م۔۔ آسا کی تخت نشینی	109	1700 ق م۔۔ کنوئس کی تعمیر
160	900 ق م۔۔ علم جیومیٹری میں پیشرفت	112	1570 ق م۔۔ امویس اول اور علاقہ کا اخراج
161	884 ق م۔۔ آشور نصر پال دوم کا عہد	114	1520 ق م۔۔ صبر الیوب کا زمانہ
162	885 ق م۔۔ عری اسرائیل کا بادشاہ بننا	115	1514 ق م۔۔ ہٹ شپ سوط، ملکہ مصر
163	874 ق م۔۔ افی آب تخت نشین ہوا	117	1500 ق م۔۔ رگ وید
164	875 ق م۔۔ بیوسفط ویندار بادشاہ	119	1500 ق م۔۔ وادی رنگا کی تہذیب کا عروج
166	860 ق م۔۔ حضرت الیاس کا ظہور	121	1500 ق م۔۔ کتاب المہمات
168	850 ق م۔۔ ہومر کے رزمیہ شاعر	124	1468 ق م۔۔ دنیا کے پہلے فاتح عالم کی مہمات
172	842 ق م۔۔ اسرائیل میں فوجی انقلاب	126	1405 ق م۔۔ آمن حوتپ سوم کا عہد
173	841 ق م۔۔ ملکہ عتلیہ کا عہد	128	1383 ق م۔۔ اختنا تون۔ موحد فرعون
175	814 ق م۔۔ قرطاجنہ کا سنگ بنیاد	131	1350 ق م۔۔ حضرت شعیب کا زمانہ
177	800 ق م۔۔ لیلطرو کی شہری ریاستیں	132	1329 ق م۔۔ طوطی آمن اور قدیم مذہب
179	793 ق م۔۔ یربعام دوم کا عہد	134	1319 ق م۔۔ حرم حب کی حکومت
180	791 ق م۔۔ عزایہ کا عہد حکومت	135	1292 ق م۔۔ مصر میں انیسواں شاہی خاندان
181	760 ق م۔۔ حضرت عاموس کی منادی	136	1279 ق م۔۔ رمسیکس دوم کا عہد
182	776 ق م۔۔ اولمپک کھیلوں کا آغاز	139	1275 ق م۔۔ خروج بنی اسرائیل
184	753 ق م۔۔ تعمیر روم	142	1213 ق م۔۔ مستنجد کا عہد حکمرانی
187	750 ق م۔۔ حضرت یونس کا ظہور	143	1209 ق م۔۔ مصر پر ایسیا کا حملہ
189	745 ق م۔۔ تنگت پلاسروسوم	144	1200 ق م۔۔ فونیقیوں کی بحری طاقت
190	727 ق م۔۔ شلمنا سر پنجم اور سارگون دوم	145	1193 ق م۔۔ ثرائے کی تباہی

صفحہ نمبر	فہرست	صفحہ نمبر	فہرست
237	550 ق م۔۔ کیٹو ٹینس اور اس کا فلسفہ	191	725 ق م۔۔ حضرت یسعیاہ بنیمبر کا زمانہ
240	547 ق م۔۔ سلطنت لیڈیا کا خاتمہ	192	722 ق م۔۔ سقوط اسرائیل
242	539 ق م۔۔ کوروش اعظم کا بابل پر حملہ	193	716 ق م۔۔ حزقیاء، راستباز بادشاہ
245	529 ق م۔۔ کبوجیہ بادشاہ بنا	194	705 ق م۔۔ کرب اور اس کا عہد
246	520 ق م۔۔ شیوی ڈیگون ہیکو ڈا	195	696-598 ق م۔۔ منسی، یوسیاہ اور یہو یقیم
247	521 ق م۔۔ داریوش کبیر اور اس کا عہد	197	681 ق م۔۔ اسیر ہدون بادشاہ بنا
250	517 ق م۔۔ دنیا کا اولین نقشہ	198	655 ق م۔۔ سلطنت ماد کی بنیاد
251	509 ق م۔۔ روم میں جمہوریت کا قیام	200	627 ق م۔۔ آشور بنی پال کی لائبریری
253	500 ق م۔۔ ڈیلفی میں تھیر کی تعمیر	203	626 ق م۔۔ حضرت یرمیاہ کا زمانہ
254	500 ق م۔۔ ہاتف کدہ ڈیلفی کے اسرار	205	621 ق م۔۔ اتینجنز کے قوانین
258	490 ق م۔۔ جنگ میراتھن	208	620 ق م۔۔ حکایات و تشبیہات لقمان
261	485 ق م۔۔ شیارہ شاہ اور اس کا عہد	210	624 ق م۔۔ ٹالیس ملطی اور اس کا فلسفہ
262	480 ق م۔۔ زینوفینز اور ایلہیاتی فلسفہ	211	611 ق م۔۔ انگلیز سمینڈر کی پیدائش
263	475 ق م۔۔ ہیراقلیتوس اور طبیعی فلسفہ	212	609 ق م۔۔ نیکوہ دوم سریر آرائے سلطنت
264	480 ق م۔۔ معرکہ تھرمپلی اور جنگ سلامس	213	604 ق م۔۔ لاؤزے اور اس کے افکار
267	478 ق م۔۔ ڈیلمین لیگ کا قیام	216	600 ق م۔۔ زر آتشت اور اس کا عہد
268	468 ق م۔۔ اردشیر دراز دست	219	600 ق م۔۔ کیلیٹی لوگوں کا ترک وطن
270	461 ق م۔۔ اتینجنز کا سنہرا دور	220	600 ق م۔۔ لائی کرگس اور سپارٹا
273	461 ق م۔۔ عہد حیریکلیز اور یونانی ادبیات	221	600 ق م۔۔ منوسرتی یا منوکا ضابطہ قوانین
279	470 ق م۔۔ ہیرودؤس اور اس کی تاریخ	222	605 ق م۔۔ کلدانیوں کا عروج
282	450 ق م۔۔ پارمینڈیز کی سقراط سے ملاقات	224	570 ق م۔۔ بابل کے معلق باغات
283	440 ق م۔۔ سوفسطائیت کا آغاز	226	597 ق م۔۔ صدقیاء۔ آخری حکمران
284	435 ق م۔۔ اسمینڈ وکلیز اور عناصر راجہ	228	586 ق م۔۔ یروشلم کی تباہی اور اسیری بابل
285	432 ق م۔۔ ایکساغورث کا فلسفہ	231	580 ق م۔۔ دنیا کی پہلی شاعرہ
286	431 ق م۔۔ جنگ پیلوپونسی	232	570 ق م۔۔ اموس کا عہد
289	425 ق م۔۔ بقراط اور فن طب	233	563 ق م۔۔ مہاتما بدھ اور اس کی تعلیمات
291	420 ق م۔۔ دنیا کے اولین ایٹمی ماہرین	235	553 ق م۔۔ فیثاغورث اور اس کا مکتبہ فکر

353	273 ق م۔۔ اشوک اعظم کی تخت نشینی	292	410 ق م۔۔ تھیوسی ڈیڈیز کی تاریخ
355	268 ق م۔۔ قرطاجنی جنگیں	294	401 ق م۔۔ اردشیر اور کوروش اصغر
358	225 ق م۔۔ LXX	295	399 ق م۔۔ دنیا کا پہلا شہید علم و حکمت
360	250 ق م۔۔ یوریکا! یوریکا!	299	387 ق م۔۔ افلاطون اور اس کی اکیڈمی
363	249 ق م۔۔ عہد اشکانیاں کا آغاز	302	385 ق م۔۔ ارسطو فانیس اور طریقہ
364	247 ق م۔۔ اشک دوم یا شیر داد تخت ہوا	303	371 ق م۔۔ افلاطون کی ”جمہوریہ“
365	234 ق م۔۔ کیٹو الحسب اور فلاحیت	305	367 ق م۔۔ ارسطو، اکیڈمی سے درس گاہ تک
366	225 ق م۔۔ لاطینی ادب کا سب سے ظریف شاعر	308	362 ق م۔۔ زینوفون کی ”ہیلیئیکا“
367	214 ق م۔۔ اشک سوم کی تخت نشینی	312	353 ق م۔۔ ڈیموس تھینز ”میدان سیاست“
368	215 ق م۔۔ دیوار چین کی تعمیر	314	338 ق م۔۔ جنگ کائی رونا
370	195 ق م۔۔ بطلموسی عہد کی ایک قرارداد	316	336 ق م۔۔ سکندر اعظم کی تخت نشینی
372	200 ق م۔۔ شاہراہ ریشم مشرق و مغرب کو ملاتی ہے	319	334 ق م۔۔ سکندر اعظم مشرق قریب میں
373	200 ق م۔۔ مہابھارتا	323	332 ق م۔۔ سکندر اعظم مشرق وسطیٰ میں
376	185 ق م۔۔ مور یہ سلطنت کا خاتمہ	325	331 ق م۔۔ جنگ اربیل یا گوگامیل
378	174 ق م۔۔ اشکانی سلطنت میں توسیع	328	327 ق م۔۔ سکندر اعظم ہندوستان میں
380	167 ق م۔۔ بغاوت میکابین	332	321 ق م۔۔ مور یہ سلطنت کا قیام
382	140 ق م۔۔ ونس ڈی مائلو	335	304 ق م۔۔ مصر میں بطلموسی عہد کا آغاز
383	133 ق م۔۔ گرکی اصلاحات	336	321 ق م۔۔ ارتھ شاستر
385	124 ق م۔۔ اشک نہم کی تخت نشینی	341	300 ق م۔۔ روایت اور اس کا بانی
386	120 ق م۔۔ پونٹس کے مہمراہ کا حملہ	342	290 ق م۔۔ اپیتوری فلسفہ اور اپیتور
388	107 ق م۔۔ جمہوریہ رومہ میں خانہ جنگی	343	280 ق م۔۔ جزیرہ ردوڈر کا دیو پیکر
390	82 ق م۔۔ روم میں آمریت کا قیام	345	289 ق م۔۔ محبت اسکندریہ کی تعمیر
391	106 ق م۔۔ سر وادراختیابیت	346	280 ق م۔۔ تھیوکرٹس کی سکندریہ آمد
392	73 ق م۔۔ غلاموں کی بغاوت	347	240 ق م۔۔ کالی ماس کی وفات
394	64 ق م۔۔ پونٹس اعظم کی مہمات	348	279 ق م۔۔ سکندریہ میں مینارہ نور
396	63 ق م۔۔ کیٹلان سازش	349	279 ق م۔۔ اشار کوں کا نظریہ گردش
398	60 ق م۔۔ پہلی مجلس ارباب ملاش	351	275 ق م۔۔ شاہ بروں کی فتوحات

صفحہ نمبر	فہرست	صفحہ نمبر	فہرست
425	20 ق م۔۔ انجیل	401	58 ق م۔۔ یسز کی فتح کال
427	9 ق م۔۔ لائیوی کی تاریخ روم	403	55 ق م۔۔ لکری شیس کی خود کشی
429	8۔۔ جولین کینڈر کا نفاذ	404	53 ق م۔۔ کرئیس کا ایران پر حملہ
430	8۔۔ 40 تا 4۔۔ وون اول اور ارخوان سوم	406	49 ق م۔۔ عبور دریائے ربیکان
431	8 ق م۔۔ 4, 6 ق م۔۔ پیدائش حضرت عیسیٰؑ	408	44 ق م۔۔ جولیس یسز کا قتل
434	8۔۔ اوڈ کی جلاوطنی	411	44 ق م۔۔ ہورٹس کی بروٹس سے ملاقات
438	28۔۔ قتل یحییٰ علیہ السلام	412	43 ق م۔۔ دوسری مجلس ارباب ملاشہ
440	29۔۔ حضرت عیسیٰؑ رفع الایمان یا صلیب پر	413	43 ق م۔۔ قلو پطرہ کی تخت نشینی
443	32۔۔ پولوس رسول اور مسیحیت	418	38 ق م۔۔ لاؤ کون
445	41۔۔ شہنشاہ کالی گولا کا قتل	419	37 ق م۔۔ اشک چہار دہم اور انطونی کا حملہ
447	46۔۔ بوڈیکا!	421	37 ق م۔۔ ہیرودہ اعظم کا یروشلم پر قبضہ
		423	27 ق م۔۔ روم میں شہنشاہیت کا آغاز

حرف آغاز

العلم التاريخ اپنے وسیع معنی میں انسان کی سرگذشت اور اس کو اس دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا مرقع ہے۔ اس مرقع کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب انسان نے آدم سے پہلے یا بعد حیوانات کی منزل سے انسانیت کے دائرے میں قدم رکھا تھا۔ اس کتاب میں اس مرقع سے کچھ واقعات نذر قارئین کئے جا رہے ہیں۔ یہ واقعات اگرچہ بحر تاریخ کے چند قطرات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ لیکن تہذیب انسانی کے ارتقا میں اتنے اہم ہیں کہ اگر یہ واقعات رونما نہ ہوتے تو آج کی تمدنی ترقی کا تصور بھی محال تھا۔

ان اہم واقعات میں سے کچھ انسان کی عظیم سائنسی دریافتوں کے مظہر ہیں اور سادہ سمیے کی ایجاد سے کلوننگ تک کی اہم ایجادات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ کچھ انسان کی انسان کے ہاتھوں ہونے والی تباہیوں یا جنگوں کے امین ہیں اور ہمیں قدیم انسانی معاشروں میں ہونے والی خوریزیوں سے بیسویں صدی میں لڑی جانے والی دو عظیم جنگوں اور ایٹم بم سے ہونیوالی تباہیوں کی خبر دیتے ہیں۔ ان میں سے کئی اور واقعات انسان کی ثقافتی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانی ثقافت کے قدیم ترین نشان یا انسانی تخلیق صلاحیتوں کے اولین نمونے پتھر کے بنے ہوئے حجری دور کے اوزار ہیں۔ ان قدیم فن پاروں سے لے کر جدید زمانے کے بصری فن پاروں اور فلموں جیسے جدید ثقافتی فن پاروں کی تخلیق تک کے بارے میں ہمیں ان واقعات سے بنیادی معلومات حاصل ہوں گی۔

اس کتاب میں پیش کئے جانے والے واقعات میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو شاید آپ کو ہرگز اہم محسوس نہ ہوں مگر یہ اتنے اہم ہیں کہ خود تاریخ ان کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ واقعات انسانی معاشروں میں وجود میں آنے والے رسم و رواج کے متعلق ہیں اور قریباً تاریخ کے معاشروں سے اب تک خاموشی سے رونما ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ انسان کی معاشرتی تاریخ کے یہ واقعات شاید جنگوں اور انقلابوں (انسانی تاریخ کی تمام اہم جنگیں اور انقلاب بھی اس کتاب کا حصہ ہیں) جیسے سسنی خیز تونہ ہوں مگر ان واقعات نے دوسرے اہم واقعات کے ساتھ رونما ہو کر ایک دنیا بدل ڈالی ہے۔

تاریخ عالم کے یہی واقعات انسان کے ماضی کے سات ہزار سالوں میں رونما ہونے والے انقلابات اور تبدیلیوں کے شاہد ہیں اور آئینہ دار بھی۔ انسانی ماضی کے یہ سات ہزار سال جو زمانہ تاریخ کہلاتے ہیں ظاہری نظر میں ایک طویل عرصہ محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان 40 لاکھ سالوں کے تناظر میں دیکھیں جب سے حضرت انسان زمین کے سینے کو روند رہا ہے تو ہمیں یہ طویل عرصہ ایک قلیل مدت لگنے لگے گا۔ اس طویل مدت قیام کے باوجود حضرت انسان اس سیارے پر کئی دوسرے جانداروں کے مقابلے میں ابھی نئے ہیں کیونکہ کرہ زمین پر زندگی کا آغاز انسان کی بجائے ننھے ننھے یک خلیہ

جانداروں سے ہوا تھا اور حضرت انسان ایک طویل ارتقائی عمل کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ لیکن جتنا گہرا اثر انسان کے سینہ زمین پر ثبت کیا ہے کسی اور مخلوق نے نہیں چھوڑا۔ انسان کا اپنے ارد گرد کے ماحول پر یہ اثر انداز ہوتا ہی دراصل ہمارے واقعات کی کہانی ہے۔

اس جلد میں ابتدائے آفرینش کے متعلق ملنے والے جدید سائنسی مفروضات سے لے کر قبل از تاریخ کے زمانے تک اور پھر 5000 ق م سے پیدائش مسیح تک کے اہم تاریخی واقعات کو اکٹھا کرنے کی عاجزانہ سی کوشش کی گئی ہے۔ جو شاید قارئین کو پسند آئے گی۔ اپنی اس کوشش کے سلسلے میں جن شخصیات سے میں نے رہنمائی حاصل کی ان میں مرشد ارشد جناب قبلہ سید مقبول محی الدین گیلانی مدظلہ، جناب مرزا ابن حنیف صاحب مرحوم اور محترم پروفیسر شعبہ تاریخ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی جناب ڈاکٹر خرم قادر صاحب شامل ہیں ان کے علاوہ میں اپنی بیٹی ارم اخلاق کا ممنون ہوں کہ اس نے بڑی محنت سے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور اسے قارئین کے پڑھنے کے قابل بنایا۔

ساتھ ساتھ مجھے اپنے کم مانگی کا اعتراف بھی ہے اور میں اپنے قارئین سے ملتے ہوں کہ کہیں کوئی غلطی نظروں سے گزرے تو تقاضا بشری سمجھتے ہوئے مطلع فرمادیں۔

اخلاق احمد قادری ملتان 7/9/05

ابتدائے آفرینش

خود زمین کی عمر ایک اندازے کے مطابق 4 ارب 60 کروڑ سال ہے۔ ماضی میں پیش کئے گئے نظریوں کے مطابق ابتدا میں ہماری زمین ایک آتشیں گولہ تھی۔ اب یہ نظریات کچھ زیادہ صحیح تسلیم نہیں کئے جاتے۔ ان کی بجائے کچھ جدید نظریات پیش کئے گئے ہیں جن کے مطابق زمین اور نظام شمسی کے دوسرے سیارے خلا میں موجود گیس اور گرد کے ذرات کے سرد پڑ کر ٹھوس ہو جانے سے وجود میں آئے۔ جوں جوں زمین کا مادہ ٹھوس ہوتا گیا اس سے حرارت کافی مقدار میں خارج ہوئی جو کئی قسم کے مادوں کے جوہروں میں ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنی۔ وہ مادے چونکہ تابکار عناصر سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کے جوہروں میں ٹوٹ پھوٹ کا یہ عمل مزید حرارت پیدا کرنے کا سبب بنا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ حرارت ختم ہوتی چلی گئی اور زمین سرد پڑ گئی۔ آج کل زمین بالکل سرد پڑی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اب بھی اس کا سینہ تقریباً 2700°C تک گرم ہے اس حرارت کی مقدار کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ پانی کے کھولنے کا درجہ حرارت صرف 100°C ہے۔

اگر ہم نعت زندگی کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ زمین ہمارے نظام شمسی کا وہ واحد سیارہ ہے جس پر زندگی کا وجود ہے۔ کیونکہ صرف اسی سیارے میں زندگی کے تانے بانے کی بقا کے وہ تمام لوازمات موجود ہیں جو ہم انسانوں اور دیگر انواع کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ زمین کے وجود میں آنے کے تقریباً ایک ارب تیس کروڑ سال بعد اس پر زندگی کی نمود ہوئی جو الگی (Algae) نما پودوں کی شکل میں تھی۔ اس کے تقریباً 2 ارب ستر سال بعد یا آج سے 60 کروڑ سال پہلے زندگی کے دھارے میں انواع کا ایک سیلاب آیا۔ جس سے دائرہ زندگی وسیع ہوتا چلا گیا اور اس میں کئی اقسام کا اضافہ ہوا اور کثیر الخلیہ جاندار وجود میں آئے، لیکن ابھی تک بھی زندگی صرف دو قسم کی بحری مخلوق: سرخندہ دار (Trilobite) اور ڈنکیا (Brachiopod) تک محدود تھی یہ سرخندہ جاندار اب دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں وہ مکڑیوں اور دیگر حشرات الارض کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ڈنکیا اپنی بناؤ میں گھونٹھوں سے مشابہت رکھتے تھے مگر ان کا گھونٹھوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے کئی جاندار آج بھی موجود ہیں۔ زمین پر زندگی کی افزائش کا یہ ابتدائی دور ”کیمبری عہد (Cambrian Period)“ کہلاتا ہے اور قدیم بحری دور کی اولین تقسیم ہے۔ اس عہد سے انسان کے وجود میں آنے تک قدیم بحری دور کی اولین تقسیم ہے۔ اس عہد سے انسان کے وجود میں آنے تک کے عرصہ کو سائنسدانوں نے ارتقائی عہد کہا ہے۔ اور اسے مزید کئی ارضیاتی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں سے یہ ادوار: آرڈوویسی (Ordovician Period)، ڈیوونی (Devonian Period)، کاربونی فیرس (Carboniferous Period)، پرمین (Permian Period) اور جورائی یا جراسی دور (Jurassic Period) ارضیاتی تاریخ میں اہم ہیں۔

آردوئسی دور (Ordovician Period):

آردوئسی دور تک ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جاندار وجود میں نہ آئے تھے۔ اس عہد میں مہرہ دار جاندار جیسے جل تھیلے اور مچھلیاں وجود میں آئیں۔ لیکن صحیح معنی میں مہرہ دار مخلوق ڈیوینی عہد میں جا کر مستحکم ہوئی جو آردوئسی عہد کے آغاز کے تقریباً 10 کروڑ سال سے بعد آیا۔ اسی عہد میں زمین پر ابتدائی قسم کے جوہری پودوں نے تناور درختوں کی شکل اختیار کی جس سے درختوں کے جھنڈ وجود میں آئے جو کمزریوں، کن کھجوروں اور گھونگھوں کی قسم کے کئی قدیم حشرات الارض کی افزائش میں مددگار ثابت ہوئے۔ آردوئسی عہد کی ارضیاتی خصوصیت یہ ہیں کہ اس دور میں شمالی یوریشیا اور شمالی امریکا کا بہت سا حصہ اقطالی سمندروں کے زو میں رہا اور محض زمین کی بلندی کم ہونے کی وجہ سے اسی عہد میں کناڈا کا عمل محدود ہو گیا۔

ڈیوینی دور (Devonian Period):

یہ ارضیاتی زمانے کے اولین حیاتی عہد کا چوتھا دور تھا۔ جب یہ شروع ہوا تو تمام براعظموں کے بیشتر حصے خشک تھے۔ بعد ازاں وسیع رقبے سیلاب کی زد میں آئے۔ اس دور میں مچھلیوں کی صرف دو اقسام تھیں۔ ایک نرمہ مہمپر (Lobefins) دوسری شعاعیہ مہمپر (Rayfins)۔ نرمہ مہمپر مچھلیاں چونکہ خشکی کے جانداروں کی طرح پھینچنے سے رکھتی تھیں اس لئے خشکی پر بھی سانس لے سکتی تھیں جب اس عہد میں جمہیلی خشک ہوئیں تو مچھلیوں کی اس قسم نے اس صورتحال کا بخوبی مقابلہ کیا اور وہ جل تھیلوں میں بدل گئیں۔ زندگی کی یہ نوع آج بھی مینڈکوں اور کئی دوسرے جانداروں کی شکل میں موجود ہے۔ جل تھیلوں کی اہمیت کا اندازہ آپ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ارتقا زندگی کی زنجیر کے ایک سرے پر یہ آتے ہیں جبکہ دوسرے سرے پر خود حضرت انسان ہیں جو دنیا کے سب سے ترقی یافتہ جاندار ہیں۔ نباتاتی زندگی میں اس دور کی نمایاں تبدیلی دیوقامت فرتوں (Ferns) اور فرتن نما درختوں کے جنگلوں کا نمودار ہونا تھا۔ ڈیوینی دور زمین پر پانچ کروڑ سال تک جاری رہا۔

کاربونی فیرس دور (Carboniferous Period):

کاربونی فیرس یا کاربن دار دور مزید دو زمانوں میں منقسم ہے۔ نچلا کاربن دار زمانہ اور بالائی کاربن دار زمانہ۔ یہ دونوں زمانے کل آٹھ کروڑ سال پر محیط ہیں۔ یہ دور حیاتی عہد کا پانچواں دور ہے۔ اس کی خصوصیت معدنی کوئلے کی پیدائش ہے۔ اسی وجہ سے یہ دور ”کاربن را“ یا کاربن دار کہلاتا ہے۔ امریکہ میں اسے مسیپائی اور پنسلونیا کی ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس دور میں پہاڑوں کی تعمیر ہوئی اور آتش فشاں پہاڑوں کی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔ اس دور کی گرم اور مرطوب آب و ہوا اور وسیع دلدلیں نباتات کی بجلت نشوونما میں مدد ثابت ہوئیں۔ یہ نباتات بعد ازاں معدنی کوئلے میں تبدیل ہو گئے۔ جل تھیلوں نے اگلی ارتقائی منزل میں سردخون والے رینگنے والے جانداروں (Reptiles) کی شکل اختیار کی۔ اس دور میں قشری اختلاف بہت بڑے پیمانے پر رونما ہوا۔

پرمیائی دور (Permian Period):

ارضیاتی زمانے کے اولین حیاتی عہد (Paleozoicera) کا چھٹا اور آخری دور پر مین یا پرمیائی دور کہلاتا ہے۔ کاربونی فیرس دور میں سطح زمین میں جو تبدیلیاں شروع ہوئیں وہ اس دور میں جا کر مکمل ہوئیں۔ ان تبدیلیوں یعنی موسم کے سرد ہو جانے اور بے آبی کی شدت سے بعض بحری حیوانات اور نباتات معدوم ہو گئے۔ بے آبی کا ثبوت یہ ہے کہ اس دور میں نمک اور جپسم کے مطروحات وسیع پیمانے پر نشیں ہوئے۔ اس دور کی ابتداء میں شمالی امریکا کے جنوب مغرب میں ایک طویل بحری غرقابی وقوع پذیر ہوئی۔ جس کے ساتھ بالو پتھر اور چونا پتھر 6000 فٹ کی دباؤ تک تہہ نشیں ہو گئے۔ کورڈییری (Cordillerian) رقبہ بھی غرقاب ہوا جہاں سرخ رنگ کی تلچھٹ نشیں ہوئیں۔ بالائی پرمیائی دور میں شمالی امریکہ اس غرقابی سے نکلا اور سطح بحر سے بلند ہو گیا۔ چنانچہ اسی دور میں ایپالیشن (Appalachian) پہاڑ ابھرے۔ نباتی اور حیوانی زندگی پرمیائی دور میں اولین حیاتی عہد Paleozoic Era اور وسطی حیاتی عہد (Mesozoic Era) کی زندگی کے بین بین تھی۔ پرمیائی دور کے بعد وسطی حیاتی عہد کا سہ طبقائی یا ٹرائزک (Triassic) دور شروع ہوا پرمیائی دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بیج والے درخت وجود میں آئے اور اس دور کے آخر تک سرخسخت جاندار معدوم ہو گئے۔

سہ طبقائی دور: Triassic Period

ارضیاتی زمانے کے وسطی حیاتی عہد کا پہلا دور ٹرائسک (Triassic) یا سہ طبقائی دور کہلاتا ہے۔ یہ دور 50 کروڑ سال پہلے سے 42 کروڑ سال پہلے تک یعنی 8 کروڑ سال جاری رہا اسی دور میں زمین پر ایسے جانداروں کا ظہور ہوا جو جلد ہی تمام روئے زمین پر اپنے عظیم اعبادہ ہونے کی وجہ سے چھا گئے۔ یہ تھے مہیب سوسمار یا ڈائنوسار (Dinosaur)۔ ان چھپکلی نما رینگنے والے جانداروں میں سے کچھ بڑی خور تھے اور کچھ گوشت خور۔ گوشت خوروں میں ناقابل فراموش گوشت خور جاندار خوفناک جبری سوسمار (Tyrannosaurus) بھی شامل تھے۔ اسی دور میں دنیا کے پہلے ممالیہ جاندار وجود میں آئے۔ صنوبر کے جنگلات بھی اسی دور میں زمین پر پھیلے۔

جراسی یا جورائی دور: Jurassic Period

ارضیاتی زمانے کے وسطی عہد کا دوسرا دور۔ یہ دور مشرقی فرانس کے سلسلہ کوہ جورا (Jura) کے نام پر جراسی دور (Jurassic Period) کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ کوہ میں اس دور کے متحجرات بکثرت ملے ہیں۔ جراسی دور کی نمایاں حیاتی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ڈائنوسار اپنے عروج کو پہنچے۔ بحری حیات میں ابتدائی قیرماہی یا دہ پایاں قسم کے جاندار وجود میں آئے۔ دیو قاتل رینگنے والے جانداروں سے ارتقائی عمل کے ذریعے دنیا کے سب سے پہلے پرندے آرکیوپٹریکس (Archaeopteryx) وجود میں آئے۔ اس کے ساتھ ہی سمندر، خشکی اور فضا میں خزندوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ نباتی زندگی فرنیٹھی یا تاز (Cycads) مخروط دار درختوں اور شجری فرنوں (Tree Ferns) پر مشتمل تھی۔ یہ دور زمین پر آج سے 36 کروڑ سال پہلے شروع ہوا اور 26 کروڑ سال پہلے تک جاری رہا۔ دوسرے لفظوں میں جراسی عہد 10 کروڑ سال پر محیط

تھا۔ اس عہد میں ممالیہ جاندار بھی ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے مزید ترقی یافتہ ہوئے۔ جرسی دور کے بعد وسطی حیاتی عہد کا تیسرا دور جو اس عہد کا آخری بھی ہے۔ شروع ہوا۔ یہ دور عصر چاکی (Creataceous) کہلاتا ہے اس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس کے آخر میں عظیم الحسبہ سوسمار یا ڈائنوسار چاک ٹاپیدا ہو گئے۔

اگرچہ اس دور سے پہلے ہی ممالیہ جانور وجود میں آچکے تھے مگر ابھی تک انہیں وہ مقام حاصل نہ ہوا تھا جو ان کے لیے مخصوص تھا۔ یہ مقام وسطی حیاتی عہد کے بعد تیسرے اور آخری ارضیاتی زمانے یا نو حیاتی عہد (Cenozoicera) کے مایوسنی (Miocene) دور میں تقریباً سوا پانچ کروڑ سال پہلے افریقہ اور ایشیا میں لنگور کے آباد اجداء نمودار ہوئے جو چھوٹے و ندر نما تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ چگاڑ، بندر، وہیل، کتے اور اسی قبیل کے کئی اور ممالیہ بھی ظہور پذیر ہوئے۔ اس طرح ابتدائی ممالیہ جانوروں نے بہت سی ارتقائی منازل طے کر کے حیوانات ریسہ (Primates) کی شکل اختیار کر لی۔

ماخذ

- (1) 1000 Great Event By Lynnesable
- (2) Encyclopeadia Britanica.
- (3) Encyclopeadia Americana.
- (4) An Encyclopeadia Of World History by William Langer.
- (5) A History of World.
- (6) The Epic of Man By the Editors of Life.

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا۔ تاریخ پاکستان ابتدائی دور تکی امجد۔ قومی انگریزی اردو لغت۔ تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان۔

ارتقاء کی کہانی

یہ تصور کہ زندگی اپنے آغاز سے اب تک پیہم ایک سلسلہ ارتقا میں سفر کر رہی ہے اور ہر لمحہ تبدیل ہو رہی ہے کوئی نیا نہیں اس تصور کو زمانہ قدیم سے مفکرین اور سائنسدان پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ نظریہ ارتقا چارلس ڈارون کی ایجاد نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے سے مفکرین اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے چلے آئے ہیں۔ قدیم یونانی مفکرین میں سے ہیراکلیٹس (Heraclitus) (540 ق م - 480 ق م) اور اناکسی مینڈر (Anaximander) (610 ق م - 546 ق م) نے نظریہ ارتقا کا ابتدائی تصور پیش کیا اور لکھا کہ دنیا کی ہر چیز مسلسل تغیر پذیر ہے اور انسان مچھلی سے ملتی جلتی ایک مخلوق سے ترقی پا کر وجود میں آیا ہے۔

عیسائی دنیا میں سینٹ آگسٹین (354ء - 430ء) نے انجیل مقدس کے تخلیق کے باب کو لغوی مفہوم سے زیادہ علامتی قرار دیا اور تسلیم کیا کہ ابتداء میں جو جیسے تخلیق کئے گئے ہونگے وہ بعد ازاں لازماً ارتقائی عمل سے گزرے ہوں گے۔

دنیا کے اسلام میں اخوان الصفا مسلمان علماء کی پہلی جماعت تھی جس نے (983ء) چوتھی صدی ہجری اسیویں صدی عیسوی میں حیاتیاتی ارتقا کا تصور پیش کیا اور لکھا کہ ارتقا میں حیوانات کی آخری منزل اور انسان کی پہلی منزل ”فرد“ یعنی بندر ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ڈارون اور اخوان الصفا میں کم از کم 950 سال کا زمانہ حائل ہے۔ لیکن دونوں کے نظریہ میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اخوان الصفا دنیا کی سب سے پہلی باقاعدہ انسائیکلو پیڈیا کے موجد بھی تھے۔

مسلم مفکرین میں مولانا جلال الدین رومی (1207ء - 1273ء) نے اپنے کلام میں نظریہ ارتقا کو بڑے زور و شور سے پیش کیا۔

وز جمادی در نباتی اوقاد	آمد اول بہ اقلیم جماد
وز جمادی یادعا ورد از نیرو	سالہ اندر نباتاتی عمر کرو
نامش حال نباتی تیج یاد	وز نباتی چون بخوانی قناد
نامشدا کنوں عاقل ودانا درفت	ہم چنین اقلیم تا اقلیم رفت
در کشید آں خالق کی دناش	باز از حیواں سوئے انسا شش

علامہ اقبال نے اپنے مشہور زمانہ خطبات میں مولانا روم کے تصور ارتقا کو اس طرح دہرایا ہے۔

Is Religion Possibel?

The Formulation of the theory of evolution in the world of
islam brought into being Rumi's tremendous enthusiasm for

biological future of man. No cultured muslim can read such passages as the following without thrill of joy.

نظریہ ارتقا کی تائید میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول بھی آتا ہے جو مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں صفحہ نمبر 45 تا 46 پر نقل کیا ہے۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ۔

میں نے ایک معتبر کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بار کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین حضرت آدم علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل دنیا میں کون تھا؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ”آدم“۔ اس شخص نے تین بار یہ سوال دہرایا اور حضرت علیؑ نے تینوں بار یہی جواب دیا۔ اس پر وہ شخص متعجب ہو کر خاموش ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے جب اس سائل کو متعجب اور خاموش دیکھا تو فرمایا۔ ”اگر تو تیس ہزار مرتبہ مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں ہر بار یہی جواب دیتا۔

ڈارون سے قبل ایک فرانسیسی ماہر حیاتیات و نباتات ژاں پپتست لامارک نے 1809ء میں اپنی کتاب ”فلسفہ حیات“ میں بھی نظریہ ارتقا کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی اور لکھا تھا کہ زندگی اپنی مختلف شکلوں میں ارتقا کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے۔ اس فرانسیسی مفکر کے بعد چارلس ڈارون نے اس نظریہ کو انقلابی شکل دی اور اپنی کتاب ”انواع“ میں 1859ء میں پیش کیا۔ ڈارون ہی کے زمانے میں ایک اور شخص الفریڈ ویلس نے 1858ء میں اپنے طور پر ارتقا کی حقیقت کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہزاروں سائنس دانوں نے مختلف شعبہ ہائے سائنس میں کام کرتے ہوئے ایسی بے شمار حقیقتوں کو دریافت کیا ہے جن سے نظریہ ارتقا کی تصدیق ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک نظریہ ارتقا قطعاً ایک سائنسی حقیقت نہیں ہے یہ صرف ایک نظریہ تھا جو سائنسی اعتبار سے غلط بھی ثابت ہو چکا ہے۔

زمین پر زندگی کا آغاز تقریباً ساڑھے تین ارب سال پہلے ہوا تھا۔ ابتدائی زندگی ایک خلوی اور الجی کی شکل میں تھی۔ زندگی کی اس پہلی صنف میں نباتاتی اور حیوانی خصوصیات دونوں شامل تھیں۔ نباتات اور حیوانات کی علیحدگی کا آغاز آج سے تقریباً ایک ارب سال پہلے ہوا۔ لیکن اس وقت تک بھی زندگی نباتات اور حیوانات دونوں ہی میں یک خلیہ تھی اور ابھی خشکی پر نہیں آئی تھی۔ زندگی کے دھارے میں ارتقا کا عمل کیسے شروع ہوا یہ ابھی تک سر بستہ راز ہے۔ ابھی تک زمین پر جو بحر ات پائے گئے ہیں وہ ارتقائی عمل شروع ہونے کے بہت بعد کے ہیں۔ ایک خلیہ جانداروں میں پہلی ارتقائی تبدیلی یہ ہوئی کہ وہ کثیر الخلیہ جانداروں میں بدل گئے۔ اس عمل کا زمانہ ساڑھے کروڑ سال پہلے کا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد کے زمانے میں سہ خلیہ جاندار تین پرتوں والے جانداروں میں بدلے جس کے باعث پہلی بار ان میں سر اور دم کا فرق ظاہر ہوا تیسری ارتقائی منزل میں لکڑوں میں منقسم جسم و وجود میں آئے ان جانداروں میں کچھ اندر کا حصہ کھوکھلا تھا۔ ان خصوصیات کے نتیجے میں جوڑ دار کیڑے پیدا ہوئے۔ ایسے کیڑوں کا نمائندہ کینچوا آج بھی موجود ہے۔ ان خصوصیات کے نتیجے میں بے ریڑھ اور ریڑھ دار جانوروں کا جسمانی نظام وجود میں آیا۔

چوتھی بڑی ترقی کے ساتھ بہت سے بے ریڑھ جاندار وجود میں آئے۔ جن میں سمندری حشرات اور بہت سے خشکی کے کیڑے مکوڑے تھے جو لال بیگ کے مماثل تھے۔ اس کے بعد بھوزے اور تلیاں پیدا ہوئے۔ اسی دور میں نباتاتی حیات میں پھولدار پودے وجود میں آئے۔

آج سے پچاس کروڑ سال پہلے ریڑھ دار جانور وجود میں آئے یہ اس وقت کے جانداروں میں سب سے ترقی یافتہ قسم کے جاندار تھے۔ دنیا کا سب سے پہلا ریڑھ دار جانور جڑے کے بغیر والی مچھلیاں تھیں۔ ریڑھ دار جانوروں میں عمل ارتقا کے ذریعے ایسے جانور پیدا ہوئے جو پانی اور خشکی دونوں پر رہ سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا، یہ جاندار جل تھیلے کہلاتے ہیں۔ ان جانداروں میں گھمڑوں کی بجائے پچھڑے نشوونما پاگئے جن سے یہ جاندار خشکی پر سانس لینے کے قابل ہو گئے۔ جل تھیلوں کے وجود میں آنے کا زمانہ 40 کروڑ سال پرانا ہے۔

چونکہ بنیادی طور پر یہ پانی کے جانور تھے لہذا یہ خشکی پر ریگ کر چلتے تھے۔ ایک اور انقلابی تبدیلی یہ آئی کہ انہوں نے خشکی پر اٹھنے دینے شروع کر دیئے اور مکمل طور پر خشکی کے جاندار بن گئے۔ چونکہ ان ریگنے والے جانداروں کا خون سرد ہوتا جیسا کہ آج بھی اسی صنف کے جانداروں کا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں زندہ رہنے کے لئے سردی سے جنگ لڑنا پڑی جس کے نتیجے میں گرم خون رکھنے والے جاندار وجود میں آئے۔ ان جانداروں میں ایک طرف تو پرندے تھے جو اپنے اجداد کی طرح اٹھ دیتے تھے۔ جب کہ گرم خون رکھنے والے جاندار میں ایک اور قسم دودھ دینے والے (مالیہ) جانداروں کی پیدائش ہوئی جو ترقی کر کے آج سے چار کروڑ سال پہلے ”ماقبل مانس“ کی شکل اختیار کر گئے۔ اس مخلوق کے 34 دانت تھے۔ یہ ترقی کر کے مانس نما مخلوق بنی جسے دو طرفہ مانس (Amphipithecus) کہتے ہیں۔ اس مخلوق کے جڑوں کا چھوٹا سا حصہ برما سے ملا ہے۔

آج سے تقریباً 3 کروڑ چالیس لاکھ سال پہلے سے دو کروڑ پچاس لاکھ سال پہلے کے زمانے میں قدیم بندر اور انتہائی قدیم انسان کا ظہور ہوا۔ ان سے خیف مانس (Oligopithecus) وجود میں آیا اسی کے دانت مانس اور انسان کی طرح 32 تھے۔

خیف مانس سے براہ راست بندر پیدا ہوا یہ آج کے بندر کا جد امجد تھا۔ اس جانور کے خجرات مصر میں قاہرہ کے جنوب مغرب میں ایک مقام ”فایوم“ سے ملے ہیں۔ فایوم ہی سے ایک اور قدیم مانس کے خجرات بھی ملے ہیں۔ اس کو ”ماقبل زائد مانس“ (Propili-optihecus) کا نام دیا گیا۔ یہ نسل پہلے پہلے گن کے شجرہ نسب میں رکھی گئی۔ لیکن بعد کی تحقیقات نے اس بات کا امکان پیدا کر دیا کہ شاید یہ خود انسان کے شجرہ نسب میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہ جاندار بھی چوپایہ نما تھا۔ آج سے تقریباً دو کروڑ پچاس لاکھ سال قبل مالیہ جانداروں کی دنیا میں زبردست ارتقائی انقلاب آیا اور بڑے بڑے قد و قامت کے مالیہ جاندار دنیا بھر میں پھیل گئے۔ انہیں میں مشہور دیو قامت مانس ڈرائیو پتھے کس بھی شامل تھا۔ اس جاندار کے متحجر ڈھانچے فرانس (1856ء) اور مشرقی افریقہ سے ملے ہیں۔ اسی عہد کے انسان نما مانس (Anthropoidape) کو انسان کا نسلی پیش رو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی انسان نما مانس ارتقا کے مراحل سے گذر کر مختلف خارجی حالات کے تحت دو شکلوں میں منقسم ہوا۔ ایک وہ جو موجودہ انسان تک پہنچی اور دوسری وہ جو موجودہ مانس کی ہے۔ اس شکل میں آج کل گن، چمپانزی، گوریل اور نگ اتان زندہ ہیں۔

اولین انسان؟

اگرچہ اب تک صحیح معنوں میں سائنس نے یہ مسئلہ حل نہیں کیا کہ نسل آدم، نسل مانس سے کب علیحدہ ہوئی۔ سائنسدانوں نے جو مفروضے قائم کئے ہیں ان کے مطابق دو کروڑ سے پچاس لاکھ سال پہلے انسان کی نسل مانس سے علیحدہ ہوئی تھی۔ نسل انسانی کا پہلا رکن ”رام مانس (Ramapithecus)“ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ رام مانس آج سے تقریباً 2 کروڑ اسی لاکھ پہلے اسی زمین پر موجود تھا۔

ماہرین کے نزدیک اس کا قد 1.01 میٹر یا 1.02 میٹر اور وزن 40 پونڈ تھا یہ ایک نیم ایستادہ مانس تھا۔ اس کی یہ نیم ایستادگی جانوروں کی دنیا میں پہلی کیفیت تھی۔ یہی تبدیلی نسل انسانی کے آغاز کا سبب تسلیم کی گئی ہے۔ اس مانس کے تجر بھارت، چین، کینیا اور پاکستان میں ملے ہیں۔ اس کے بعد طویل عرصے تک نوع انسانی میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ پہلے انسانی رکن کی آمد کے تقریباً دو کروڑ 40 لاکھ سال بعد نسل انسانی کے دوسرے اہم رکن آسٹریلو پیچی کس یا جنوبی مانس کا ظہور ہوا۔ اس کی تین قسمیں تھیں وہ نازک اندام جنوبی مانس، افریقی جنوبی مانس اور گرائڈیل جنوبی مانس ان تینوں اقسام کے تجر زیادہ تر جنوبی افریقہ سے ملے ہیں۔ اسی انسانی رکن سے مکمل ایستادہ آدمی (Homo erectus) وجود میں آیا۔ ایستادہ آدمی کے تجر ات بیلنگ اور جادا سے ملے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث اس ایستادہ آدمی نے درختوں پر رہنا ترک کر دیا اور زمین پر بنے لگا۔ اول اول خوراک کی فراہمی کے لئے اس نے مجبوراً اوزاروں کا استعمال شروع کیا۔ اسی استعمال نے اسے راغب کیا کہ وہ ہاتھوں کو چلنے کے لئے استعمال نہ کرے چونکہ پاؤں پر چلنا اس کے رجحان میں تھا۔ اسی رجحان نے اسے چوپائے سے دو پائے میں تبدیل کر دیا۔ اوزاروں کے استعمال نے اس کے دماغ کو ترقی دی اور اس کے اوزار بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔ زیادہ ترقی یافتہ اوزاروں نے اس کے ذہن کو مزید جلا بخشی۔ دماغی ترقی نے اسے جلد ہی اشرف المخلوقات بنادیا۔

لیکن اشرف المخلوقات بننے کے لئے اسے مزید ارتقائی مراحل سے گذرنا پڑا ایستادہ آدمی کے بعد آنے والی تمام انسانی نسلیں باشعور آدمی (Homo sapiens) کی تعریف میں آتی ہیں۔ اس میں اولین باشعور اقسام سے لے کر زیادہ ترقی یافتہ اقسام یعنی نیڈر تھل انسان (Neanderthal) اور کرومیکان آدمی (Cromagnon Man) تک سب شامل ہیں۔ اس طرح باشعور آدمی کی جسمانی خصوصیات ایستادہ آدمی سے کہیں بہتر ہوتی چلی گئیں۔

نیڈر تھل آدمی:

باشعور آدمی کا زمانہ تقریباً چھ سات لاکھ سال قبل سے لے کر پندرہ ہزار سال قبل تک پھیلا ہوا ہے اور قدیم تجری دور (Apleolithic) کے دامن میں سمٹا ہوا ہے۔ باشعور آدمی کے مختلف علاقوں سے ملنے والے تجر ات کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کی مشہور ترین قسم جو باشعور آدمی کے عہد کے درمیانی زمانے سے تعلق رکھتی ہے ”نیڈر تھل“ آدمی کہلاتی

ہے۔ اس کی نسبت جرمنی کی ایک وادی فی اینڈر سے ہے جو ڈسٹ ڈارف کے قریب واقع ہے۔ اس وادی سے سب سے پہلے انسان کے چودہ تجر ات دریافت ہوئے تھے۔ اور بعد ازاں دنیا کے دوسرے علاقوں سے بھی اس انسان کے اعضا دریافت ہوئے مگر اس خاص انسان کا نام پہلے مڈن کی وجہ سے فی اینڈر تھل رکھ دیا گیا۔ فی اینڈر تھل انسان بنیادی طور پر شکاری تھا۔

یہ انسان زمین پر برف کے آخری زمانے سے ذرا پہلے نمودار ہوا تھا۔ اس کا زمانہ ایک لاکھ دس ہزار سال قبل سے لے کر 35 ہزار سال قبل تک ثابت ہوا ہے۔ تقریباً پچھتر ہزار سال پہلے یہ لوگ پورے یورپ پر چھا گئے۔ ان کے تجر ات نہ صرف جرمنی بلکہ چیکو سلواکیہ، فرانس اور اطالی سے بھی ملے ہیں۔ فی اینڈر تھل آدمی نے یورپ میں بنی اوزار سازی کو جنم دیا اسے ماؤنٹینین اوزاری صنعت کا نام دیا گیا ہے۔ یہ لوگ غاروں میں رہتے تھے تاہم کئی مقامات پر ان کے جھکیوں میں رہنے کے ثبوت بھی ملے ہیں۔

فی اینڈر تھل انسان آگ کے استعمال سے واقف تھا اور آگ جلانے کے طریقوں سے آگاہ بھی تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے غاروں کے فرش پر آتش دان کھود کر بنانے کے قابل ہو چکا تھا۔

روس میں کئی مقام پر فی اینڈر تھل آدمی کے رہائشی غاروں اور مکانات میں اس قسم کے آتش دان دریافت ہوئے ہیں۔ فی اینڈر تھل آدمی کی سب سے اعلیٰ صفت یہ تھی کہ وہ سماجی شعور رکھتا تھا۔ اسے دوسرے انسانوں سے پیار تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ قبریں ہیں جن میں نیڈر تھل آدمی اپنے ساتھیوں کو دفن کرتا تھا۔ ان قبروں سے اوزاروں اور کھانے پینے کے سامان کی دریافت نے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ نیڈر تھل انسان یہ سمجھتا تھا کہ اس کے یہ ساتھی جب کل اس دماغی نیند سے اٹھیں گے تو انہیں اوزاروں اور کھانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ سماجی حیثیت میں فی اینڈر تھل معاشرے میں تخلیق اور بچوں کی پرواخت کی ذمہ داریاں ماں پر ہونے کی وجہ سے ماں کو یعنی عورت کو برتری حاصل تھی۔ اس معاشرے میں خوراک اور دیگر ضروریات شکار سے پوری کی جاتیں تھیں۔ یہ صورت حال قدیم تجری دور کے آخر تک جاری رہی۔ جدید تجری دور (Neolithic) میں کاشتکاری کا آغاز ہوا۔

کرومیکان آدمی:

فرانس کے ایک مقام لے آسزی (Leseyzeis) سے ایک نئی شاہراہ کی تعمیر کے دوران 1868ء میں زمانہ قبل از تاریخ کے چار انسانی تجر ات دریافت ہوئے تھے۔ یہ تجر ات جس غار سے دریافت ہوئے تھے اس کا نام کرومیکان (Cromagnon) تھا۔ اسی وجہ سے یہاں سے ملنے والی باقیات کے مالک انسان کو کرومیکان آدمی کا نام دیا گیا۔ اس آدمی کو ایک خاص انسانی نسل کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ جو قدیم تجری دور (Paleolithic) کے آخر میں جنوب مغربی یورپ میں آباد تھی۔ اس نسل انسانی کو جدید یورپی انسان کا سب سے قریبی رشتہ دار سمجھا جاتا ہے۔ کرومیکان آدمی کے بنائے ہوئے پتھر اور ہڈی کے اوزاروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص توڑ پھوڑ سے بنائے گئے اوزار نہیں بلکہ یہ باقاعدہ طور پر تیار کئے گئے تھے۔ اس بات سے کرومیکان آدمی کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اگرچہ کریمیکان انسان زیادہ تر غاروں میں رہتے تھے لیکن اس بات کے ثبوت بھی ملے ہیں کہ یہ لوگ خود گھر بنا کر بھی رہتے تھے۔ یہ خود ساختہ گھر بھی پہاڑی چٹانوں کے ساتھ مزید پتھر جوڑ کر، مصنوعی دیواریں بنا کر تعمیر کئے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے ان گھروں میں مستقل رہائش رکھتے تھے اور باوجود شکاری ہونے کے یہ لوگ خانہ بدوش نہ تھے۔ البتہ ان کے گزر اوقات شکاری پر تھی۔ اس لئے جس علاقے میں شکار ناپیدا ہو جاتا ہوگا تو اس علاقے سے چلے جانا شاید ان کے لئے ضروری بھی ہوتا ہو۔

یہ لوگ فی اینڈر تھل نسل سے ذہنی فکر اور ثقافت میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ ان کی ٹیکنالوجی اور آرٹ بھی تمام قدیم نسلوں سے بہتر تھا۔ کریمیکان انسانوں کی سچائی ہوئی ستر غاریں صرف فرانس سے ملی ہیں ان کا زمانہ تحقیق 2800 ق م سے 10000 ق م سمجھا جاتا ہے ان غاروں میں چھت اور دیواروں پر نہ صرف تصویریں بنی ہوئیں ہیں بلکہ مہبت کاری اور کندہ کاری کے ساتھ ساتھ مجسمہ سازی کے نمونے بھی موجود ہیں۔

نسلاً کریمیکان آدمی فی اینڈر تھل کا تسلسل تھا۔ اس کا زمانہ ماہرین نے 35 ہزار سال قبل سے دس ہزار سال قبل کا خیال کیا ہے۔ انسٹیٹیوٹ ڈی امریکا کے مطابق یہ لوگ مشرق وسطیٰ سے یورپ پہنچے تھے۔ ماہرین نے کریمیکان آدمی کو نوع انسانی کا پہلا مصور اور سنگتراش قرار دیا ہے۔ اس آدمی کے فن پارے فرانس کی لے آزی اور فونت دوگام غاروں سے لے کر ایتھین کی اتمیرہ غاروں اور روس میں ساہیریا کی غاروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان فن پاروں میں ”براس پائی کی وینس“ کا مجسمہ، ہنہنٹے گھوڑے کے سر ”کا مجسمہ جو آری ایج (فرانس) سے دریافت ہوا ہے قابل ذکر ہیں۔

کریمیکان کے مرحلے پر آ کر ایسا لگتا ہے کہ نوع انسانی کا جسمانی ارتقا بھی ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گیا ہے جہاں سے آگے ذہنی، فکری اور سماجی ارتقا کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس مقام پر پہنچ کر انسان کا جسمانی ارتقا اپنی انتہا کو پہنچا اور سماجی و فکری ارتقا کی ابتداء ہوئی۔

کراہ ارض کی براعظمی تقسیم اور نسل انسانی:

ماہرین ارضیات کے مطابق ابتداء میں زمین پر الگ الگ براعظموں کی بجائے خشکی کا ایک ہی بڑا سا قطعہ تھا جو ایک بڑے براعظم (Supercontinent) کی شکل رکھتا تھا۔ ارضیات کے ماہرین نے اسے (Pangea) کا نام دیا ہے۔ تقریباً 40 کروڑ سال پہلے یہ بڑا براعظم ٹوٹ کر دو حصوں شمالی اور جنوبی میں منقسم ہوا۔ شمالی حصے کا نام ”انگارہ لینڈیا (Laurasia) تھا۔ جبکہ جنوبی حصے کا نام ”گونڈوانا لینڈ (Gondwanaland) تھا۔ بعد ازاں گونڈوانا لینڈ بھی ٹوٹ کر جنوبی امریکہ، افریقہ، انڈونیشیا، آسٹریلیا اور برصغیر پاک و ہند میں تقسیم ہو گیا۔ لاراشیا یا انگارہ لینڈ، یوریشیا اور، شمالی امریکا پر مشتمل تھا وہ بھی ٹوٹنے کے بعد۔ ان علاقوں میں سا بٹ گیا اور رفتہ رفتہ موجودہ حالت کو پہنچا۔ وسطی حیاتی دور (Mesozoic Era) کے اختتام تک برصغیر پاک و ہند کی جگہ ایک گہرا سمندر تھا جس کا نام ٹی تھس (Tethys) تھا۔ نئے حیاتی دور (Cenozoic Era) میں یہ سمندر پیاب ہوا اس کا ثبوت ہمالیہ کی چوٹیوں سے ٹھیلیوں کا ملنا ہے اس کے علاوہ چرال کی پہاڑیوں سے ایک بڑی ذیل کا حجر ڈھانچا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ یہ علاقہ کبھی زیر آب تھا۔ کراہ ارض کی

اس جغرافیائی تقسیم نے نوع انسانی کی مختلف نسلوں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

آغاز میں نوع انسانی صرف دو نسلوں میں منقسم تھی۔ (1) بنیادی یوریشیائی (یورو پاؤنڈ)۔ (2) منگولیائی۔ بعد میں یہ دو نسلیں پانچ بڑی نسلوں میں تقسیم ہو گئیں۔ یہی پانچ بڑی نسلیں پانچ بنیادی نسلیں کہلائیں۔

(1)۔ منگول: دنیا کی وسیع ترین انسانی نسل جو ایشیا میں مقیم تھی۔

(2)۔ کاکیشیائی: مغربی ایشیائی نسل۔

(3)۔ نیگرو: جنوبی افریقی نسل۔

(4)۔ آسٹریلیائی: آسٹریلیا، جاپا اور یورنیو میں آباد نسل۔

(5)۔ کاپ: براعظم افریقہ میں مقیم۔

بنیادی طور پر مختلف جغرافیائی حالات جو زمین کے مختلف خطوں میں پائے گئے ان خطوں میں انسانوں کے مستقل آباد ہونے کے بعد انسانی نسلوں کی مزید تقسیم کا باعث بنے۔ انسانی کی پانچ بنیادی نسلیں ضمناً آگے کی نسلوں میں بٹ گئیں۔ انسانی نسلوں کے اس پھیلاؤ میں مزید ہزاروں سال لگے۔ ہزاروں سال میں پیدا ہونے والے یہ نسلی فرق صرف ظاہری اور جسمانی ہیں۔ انکا انسان کی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں یا اس کی برتری اور کمتری سے کوئی تعلق نہیں۔ نسلی تقاریر اور غرور بعد میں سماج کی زیادہ ترقی کے باعث ظہور پذیر ہوئے۔ مرور زمانہ اور باہمی اختلاط سے جوئی نئی قومیں اور نسلیں وجود میں آئیں ان کی زبانیں بھی الگ الگ بنی چلی گئیں۔ لسانیات کے ماہرین نے دنیا بھر کی ان زبانوں کا جائزہ لے کر ان کے مختلف خاندان بنادیے ہیں۔ ان میں سے ایک خاندان آریائی یا انڈو یورپین زبانوں کا ہے۔ ان زبانوں کی ماں پانچ ہزار ق م میں وسطی ایشیاء کے میدانوں میں بسنے والے قبائل کی ابتدائی زبان سمجھی جاتی ہے۔ اس کی شاخیں فارسی، پہلوی، سنسکرت اور اس سے نکلی ہوئی تمام ہندوستانی زبانیں، لاطینی زبان، جرمن، فرانسیسی، روسی، انگریزی، ہسپانوی، اطالوی، آرمینی وغیرہ ہیں۔ ان زبانوں کے بہت سے ابتدائی الفاظ و اسماء باہم ملتے جلتے ہیں اور پتہ دیتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں انسانی زبانوں کا ایک اور خاندان سامی کہلاتا ہے۔ اس میں عبرانی، عربی، لیبی، سینیوی، قدیم آشوری، قدیم شامی، عبری اور دراوڑی زبانیں شامل ہیں۔ تیسرا خاندان حابی زبانوں کا سمجھا جاتا ہے۔ اس میں قدیم مصری، قبطی، جزائری، ایتھوپین کی زبان، بربری اور ایتھوپین شامل ہیں۔ چوتھا خاندان منگول زبانوں پر مشتمل ہے۔ اس میں یورالی، ارکٹکسی، لپچی، فنی، میگار، ترکی مانچوئی اور منگولی شامل ہیں۔ اسی کی ایک شاخ چینی اور بری اور سلیمی پر مشتمل ہے جبکہ ایک دوسری شاخ میں قدیمی امریکی اور اسکیمو زبانیں شامل ہیں۔

ماخذ

(1) Encyclopaedia Britannica Vol:9. (2) Encyclopaedia Americana Vol:23.

(3) The Time, World History. (4) History of World Civilization.

انسان بڑا کیسے بنا۔ مکمل اٹلین اور لیبیا سیکال اردو ترجمہ مکتبہ دانیال کراچی۔۔۔ تاریخ پاکستان قدیم دور از کجی امجد۔ سائنسی دریافتیں از آفتاب حسن۔۔۔ آدم اور آدمی از سید قائم محمود۔۔۔ انسٹیٹیوٹ ڈی معلومات مکتبہ شاہکار۔

جانے پر آگ کا شعلہ نکلتا دیکھا۔ اور پھر یوں اسے پتھر یا دیگر خشک اشیاء کو آپس میں رگڑ کر آگ جلانے کا طریقہ آگیا اور وہ آگ جلانے میں خود کفیل ہو گیا۔

اس دور سے آگ انسانی تہذیب کے ارتقا میں انسان کی ہمسفر رہی اور اس نے انسانی تہذیب کی ارتقائی منزلوں میں اہم کردار ادا کیا۔ دس ہزار سال قبل از مسیح سے آج تک انسانی تہذیب و معاشرت کے ارتقا میں آگ مختلف حیثیتوں سے انسانی خدمت کرتی رہی ہے۔ اشیاء گرم رکھنے، کھانا پکانے، روشنی کرنے، کپے برتنوں اور کچی اینٹوں کو پکانے، دھات سازی، کارخانوں اور جدید ذرائع نقل و حمل کے چلانے سے لے کر جوہری توانائی کے استعمال تک آگ ہی انسان کا ایک بنیادی ذریعہ رہی ہے۔

زمین پر آخری برفانی عہد:

زمین کی ارضیاتی تاریخ میں برفانی دور اس زمانے کو کہتے ہیں جب زمین وقفے وقفے سے برف سے ڈھکی رہی۔ ماہرین ارضیات کے مطابق زمین ماضی میں ایسے کئی ادوار سے بار بار گزری ہے۔ یہ برفانی ادوار لاکھوں سال پر محیط ہیں۔ زمین پر قدیم ترین برفانی دور ماقبل کیسبرین زمانے (Precambrian Time) میں تقریباً ایک ارب 60 لاکھ سال پہلے شروع ہوا تھا۔ دوسرا اہم برفانی دور کیسبرین یا اولین حیاتی زمانے میں تقریباً ایک ارب بیس لاکھ سال پہلے آیا۔ ایک اور اہم برفانی دور کاربن دار دور (Carboniferouse) اور پرمیائی دور (Permain Period) میں تقریباً 7 لاکھ سال سے 35 کروڑ سال پہلے کا لگا ہے۔

سب سے آخری برفانی دور وسطی حیاتی عہد (Pleistocene Epoch) میں تقریباً 25 لاکھ قبل از مسیح میں شروع ہو کر 10000 ق م تک جاری رہا۔ اسی قریب ترین برفانی دور کے بارے میں سائنسدانوں کو تجربات اور کئی دوسرے آثار سے مکمل طبی اور موسمی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

علم طبقات الارض کے ماہرین نے پہاڑوں کی چٹانوں، گلیشئروں کی بنائی ہوئی گھاٹیوں، خط طبع کے آثاروں اور دیگر طبی آثاروں سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تیس ہزار قبل از مسیح سے بیس ہزار قبل از مسیح تک کے زمانے میں نصف کرہ شمالی کے بالائی حصے میں بڑی شدت سے برف باری ہوتی رہی جس کے دوران نہ صرف اونچے پہاڑوں کا خط طبع اپنی موجودہ سطح سے دو ہزار فٹ نیچے آگیا بلکہ یورپ، ایشیاء اور امریکہ کے شمالی علاقے مکمل طور پر برف کی ایک مستقل چادر کے نیچے دب گئے۔ برف کی ندیاں یا گلیشیر اپنے مقام سے ہزاروں فٹ نیچے تک بہنے لگے۔ برف کی چادر قطب شمالی سے لے کر شمالی جزئی، وسطی روس اور ساحل بحرہ کے جنوب میں منگولیا اور صحرائے گوبی تک پھیلی ہوئی تھی۔ پامیر اور تبت کی بلند سر زمین بھی برف سے ڈھک گئی۔ اس برفانی اور سرد موسم کے نتیجے میں صحرائے عرب اور صحرائے اعظم کے وسیع و عریض میدان سرسبز ہو گئے اور وہاں سبزہ خرم دار جانوروں کی متعدد اقسام پرورش پانگئیں۔

بچیس ہزار سال قبل از مسیح کے قریب یہ برفانی دور اپنی انتہا کو پہنچا۔ اس کے بعد اس کی شدت میں بتدریج کمی ہونے لگی۔ بیس ہزار سال قبل از مسیح تک تمام پہاڑوں کا خط طبع اپنے اصل مقام پر واپس آگیا۔ گلیشیر جو پہاڑوں کے دامنوں تک

آگ کا استعمال

تاریخ کی انتہائی اہم دریافتوں میں سے ایک آگ کی دریافت اور اس کا استعمال ہے، لیکن یہ ان چند اہم ایجادات اور دریافتوں میں شامل ہے جو پتھر کے زمانے کے انسان نے زمانہ قبل از تاریخ میں کی تھیں۔ علم الانسان (Anthropology) کے ماہر کارلٹن کون (Carleton Coon) کے مطابق آگ کے استعمال کی دریافت نے ہی انسان اور دوسرے حیوانات میں اولین امتیاز پیدا کیا تھا۔ آگ ہی انسان کی دریافت کا وہ پہلا منبع قوت ہے جسے اگرچہ قدرت نے اس کے جسم کے اندر تو پیدا نہیں کیا لیکن جو اس کے لئے ابتداء آفرینش سے آج تک بے حد کارآمد ہے۔ یہ آگ ہی تھی جس نے آخری برفانی دور میں انسان کی بقا کو یقینی بنایا اور اس کے غار گرم رکھے۔ اور یہ آگ ہی ہے جو آج بھی انسان کی بہت سی اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔ آج کی بہت سی اجتماعی ایجادات اس کی مرہون ہیں۔

آگ کے استعمال نے ابتدا میں انسان کو بطور شکاری نمایاں مقام عطا کیا۔ کیونکہ دوسرے جاندار آگ سے بری طرح خوفزدہ ہو جاتے تھے آگ کی اسی خصوصیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پتھر کے دور کے انسان نے مشطیں بنا کر اپنے شکار کو ہراسا کیا۔ پھر آگ کا ایک اور مفید استعمال دریافت ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ یہ تھا آگ پر کھانا پکانا۔ قدیم حجری دور میں انسان کو آگ پہاڑوں کی آتش فشاں سے حاصل ہوتی تھی یا پھر جنگلوں میں آسانی بجلی سے لگ جانے والی قدرتی آگ سے۔

اسی زمانے میں انسان کی زندگی میں وہ فیصلہ کن لمحہ آیا جب کسی نڈر انسان نے آگ سے اپنے ساتھیوں اور دوسرے جانداروں کی طرح ڈر کر بھاگنے کی بجائے اس پر قابو پانے کا فیصلہ کیا۔ جلتی ہوئی کوئی شاخ یا کئی اور چیز ہاتھ میں لینے کے بعد اسے یہ پتہ چلا کہ اگر اس کے شعلوں اور چنگاروں کو انگلیوں سے نہ چھوا جائے تو یہ انسان کو کوئی گزند نہیں پہنچاتی۔ اسی طرح آگ کے شعلوں کو مسلسل روشن رکھنے کا راز بھی انسان کو جلد ہی معلوم ہو گیا اور وہ اپنے غار سے گرم اور روشن رکھنے لگا۔

مندرجہ بالا قیاس اور علم آثار کی بے شمار شہادتوں کے باوجود اس راز کا علم کسی ماہر کو نہیں ہوسکا کہ انسان نے کب اور کہاں آگ کا استعمال شروع کیا تھا؟ آگ کے استعمال کی قدیم ترین شہادت شمالی چین (Choukoutien) نامی غار سے ملی ہے۔ اس غار سے ملنے والے ابتدائی انسان کے چوہے اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ آج سے 10 لاکھ سال پہلے ”پینگینگ کے انسان“ نے اپنے کم تر دماغ کے باوجود اپنے سرد شمالی ماحول میں خود کو آگ سے گرم رکھنا سیکھ لیا تھا۔ ”پینگینگ کے انسان“ کے یہ قدیم چوہے اور کئی اور تجربات 1927 سے 1936 کے درمیانی زمانے میں فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ”فادرٹیل ہارڈ کارڈین (Father Teilhard Chardin) نے دریافت کئے تھے۔

اس کے بعد کے زمانے میں جب انسان چھتاق پتھر لے کر بیٹھا تو اس نے اس کے دوسرے پتھر کے ساتھ رگڑے

اتر آئے تھے کھیلنے لگے۔ برف کے کھیلنے سے دریا، نالے، ندیاں، جھیلیں اور دلدلی علاقے وجود میں آ گئے۔ موسم خوشگوار ہوتا چلا گیا اور مختلف انواع زندگی پرورش پانے لگیں۔ بحرا کابل سے بحرا قناتوں تک سرسبز میدانوں کی ایک مسلسل قطار وجود میں آ گئی۔ اس طرح شمالی نصف کرے کا موسم جنوبی نصف سے زیادہ خوشگوار ہو گیا۔ جو اس کرے میں انسانوں کے آباد ہونے کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ اسی دور میں انسانوں کے گروہ براعظم افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے علاقے سے شمالی افریقہ کی راہ یورپ میں داخل ہوئے۔ یہی لوگ کرومیکائن نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ کرومیکائن شکاری تھے اور تصویریں بنانے کے ماہر بھی۔ آثاری شہادتوں کے مطابق یہ لوگ وسطی یورپ اور شمالی یورپ کے برفانی علاقوں کو چھوڑ کر تمام سرسبز میدانوں میں پھیل گئے۔ ادھر ایشیاء میں بھی برفانی دور کے خاتمے کے بعد شکار کے جانوروں کی بہتات کی وجہ سے شکاری انسانوں کی کئی لہریں مغربی ایشیاء کے اٹھ کر ترکستان اور سائبیریا کی چراگاہوں کو کھنگالتے ہوئے براعظم ایشیاء کے شمالی مشرقی کونے آبنائے ہیرنگ تک جا پہنچیں۔

ایشیاء کا یہ علاقہ ان دونوں شمالی امریکہ کے شمالی مغربی کونے الاسکا سے ملا ہوا تھا۔ اسی راستے انسانوں کے بعض گروہ اور ٹولیاں سرزمین امریکہ میں داخل ہوئیں۔ جو بعد ازاں پورے براعظم میں پھیل گئے۔ اسی دور میں شکاری انسانوں کی بعض ٹولیاں جنوبی ایران کے راستے بلوچستان اور سندھ کے میدانوں سے ہوتی ہوئی سرزمین ہندوستان میں وارد ہوئیں۔ لیکن قطعی اثاری عدم موجودگی کی وجہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ ان طالع آزمائے انسانوں کی جمیعتیں براعظم ایشیاء کے اور کن کن ملکوں میں داخل ہوئیں۔

زرعی انقلاب:

انسانی گروہوں یا قبیلوں کو سب سے پہلے جس چیز نے کسی ایک جگہ رہنے اور خانہ بدوشی ترک کرنے پر مجبور کیا وہ کسی خطے کے خورد و پودوں سے اناج حاصل کرنے کی دریافت تھی۔ اسی دریافت نے کسی خطہ میں انسان کے کنبوں کو اپنا مستقل مسکن بنانے کے لئے آمادہ کیا۔ شکار کا گوشت اور قدرتی پھل ذخیرہ کرنے کی چیزیں نہیں تھیں وہ جلد گھل مڑ کر خراب ہو جاتیں تھیں۔ ان کے مقابلے میں اناج ایک ایسی چیز تھی جو ایک خاص موسم میں ذخیرہ کر کے پورا سال کام آ سکتی تھی۔ اناج کی وجہ سے ہی انسان کو سال میں ایک بار محنت و مشقت کے بعد فارغ رہنے اور ایک دوسرے سے مل بیٹھنے کے مواقع میسر آنے لگے دوسری طرف خورد و اناج پیدا کرنے والے علاقوں کے حصول کے لئے تاریخ انسانیت میں پہلی مرتبہ جنگ و جدل بھی ہونے لگے۔ اس طرح زمین کی ملکیت اور حد بندی کا رواج پیدا ہوا جو آج تک جاری ہے اور نوع انسانی کے مابین جدال و قتال کا سلسلہ بحال رکھے ہوئے ہے۔

8000 ق م۔۔۔۔۔ جیریو کی فصیلوں کی تعمیر

جدید اشریاتی (Archilological) الکشافات میں ایک اہم دریافت دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع قدیم شہر ریحا جیریو کے گرد فصیلوں کی تعمیر ہے جو اشریاتی کھدائیوں کے مطابق تقریباً 8000 ق م میں ہوئی۔ جیریو ان کھدائیوں کے بعد پہلی قدیم ترین انسانی آبادیوں میں شمار ہونے لگا ہے جو انسانی تہذیب و تمدن کی جانب انسان کا پہلا قدم تھیں۔ ایک اشریاتی اندازے کے مطابق پہلے پہل شکاری انسان نے یہاں تقریباً 9000 ق م میں انسانی آبادی قائم کی۔ محققین کے مطابق تقریباً 8000 ق م کے قریب اس اولین انسانی آبادی نے ایک منظم انسانی معاشرے کی شکل اختیار کر لی جس نے حفاظت کے مقصد کے لیے اپنی آبادی کے گرد پتھروں کی فصیل تعمیر کی۔ اس فصیل کی طوالت سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس زمانے میں شکار یوں کی اس ہستی نے ایک شہر کی حیثیت اختیار کر لی تھی جس کے ارتقائی عمل سے کم از کم ایک ہزار سال لگے۔ کھدائیوں میں ملنے والے آثار سے پتہ چلا ہے کہ اس انسانی آبادی کے مکیں گندم، کئی اور جو کی کاشت بھی کرتے تھے۔

7000 ق م میں آباد یہاں ایک ایسے معاشرے کے آثار ملے ہیں جو اپنے ابتدائی تہذیب و تمدن کی وجہ سے ابھی تک نوخیزی دور سے تعلق رکھتا ہے اور اس معاشرے سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایسا برتن بنانے کا فن نہیں آیا تھا، خیال ہے کہ یہ نووارد یہاں شمالی شام سے آئے تھے۔ جیریو کا یہ دوسرا نوخیزی دور جس کے باشندوں کا انھار صرف زراعت پر تھا تقریباً 6000 ق م میں اختتام پذیر ہوا۔

5000 ق م کے لگ بھگ یہاں جو لوگ آباد تھے وہ برتن سازی کے فن سے آشنا تھے مگر ان کا طرز زندگی نوخیزی دور سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ اگلے دو ہزار سال تک یہاں کی زندگی ٹھہراؤ کا شکار رہی۔ تقریباً 3000 ق م کے اختتام تک یہاں باقی فلسطین کی طرح ایک شہری تہذیب کا آغاز ہوا اور یہ ایک بار پھر فصیل دار شہر بن گیا، اس بات کے ثبوت ملے ہیں کہ بنی اسرائیل کے حملے کے وقت جیریو کے گرد فصیل موجود تھی۔

2300 ق م میں یہاں کی شہری زندگی میں ایک بار پھر زوال آیا جس کی وجہ سے یہاں بہت سے خانہ بدوش قبائل کی آمد تھی جو اموری تھے۔ 1900 ق م میں ان کے جانشین کنعانی بنے۔ جن کی ثقافت بحیرہ روم کے خطے کی ثقافت سے مماثلت رکھتی تھی۔ کنعانیوں نے یہاں ایک بار پھر خالص شہری زندگی متعارف کرائی۔ اشریاتی کھدائیوں سے پتہ چلا ہے کہ ان کے مکانات پختہ اور باقاعدہ فرنیچر کے حامل تھے۔ یہ لوگ حیات بعد از ممات پر یقین رکھتے تھے۔

بائبل کے مطابق جیریو پر حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے ارض مقدس میں داخلے کے بعد حملہ کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ہاتھوں تباہی کے بعد بائبل میں لکھا ہے کہ یہاں انسانی آبادی متروک ہو گئی۔ پھر کہیں نویں صدی ق م میں یہ شہر دوبارہ آباد کیا گیا، اس شہر کا ذکر بائبل میں اور بھی کئی جگہ ملتا ہے۔

1952ء سے 1958ء تک یہاں اشریاتی کھدائیاں ہوئیں جن کا مقصد اسرائیلیوں کے ہاتھوں ہونے والی تباہی کا متعین کرنا تھا۔ ماہرین اشریات کے مطابق یہ تباہی 14 ویں صدی قبل از مسیح میں رونما ہوئی تھی جس کے بعد لوہے کے زمانے تک یہ شہر ویران پڑا رہا۔ ساتویں صدی قبل از مسیح میں یہاں دوبارہ خاصی تعداد میں انسان آباد ہو چکے تھے۔ یہ انسانی آبادی 586 ق م میں بابلیوں کے ہاتھوں اہل یہود کی جلاوطنی تک قائم رہی۔

انہیں کھدائیوں سے ہمیں پہلی صدی قبل از مسیح کے فلسطینی بادشاہ ہیرودا عظم کے عہد کے جیریکو کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اس شہر میں ہیرودا عظم نے اپنا سرمائی محل تعمیر کروایا تھا۔ عہد نامہ متیق میں ذکر کیے جیریکو سے تقریباً ایک میل دور وادی اقلت کے ساتھ ایک بے حد شاندار عمارت کے آثار ملے ہیں جو غالباً ہیرودا عظم کے محل کا حصہ تھی۔ اس عمارت کا طرز تعمیر رومن ہے جو ہیرودا عظم کی رومیوں سے رغبت اور میلان کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی علاقے میں بہت سی اور شاندار عمارتوں کی موجودگی کے شواہد بھی ملے ہیں جو غالباً رومن جیریکو کا مرکز تھیں۔

ماخذ

تاریخ لبنان از قلب کے حتی۔۔۔ تاریخ کا سفر از ذوالفقار ارشد گیلانی

7000 ق م۔۔۔ زراعت کا آغاز

جب انسانی کینے اور قبیلے بڑھے تو خورد و اناج، شکار اور قدرتی پھل ان کے لئے ناکافی ہونے لگے۔ ان حالات میں انسان کو پیٹ پالنے کے لئے ایک نئی حکمت عملی بروئے کار لانا پڑی۔ یہ نئی حکمت عملی زراعت کہلائی اور انسان کا ابتدائی پیشہ بن گئی۔ علمائے تحقیق نے اب وہ خطہ بھی دریافت کر لیا ہے۔ جہاں انسان نے پہلے پھل اس نئی حکمت عملی کا آغاز کیا تھا۔ یہ دریائے دجلہ و فرات کی وادئ ہے۔ یہاں زراعت کی ابتداء تقریباً سات ہزار سال قبل از مسیح میں ہوئی۔ دجلہ و فرات کی وادی میں کوہ طور روس اور اس کے دامن سے گندم کی کاشت اور زراعت کے جو قدیم ترین آثار ملے ہیں وہ تقریباً 9 ہزار برس پرانے ہیں۔ اس علاقے میں آج بھی گندم اور جو کے خورد و پودے پائے جاتے ہیں۔ انسان نے انہیں خورد و پودوں سے ابتداء میں بیج حاصل کیا تھا۔

آغاز ہی سے زراعت کے دو پہلو تھے۔ ایک تو یہ کہ خورد و اناج کی کمی کو پورا کرنے کے لئے کاشت کاری، دوسرا یہ کہ شکار کے جانوروں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے مویشی پالنا اور ان سے دودھ، گوشت، اون اور کھال جیسی مفید چیزیں حاصل کرنا انسانی معاشرت میں جواب تک خاندان بدوش چلی آ رہی تھی، زراعت، انقلابی تبدیلی کا باعث بنی۔ اس سے کل کے شکاریوں کی زندگی کے طور طریقے عمل طور پر بدل گئے۔ ایک ہی جگہ سے مستقل طور پر خوراک میسر آنے کی وجہ سے یہ لوگ ایک ہی مقام پر مستقل بود و باش رکھنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح مستقل انسانی آبادیوں کی بنا پڑی اور گاؤں وجود میں آنے لگے۔ اب تک عہد قدیم کے جتنے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وادی دجلہ و فرات کے گاؤں ہی دنیا میں سب سے پرانے ہیں۔ عراق میں دنیا کے سب سے قدیم گاؤں کے آثار کریم شہر کے قریب سے ملے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایسے تمام آثار عراق کے شمال مشرق علاقے (اشور) ہی میں پائے گئے ہیں۔ عراق کے جنوبی علاقے یعنی ڈیلٹا میں ابتدائی عہد کی کوئی چیز دریافت نہیں ہوئی۔ دراصل ڈیلٹا کی زمین کی عمر شمالی خطوں سے کم ہے اور یہاں انسان بہت بعد میں آباد ہوا۔

ڈیلٹا کے خطے کو پہلے شمالی علاقے کے لوگوں ہی نے آباد کیا۔ انہیں جنوب کا رخ اس وجہ سے کرنا پڑا کہ ان کے شمالی علاقے میں کچھ اور قبیلے گھس آئے تھے۔ ان قبیلوں کا تعلق شامی نسل سے تھا۔

شمال سے آنے والوں نے ڈیلٹا کے علاقے میں جو بستیاں آباد کیں ان میں ارید (الوشہرین) سب سے پرانی ہے۔ اریدو ابتداء میں چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جو بڑھتے بڑھتے ایک اہم شہر بن گیا۔ اس مقام پر کھدائی سے سترہ مندروں کے کھنڈرات ملے ہیں۔ یہ مندر کچی اینٹوں کی بنی ہوئی یک کمرہ عمارت پر مبنی تھے۔ ڈیلٹا میں انسانی آبادی کے ارتقا کا دوسرا دور ”الصحید“ کہلاتا ہے۔ اس دور کے لوگ کچی مٹی کی اینٹیں اور مہریں استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نرمل کی چٹائیوں میں مٹی کی لپائی سے مکان تیار کر لیتے تھے۔ اس قسم کا ایک مکان اریدوہ کی کھدائی سے ملا ہے۔

آج سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے اس خطے میں انسانوں کا ایک اور ریلہ آیا۔ پروفیسر فرینکفرٹ کے خیال

کے مطابق یہ لوگ عیلام (جنوب مغربی ایران) سے آئے تھے۔ لیکن کئی ماہرین ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ نووارد وحشی تھے۔ پروفیسر ڈولی بھی اس بات کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ نئے آنے والے لوگ بھی مہذب تھے انہوں نے مقامی باشندوں کو غلام نہیں بنایا بلکہ ان کے ساتھ گھل مل گئے۔ اس استخراج سے دنیا کی اولین مہذب قوم ”اہل سمیر“ کی تشکیل ہوئی۔

5000 ق م۔۔۔ اولین تہذیب انسانی کا ظہور

دنیا کی پہلی انسانی تہذیب نے آج سے تقریباً 7000 سال پہلے دریائے فرات اور دجلہ کی درمیانی وادی میں جنم لیا۔ اس وادی کو یونانی مورخوں نے میسوپوٹیمیا (Mesopotamia) کا نام دیا ہے۔ جس کا مطلب ”دو دریاؤں کے درمیان کی زمین“ بنتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ اس نام کا اطلاق اس پورے علاقے پر ہو گیا۔ یہ علاقہ بعد میں آنے والی بہت سے تہذیبوں کا مسکن بنا۔

وادی دجلہ و فرات کا موجودہ نام عراق ہے۔ قدیم زمانے میں یہ علاقہ تین حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ شمالی حصہ (موجودہ موصل) جو انسانی آبادیوں کے سب سے قدیم آثار کا حامل ہے۔ ان دنوں یہ آشور کہلاتا تھا۔ وسطی علاقہ جہاں آج کل بغداد آباد ہے عکا کہلاتا تھا بغداد سے جنوب کا علاقہ جو ڈیلٹا میں واقع ہے سمیر کہلاتا تھا۔

سمیر کا علاقہ جھیلوں، ندی نالوں اور دلدلوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہاں کا موسم گرم اور مرطوب ہے۔ یہاں سمجھور اور ناریل کے درخت بہ کثرت ہوتے ہیں۔ اہل سمیر بڑے جفاکش، ذہین اور ہنرمند لوگ تھے۔ انہوں نے اپنے علاقے کے اس قدرتی ماحول کو اپنی محنتوں سے اپنا مطیع بنایا۔ جنگلوں کو کاٹا، دلدلوں کو خشک کیا اور کاشتکاری کرنے لگے۔ ڈیلٹا کی زمین بہت زرخیز تھی۔ گو اس علاقے میں بارش کی اوسط کم ہے لیکن یہ کی دریائے فرات اپنے پانی سے پوری کر دیتا ہے۔ دنیا کے اسی علاقے میں آب پاشی کے لئے دنیا کی پہلی نہر کھودی گئی تھی۔ دنیا کی یہ پہلی نہر ہے جس کا ذکر کسی نوشتے میں آیا ہے۔ ”العزرات“ کہلاتی ہے۔ اس نہر کو ریاست لگاش کے بادشاہ نے آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے کھدوایا تھا۔ یہ نہر عراق میں آج بھی موجود ہے۔ اپنے علاقے کی زرخیزی اور اپنی محنت سے اہل سمیر زراعت میں خود کفیل ہونے والی دنیا کی پہلی قوم تھے۔ وہ اپنی فاضل پیداوار کو قریبی ملکوں کو برآمد کر کے اس کے عوض اپنے معاشرے کے لئے نئی مفید چیزیں درآمد کرتے تھے۔

سومیری قوم کا سب سے عظیم تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کے اولین شہر بسائے اور شہری ریاستیں قائم کیں۔ تحریر جو آج بھی ہمارے تجربے، خیال اور تاریخ کو بھائے دوام بخشی ہے اور ابلاغ کا سب سے کھل، دیرپا اور معتبر ذریعہ ہے۔ اہل سمیر کی ایجاد ہے اولین تحریری رسم الخط سمیر میں ارک کے مقام پر ایجاد ہوا تھا۔ اہل سمیر کا یہ رسم الخط قدیم انسان کے تصویری رسم الخط کی اختصاری شکل تھی۔ اس رسم الخط کو چکانی (Cuneiform) یا خط مٹی کہا گیا ہے۔ یہ رسم کنندوں سے بنائی گئی قلموں سے نرم مٹی سے تیار کی گئی تختیوں (الواح) پر لکھا جاتا۔ بعد میں مٹی کی یہ تختیاں پکا کر سخت کر لی جاتیں۔ ایسی بہت سی تختیاں عراق میں ہونے والی اشرافیہ کھدائیوں سے حاصل ہوئی ہیں۔

ہر تہذیب اپنے تمدن کی پیش رو ہوتی ہے۔ لیکن کسی تہذیب کی نشوونما کے لئے شہر اور دیہات کی کوئی قید نہیں۔ کیونکہ تہذیب معاشرے کی اجتماعی تخلیقات اور اقدار کا منجز ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں تمدن کی بنیادی شرط شہری زندگی ہے۔ تمدن اس وقت وجود میں آتا ہے جب شہر آباد ہوتے ہیں۔ جب سمیریوں نے شہر تعمیر کئے تو دنیا کا اولین تمدن بھی وجود میں

آگیا۔ سیری تمدن ایک مذہبی تمدن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اہل سمیر کے تمام شہر مندروں کا اثر و اقتدار بڑھنے سے وجود میں آئے۔ اسی وجہ سے وادی دجلہ و فرات کے تمام قدیم شہر کسی نہ کسی دیوتا کی ملکیت قرار دیئے گئے تھے۔ مثلاً اریدو (Eridu) مٹھے پانی کے دیوتا انکی (Enki) کی ملکیت تھا۔ اریک سب سے بڑے دیوتا انو (Enu) کی ملکیت تھا۔ لگاش (Lagash) ان لال کے بیٹے نگرسو (Ningirsu) کی ملکیت تھا۔ جبکہ نیر خود ان لال (Enlil) کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ دیوتاؤں کی ملکیت ہونا دراصل دیوتا کے مندر یا اس کے پرہت کی ملکیت ہونے کے مترادف تھا۔ اہل سمیر کی شہری زندگی کا محور و مرکز یہی مندر تھے۔ شہر کی سب سے بڑی اور سب سے شاندار عمارت مندر ہی کی ہوتی تھی۔ مندروں کے خزانے سونے چاندی اور قیمتی پتھروں کے علاوہ ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء سے پر ہوتے اور ان تمام اشیاء کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ سمیر سے اب تک جو الواح ملی ہیں وہ زیادہ تر اسی حساب و کتاب پر مشتمل ہیں۔ رقص و سرور جیسی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے سمیری معاشرے میں ہندو معاشرے کی طرح دیوداسیاں مقرر تھیں۔ مندروں کے باورچی خانے اور لنگر خانوں کے علاوہ شراب کی بیٹیوں کی دیکھ بھال بھی دیوداسیوں کے سپرد تھی۔ جو مندروں کی ملکیت ہوتی تھیں۔

سمیریوں کے اہم شہروں میں اریدو، ار، لاء، سا، ادیک، لگاش، اسین، امہ، نیر، کش اور لاراک شامل تھے۔ ان شہروں میں عام طور پر تین طبقے آباد تھے۔ سب سے اونچا طبقہ ”معیلو“ کہلاتا تھا۔ اس طبقے میں امراء پرہت اور بیورہ کریبی کے اعلیٰ عہدے دار شامل تھے۔ دوسرا طبقہ مشغلو کہلاتا تھا۔ اس طبقے میں یوپاری، کارگر اور دستکار شامل تھے۔ ان لوگوں کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی یہ لوگ فوج میں بھرتی ہو سکتے تھے۔ تیسرا طبقہ غلاموں پر مبنی تھا۔

اہل سمیر اتنے قدیم زمانے کے باوجود تاجر بھی تھے اور صنعتکار بھی۔ وہ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی تجارت کرتے تھے۔ ان کی بین الاقوامی تجارت کا دائرہ اناطولیہ، سندھ، کنعان اور مصر تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے پاس چونکہ غلے کی افراط تھی اس لئے وہ اناج دوسرے ملکوں کو برآمد کر کے اپنے لئے چاندی، سونا قیمتی لکڑی اور تانبہ وغیرہ درآمد کرتے تھے۔

انسان کے اہم آبائی پیشے، زرگری، معماری، برتن سازی، کپڑے سینا اور لکڑی کی اشیاء بنا کر سمیری معاشرے ہی میں پروان چڑھے اور ان کے لئے اولین کارگاہیں یا ورکشاپ بھی یہیں تشکیل پائیں۔ وادی دجلہ و فرات میں زمانہ قدیم ہی سے کانسی کا استعمال عام تھا اور کئی قسم کے اوزار اور آلات کانسی سے بنائے جاتے تھے۔ کانسی کے اس قدیم استعمال کی وجہ سے وادی دجلہ و فرات کی تہذیب، کانسی کی تہذیب کہلاتی ہے۔ بعد میں یہی تہذیب یا کانسی کا زمانہ مصر، ایران، چین اور وادی سندھ میں رائج ہوا۔

اہل سمیر نے فن تعمیر میں بھی جو کمال حاصل کیا۔ اس کی نظیر دنیا کی دوسری اولین تہذیبوں میں مشکل سے ملے گی۔ محراب، گنبد اور ستون جو آج بھی معتمدن دنیا کے فن تعمیر کی جان ہیں۔ سمیریوں ہی کی ایجاد ہیں۔ انہوں نے ان اہم تعمیراتی پہلوؤں کی بنیاد اپنے آباء و اجداد کے نسل کے جھوپڑوں پر رکھی تھی۔ دراصل نسل کے گھونٹوں اور چٹائیوں کی قدرتی ساخت ایسی تھی کہ اس سے محراب گنبد اور ستون خود بخود بن جاتے تھے۔ اسی قدرتی ساخت ہی سے انسان کی اولین تعمیرات میں محراب، گنبد اور ستونوں کی ابتداء ہوئی۔ شہر نیر کی زمین دوز تالی میں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی ایک محراب ملی ہے۔ اسی

طرح ار کے ایک شاہی مقبرے کا دروازہ بھی عربی دریافت ہوا ہے۔ شہر ار کی اشرافیہ کھدائی کے نتیجے میں ایک اور شاہی مقبرہ ملا ہے جس کا ایک گنبد ابھی تک سلامت ہے۔ اس مقبرے کی تعمیر کا زمانہ ماہرین نے 2700 ق م بتایا ہے اس لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے پرانا گنبد ہے۔

ریاست ارک میں تین ہزار سال قبل از مسیح کے کئی بڑے بڑے ستون دریافت ہوئے ہیں۔ ان پر کاشی گری کے نہایت خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ ان کی دریافت سے اس خیال کی تردید ہوگئی ہے۔ کہ ستون اہل یونان کی ایجاد ہے۔ دراصل ستون کھجور کے تنوں کی نقل ہیں جو خالصتاً وادی دجلہ و فرات کا درخت ہے۔ العید کے چھوٹے معبد میں کھجور کے تنوں کے قدرتی ستون دریافت ہوئے ہیں۔ ان ستونوں پر تانبے کی چادر چڑھی ہوئی ہے۔ ان کی دریافت سے اس بات کی مزید تصدیق ہوگئی ہے کہ ستون اہل سمیر ہی کی ایجاد ہے۔

شہری ریاست اہل سمیر کی ایک اور تاریخی اور عہد آفریں ایجاد ہے۔ دنیا کی اولین شہری ریاستیں سمیر میں تقریباً 3000 ق م میں وجود میں آئیں۔ اس زمانے تک یونان میں تہذیب و تمدن کا کہیں نام تک نہیں تھا۔ یہی ریاستیں دنیا کے اولین سیاسی ادارے تھے جو آگے چل کر ریاست اور سلطنت میں بدل گئے۔

ابتداء میں ان شہری ریاستوں میں جمہوریت قائم تھی اور ہر ریاست کی ایک اپنی مجلس شوریٰ ہوتی تھی۔ جس کا مقصد ریاست کا نظم و نسق چلانا ہوتا تھا۔ اس کی کنیت صرف علمائین شہر تک محدود تھی۔ مجلس شوریٰ کے علاوہ بزرگان شہر کی ایک مجلس اعلیٰ بھی ہوتی تھی جس کا مقصد عوامی مسائل حل کرنا تھا۔ ان دونوں ایوانوں میں فیصلے کثرت رائے کی بجائے اتفاق رائے سے ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ جمہوری نظام مختلف عوامل کی وجہ سے شخصی حکومت میں بدلتا چلا گیا۔ ان عوامل میں سب سے بڑی وجہ ریاستوں کی باہمی آویزش تھی۔ جنگ کے موقع پر تمام ریاستی اختیارات سپہ سالار فوج کو سپرد کر دیے جاتے تھے۔ سمیری زبان میں سپہ سالاروں کو ”لوگل باندہ“ کہتے تھے۔ جنگ کے خاتمے پر ایک بار پھر اختیارات لوگل باندہ سے مجلس شوریٰ کو منتقل ہو جاتے تھے۔ پھر یہی لوگل باندہ بادشاہ بن گئے اور جمہوریت ختم ہوتی چلی گئی۔

ان تمام اولین ایجادات کے علاوہ سمیری لوگوں کو ہتھیار سازی اور زیورات کی صنایع میں بے حد کمال حاصل تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پیسے جیسی اہم ایجاد کا سہرا بھی انہیں کے سر بندھتا ہے ان تمام کارناموں کی وجہ سے انسانی تہذیب و تمدن کی اولین نشوونما کے لئے اہل سمیر کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

انسانی تاریخ کے اولین معاشرتی، اخلاقی، مادی، مذہبی اور فنی ارتقا اور ترقی میں انتہائی اہم کردار ادا کرنے والے ان سمیریوں نے بہت سی قابل فخر تہذیبی خدمات کے ساتھ ساتھ دنیا کو سب سے پہلے تحریر کی شکل میں ایک بھرپور اور وسیع ادب بھی دیا ہے۔ سمیریوں نے 2000 ق م تا 1500 ق م ایک ہی وقت میں جتنا وسیع ادب تخلیق کیا ہے ان کے علاوہ کسی اور قدیم قوم و ملک نے تخلیق نہیں کیا۔

سمیریوں نے آریادوں کے رگ وید، عبرانیوں کی بائبل (تورات) یونانیوں کی ایغڈ اور اوڈیسی اور ہندوؤں کی رامائن اور مہابھارت کی تخلیق سے دوڑ حاتی اور تین ہزار سال پہلے سے ادب تخلیق کرنا شروع کیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا ادب دنیا کا قدیم ترین ادب کہلاتا ہے۔

4241 ق م۔۔۔ دنیا کے پہلے کیلنڈر کا اجرا

قدیم مصری دنیا کی پہلی قوم تھی جنہوں نے دریائے نیل کی طغیانوں کے چڑھنے اور اترنے اور ستارہ شعلری یمرانی Sirius کے ہر سال طلوع ہونے کے مشاہدے کی مناسبت سے دنیا کی پہلی سالانہ رقوم یا کیلنڈر ترتیب دیا۔ اگرچہ ان کا کیلنڈر قمری تھا مگر شمسی اور قمری سالوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔ پہلے پہل قمری مہینے ہی مستعمل تھے مگر مصر میں معاشرے کا انھار زراعت پر ہونے کی وجہ سے ان کے ہاں شمسی تقویم پر توجہ دی گئی۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں قمری، شمسی اور ستارے شعلری یمرانی کی تقویمیں بیک وقت مستعمل تھیں۔ پہلے پہل قمری سال کے مطابق سال کے 360 دن لکھے گئے تھے اور انہیں بارہ مہینوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جب مہینوں کے حساب سے موسموں میں ردوبدل ہونے لگا تو انہوں نے پانچ دنوں کا اضافہ کر لیا اور سال کو 365 دن کا قرار دیکر اسے موسموں کے تغیر کے اعتبار سے 4.4 مہینوں کے تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ سال کے بارہ مہینے 30 دنوں پر مشتمل تھے مگر ہر سال کے آخر میں پانچ دن کا اضافہ کر دیا جاتا تھا یہ پانچ دن مصر کے پانچ دیوتاؤں سے منسوب تھے۔ جو یہ تھے اوسیرس (Osiris)، آئسس (Isis)، سیٹھ یا ست (Set)، نیفٹھس (Nephthys)، اور ہورس (Horus)۔ سال کے بارہ مہینوں کے نام مصری زبان میں تھے (That)، پاؤپی (Paopi)، اثور (Athor)، چونک (Choeak)، ٹوبی (Tobi)، میچر (Mechir)، فامیوٹھ (Phamenoth)، فاموٹی (Pharmuthi)، پاچن (Pachons)، پاؤنی (Paoni)، لہپ (Epep)، میسورے (Mesore) تھے۔ جب مصر پر یونانی قابض ہوئے تو یہ نام تبدیل ہو گئے تھے۔ تھا تھ کا مہینہ انیس اگست کو جب کہ آخری مہینہ میسورے 25 جولائی کو شروع ہوتا تھا۔

اس کیلنڈر میں 1461 سالوں کے بعد ایک سال کی کمی ہو جاتی تھی، اس لیے مصریوں نے ہر چوتھے سال ایک دن کا مزید اضافہ کر دیا۔ بارہویں خاندان کے عہد حکومت میں پانچ مزید دنوں کی شہادت ملی ہے۔ مصریوں نے شعلری یمرانی ستارے کے گردش نظام Cycle کو استعمال کرتے ہوئے 1460 سالوں کو 1461 سالوں کے برابر فرض کر لیا تھا۔ اس طرح ہر سال موسم اپنے مخصوص مہینے میں آتے تھے۔ شعلری یمرانی ہر سال 70 دنوں کے لیے سورج گرہن کے باعث غائب ہو جاتا تھا۔ یہ آئندہ دریائے نیل میں سیلاب آنے سے ذرا پہلے ظاہر ہوتا تھا۔ دوسرے حیرت انگیز طور پر یہ ستارہ ایک پورے زمینی سال یعنی 365.25 دنوں کے بعد دوبارہ ایک ہی مقام پر نظر آتا تھا۔

ان تین شمسی، قمری اور شعلری یمرانی تقویموں کے علاوہ مصر میں بادشاہ اپنے من جلوس کے آغاز سے بھی کیلنڈر کا اجراء کرتے تھے اس کے علاوہ کوئی اور تقویم ان کے ہاں رائج نہ تھی۔ سورف سوم یا سیچورس سوم Sesostri III کے عہد کے ساتویں سال ستارہ شعلری یمرانی کے طلوع ہونے کا واقع مصر کی قدیم تاریخ میں درج ہے ماہرین فلکیات نے اس سے اندازہ لگایا کہ یہ واقعہ 1876 ق م اور 1864 ق م کے درمیان دور میں پیش آیا ہوگا۔ کافی غور و خوص کے بعد تحقیق 1872 ق م کے سال پر متفق ہو گئے۔ بارہویں خاندان نے اس سن سورف سوم Sensuref III سے پہلے تقریباً 120 سال حکومت کی تھی۔ اس حساب سے بارہویں خاندان کی حکومت 1992 ق م میں شروع ہوئی۔

میسری ادب میں منظوم دعائیں، جھریں اور مناجات، اساطیری، جگوتی، رزمیہ اور جانوروں کی سبق آموز کہانیاں (Fables)، ماقی گیت، نوے اور لوریاں، تاریخی واقعات سے جتنی شاعری تک ادب کی بہت سے اصناف ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہزار ہا الواح ایسی بھی ہیں۔ جن پر تحریر شدہ اصناف ادب ابھی پڑھی نہیں جاسکتیں۔ میسری ادبیات کو مرزا ابن حنیف صاحب نے اپنی کتاب ”دنیا کا قدیم ترین ادب“ میں اردو جامہ پہنایا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک میسری قوم اور اس کی زبان و ادب کو آشوری یا اکادی ہی سمجھا جاتا تھا۔ 1869ء میں ایک فرانسیسی ماہر جیولیس اوپرت نے اپنے ایک لیکچر میں اس قوم کو اہل سمیر کا نام دیا اور کہا تھا کہ آشوری اور بابلی سامی النسل لوگوں کو اکادی اور غیر سامی النسل لوگوں کو ”میسری“ کہنا چاہیے۔

مآخذ

1. 1000 Great Events. 2. Ancient Mesopotamia.
3. History Begins At Sumer.
4. The Ancient World. 5. The Epic of Man.
6. An Encyclopedia of W.H.
7. History of World Civilization.
8. World civilization and Teir History.

9: تاریخ تہذیب مولانا غلام رسول مہر۔ 10: دنیا کا قدیم ترین ادب، مرزا ابن حنیف۔

11: انسانی تمدن کی داستان۔ 12: تاریخ اقوام عالم، مرتضی احمد خان۔

13: تاریخ انسانیت۔ سید قاسم محمود 14: ماضی کے مزار، سید سبط حسن۔

بادشاہ یا سردار کا امتیازی نشان باز تھا۔ یہ باز تصویروں میں کندھوں پر سر کے پیچھے بیٹھا دکھایا گیا ہے۔

پہلے فرعون مصر، مینیز کا تعلق انہیں لوگوں سے تھا۔ اسی بادشاہ نے وسطی مصر کے شاہی النسل حکمرانوں سے خراج اطاعت وصول کیا اور اس کے بعد ڈیلٹا کے خطے کے تہیوں، شامیوں اور فلسطینی گڈریوں کو مطیع کر کے وادی نیل میں ایک متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ باز کے امتیازی نشان کو قائم رکھتے ہوئے تہیوں اور شامیوں کے سرخ اور سفید تاج ملا کر ایک نیا تاج زیب تن کیا جس میں یہ دونوں رنگ شامل تھے مینیز ہی کو مصر کے پہلے شاہی خاندان کا پہلا بادشاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس کے زمانے کا اندازہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سے ساڑھے چار ہزار قبل از مسیح لگایا گیا ہے۔

مینیز سے پہلے ڈیلٹا کی سر زمین میں دس بادشاہوں کی حکمرانی کا سراغ ایک فہرست کی علاقائی تحریر سے ملا ہے اس فہرست میں مینیز سے پہلے دس دوسرے نشان دیئے گئے ہیں۔ جو دو تاجوں یعنی دو بادشاہوں کی علامت ہیں۔ مینیز کے برسر اقتدار آنے کا زمانہ بعض مورخوں نے 3400 ق م بتایا ہے جبکہ بعض اسے 4777 ق م بتاتے ہیں اور مینیز کا دوسرا نام نارمر مینیز (Narimer Menes) بتاتے ہیں۔ اس بادشاہ کی ریاست کا صدر مقام عیدہ وز تھا جو تھمیز کے قرب وجوار میں واقع تھا۔ مینیز نے 4777 ق م یا 3200 ق م میں تمام مصر کو اپنی قلمرو میں شامل کر کے مفس کے مقام پر ایک نئے دار الحکومت کی بنیاد رکھی مینیز ہی نے ایک زبردست بند تعمیر کر کے دریائے نیل کا رخ بدلا اور ایک نہر کے ذریعے اسے پہاڑوں میں قید کر دیا۔ اتنے قدیم زمانے میں دریا کا رخ بدلنا انسانی انجینئر کا پہلا بڑا کارنامہ تھا۔

قدیم مصری اپنے بادشاہوں کو خدا کا درجہ دیتے اور انہیں فرعون کے نام سے پکارتے تھے۔ فرعون پورے ملک پر بلا شرکت غیرے حکمرانی کرتا تھا۔ چونکہ ایک اکیلا انسان اتنے وسیع و عریض ملک پر حکومت نہیں کر سکتا اس لیے دراصل بادشاہ کے نام پر افسروں کی ایک پوری فوج حکومت کرتی تھی بادشاہ کا نائب وزیر کہلاتا۔ وزیر بہت سے اہم عہدوں پر اعلیٰ افسران کا تقرر کرتا اپنے تقرر کے بعد وہ افسران بہت سے دوسرے افسروں کو بھرتی کرنے کے خود مجاز ہوتے تھے۔ ہر ضلع کی سطح پر ایک افسر مقرر ہوتا تھا جو پولیس کے اعلیٰ عہدیدار سے لے کر ٹیکس کلکٹر، جج اور پٹواری تک کے فرائض انجام دیتا تھا۔

قدیم مصری معاشرے میں علوم سائنس نے ایشیا اور ماحول کو جاننے کی ضرورت کے طور پر ترقی کی تھی۔ نیل میں آنے والے سالانہ سیلابوں نے اہل مصر کو وقت کا حساب کتاب رکھنے کی ضرورت محسوس کرائی۔ اسی ضرورت کی بنیاد پر 4241 ق م میں انہوں نے دنیا کا پہلا شمسی کیلنڈر ترتیب دیا۔ مصری نجوی اپنے مشاہدے کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ستارہ شعرائے یمانی (Sirus) ہر سال طلوع آفتاب سے ذرا پہلے ٹھیک اسی دن اترتی ہوئی ہوتا جس دن سیلاب شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پابندی اوقات کی بنیاد پر انہوں نے سال کو 365 دنوں اترتیں تیس دن کے بارہ مہینوں میں تقسیم کیا اور جو پانچ دن بچ گئے ان کو جشن نوروز کے لئے مخصوص کر دیا۔ مصریوں کا نیا سال 19 جولائی کو شروع ہوتا تھا کہ یہی دن شعرائے یمانی کے طلوع اور سیلاب کی آمد کا ہوتا تھا۔ نئے سال کی رسموں کی تفصیلات فرعون رعیمیس سوم کے معبد کی دیواروں پر آج تک موجود ہیں۔ جشن نوروز کا تہوار پورے مصر میں منایا جاتا تھا۔

قدیم مصری طبیب مختلف بیماریوں کے علاج کے لئے ضرورت کے طور پر انسانی جسم کے بارے میں اہم معلومات بھی رکھتے تھے۔ مثلاً وہ جانتے تھے کہ نبض دل کی دھڑکنوں کا نام ہے اور دماغ ہاتھوں اور پاؤں کی حرکات کو کنٹرول کرتا ہے۔

5000 ق م۔۔۔۔۔ وادی نیل میں تمدن کا آغاز

وجہ وفات کے کنارے اولین انسانی تہذیب کے ظہور کے ساتھ دوسری بڑی انسانی تہذیب نے دریائے نیل کے کنارے جنم لیا۔

دریائے نیل انسان کے نام قدرت کا تحفہ ہے مگر مشہور یونانی تاریخ دان "ہیرودوٹس (Herodotus)" نے خود مصر کو "تحفہ نیل" کہا ہے۔ یہ بات ہزاروں سال پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بھی صحیح تھی اور آج بھی صحیح ہے کہ نیل کا پانی مصریوں کے لئے آبِ حیات سے کم نہیں ہے۔ مصر کا 97 فی صد بے آب و گیاہ ہے۔ اور یہاں بارش بھی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے ہر قسم کی زندگی کا دار و مدار اسی دریا پر ہے۔ مصری اسی دریا کا پانی پیتے ہیں۔ یہی دریا ان کی زمینوں کو سیراب کرتا اور زرخیز بناتا ہے۔ ملک میں نقل و حرکت کا سب سے آسان ذریعہ بھی یہی دریا ہے۔ اگر یہ دریا سوکھ جائے تو مصریوں کے لئے جینا محال ہو جائے۔ دوسرے ملکوں جیسے ہمارے ملک میں بھی کئی دریا اور انکی ہجڑا دریاں ہیں مگر مصر کا صرف اور صرف ایک دریا ہے۔ نیل۔

دریا نیل یونان کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور افریقہ کے صحراؤں میں ایک آبی لکیر بناتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ مصر کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد دریائے نیل پانوسمیل کے خشک تنگ میدانی علاقے کو سیراب کرتا ہے۔ اس علاقے میں دریا کا طاس دس بارہ میل سے زیادہ چوڑا نہیں ہے۔ جب یہ دریا قاہرہ کے قریب پہنچتا ہے۔ تو پہاڑیاں اس سے دور ہٹ جاتیں ہیں۔ اور وادی کشادہ ہو جاتی ہے۔ آگے بڑھ کر دریا کئی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگلے چار سو میل کے سفر میں دریا نیل کی یہ شاخیں تو سی ڈیلٹا کو سیراب کرتی ہیں۔ ڈیلٹا کا علاقہ سیاہ ہے۔ بہت زرخیز ہے۔ اس مٹی کی یہ خصوصیت یہی ہے کہ یہ بڑی سرعت سے فصل اگاتی ہے جسے افریقہ کا سورج بہت جلد پکا دیتا ہے۔ جب تک ایک متحدہ سلطنت وجود میں نہیں آئی تھی اس وقت تک جنوبی اور شمالی مصر کی چھوٹی چھوٹی بادشاہتیں آپس میں اسی ڈیلٹا کے لئے برسرِ پیکار رہتیں تھیں۔

مصر میں بدار کی مقام پر کھدائی سے جو مٹی کے برتن ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ پانچ ہزار سال ق م کے قریب وادی نیل کے زیریں حصے یعنی دہانہ نیل کے قریب انسانی بستیاں آباد ہو چکیں تھیں۔

اسی طرح مصر میں مختلف مقامات سے ملنے والے اشریاتی شواہد کی بنیاد پر ماہرین نے زمانہ قبل از تاریخ کی مصری ثقافت کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے (۱) تریان (۲) بدریان (۳) امراتین (۴) گرزین (۵) سیمانین۔

پہلا دور جو تریان کہلاتا ہے وحشت کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ چوتھا دور گرزین ان سب ادوار میں اہم ہے کیونکہ مصری تہذیب کا آغاز اسی دور میں ہوا اسی زمانے میں باب المندب یا بحیرہ قلزم کی راہ سے عرب قبائل جو مصریوں کے بھائی بند تھے سر زمین مصر میں داخل ہوئے اور انہوں نے وادی نیل کے بالائی حصے میں بودباش اختیار کی پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی ایک ریاست قائم کر لی اور اسے وسعت دینے کے لئے دوسری ریاستوں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ ان کے

نے بھی ایک وسیع ادب تخلیق کیا تھا۔ اردو زبان میں قدیم مصری ادب کو بھی جناب ابن حنیف صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔ ان کی کتاب ”مصر کا قدیم ادب“ چار ضخیم جلدوں پر مبنی ہے۔

قدیم مصریوں کی عظمت اور تمدنی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 3000 ق م میں ان کا تمدن معراج کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اس سنہری تمدن کی اکثر روایات کی جھلک آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ کاشتکاری کے مختلف طریقے، دھاتیں ڈھالنے کا فن، صنعت و حرفت کے شعبے، علم ہندسہ، علم نجوم، شہسے اور ملل کی ساخت، پرامن حکومت کا قیام، کاغذ اور روشنائی، تصویر نگاری، تقویم، آبی گھڑی، ملبوسات، زیورات کی سنائی، گھر کا سامان آرائش، فن تعمیر کے کمالات، ڈاک کا انتظام، ابتدائی اور ثانوی تعلیم، نظم مملکت کے اصول، شعر و ادب کی ترقی، معاشرتی انصاف اور ایک ہی بیوی سے شادی کرنے کا رواج، مذہب میں وحدانیت کی شروعات، فلسفہ اخلاق، سنگ تراشی، مصوری، موسیقی، تاج وغیرہ کے تمام تمدنی کارنامے ہم تک قدیم مصریوں سے دیگر قوموں کے توسط سے پہنچے ہیں اور تمدن نوع انسانی کا قیمتی سرمایہ بن چکے ہیں۔

انسانی جسم کے بارے میں اتنی صحیح اور سائنٹفک معلومات رکھنے کے باوجود قدیم مصری اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ بیماریاں بدروحوں کے اثرات کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ لیکن جادوئی ٹوکوں سے بدروحوں کو بھگانے کے باوجود وہ شہد اور زیتون کے تیل جیسی مفید اشیاء بھی دوا کے طور پر استعمال کراتے تھے۔

مصر قدیم کے اس پہلے دور تمدن کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے، ہاتھی دانت اور تاجے کا کام ان کے معاشرے میں بہت ترقی پر تھا۔ کاریگری بہت اچھا معیار اختیار کر چکی تھی۔ فن تعمیر بھی درجہ کمال پر پہنچ گیا تھا۔ اس کی مثال ان کے تعمیر کردہ اہرام اور امعد میں ان مقبروں میں ضروریات زندگی کا سامان بھی ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ امراء اور بادشاہ بڑی قیمتی چیزوں کے ساتھ دفن کئے جاتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک جسم باقی رہتا ہے۔ روح اس میں آتی رہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ نقش کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسے مسالے لگانے لگے جو جسم کو گلنے سڑنے سے بچا دیتے۔ اس کی مثالیں آج فراغ مصر کی میاں ہیں۔ مردوں کے لئے دور دراز سے پتھر لاکر یہ پختہ مقبرے یا اہرام تعمیر کئے جاتے تھے۔ سب سے پہلا اہرام شاہ نوسر یا زوسر (kingzoser) کے لئے اس کے وزیر اعظم اور معمار ام ہوتپ (Imhotep) نے تعمیر کیا تھا۔ یہ دنیا کا پہلا سیڑھیاں دار اہرام بھی تھا۔ اہراموں کے فن تعمیر نے بھی بتدریج ترقی کی۔ چوتھے شاہی خاندان کے فرعون خوفنہ غزہ میں جو اہرام تعمیر کرایا وہ سات عجائبات عالم میں سے ایک ہے۔

مجسمہ سازی کے فن میں بھی قدیم مصری یکتا تھے۔ انہوں نے لکڑی اور پتھروں کو تراش کر تاریخ میں سب سے پہلے مجسمہ سازی کا آغاز کیا اور چھوٹے مجسموں سے لے کر ابوالہوال جیسے بڑے بڑے شاہکار تخلیق کئے۔ وسطی سلطنت کے عہد 2475 ق م - 1788 ق م میں مصوری اور مجسمہ سازی رسی ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد کے دور میں ان کے خطوط میں زیادہ لچک اور تشکیل میں زیادہ جسامت پیدا ہوئی۔ اس دور کا ایک اہم شاہکار ملکہ نفر تیس کا مجسمہ ہے۔ بظاہر اس دور میں مصری آرٹ کا زوال شروع ہوا اور آخر کار یونانی اور پھر رومی آرٹ کے اسباب کے نفوذ نے اسے ختم کر دیا۔

قدیم مصریوں نے سمیریوں کی طرح اپنا ایک خاص رسم الخط بھی ایجاد کیا تھا جو ہیروغلپف (Hieroglyph) کہلاتا ہے۔ یہ ایک تصویری رسم الخط ہے جس میں مروج تصاویر کے خاص مفہام مقرر ہیں۔ یہ مفہام محض اختیاری معلوم ہوتے ہیں اور شادی بدیہی ہوتے ہیں۔ یہ رسم الخط پہلے شاہی خاندان کے عہد ہی میں تشکیل کو پہنچ گیا تھا۔ وسطی دور کی بادشاہت میں وہ استعمال سے خارج ہونے لگا۔ نئے دور میں اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا۔ 500 ق م سے اس کا استعمال ہنرمندانہ کمال تصور کیا جاتا تھا۔ ہر ہیروغلپف علامت کے تین ممکنہ مصرف تھے۔ گوان میں سے بہت کم ایسے تھے جو ان تینوں کے کام آئیں۔ یعنی علامت تصور علامت صوت یا تین کتدہ کے طور پر علامت صوت پر ہیروغلپف نویسی کی ترقی کا بڑا باعث ہوئیں اور بعد ازاں حروف ابجد کی ایک قسم کی بنیاد بن گئیں۔ وسطی دور بادشاہت میں ایک ترقی یافتہ رواں خط زیر استعمال تھا جس کی جگہ بعد میں خط عوامی (Demotic) نے لے لی۔ مصریوں نے مٹی کی لاجوں کی بجائے نیل کے کنارے اگنے والے ایک پودے سے کاغذ بنا کر اس پر سرکنڈے کی قلموں سے لکھا۔ اس قسم کے کاغذ پر تحریر کر وہ اپنی یہ تحریریں لپیٹ کر مرتبانوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ اس قسم کی بہت سی تحریریں دریافت ہوئیں ہیں جن میں مذہبی کتب، گیت، عشقیہ نظمیں، کہانیاں، علم طب کے اصول اور نسخے، تاریخ و سیر پر مبنی ایک وسیع لٹریچر موجود ہے۔ سمیریوں کی طرح قدیم مصریوں

4000 ق م۔۔۔۔۔ دمشق وجود میں آیا؟

ملک شام کے صحراؤں میں گھرے نخلستان "الفتاح" کے نزدیک کوہ قاسیون کے دامن میں آباد شہر دمشق دنیا کے مشرق کا ایک عظیم تاریخی شہر ہے۔ اس سے بحیرہ روم کا کم از کم فاصلہ ایک سو کلومیٹر ہے مگر جبل قاسیون کے پہاڑ سمندر اور شہر کے درمیان دہری سد کا کام دیتے ہیں اور ایک ہزار میٹر تک بلند ہیں لہذا سمندر کی ہوائیں اور بادل شہر تک نہیں آسکتے۔ مگر ایک زرخیز نخلستان کے وسط میں ہونے کی وجہ سے یہ شہر قدیم وقتوں سے ایک منڈی اور دریائے فرات سے نسل تک سفر کرنے والے قافلوں کے پڑاؤ کا کام دیتا رہا ہے، لوگوں اور سامان کی مسلسل آمدورفت نے یہاں جو چہل پہل قائم کی وہ کسی بحری بندرگاہ سے کم نہیں تھی۔ اسی وجہ سے آج کے مورخ کو ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہوتا کہ اس انسانی جبل پہل نے کب دمشق کا شہر آباد کر دیا۔ کچھ دوست علم قیافہ سے اس شہر کی قدامت کو 8000 ق م تک بیان کرتے ہیں مگر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں 1950ء میں ہونے والی کھدائی سے جو دمشق کے جنوب مشرق میں تل الصالحیہ کے مقام پر ہوئی یہ انکشاف ہوا کہ یہاں چار ہزار سال قبل مسیح تک ایک شہری مرکز ہونے کا ثبوت ملتا ہے جب ہم فوجی دور تک استعمال ہونے والے ابتدائی اور نامکمل اوزاروں کو دیکھتے اور ان کا مقابلہ یہاں کے پیچیدہ نظام آب پاشی سے کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تقریباً دو ہزار قبل از مسیح کے وسط میں اس شہر کی خوشحالی ایک بڑے طویل اور مست رفتہ تمدنی ارتقا کا نتیجہ ہوگی۔

تل الامرئہ سے ملنے والی الواح میں اس کے تذکرے سے گویا دمشق کی تاریخ کا صحیح آغاز ہوتا ہے۔ اس کا نام ان شہروں کے ضمن میں آتا ہے، جنہیں فرعون تھتوس سوم (Thutmoses III) نے پندرہویں صدی قبل از مسیح میں فتح کیا تھا۔ ان کتبوں اور الواح میں اس کا نام دمشکا (Dimashka) درج ہے۔ فرعون رامسس ثالث کے کتبوں میں یہ نام "درمیسک" (Darmesek) کی شکل میں ملتا ہے۔ گیارہویں صدی ق م میں دمشق سرزمین "ارم کا بارہوق مقام تھا۔ جس کا حوالہ حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں بھی ملتا ہے۔ (کتاب المقدس، کنوین) حتیٰ کہ آج بھی مسلمان دمشق کے شمال میں مقام برزہ کی مسجد کو حضرت ابراہیمؑ سے منسوب اور مقدس سمجھتے ہیں۔ روایات کے مطابق یہ مقام حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا مقام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں آرامیوں نے اس شہر کا "جالی نما" نقشہ تیار کیا، جس کے بازار بظہر مستقیم ایک دوسرے کو قطع کر کے چوراہے بناتے تھے۔ یہ نقشہ دو ہزار ق م کے باطل اور آشور کے مشابہ تھا۔ بہر حال اس زمانے کا دمشق اپنے نہری نظام کی وجہ سے آرامیوں کا مہیون منت تھا۔ ہمیں "ہائل کی کتاب" امملوک ثانی باب ۵ میں "نعمان الابرس" کے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ دسویں صدی ق م میں ہزلیتہ بردی کے ساتھ ساتھ بہتی تھی اور نہر ٹورنی جس کا نام آرامی ہے اور جو جبل قاسیون کی ڈھلوانوں کے ساتھ ساتھ کھودی گئی تھی وہ اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔ اسی زمانے میں یہ شہر حضرت داؤد کے ہاتھوں فتح ہوا لیکن حضرت سلیمان کے عہد میں دمشق کے بادشاہ نے شمالی شاہان آشور اور جنوب کے ملوک اسرائیل کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ 732 ق م میں تلگت پلاس سوم (Tiglet Pilozer III) کے آشوری لشکر نے دمشق کی

بادشاہت کا خاتمہ کر دیا اور شہر پر قبضہ کر کے اس کے معبد اور شاہی محل کو لوٹ لیا۔ جس کا کچھ سامان 1940ء کی کھدائی میں بالائی عراق کے علاقے سے نکلا ہے۔ اس کے بعد آٹھویں صدی ق م میں یہاں آشوریوں ساتویں صدی میں بابلیوں، چھٹی صدی میں تختانیوں، چوتھی صدی ق م میں یونانیوں اور پہلی صدی ق م میں بازنطینیوں کے قبضے میں رہا۔ 333 ق م میں سکندر اعظم نے دمشق فتح کیا۔ یہ ایک بڑی اہم فتح تھی اس فتح سے تقریباً 635ء تک یہ شہر مغرب کے زیر اثر رہا۔ اس کے یونانی عہد اقتدار کو مورخین نے تین دوروں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک بطلیموسی ایک سلوکی (Seleucid) اور پھر 90 ق م کے قریب دیمتریوس (Demitrius) نے یہاں ایک جدید یونانی سلطنت قائم کی جس سے یہ شہر پھر سے ترقی یافتہ بن گیا۔ 85 ق م میں یہ شہر پہلی مرتبہ بازنطینی قبضے میں آیا۔ 64 ق م میں پونہی نے شام کو رومی سلطنت کا صوبہ بنایا اور یہ شہر 395ء تک رومیوں کے زیر اثر رہا۔ بعد ازاں بازنطینیوں نے اسے اپنا صوبہ قرار دیا

یہودی مہینوں کے نام:-

توت (ایلول) بابد (تشرین اول) ہانور (تشرین ثانی) کبیک (کانون اول) طوبہ (کانون ثانی) مشیر (شباط) برہمات (آزاد) برمودہ (نیسان) شمس (ایاز) بودنہ (حزیران) ایب (تموز) اور سری (حزیران)۔

دنیا کی دوسری قدیم تقویموں میں یونانی تقویم دوسری قدیم ترین تقویم ہے جس کا اجراء یکم ستمبر 3598 ق م سے ہوتا ہے۔

دوسری کئی تقویم اکثر اقوام عالم کے مشہور بادشاہوں کے سن جلوس سے شروع ہوتی ہیں۔ جن میں تقویم بخت نصر، سن سکندری، سن ذوالقرنین اور ہندوؤں کا سن بکری، جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے یہ سنن ان بادشاہوں سے جاری کیے اور اکثر ان کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئے۔ مگر سن بکری جو برصغیر پاک و ہند کا شکی کیلنڈر ہے آج بھی جاری ہے۔ اس سن کا آغاز 23 فروری 571 ق م کو ہوا تھا۔ یہ ہندوستان کے اصلاح پسند راجہ بکرماجیت کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مہینے بھی دوسری شکی تقویم عالم کی طرح بارہ ہیں ان میں دنوں کی تعداد 30 سے 32 ایام تک رکھی گئی ہے جس سے موسموں میں تغیر رونما نہیں ہوتا اور وہ سال کے ٹھیک حصے میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ اس کے کئی خاص مہینے خاص خاص موسموں کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے سادون بھادوں بارش کے مہینے اور ماہ پوہ موسم سرما کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ بکری تقویم کے مہینوں کے نام یہ ہیں۔ چیت، بیساکھ، جیشہ، ہاڑ، سادون، بھادوں، اسوج، کاتیک، مگھ پوہ اور ماگھ پھاگن۔

3760 ق م۔۔۔۔۔ یہودی تقدیم کی ابتدا

زمین کے گرد چاند کی گردش کا نظام یکساں معیار کا حامل نہیں ہے۔ اس کی کیفیت اور گردش حساب سے قمری مہینے تشکیل پائے زمین کے گرد چاند کی ماہانہ گردش کم از کم یا زیادہ سے زیادہ 14 گھنٹے کا فرق پایا جاتا ہے۔ قیاس ہے کہ چاند کی اسی گردش کے حساب سے ابتدا میں بارہ مرتبہ چاند کی طلوع و غروب ہونے سے بارہ مہینے کا سال بنا اور مہینے کے 30 یا 29 دن (اگلے چاند کے طلوع ہونے سے) طے پائے۔ اس بات کی شہادت ہمیں اس بات سے ملتی ہے کہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں مہینے کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں وہ بالضرور چاند کے نام سے متاثر ہو کر رکھے گئے ہیں مثلاً ماہ، مہینہ، Month، ماس وغیرہ۔

قمری مہینوں میں کمی بیشی کی وجہ سے قمری سال شکی سال کی معینہ مدت تک نہیں پہنچ پایا جس کی وجہ سے اس کے موسموں میں ہمیشہ تغیر پایا جاتا رہا ہے۔

دنیا کی بہت سی اقوام نے قمری مہینوں کے ساتھ کچھ ایام کا اضافہ کر کے اس کی یہ کمی پوری کرتا چاہی اور ایک مخلوط طریقہ حساب رائج کیا جس کے ذریعے بارہ قمری مہینوں کو شکی مہینوں کی طرح سال کے برابر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی مثالیں ہندوستان، چین، قدیم مصر اور شامی کیلنڈروں میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح کا تقویمی طریقہ اہل یہود نے بھی رائج کیا بعد ازاں شکی اور قمری تقویمیں الگ رائج ہو گئیں۔

اقوام عالم میں اہل یہود کی تقویم یا کیلنڈر ہی کو سب سے قدیم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وہ تخلیق آدم سے لگاتے ہیں جو ان کے نزدیک 3760 ق م میں رونما ہوتی تھی۔ یہودی تقویم کے حساب سے حضرت موسیٰ اور آدم کے درمیان تقریباً 2488 سال کا فاصلہ ہے۔ جب کہ آج کے رائج شکی کیلنڈروں میں پیدائش موسیٰ (تقریباً 1200 ق م کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ یہودی تقویم قمری اور شکی کیلنڈروں کے ادغام سے وجود میں آیا۔ اس کا سال ستمبر کے مہینے سے شروع ہو کر ستمبر ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ اسے Anno Mundi (AM) سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ عام سال بارہ مہینوں میں منقسم ہے۔ ہر مہینے کا آغاز نئے چاند سے ہوتا ہے اور مہینے کے دن بھی دوسری قمری تقویموں کی طرح 30 یا 29 ہی ہوتے ہیں۔ یوں عالم یہود کا سال 354 دنوں پر مبنی ہے۔ اس تقویم کو شکی تقویم سے ملانے کے لیے اب بھی بعض سالوں میں ایک مہینے کا اضافہ کر دیا جاتا ہے یا پھر شکی مہینے فروری کی طرح کسی مہینے میں دنوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ یہودی تہوار بھی بعض شکی اور بعض قمری تاریخوں کے حساب سے منائے جاتے ہیں۔

یہودی تقویم میں دنوں کی کمی اور اضافے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1982ء میں شروع ہونے والا سال 19 ستمبر کو اور 1983ء میں شروع ہونے والا یہودی سال 9 ستمبر کو جبکہ 1984ء میں 28 ستمبر کو 1985ء میں 17 ستمبر کو جبکہ 1986ء میں 14 اکتوبر کو شروع ہوا اس طرح ہر سال کو وہی شکی تاریخ سے شروع کرتے ہیں۔

کی مدت تک آئرلینڈ سے لے کر چین تک کانسی کی کھانا بنائیاں، خنجر، چھریاں، نیزوں کے پھل اور تیروں کے سوافر استعمال ہونے لگے، لیکن ان تمام اشیاء کا تعلق حصار لک سے ہی تھا۔ پھر 1900 ق م میں حصار لک ایک بدوی قوم کی یلغار کا شکار ہو کر تباہ ہو گئی۔ اس تباہی کے بعد حصار لک کے کارگر گرو ویش کے ممالک میں پھیل گئے اور یوں کانسی کی دھات اور اس سے اشیاء بنانے کا علم اطراف و اکناف عالم میں پھیل گیا۔

3500 ق م۔۔۔ کانسی کی دریافت اور اس کا زمانہ

قبل از تاریخ تین اہم زمانوں (جدید حجری، کانسی کا زمانہ اور لوہے کا زمانہ) میں سے درمیانی زمانہ، کانسی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوزار اور دیگر استعمال کی اشیاء کانسی سے تیار کی گئیں۔ یہ زمین پر جدید حجری دور کے بعد اور لوہے کے زمانے سے پہلے آیا تھا۔ لیکن یہ بات بڑی اہم ہے کہ یہ ہر کہیں ایک ہی وقت میں نہیں آیا۔ مثلاً میسو پوٹیمیا، مصر اور جنوب مغربی ایشیاء میں یہ 2500 ق م سے پہلے اور برطانیہ میں 2000 ق م کے قریب آیا تھا۔ جب کہ نصف کرہ مغربی میں فی الحقیقت کانسی کا زمانہ کبھی نہیں آیا۔

کانسی کے بنے ہوئے اوزار، ہتھیار اور دیگر اشیاء 2500 ق م میں تعمیر ہونے والے مصری اہراموں سے ملی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اشریاتی دریافتوں سے بھی یہ معلوم ہوا ہے کہ کانسی اس زمانے سے بھی تقریباً ایک ہزار سال پہلے سے انسان کے استعمال میں تھی۔ کانسی کی دریافت انسان کی تمدنی ترقی میں ایک بڑا اقدام سمجھی جاتی ہے۔ کانسی دراصل دو یا دو سے زائد دھاتوں کا بھرت ہے۔ یہ تانبے اور ٹین (قلعی) کو ایک خاص درجہ حرارت پر نوا اور ایک کے تناسب سے ملائے سے وجود میں آتی ہے۔ صدیوں تک ابتدائی انسان تانبہ کچ دھات کے ڈھیلوں کو گرم پتھروں پر پگھلا کر حاصل کرتا رہا۔ چونکہ کچ دھات کے ڈھیلوں میں کبھی کبھی تانبے کے ساتھ ٹین بھی ہوتا تھا جو اتفاقی طور پر تانبے کے ساتھ مل کر خالص تانبے سے بہتر اور سخت دھات کی شکل اختیار کر لیتا۔ یوں محض اتفاقی طور پر کانسی دریافت ہو گئی۔ اس دریافت میں انسان کی کوشش کی بجائے اس کی لاپرواہی کو زیادہ دخل تھا۔ اس دریافت کے بعد جلد ہی کانسی کا باقاعدہ استعمال شروع ہو گیا اور کانسی کی ابتدائی اشیاء وجود میں آنے لگیں۔ یہ اشیاء کانسی کو کھلے سانچوں میں ڈھال کر تیار کی جاتیں تھیں۔

2500 ق م سے 1000 ق م تک کے دور کے جنوب مغربی ایشیاء مصر جزائر انجمن، یورپ کے ممالک، وسط ایشیاء اور چین کے آثار قدیمہ سے کانسی کے اوزار بکثرت ملے ہیں۔ یہ اس دور کے انسانوں کی صنعتی ترقی کا پتہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ ابتدائی انسان تانبے کی کچ دھات کی کانوں سے نکال کر 3500 ق م سے پہلے سے استعمال کر رہا تھا۔ کوہستان ڈیکرس۔ اشیائے نوچک، جزیرہ نما سینٹا، جزیرہ قبرص اور ہسپانیہ کی کانوں سے تانبہ حاصل کرنے کا کام بہت دیر سے جاری تھا۔ اس کے علاوہ سونا بھی انسان کے استعمال میں آچکا تھا۔ لیکن سونا اور تانبہ چونکہ نرم دھاتیں تھیں اس لئے ان سے تیز دھار والے آلے اور اوزار جو شکار اور جنگ میں کام دے سکتے نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ کانسی سے باقاعدہ طور پر اوزار اور اشیائے بنانے کا ثبوت مشرق قریب میں مصری اہراموں کے بعد ایشیائے نوچک میں مغربی ساحل پر درہ وانیال کے قریب آباد ایک قدیم بستی حصار لک کے آثار سے ملا ہے۔ تقریباً 2000 ق م کے قریب حصار لک کے کارکنوں کے ہاتھ کانسی کے اوزار بنانے کا راز آ گیا تھا اور وہ تانبے میں دس فی صد ٹین ملا کر کامیابی سے کانسی کے اوزار بنانے لگے تھے۔ مشرق قریب میں کانسی کی اشیاء بنانے کا یہ راز صدیوں تک سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا رہا۔ پھر کانسی کی اشیاء کی مانگ اتنی بڑھی کہ دو سو سال

3500 ق م۔۔۔۔۔ پیسے کی ایجاد

یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد سے بنائی گئی ہر مشین پیسے کے گرد گھومتی ہے آج کے کسی بھی مشین نظام کا تصور پیسے کے بغیر محال ہے۔ چھوٹی چھوٹی گھڑیوں سے لے کر بڑی سے بڑی گاڑیوں تک اور جٹ انجن سے لے کر کمپیوٹر ڈسک تک تمام جدید ایجادات پیسے کے گھومنے سے ہی کام کرتی ہیں۔ میسوپوٹیمیا (قدیم عراق) کے آثار قدیمہ سے ملنے والی مٹی کی الواح پر بنی ہوئی اشکال سے پتہ چلا ہے کہ پیسے کی ایجاد کانسی کے زمانے (3500 ق م) میں قدیم سیری شہر میں کسہار کے چاک کے طور پر ہوئی تھی۔ پہلے کا ذرائع نقل و حمل میں اولین استعمال بھی سیریلوں ہی نے 3500 ق م۔ 3200 ق م میں اپنی رتھوں میں کیا تھا۔ یہ رتھیں وہ اپنی افواج کی نقل و حمل کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ بعد کے زمانے میں پیسے نے صنعتی ترقی میں جو مرکزی کردار ادا کیا وہ فراموش نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ذرائع نقل و حمل میں استعمال سے پہلے اس کا اولین استعمال بھی صنعت و حرفت کے شعبے میں ہی ہوا تھا۔

سیریلوں کی رتھوں میں پہلے کی اولین قسم چوبی قرص کی شکل میں تھی۔ اس کے بعد تقریباً 3000 ق م میں آشوریوں نے اسی قسم کے پیسے کو اپنی گاڑیوں (رتھوں) میں استعمال کیا۔ 2500 ق م میں ہمیں مویتھوڈارو میں بھی پیسے کے استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ 2000 ق م میں قدیم مصریوں نے اپنے رتھوں میں پیسے کی ایک اور قسم دندانے دار آراء دار پہلے کو استعمال کیا۔ تقریباً 1400 ق م میں پیسے کی ایجاد مرکزی یورپ اور شمالی یورپ میں نمودار ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں پہلے مشرق قریب میں ایجاد ہونے والے پیسے کے اثرات سے آزاد تھا۔ اس نظریے کے ثبوت میں اہل یورپ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ پہلے کی ایجاد کا خیال بالکل سادہ ہے اس لیے ہر تہذیب میں ترقی اور نشوونما کے ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہ خیال خود بخود پیدا ہو گیا اور کسی کی تقلید کی ضرورت نہ پیش آئی۔ لیکن یہ بات دنیا کی کئی ترقی یافتہ قدیم تہذیبوں پر صادق نہیں آتی۔ اس کی مثال مغربی نصف کرے کی ایزٹک اور مایا تہذیبیں ہیں جو اپنے زمانے کی انتہائی ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں مگر ان کے ہاں پیسے کے استعمال کا سراغ اس وقت تک نہیں ملتا جب تک یورپی اقوام امریکہ نہیں پہنچیں۔ خود یورپ میں بھی انیسویں صدی کے آغاز تک پیسے پر بہت کم توجہ دی گئی۔ تاہم صنعتی انقلاب کے بعد پہلے یورپی ٹیکنالوجی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر گیا۔

3500 ق م۔۔۔۔۔ دھوپ گھڑی

دھوپ گھڑی وقت معلوم کرنے کے لئے دنیا کا اولین اور سادہ ترین ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ اس آلے کی مدد سے زمانہ قبل از تاریخ کا انسان بھی دن کے اوقات میں وقت معلوم کیا کرتا تھا۔

دھوپ گھڑی سے دن میں وقت کسی چیز کے سائے کے گھٹنے اور بڑھنے سے معلوم کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں کسی چھڑی یا کھڑے پتھر کو عمودی طور پر زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا دھوپ سے اس کا سایہ زمین پر پڑتا۔ مختلف اوقات میں یہ سایہ سورج کے ساتھ ساتھ گھٹتا بڑھتا رہتا۔ سائے کے اسی گھٹنے بڑھنے سے وقت معلوم کیا جاتا ہے۔

جب انسان نے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی تو دھوپ گھڑی نے ایک سطح تختے کی شکل اختیار کر لی۔ اس سطح تختے پر اوقات ہندسوں میں رقم ہوتے تھے۔ ایک افقی کانٹے یا سوئی (Gnomon) کی مدد سے ان ہندسوں پر متحرک سایہ ڈالا جاتا تھا۔ اس طرح یہ کانٹا یا سوئی دھوپ گھڑی کی سوئیوں کا کام دیتا تھا۔ وقت معلوم کرنے کے لئے اس طرح کی دھوپ گھڑی 3500 ق م میں کلدانیوں (Chaldeans) اور چینیوں نے ایجاد کی تھی۔

مصر میں وقت معلوم کرنے کے لئے دھوپ گھڑی کا کام اہراموں اور کھجوں سے لیا جاتا تھا۔ یونانی تہذیب و تمدن کے عروج کے دور میں مثلثیات (Trigonometry) کے علم کی ترقی سے دھوپ گھڑیوں کے ضمن میں ٹھیک ٹھاک حسابات رکھنے کا امکان پیدا ہوا 610 ق م سے 547 ق م کے درمیان یونانی علم فلکیات کے بانی ایٹا کسی مینڈر (Anaximander)، 611 ق م۔ 547 ق م نے دنیا کی پہلی باقاعدہ دھوپ گھڑی ایجاد کی تھی۔ ایٹا کسی مینڈر کو بعض مورخین نے یونانی فلسفہ کی پہلی نثری تحریر کا مصنف بھی بتایا ہے۔

کی زبان پر تھے۔

قرآن کریم کے مطابق حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کے بعد پہلے صاحب شریعت پیغمبر تھے اور ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں شامل تھے جن سے خصوصی عہد و میثاق ہوئے تھے (33 الاحزاب 7) آپؑ نے ایک ہزار سال عمر پائی۔ آپؑ نے اس طویل عمر میں سے تقریباً ساڑھے نو سو سال تبلیغ میں صرف کئے۔ لیکن اتنے طویل عمر سے تک تبلیغ کے باوجود وہ اپنی قوم کے صرف چند افراد کو راہ حق پر گامزن کر سکے۔ ان کے اس واعظ و نصیحت کا ان کی قوم نے الٹا اثر لیا اور ان کے خلاف ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ان کو مجنوں اور دیوانہ کہہ کر پکارنے لگی اور انہیں ہر قسم کی تکفیفیں پہنچانے پر کمر بستہ ہو گئی۔ اپنی قوم سے مایوس ہو کر حضرت نوحؑ نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر آباد نہ رہنے دے۔ اس دعا کی قبولیت کے بعد حکم خداوندی ہوا کہ کوئی کافر بھی عذاب سے بچ نہ سکے گا۔

ایک طوفان عظیم کی وعید کے ساتھ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت نوحؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں کشتی تیار کی۔ جب یہ عظیم الشان کشتی جاری تھی کہ قوم نوحؑ کے شر پسند عناصر نے حضرت نوحؑ پر آواز کے اور ان کا مذاق اڑایا۔ اور پھر جب حضرت نوحؑ حکم خداوندی کے مطابق ہر جاندار شے کا جوڑا کشتی میں سوار کر چکے تو تنور سے پانی اگلنے لگا اور آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ تو ریت کے مطابق چالیس دن تک شب و روز بارش ہوتی رہی اور پانی پہاڑوں سے پندرہ ہاتھ بلند ہو گیا۔ حضرت نوحؑ کا تیار کردہ سفینہ سطح آب پر تیرنے لگا۔ مشہور مفسرین کثیر کے مطابق یہ طوفان 150 دن جاری رہا کچھ اسرائیلی روایات کے مطابق طوفان کا دورانیہ بھی پورا ایک سال ہے۔ طوفان ختم جانے کے بعد جس پہاڑ پر بلا خر کشتی نوحؑ جا کر کی اس کا نام مفسرین نے کوہ جودی بتایا ہے۔ یہ پہاڑ ترکی اور روس کی سرحد پر کردستان کے شمال مشرق میں واقع ہے اور اس کا موجود نام کوہ ادرات ہے۔ بعض مورخین کے مطابق یہ طوفان عالمگیر نہیں تھا۔ مگر اس طوفان کے عالمگیر ہونے کے حق میں زیادہ دلائل ملتے ہیں۔ اولاً حضرت نوحؑ کی قرآنی دعا کہ اے پروردگار روئے زمین پر کسی کافر کو آباد نہ رہنے دے۔ ثانیاً بابل سے اور مصر سے اسی طوفان کے اثراتی ثبوت کا ملنا۔ ثالثاً بابل سے ملنے والی الواح پر مرقوم کتبوں سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ طوفان نوحؑ عالمگیر تھا۔ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ، ان کے ساتھی اور ان کے نمن بیٹے نوحؑ انسانی کی بقاء کا سبب بنے۔

مآخذ

القرآن:- اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، تاریخ ارض القرآن از علامہ سلیمان ندوی۔ قصص الانبیاء از مولانا حفص الرحمن سبزواری، دی بابل۔ انبیاء کرام از مولانا ابوالکلام آزاد۔ انسائیکلو پیڈیا، برٹانیکا۔

3500 ق م۔۔۔ طوفان نوح

اس عہد کا اہم ترین واقعہ دنیائے متمدن کی ایک طوفان کے ہاتھوں جانی ہے۔ اس طوفان کے آثار مشرق وسطیٰ میں اکثر مقامات پر ملتے ہیں۔ ان میں سوس (ایران) سپہ موسیاں (عراق) انبید (عراق) ابواثرائن (عراق) اور بدار (زیریں مصر) کی اثراتی کھدائیوں سے سب سے چمکی تہہ کے اوپر مٹی کی ایک خالی تہہ جمی ہوئی ملی ہے۔ اس کے اوپر دوسری ایسی تہیں ہیں جن سے بعد کے زمانے کے آثار اور صنعتی اشیاء برآمد ہوئیں ہیں۔ خالی مٹی کی تہہ کا موجود ہونا اس امر کا سراغ دے رہا ہے کہ اس زمانے کی یہ انسانی آبادیاں زیر آب آنے کی وجہ سے برباد ہوئیں تھیں۔ اس کے علاوہ بابل سے ملنے والی الواح پر جو اس جانی کے صدیوں بعد لکھی گئیں تھیں اس طوفان یا طغیانی آب کی کہانی نہایت موثر جہیزے میں مرقوم ہے۔ انہیں الواح پر طوفان سے پہلے آباد بعض انسانی بستیوں کے نام بھی درج ملتے ہیں تاہم ان بستیوں کے آثار تاحال دریافت نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ شاہان بابل کی ایک ایسی فہرست بھی ملی ہے جس میں طوفان سے پہلے کے شاہی خاندانوں اور طوفان کے بعد کے شاہی خاندانوں کے بادشاہوں کے نام الگ الگ درج ہیں۔ موصیٰ، جن میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں، اس طوفان کی آمد کا زمانہ تقریباً 3300 قبل از مسیح بتایا ہے جبکہ علم الطبیعیات کے کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ طوفان 4500 ق م میں آیا تھا۔

علم آثار کی شہادتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی عظیم الہامی کتابوں، تورات اور قرآن مجید میں بھی اس طوفان کا ذکر تفصیلاً موجود ہے۔ تورات میں کتاب پیدائش میں اس طوفان کا ذکر قدرے تفصیل سے موجود ہے۔ بابلیوں کی الواح کے مطابق یہ طوفان فرات کے کنارے آباد ایک شہر ”شریچک“ میں آیا تھا جہاں کے باشندے بہت شریر ہو گئے تھے۔ لہذا آسمانوں کے تمام دیوتاؤں، انو، بل اور یار نے مل کر ان لوگوں پر بارش کا طوفان بھیجا۔ اس بابلی تذکرے میں پرتا پیشتیم نامی ایک شخص کو بچاؤ کی تدبیر کے طور پر ایک کشتی بنانے کا حکم ملتا ہے۔ وہ ایک 6 منزلہ کشتی تعمیر کر کے وقت موعود پر تمام جانداروں کی انواع کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاتا ہے۔ پورے چھ دن اور چھ راتیں پر کشتی طوفان باد و باران کے دوران سطح آب پر تیری رہتی ہے اور ساتویں دن جب طوفان میں کسی کی قدر اعتدال پیدا ہوتا ہے تو یہ کشتی ایک پہاڑ کی چوٹی سے جا لگتی ہے۔ بابلی الواح میں یہ بیان داستان گل گامش کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمیری بادشاہ گل گامش کے زمانے تک اس طوفان کی یاد بہت قدیمی حادثے کے طور پر باقی تھی۔ گل گامش کی یہ داستان پشتوں سے قدیم میسیریوں میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی پھر 2 ہزار قبل از مسیح کے قریب الواح پر لکھی گئی۔

دوسری طرف قرآن پاک میں بھی اس طوفان کا ذکر اس طریق سے کیا گیا ہے کہ گویا عام لوگ اس حادثہ سے جو ہزاروں سال پیشتر رونما ہوا تھا کسی حد تک آگاہ تھے۔ قرآن پاک کے نازل ہونے کا زمانہ 610ء سے 632ء تک کا ہے۔ گویا 4 ہزار برس بیت جانے کے بعد بھی اہل عرب اس حادثے کو فراموش نہ کر سکے تھے اور اس طوفان کے چرچے عام لوگوں

اور چاندی سے مرصع کاری بھی کی جاتی تھی۔ یونان کی سرزمین پر ڈیڑھ لاکھ کے مقام پر ایک بڑا مندر بھی منوئی آبادکاروں ہی نے تعمیر کیا تھا۔ اس مندر میں سانپوں والی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ اسی مندر کی بڑی پجاریاں غیب کی باتیں بتاتی تھیں اور لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتی تھیں۔

نوسوں 1700 ق م میں تباہی کا شکار ہو کر ایک بار پھر آباد ہوئے۔ اس تباہی کی وجہ ایک بغاوت عام تھی جس میں شاہی محلات نذر آتش کر دیے گئے۔ 1580 ق م میں نوسوں ایک بار پھر تباہ ہوا اس مرتبہ اس کی تباہی کا سبب ایک زلزلہ تھا۔ تقریباً 1400 ق م میں نوسوں پر ایک اور تباہی آئی جس میں شاہی محلات اور بستیاں سب تباہ ہو گئیں اس تباہی کا سبب ایک نئی قوم کی یلغار سمجھی جاتی ہے۔ جو جنوبی روس سے آ کر سرزمین یونان پر قابض ہو گئی تھی۔ کریٹ پر یہ حملہ انہیں خانہ بدوشوں، پہلنی یا پہلی لوگوں نے کیا تھا۔ اس تباہی کے بعد کریٹ پھر کبھی نہ ابھر سکا۔

منوئی تہذیب کے عروج و زوال کے تین ادوار ہیں۔ ابتدائی 3000 ق م سے 2000 ق م تک ابتدائی دور۔ 2000 ق م سے 1580 ق م تک وسطی دور اور 1580 ق م سے 1400 ق م۔ ان تینوں ادوار میں بے حد ترقی ترقی ہوئی۔ مٹی کے برتنوں سے تانبے اور کانسی کا دور آیا۔ فریسکو مصوری نے بتدریج ترقی کی اور اسے بڑا فروغ ہوا مہرین اثریات کو کھدائی سے جو اشیاء ملی ہیں ان میں ظروف، تجسمے اور زیورات شامل ہیں۔ یہ اشیاء اپنی صنائی اور معیار کے لحاظ سے اس وقت کی دوسری قوموں کی اسی قسم کی مصنوعات سے کہیں بہتر ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ایک جزیرہ پر آباد ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ان کا بحری بیڑا اس زمانے میں اتنا مضبوط تھا کہ اس کی موجودگی میں کوئی دشمن قوم ان کے جزیرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتی تھی۔ اسی آسودگی اور آزادی کی وجہ سے ان کے فنکاروں اور کاریگروں کو اجتماعی کام کرنے کے مواقع فراہم ہوئے اور وہ دوسری ہم عصر قوموں کے فنکاروں اور کاریگروں سے اشیاء کے معیار اور کارکردگی میں آگے نکل گئے۔

جس طرح قدیم مصر کے بادشاہ ہمیشہ فرعون کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اسی طرح جزیرہ کریٹ کے اس دور کے بادشاہ منوس (Minos) کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ منوئی لوگ کریٹ کی تباہی کے بعد شام کے ساحل پر آباد ہو گئے اور چند صدیوں بعد کی فونیقی قوم کے آباؤ اجداد بن گئے۔

مآخذ

The Heritage of World Civilization.

The Humanites in Western Cultrure.

Encyclopidedia of Archaeology-Larouses.

A History of Civilization by J.E.Swain.

Story of Civilization-Will Durant.

تاریخ تہذیب ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر۔ تاریخ اقوام عالم از مرتضیٰ احمد خان، انسائیکلو پیڈیا تاریخ اقوام عالم۔ ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، تاریخ تہذیب ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر۔

3000 ق م۔۔۔ اولین یورپی تہذیب، منوئی تہذیب کی نمود

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جس وقت یونان پتھر کے جدید زمانے Neolithic Age کے ارتقائی مراحل سے گذر رہا تھا اس وقت بحیرہ ایج (Aegaensea) کے جزیرے کریٹ پر اولین یورپی تہذیب جنم لے رہی تھی۔ زمانہ قبل از تاریخ تقریباً 4000 ق م میں بحیرہ ایج کے ساتھ ساتھ کچھ غیر ہند یورپی قبیلے آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ مغربی ایشیائے کوچک سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی سب سے بڑی نوآبادی جزیرہ کریٹ پر قائم کی تھی۔ یہاں آباد ہونے کے پہلے ہزار سال کے اندر ان لوگوں نے ایک نئے تہذیب و تمدن کا آغاز کیا۔ جزیرہ کریٹ کی اس تہذیب کو مشہور برطانوی ماہر آثاریات سر آر تھر ایوز (Arthur Evans) نے کریٹ کے اساطیری حکمران منوس (Minos) کے نام پر منوئی تہذیب کا نام دیا۔ جزیرہ کریٹ پر پائے جانے والے قدیم آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولین منوئی لوگ زراعت کارانہ تھے بلکہ تاجر تھے بحیرہ ایجین کے دوسرے جزیروں کے علاوہ مصر اور شام سے بھی ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ یہاں تک کہ مغربی فرانس اور آئر لینڈ کے ساحلی علاقوں سے منوئی تمدن کے آثار ملے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جزیرہ کریٹ کے ان تاجروں نے اپنی تجارت کا دائرہ دور دراز کے ملکوں تک وسیع کر لیا تھا۔

اپنی تجارت کے باعث یہ لوگ بہت مالدار ہو گئے تھے۔ ان کے تمول کا سراغ کریٹ کے دو قدیم شہروں کے کھنڈرات اور منوئی تاجروں اور بادشاہوں کی قبروں سے ملتا ہے۔ کریٹ کے ان دو قدیم شہروں، نوسوں اور فائسٹس کے شاہی محلات بھی اپنے زمانے کے جدید ترین اور ترقی یافتہ فن تعمیر کے حامل تھے۔ ان محلات میں غسل خانے، نالیاں، پانی لانے کے آبی راستے، خواب گاہیں، پرائیویٹ کمرے، موزائیک فرش اور مندر الگ الگ تھے۔ منوئی تہذیب کے آخری دور کے محلات الگ الگ تھے۔ منوئی تہذیب کے آخری دور کے محلات کی عمارتیں ان سے بھی نئے ڈیزائن کی ہیں۔ ان عمارتوں میں کھلے گھن بڑے ہال کمرے، کارخانے اور گودام تک موجود ہیں۔ دیواروں پر بنائی گئیں تصویریں اعلیٰ ترین آرٹ کا نمونہ ہیں۔ ایک تصویر ایک ساتی کی ہے جس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا گلاس یا جام ہے۔ ان تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صرف زیر جامہ یا جاگلیا پہنتے تھے۔ ان کے کندھوں پر رومال ہوتا تھا جس کے دونوں سروں کو گلے کے قریب سوئی سے تانک لیا جاتا تھا۔ مرد بھی بازوؤں میں لنگن پہنتے تھے۔ جبکہ عورتوں کے لباس میں پٹواریں اور ایسی کڑیاں نمایاں تھیں جن کا گلہ سینے کے ابھارتک کھلا ہوتا تھا۔ اور گردن کے پیچھے ایک اوپر کو الٹا ہوا کالر ہوا کرتا تھا۔ کریٹ کے تاجروں نے یونان کی سرزمین پر بھی اپنی نوآبادیاں قائم کر رکھیں تھیں۔ ان نوآبادیوں میں انہوں نے ایک نئی ریاست بھی قائم کی تھی۔ اس ریاست کے بادشاہوں کی قبروں سے سونے کے نقاب ملے ہیں جو وہ مردوں کے چہروں کو ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سونے کے تاج، سونے کی مہریں اور چوڑیاں اور پیالے بھی دریافت ہوئے منوئی تہذیب چونکہ کانسی کے زمانے سے تعلق رکھتی تھی اس لئے منوئی لوگوں کے ہاں اوزار کانسی کے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کانسی کے اوزاروں کے قبضوں پر سونے

3000 ق م۔۔۔ آلات موسیقی

ہارن (باجا) کا تعلق اس کی اولین شکل میں زمانہ قبل از تاریخ سے ہے۔ بنیادی طور پر ہارن اپنی ابتدائی شکل میں جانوروں کے سینک، گھونٹے اور باجی دانت پر مبنی تھے۔ بگل یا شاہنائی بھی انہیں سیگوں یا گھونٹوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ مصر

مَا خَذَ

The Book Of World Encyclo Pedia.

کے آثار سے ایک کانی کا بنا ہوا بکسل ملا ہے۔ اس کا تعلق 2000 ق م سے ہے۔ بگل نے رومی اور یونانی معاشروں میں بھی بہت اہمیت اختیار کر لی تھی۔

دوہری بانسری (Oboe) یا نے کا تعلق بھی 2000 ق م کے قدیم مصری سازوں سے ہے۔ اس ساز کو اس کی موجودہ یورپی شکل فریڈرک ٹرائی برٹ (Frederic Triebart) نے فرانس میں انیسویں صدی میں دی تھی۔

الغوزہ یا کارنیٹ کا تعلق بھی قدیم مصر اور یونان سے ہے۔ اسے جرمنی کے شہر نورمبرگ میں کرسٹوفر ڈینر (Christopher Denner) نے 1670ء میں یورپ میں متعارف کروایا تھا۔

3000 ق م۔۔۔ گنتارا The Abacus

پتھر کے اوزاروں کے بعد کانی کی دریافت اور پتھر کی ایجاد نے بنی نوح انسان کو اس کے ارد گرد کے ماحول کی طبعی رو کا دیکھ کر دور کرنے میں بڑی مدد فراہم کی تھی اس کے علاوہ خود انسان میں جبلی طور پر ایسی صلاحیتیں شروع ہی سے موجود تھیں جو اسے ماحول کی مشکلات پر قابو پانے میں مدد فراہم کرتی تھیں۔

انسان کی ایک ایسی ہی جبلی صلاحیت اشیا کو شمار کرنے کی تھی۔ اپنی اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر انسان نے بعد کے زمانوں میں علم ریاضی پر عبور حاصل کیا اور اس کی مدد سے بہت سی مشینیں ایجاد کیں۔ ان مشینوں میں گنتارا (Abacus) انسان کی اولین ایجاد ہے۔ گنتارے کو ہم قدیم زمانے کا کمپیوٹر بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی اولین قسم جو ایک تختہ پر ریت بچھا کر تیار کی گئی تھی اہل سمیرہ کے قدیم عراق میں تقریباً 3000 ق م میں ایجاد کی گئی۔ تختہ پر بچھائی گئی ریت میں انگلیاں چھری سے نشانات لگائے جاتے اور پھر انہیں شمار کر دیا جاتا تھا۔ انگریزی زبان کا لفظ (Abacus) سامی زبان کے لفظ ABQ سے نکلا ہے جو شاید اہل سمیرہ کی اس سادہ گنتی کی مشین کو کہتے تھے اور اس کے لفظی معنی بھی ریت ہی لیے جاتے تھے۔

ریت کے بنے ہوئے اس گنتارے نے صدیوں میں ارتقائی مراحل طے کر کے 500 ق م میں قدیم مصریوں کے ہاں تاریں پروئے ہوئے موتیوں والے چوکھٹے کی شکل اختیار کر لی جو آج تک مروجہ طبعی آری ہے۔ اس قسم کے گنتارے میں موتی یا شمارندے متوازی سلاخوں پر یا تالیوں کے اندر حرکت کرتے ہیں۔

قدیم زمانے میں گنتارے کا استعمال روم، ہندوستان، چین اور یونان کی تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ یونان کے فلسفی آئی امیلیکس (I Lamblichus) (250ء۔ 325ء) کے مطابق فیثا غورث گنتارے کی مدد سے ہی اپنے طلباء کو جیومیٹری اور حساب کی تعلیم دیا کرتا تھا۔

کلاسیکی عہد کے روم میں بھی گنتارے کے استعمال کی شہادتیں موجود ہیں۔ قدیم ہندوستان میں بھی اس کا استعمال عام تھا۔ قدیم چین میں مستعمل گنتارے میں دس تاروں میں سات سات موتی یا شمارندے پروئے جاتے تھے۔ شمارندہ کا ایک گروہ اکائی کی نمائندگی کرتا دوسرا 5 کے ہندسے کی اور تیسرا دہائی کی۔ ان شمارندوں کو حرکت دینے سے گنتارا استعمال کرنے والا آج کے برقی کیلکولیٹر کی طرح جمع تفریق اور ضرب و تقسیم کا عمل کر سکتا تھا۔

Schliemann نے میکینائے یا مائی سینائی (Mycenae)، تیرنز (Tiryns)، ٹرائے (Troy) اور خومینوس کے مقامات پر کھدائی کر کے کئے ہیں۔ ان مقامات میں سب قدیم تمدن کا تعلق ٹرائے سے تھا۔ شلیمان نے 1870ء میں کھدائی شروع کی۔ کھدائی سے معلوم ہوا کہ یہاں تہہ در تہہ کئی شہر دفن ہیں۔ کھدائی سے بہت سی دلچسپ اشیاء مثلاً تصویروں وار ظروف اور پتھر اور تانبے کے سادہ برتن، سونے کی اشیاء کا ایک ٹاور مجموعہ جس میں طلائی کنگن، جھومر اور کئی قسم کے اور زیورات شامل تھے۔ ان اشیاء کے دستیاب ہونے پر علمائے اثبات میں ایک سنسنی میں پیدا ہوئی اور ان کا نام ہومر کے کردار پر یام پر ”پر یام کا خزانہ“ رکھا گیا۔ یہ نیز سب تہہ در تہہ ایک دوسرے پر اس طرح رکھے ہوئے ملے گویا کوئی خاص خطرہ تھا جس کی وجہ سے انہیں ایک طرف رکھ دیا گیا ہو۔ مائی سینائی میں جو انکشاف ہوئے ان کے ذریعہ بھی ایک نئی دنیا جو شاید آج کی دنیا سے بھی درخشاں تھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس شہر کے کھنڈرات میں جو قلعہ دریافت ہوا اس کی تعمیر میں دیواریں بے قاعدہ پتھروں کو یکجا کر کے بنائی جاتیں تھیں۔ یہاں یہ بات بڑی اہم ہے کہ یہ طرز تعمیر بھی سب سے قدیم نہیں۔ ان تمام اشرافیہ دریا فتوں میں سب سے اہم ظروف ہیں جو یونان قنون لطیفہ کے اولین نمونے ہیں۔ ان میں سے بعض قنون لطیفہ کے اولین نمونے ہیں۔ ان میں سے بعض ظروف کی طرح ہیں۔ جن پر روغن چڑھا ہوا ہے وہ شمالی یورپ کے مفروضہ زمانہ قبل از تاریخ کے برتنوں سے مشابہ ہیں۔ مائی سینائی سے منقوش پٹیلیں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ ان پٹیلیوں میں سے بعض پر ستارے بعض پر چھلیاں یا تتلیاں بنی ہوئیں ہیں۔

تھوڑی سی پرواز تخیل سے ہم مائی سینائی اور دوسرے اولین یونانی شہروں کے امراء کی اس وقت کی زندگی کا تصور کر سکتے ہیں۔ جن دنوں یہ شہر بام عروج پر تھے۔ ان کے میدانوں میں نوجوان گاڑی دوڑوں میں متہک نظر آتے۔ امراء کے مکانوں میں مصری اور فنیقی وضع کے رنگ برنگ پتھروں کی مرصع کاری ہوتی تھی۔ گھروں کا سامان قیچش کا کرہ اکثر تانبے کے برتنوں سے سجا ہوتا تھا۔ میلوں کے موقع پر مردا کٹر مسلح نظر آتے۔ ان کی کمروں میں زکار مرصع تلواریں پڑیں ہوتیں۔ خواتین کے سروں اور گلوں میں قیمتی اور خوبصورت زیورات ان کے حسن کو دو بالا کر رہے ہوتے۔ امراء کے ہاں ضیافتوں میں مہمانوں کے آگے چاندی اور سونے کے ظروف رکھے جاتے جنہیں فنیقی ملاحوں سے حال ہی میں خریدا گیا ہوتا۔ یاہو برتن مہمانوں کی خدمت میں پیش کئے جاتے یا جو میزبان نے کسی کچھلی جنگ میں بطور مال غنیمت ہتھیائے ہوتے۔

زنا نہ کمروں کو اکثر پیش بھا اشیاء سے سجایا جاتا۔ ان اشیاء میں سرفہرست شتر مرغ کے اٹھے ہوتے جن پر پیش قرار سنگین کام کیا ہوتا۔ صنوبر کے بکس میں منقوش پتھر اور عنبر کے دانے رکھے ہوتے الغرض نسوانی حسن کی زیب و زینت میں اضافہ کی ہر کوشش کی جاتی۔ یونان کے یہ اولین شہر مصر کے منفس، اور میسوپوٹیمیا کے بابل و شل سے کم نہ تھے۔

3000 ق م۔ 1100 ق م۔۔۔۔۔ یونان میں کانسی کا عہد یا صحیح تہذیب

اہل یونان ان قدیم اقوام عالم کی زنجیر میں بطور خاص ایک نہایت محکم بالشان کڑی کے ہیں جن کے واقعات اور حالات سے تاریخ و تہذیب عالم کا آغاز ہوا۔ ایسی قومیں بہت کم صفحہ ہستی پر نمودار ہوئی ہیں جنہوں نے آئندہ نسلوں پر اس قدر عظیم الشان اثر ڈالا ہو جتنا کہ اہل یونان نے۔ آج جمہوری طرز حکومت سے بہت سے علوم و فنون تک سب اہل یونان کی یادگاریں ہیں۔

قدیم یونان میں جنم لینے والی تہذیب اپنی پیشتر و تہذیب عالم سے ہر لحاظ سے ترقی یافتہ تھی۔ جہاں سمیری اور مصری تہذیبوں نے دنیا کو اولین رسم الخط سے آشنا کیا وہیں یونانی تہذیب نے دنیا کے اولین ڈرامہ نگار، اولین تاریخ دان، فلسفی، شاعر اور مقرر پیدا کئے۔ طب، طبیعیات، جیومیٹری، علم الحیوانات اور دیگر بے شمار علوم کا سائنسی طریق پر مطالعہ بھی اہل یونان ہی نے شروع کیا تھا۔ اہل یونان ہی نے دنیا میں پہلی مرتبہ (776ء) کسرتی کھیلوں کے مقابلے کا قاعدہ طور پر منعقد کرانے کا اہتمام کیا جو بعد میں اولمپک گیمز کہلا گئیں لیکن حریت کی بات یہ ہے کہ دنیائے قدیم میں یونان کا کوئی ملک نہ تھا اور نہ ہی کوئی قوم یونانی کہلاتی تھی۔ جنہیں ہم اہل یونان کا نام دیتے ہیں وہ خود کو ”ہیلیئس Helienes“ کہتے تھے۔ ان ہی کے خیال کے مطابق اس خطے میں جسے ہم یونان کہتے ہیں پہلے نیز سے پہلے ایک اور قوم ”پیلیاگی یا پلاز جیائی Pelasgian & Pelazjanz“ آباد تھی۔

پلاز جیوں کا شمار یونان کے قدیم ترین انسانی گروہوں میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ سرزمین یونان پر یونانی بولنے والے قبائل کی آمد سے پہلے یعنی قبل از میلے نیز عہد (3000 ق م سے 2000 ق م) سے پہلے آباد تھے۔ یونان کی روایتی یا افسانوی تاریخ کے مطابق پلاز جیائی اس ملک کے اولین باشندے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے نیز اور پلاز جیائی لوگوں میں باہمی تعلق کیا تھا؟ زمانہ حال کے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ دراصل پہلے نیز ہی پلازہ جیائی تھے۔ پلازہ جیائی تمدن نے ہی رفتہ رفتہ یونانیت کا جامہ پہن لیا تھا۔

کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ابتدا پلاز جیوں کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو بحیرہ ایجی (Aegeansea) کے شمالی علاقے میں آباد تھے اور کانسی کے عہد میں نقل مکانی کر کے سرزمین یونان میں وارد ہوئے تھے۔

ہومر نے اپنی ”ایلیڈ“ میں پلاز جیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے انہیں یونانیوں کے حریف اہل ٹرائے کا حلیف بتایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق پلاز جیائی قبائل بہت دور ایک لاریسا (Larisa) نامی علاقے سے آئے تھے۔

پلاز جیوں کے علاوہ کئی اور قومیں بھی تھیں جن کا ذکر قدیم تاریخ یونان میں یونان کے اولین آبادکاروں کے طور پر ملتا ہے ان میں کارائیائی (Carian) اور لیلیگی (Leleges) وغیرہ شامل ہیں۔

اس دور کی تمدنی ترقی کے سلسلے میں اہم ترین انکشافات مشہور جرمن ماہر اثبات ہنر شلیمان (Heinrich

3000 ق م۔۔۔۔ سو میری دور شجاعت اور داستان گلگامش

عالمی رزمیہ ادب اور اقوام عالم کی تاریخ میں کل چار دور شجاعت (Heroic Ages) ہو گزرے ہیں۔ ان میں سے تین تو پہلے سے معلوم چلے آ رہے تھے۔ یعنی قدیم یونانی دور شجاعت ہومر کی رزمیہ داستانوں کا دور تخلیق یا ہندوؤں کا دور شجاعت (رامائن و مہابھارت کی تخلیق کا دور) اور شمالی یورپ کا ٹیوٹانی دور شجاعت (Teutoni Heroic Age) مرزا ابن حنیف صاحب نے اپنی کتاب ”دنیا کا قدیم ترین ادب“ میں دور شجاعت کے متعلق لکھا ہے کہ دور شجاعت کا ایک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت کا حکمران طبقہ اپنی شہرت اور نام وری کا بری طرح بھوکا ہوتا ہے۔ اسی خواہش سے مجبور ہو کر بادشاہ اور دوسرے چھوٹے بڑے حکمران اپنے درباروں میں بھانڈ اور گویے رکھتے تھے۔ درباری شاعر حکمرانوں کی مہمات اور کارناموں کو بیانیہ نظموں اور گیتوں ترانوں کی صورت میں نظم کرتے۔ اسی قسم کی نظمیں یا گیت شاہی اور درباری تقریبات میں تفریح طبع کے لئے گائے جاتے تھے۔

یہی گیت اور نظمیں تبدیلیوں کے بعد دنیا کا رزمیہ ادب کہلائیں۔ مندرجہ بالا تین دور شجاعت ہومر کے رزمیوں ”ایلیڈ“ اور ”اوڈیسی“ ہندو رزمیوں ”رامائن اور مہابھارت“ اور ٹیوٹانی رزمیوں کی وجہ سے عالمی ادب میں مشہور چلے آتے تھے۔ اب عراق میں اہم ترین قدیم علمی انکشافات کے بعد سے تاریخ انسانی کا چوتھا مگر سب سے قدیم دور شجاعت اور اس سے متعلق ادب بھی ہزاروں سال تک زمین میں مدفون رہنے کے بعد ابھر کر دنیا کے سامنے آیا۔ اس ادب کی دریافت کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی تاریخ کا اولین معلوم دور شجاعت، سو میری دور شجاعت تھا۔ یہ دور شجاعت آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہو گزرا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں دوسرے تین ادوار بالکل نئے ہیں اور علی الترتیب 3 ہزار سال، پچیس سو سال اور سولہ سو سال قدیم ہیں۔

دنیا میں رزمیہ شاعری کی تخلیق و تحریر کا سب سے پہلے آغاز سیر میں ہوا تھا۔ کئی لحاظ سے یہ سو میری رزمیہ شاعری یونانی، ہندو اور ٹیوٹانی شاعری جیسی ہی ہے۔ تاہم کئی پہلوؤں میں مشابہت رکھنے کے باوجود سو میری رزمیہ شاعری مندرجہ بالا رزمیہ شاعریوں سے مختلف بھی ہے۔ سو میری رزمیہ نظمیں مختلف طوالت کی حامل انفرادی اور غیر مربوط کہانیوں کا مجموعہ ہیں۔ ان میں ہر کہانی ایک ہی واقعہ تک محدود ہوتی تھی۔ سیر کی رزمیہ کہانیوں میں اولین سیر ہی ہیر و گلگامش کی کہانیاں بہت اہم ہیں۔ ان کہانیوں کو صدیوں بعد بائبل شاعروں نے ایک طویل داستان کی شکل دی جو ”گلگامش کی داستان“ کہلائی۔ یہی داستان دنیا کی اولین رزمیہ داستان ہے۔

یہ داستان مٹی کی لوحوں پر کندہ 1841ء میں ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ کو نینوا سے آشوری بادشاہ آشور بنی پال کی ذاتی لائبریری سے ملی ہے۔ یہ رزمیہ پیکانی رسم الخط میں کل بارہ لوحوں پر محفوظ ہے۔ ہر لوح پر 300 سطریں رقم ہیں۔ نینوا سے ملنے والی ان لوحوں کے علاوہ بھی اس داستان کے قدیم نسخے کئی اور زبانوں میں کھنڈوں کی شکل میں دریافت ہوئے ہیں۔ کئی زبانوں

میں ملنے کی وجہ سے اس داستان کی قدیم زمانے میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

سو میری ادب کی اس ارتقائی شکل نے وقت جیسی بے رحم قوت کو شکست دے دی ہے کیونکہ یہ کل سو میری دور شجاعت میں بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔ اس داستان میں زندگی کے دوسرے رنگوں کے ساتھ قنوطیت کا رنگ نمایاں ہے۔ ساتھ ہی اس میں حیات ابدی کے ازلی مسئلے کو اٹھایا گیا ہے۔ انسان ازل سے ایسی حیات کا خواہاں ہے جو ہمیشہ کے لئے ہر مگر اس کی یہ خواہش کبھی اور کبھی پوری نہیں ہو سکی۔ ایسا ہی داستان گلگامش میں بتایا گیا ہے۔ داستان کا ہیرو آخر میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ انسان فانی ہے اور ابدی زندگی کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔

اس داستان کا مرکزی کردار گلگامش ریاست کلاب کا بادشاہ ہے۔ وہ شہر ارک کا بھی بادشاہ بن جاتا ہے۔ لیکن رعایا اس کی جاہ طلبی اور ملک گیری سے تنگ ہے اور ان کی زبانوں پر شکوہ ہے کہ گلگامش جنگوں کی کثرت کی وجہ سے کسی شہری کو اس کے باپ اور بیوی کے ساتھ سکون سے نہیں رہنے دیتا۔ رعایا کی اسی شکایت کے رد عمل کے طور پر دیوتا انو (Annu) تولید کی دیوی (Ururu) کو ایک ایسا انسان پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے جو گلگامش کے ہم سر اور مخالف کے طور پر سامنے آ سکے تاکہ گلگامش کی توجہ جنگوں سے ہٹ کر اس کی طرف ہو جائے اور رعایا سکھ کا سانس لے سکے۔

دیوی اور رو کی یہ تخلیق این کدو، ایک جنگلی انسان کے طور پر سامنے آتی ہے۔ لیکن تھوڑی سی مخالفت کے بعد این کدو گلگامش کا دوست بن جاتا ہے اور دونوں کئی مہمات مشترک طور پر سر کرتے ہیں۔

پھر این کدو کی موت کے بعد یہ داستان ایک نیا موڑ لیتی ہے۔ گلگامش حیات ابدی کی تلاش میں نکلتا ہے اور عظیم سیلاب کے ہیر و اتنا پشتم سے ملتا ہے۔ اتنا پشتم اسے ایک ایسے پودے کے بارے میں بتاتا ہے جس کے کھانے سے بوڑھے جوان ہو جاتے ہیں واپسی کے سفر میں گلگامش سمندر کی تہہ سے یہ بوٹا حاصل کر لیتا ہے۔ مگر راستے میں ایک باؤلی میں نہاتے ہوئے یہ بوٹا ایک سانپ کھا جاتا ہے اور گلگامش کی محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔ داستان کی بارہویں لوح میں این کدو ایک بار پھر نمودار ہوتا ہے اور گلگامش کو موت کی تاریک دنیا کے بارے میں بتاتا ہے۔ پھر گلگامش بھی میدان جنگ میں ایک بہادر کی موت کی تمنا لیے چل بستا ہے۔ اور اس کا حیات ابدی حاصل کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا اور انسان کے ہمیشہ سے فانی ہونے کا راز افشاں ہو جاتا ہے۔

مآخذ

تاریخ تہذیب از مولانا غلام رسوم مہر۔ تاریخ انسانیت، داستان گلگامش از سید قاسم محمود، دنیا کا قدیم ترین ادب از مرزا ابن حنیف۔ ماضی کے مزار از سیط حسن۔

2900 ق م۔۔۔ مصر میں تیسرے شاہی خاندان کی حکمرانی کا آغاز

مصر کی تاریخ فراعنہ میں تیسرا شاہی خاندان اور اس کا عہد ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی عہد میں مصر میں ایک نیا مذہب روشناس کرایا گیا۔ جس میں آفتاب پرستی مرکزی عبادت تھری۔ آفتاب پرستی عوام الناس کا مذہب تو کبھی نہ بن سکی البتہ صدیوں تک برسر اقتدار طبقے اور امراء کا مذہب یہی رہا۔ اسی عہد میں نعشوں کو مہمانی (Mummify) کا رواج شروع ہوا۔ ان دونوں مذہبی اختراعات کے ساتھ ایک تیسری اہراموں کی تعمیر کی ہوئی۔ مصریوں نے اہرام کیوں تعمیر کرنے شروع کئے؟ اس بات کا تسلی بخش کوئی جواب ابھی تک نہیں مل سکا۔ ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی پردہ نہیں اٹھ سکا کہ یہ افکار و عقائد تعمیرات خالصتاً مصر کی اپنی پیداوار ہیں یا کسی اور ملک سے درآمد کردہ تہذیب و ثقافت سے اخذ کردہ۔

تیسرے شاہی خاندان کے دو بادشاہوں زوسر۔ نترخت (Zoser Neterkhet) اور سنفرو (Snefru) کی چھوڑی ہوئی یادگاریں آج بھی مصر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان دونوں فرعونوں نے ایسے شاندار اہرام بنوائے کہ وہ مصر کے تمام اہراموں میں خوبصورت اور نفیس ہیں۔ حتیٰ کہ فرعون خوف کا عظیم اہرام بھی نفاست میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

زوسر دوسرے شاہی خاندان کے آخری فرعون خاسے ثمویٰ کا بیٹا تھا اور ملکہ نیاتپ کے لطن سے تھا۔ اسی فرعون نے تیسرے خاندان کی حکومت کو استحکام بخشا۔ جنوب میں کچھ فتوحات کر کے اپنی سرحدوں کی توسیع کی اور نویہا کے قبائل کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی خاندان کے دوسرے فرعون سنفرو کے عہد میں مصر میں جہاز سازی اور جہاز رانی کا آغاز ہوا۔

2900 ق م۔۔۔ دانائے مصر ام حوتپ اور اہرام زوسر کی تعمیر

تیسرے خاندان فراعنہ کے اہم حکمران شاہ زوسر کی کامیابیوں کا دارومدار زیادہ تر اس کے وزیر یا تدبیر ”ام حوتپ“ کی دانشمندی پر تھا۔ ام حوتپ مصر کے قدیم دار الحکومت ممفس کا رہنے والا تھا۔ وہ تاریخ مصر بلکہ تاریخ عالم کا تاحال ایسا سب سے پہلا دانشور مصنف، معالج، مفکر، عالم اور ماہر تعمیرات اور منجم ہے۔ جس کا نام تحریری طور پر مل چکا ہے۔ پاکستان کے مایہ ناز ماہر مصریات مرزا ابن حنیف مرحوم لکھتے ہیں کہ ام حوتپ کی ایک تصنیف ”پرس پیپرس“ پر اس جگہ موجود تھی جہاں ساڑھے چار فٹ خالی جگہ موجود ہے۔ ام حوتپ ہی دنیا کی وہ پہلی شخصیت ہے جس نے اولین ماہر تعمیرات کی حیثیت سے دنیا کی سب سے پہلی ایسی عمارت تعمیر کی جو ساری کی ساری پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ یہ عمارت فرعون، زوسر کا ہرم یا مقبرہ ہے۔ ام حوتپ کا یہ عظیم تعمیراتی شاہکار آج بھی سرزمین مصر پر موجود ہے اس سے پہلے شاہی مقبرے پختہ اینٹوں سے تعمیر کئے جاتے تھے۔ پتھر کا استعمال صرف فرش یا پچھریں تک محدود تھا۔ ام حوتپ نے یہ ہرم ممفس کی پہاڑیوں کے قریب چٹانوں پر سفید پتھروں سے تعمیر کیا۔ یہ ہرم چھ چکر دار زینوں پر مشتمل ہے اپنے اسی مخصوص طرز تعمیر کی وجہ سے یہ ”زینے دار“ ہرم کہلاتا ہے۔ یہ قاہرہ کے نزدیک ستارہ کے قدیم قبرستان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس جگہ فراعنہ کے پانچویں خاندان تک کے حکمرانوں اور سرکردہ اشخاص کے مقبرے تعمیر ہوتے رہے۔ قدیم مصر کا دار الحکومت ممفس یہاں سے قریب تھا۔ زوسر کا مذکورہ سر تاسر سنگین مقبرہ 413 فٹ لمبا، 344 فٹ چوڑا اور کوئی 200 فٹ اونچا ہے۔

ام حوتپ نے اپنی زندگی میں جو کارنامے انجام دیے ان میں اس ہرم کی تعمیر ایک لحاظ سے اس کا سب سے اہم اور عالمی سطح پر بھی اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اولین تعمیراتی کارنامہ ہے۔ ام حوتپ کے اسی کارنامے سے مصر میں پتھر کے اہراموں اور عمارتوں کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ اسی سے دنیا میں طرز تعمیر اور تہذیب انسانی کا ایک نیا تعمیراتی دور شروع ہوا۔ یعنی یہ ام حوتپ ہی تھا جس نے تقریباً پانچ ہزار برس قبل نہ صرف مصر بلکہ پوری دنیا کو ایک عظیم اور فنی ترقی کے ایک نئے تعمیراتی دور میں داخل کر دیا تھا۔ اہرام زوسر کی تعمیر کے ساتھ پوری دنیا میں ام حوتپ نے عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر پر مبنی جس تہذیب کا آغاز کیا وہ اسی کے ایجاد کردہ فنی اصولوں کی بنیاد پر استوار ہوئی تھی۔ اس نے حوتپ میں کھائی ہوئی اینٹوں کی جگہ پتھر کے بلاکوں سے پہلی مرتبہ ہرم تعمیر کیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اسی طرز تعمیر سے اہل مصر نے اہرام زوسر سے بھی بڑی عمارت تعمیر کر لیں۔ ان میں چوتھے خاندان کے حکمرانوں نے خوفو چیوپس اور منقورا کے مشہور عالم تمدن سب سے بڑے اہرام شامل ہیں۔ اپنی اس فنی مہارت اور جدت کے سبب ام حوتپ ایک لیجنڈ Legend کی حیثیت اختیار کر گیا۔

ام حوتپ بلاشبہ تاریخ عالم کا پہلا معلوم جنس تھا۔ ایسا جنس جو اپنے افکار، تخلیقی صلاحیت، پرواز فکر اور قوت اختراع کے لحاظ سے اپنے دور سے بے حد آگے تھا۔

اس کی تخلیقی صلاحیتوں نے انسانی تمدن کا دھارا نئی راہوں کی طرف موڑ دیا۔

دنیا نے قدیم کی عظیم شخصیتوں میں یہی وہ عظیم دانشمند شخصیت ہے جسے نہ صرف مصریوں نے اپنی ہزار ہا سالہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا ان کے بعد آنے والی دوسری اقوام عالم یونانیوں اور رومیوں نے فاتحین مصر کی حیثیت رکھنے کے باوجود مفتوح مصری قوم کے اس اولین دانشمند کو نہیں بھلا یا۔

قدیم مصری ادب میں ام حوٹپ کا ذکر بربط نواز کے مشہور قدیم مصری گیت میں بطور افتتاحی اسم کے آیا ہے۔ اسی طرح قدیم مصریوں کے ہاں یہ روایت بھی ملتی تھی کہ جب کوئی نو آموز کاتب کچھ لکھنے کا آغاز کرتا تو اپنی دوات سے چند قطرے سیاحی کے ام حوٹپ کے نام پر زمین پر ٹپکا دیتا تھا۔

متحدہ قدیم مصری تحریروں میں اس کا معجزہ نما شفا شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ قدیم تاریخ مصر میں وہ ہمیشہ بطور معالج یاد رکھا گیا۔ یہاں تک کہ پانچ سو قبل از مسیح میں اس کی وفات کے کوئی چوبیس سو سال بعد اسے شفا بنیائی کے دیوتا کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بعد میں آنے والے ادوار میں اس کے درجے میں اضافہ مصر کے غیر ملکی حکمرانوں یعنی یونانیوں نے یہ کیا کہ اسے اپنے دیوتا شفا و صحت اکلے ہیسیس Aesclepios کے مشابہ قرار دے دیا۔ موجودہ سقارہ میں اس کے مقبرے کے ارد گرد جو زیارت گاہ بن گئی تھی۔ یونانی اسے اسی مشابہت کی بنیاد پر اسکی پیوں کہتے تھے۔

بعد کے زمانوں میں نہ صرف مصر بلکہ دوسرے تہذیب یافتہ ملکوں تک سے مریض صحت پانے کی خاطر اس کے مقبرے پر آیا کرتے تھے۔ یوں اس کا مقبرہ ایک طبی اور مذہبی مرکز کی اختیار کر گیا تھا۔ لقی لاق اور بن ماس (سیمون) ام حوتپ کے مقدس پرندے اور چوپائے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے مریض جب ام حوتپ کے مقبرے کی زیارت کے لئے آتے تو بطور نذر کتان کے کپڑے کی بیٹوں میں لپٹے اور مٹی کے مرتبان میں سر بہرہ حنوط شدہ لقی یا سیمون بھی لاتے تھے۔ انگریز ماہر مصریات ڈاکٹر والٹر ایمری نے ایک ایسا مقبرہ دریافت کیا جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ یہ ام حوتپ کا ہی مقبرہ ہے۔ اس مقبرے کی غلام گردشوں سے کم از کم دس لاکھ حنوط شدہ لقی لقی مٹی کے سر بہرہ مرتبانوں میں ملے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے چھبیس سال کی تلاش کے بعد 1965ء میں یہ مقبرہ دریافت کیا تھا یہ مقبرہ بھی قہارہ کے قبرستان میں موجود ہے۔

مَا خَذَ

Asimov's Biographic. Encyclopedia of S.T Encyclopedia Brittanica.

مصر کا قدیم ادب از مرزا ابن خلیفہ۔ تاریخ انسانیت سید قاسم محمود۔ تاریخ تہذیب مولانا غلام رسول مہر۔

2870 ق م۔۔۔۔۔ ٹرائے آباد ہوا

صدیوں تک تائید یونانی شاعر ہومر کی نظم ”الہیڈ“ (زمانہ تقریباً 850 ق م) کو ایک فرضی واقعات پر مبنی خیالی نظم سمجھا جاتا رہا۔ اس نظم میں ذکر کئے گئے شہر ٹرائے (Troy) اور اس کے زمانہ دس سالہ محاصرہ کو (جو واقعات کے مطابق یونانیوں نے کیا تھا) بھی ایک فرضی داستان کی حیثیت حاصل رہی۔ اس نظم کی تخلیق کے ہزاروں سالوں بعد دنیا میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جو اس نظم میں بیان کردہ واقعات اور مقامات کی سچائی پر یقین رکھتا تھا۔

یہ انسان تھا مشہور زمانہ جرمن ماہر اثریات ”ہنرغ شلیمان“ (1822-90ء) اس عظیم ماہر اثریات نے بچپن میں سنی ہوئی کہانیوں پر یقین رکھتے ہوئے اپنی عمر کا آخری حصہ اور کمائی ہومر کے بیان کردہ مڑائے اور دیگر مقامات کے تلاش میں صرف کئے۔ ہنرغ شلیمان نے لیاں جوانی میں امریکن شہریت اختیار کر کے کاروبار سے بہت دولت جمع کی لیکن چونکہ بچپن سے ہومر کے مطالعے کا شائق تھا۔ اس لئے 1863ء میں کاروبار کو خیر باد کہہ کر مڑائے اور ہومر کے بیان کردہ دوسرے مقامات کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے کام کا آغاز ترکی کے ایک مقام حصارلک (Hissarlik) سے کیا جو رومانیال کے جنوب سرے پر واقع ہے۔

حصارِ لک کے معنی ”محفل“ کے ہیں۔ حصارِ لک کے مقام پر اہلِ روم نے اپنی شہنشاہیت کے آغاز میں ایک پرانے یونانی قصبے کو ڈھا کر ایک نئی بستی آباد کی تھی جسے وہ ”نوم الیم“ (نیا ٹرائے) کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ جب ہلیمان نے اپریل 1870ء میں حصارِ لک کے ٹیلے پر کھدائی شروع کی تو پہلی حضریات میں اسی رومی شہر نوم الیم کے آثار برآمد ہوئے۔ یہ شہر شاید پہلی یا دوسری صدی قبل از مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ہلیمان نے دوبارہ منصوبہ بندی کرنے کے لئے کچھ عرصہ کے لئے کھدائی بند کر دی۔ ستمبر 1870ء میں کھدائی کا کام دوبارہ شروع کیا گیا کچھ قدیم ظروف، قدیم ہتھیار اور دیگر اشیاء برآمد ہوئیں پھر اس کے بعد قدیم مندر اور محل بے نقاب ہوتے چلے گئے۔ اس ٹیلے کی کھدائی سے تقریباً نو قدیم شہروں کے کھنڈرات یکے بعد دیگرے دریافت ہوئے۔ ان دریافتوں کے علاوہ ہلیمان کے ہاتھ نو اورات کا ایک خزانہ بھی لگا جسے اس نے شہنشاہِ ٹرائے شاہِ بریام کے خزانے کا نام دیا لیکن کئی اور خزانوں کی دریافت کے بعد اسے یہ نام ترک کرنا پڑا۔

ان مہنڈرات کی تہوں میں سب سے آخر میں جو شہر دریافت ہوا اس کا تعلق ماہر اثاریات نے 2870ء سے بتایا ہے۔ اس مقام پر انسان نے نو حجری دور میں آباد کاری کے کام کا آغاز کیا تھا۔ اس دور سے تعلق رکھنے والا یہ نویں تہہ کا شہر تھا۔ 3000 ق م کے قریب اس اولین ٹرائے میں کسان اور چمچیرے آباد تھے۔ جو دھات کا یا تو استعمال ہی نہیں جانتے تھے یا پھر بہت کم دھات کا استعمال کرتے تھے۔ ان کے پاس پتھر کے کھاڑے اور برچھیاں اور ہڈی سے بنائی ہوئی مچھلی پکڑنے کی کھدیاں ہوتی تھیں۔ شہری زندگی ابتدائی قسم کی تھی اور لوگ سیدھے سادے تھے۔ عورتیں اپنی سجاوٹ کے لئے گھسائے ہوئے پتھروں، چمڑے اور ہاتھی دانت سے بنی ہوئی اشیاء استعمال کرتی تھیں۔ اس دور کے جو برتن دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں برتن سیدھے سادے اور بے ڈھب ہوتے تھے اور ان پر رنگ و روغن نہیں کیا جاتا تھا۔ 2600 ق م کے قریب یہ شہر برباد ہو گیا۔ اس کی بربادی کس طرح ہوئی اس کے متعلق معلوم نہیں شاید خونی قذاق سمندر کے راستے سے آئے اور شہر کے باسیوں کو تہ تیغ کر کے مکانات کو آگ لگا کر چلے گئے۔ اس طرح اولین ٹرائے اپنے وجود کے نشانات چھوڑ کر نیست و نابود ہو گیا۔ ٹرائے اول کی بربادی کے کچھ عرصہ بعد اس کے کھنڈرات پر ایک نیا ٹرائے وجود میں آیا۔ جو پہلے سے کہیں بڑا اور مضبوط تھا۔ اس کا تمدن بھی ٹرائے اول کے تمدن سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا اس شہر کے لوگ دھات کے استعمال سے بخوبی واقف تھے۔ شہر کا شہزادہ طلائی طشتیوں میں کھانا کھاتا اور عام شہریوں کے پاس بھی سونے کے زیورات موجود تھے۔ جنہیں وہ چمڑے کی تھیلیوں اور مٹی کے برتنوں میں رکھتے تھے۔ پہلے ٹرائے میں شکاری، چمچیرے اور کسان بستے تھے۔ لیکن اب کا ٹرائے تجارت کا مرکز بن گیا۔ یہ چونکہ درہ دانیال کے اہم تجارتی راستے پر واقع تھا اس لئے آبنائے سے گزرنے والے تجارتی جہاز اس ٹرائے کو محصول بھی دیتے تھے۔

اپنی بے پناہ دولت کی حفاظت کے لئے ٹرائے دوم نے مضبوط قلعہ بندی تعمیر کر لی تھی۔ اس شہر کے ارد گرد پتھروں کی سولہ فٹ چوڑی بنیادیں ملی ہیں لیکن تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود تقریباً 2300 ق م میں ٹرائے دوم پر بھی ایک اجنبی فوج بلی پڑی۔ جس کی تاب نہ تو مضبوط دیواریں لائیں نہ اس کی قلعہ بندی۔ دوسرے شہر پر حملہ کرنے والے ان اجنبی حملہ آوروں کے متعلق بس یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ شاید یورپ کے کسی آوارہ قبیلے کے لوگ تھے یا پھر یہ بھی بحری قزاق تھے۔ ٹرائے دوم جب تباہ ہوا اس وقت ہومر کے شاہ پریمام کی پیدائش میں ابھی ہزار سال باقی تھے۔ اس کے بعد اسی مقام پر کئی آبادیاں ہوئیں جو شہر نہ کہلا سکیں۔ 1400 ق م کے لگ بھگ ٹرائے کے محل وقوع کی قدر قیمت کو محسوس کرتے ہوئے نئے آبادکاروں نے عین پرانے شہر کے کھنڈرات کے اوپر ایک نیا اور عظیم الشان شہر تعمیر کیا۔ یہ تقریباً سلسلہ وار چھٹا شہر تھا اور گزشتہ تمام شہروں سے عظیم تر۔ اسی کو ہومر کا ٹرائے ہونا تھا۔ یہ ایک مصروف اور دوہندہ شہر تھا۔ جس کی اہمیت ٹرائے دوم سے کہیں زیادہ تھی۔ 1500 ق م قبل از مسیح کے اس ٹرائے میں نفیس ترین زیورات اور دیگر اشیاء بنائیں جاتی تھیں۔ اس کے رنگ و روغن سے مزین نازک مٹی کے ظروف کا مقابلہ میسینائی کے ظروف سے کیا جاسکتا تھا۔ ٹرائے کی دولت مند خواتین اپنے بالوں کو ہاتھی دانت سے بنی ہوئی نفیس نگھلیوں سے سنوارتی تھیں۔

وہ اپنی آرائش کے لئے جلائی گئی دھات کے آئینے استعمال کرتی تھیں۔ کیونکہ اب گھر کے کاموں کے لئے ان کے پاس غلام ہوتے تھے۔ پہلے پائے جانے والے شہروں کے مقابلے میں یہ نیا ٹرائے خود کو حملہ آوروں سے محفوظ رکھ سکتا تھا لیکن مظاہر فطرت کے خلاف اس کی پائیداری بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ تقریباً 14 ویں صدی قبل از مسیح میں ایک خوفناک زلزلے نے ٹرائے کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کی فصلیوں میں دراڑیں ڈال دیں اور اس کے علاوہ مکانات کو زمین بوس کر دیا۔ لیکن اس تباہی کے بعد بھی یہاں کی تاریخ نہ ہوا کیونکہ زلزلے سے بچنے والوں نے فوراً ہی اس کی تعمیراتی بحالی کا کام شروع کر دیا تھا۔

اس مرتبہ کا یہ آباد شہر ہی ماہرین اثریات کے مطابق سات الف اور دراصل پریمام کا ٹرائے تھا۔ اس ٹرائے نے بڑی تیزی سے تمدنی ترقی کر کے متمدن دنیا میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ اس کی پیتل کی مصنوعات اور سونے کے زیورات کی

دھوم بہت جلد متمدن دنیا کے ہر کونے میں پھر سے پھیل گئی۔

اس بات پر ماہرین کو ابھی بھی شبہ ہے کہ شاید پریمام نام کا کوئی بادشاہ بھی یہاں حکمران تھا یا نہیں مگر اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس شہر کا بادشاہ پتھروں سے تعمیر کردہ ایک عالی شان محل میں اپنی ملکہ اور بہت سے بیٹوں اور بیٹیوں کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ اس شہر کے عام شہری کی زندگی خوشحال اور خوشگوار ہوا کرتی تھی۔

مردوں کے لئے کھلیں اور کسرتی کرتیوں کے مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے۔ عورتیں رقص کرتیں اور اچھل پھاند اور کڑھائی بنائی کر کے خوش ہوتی تھیں۔ امراء کے ہاں دھتوروں میں عمدہ گوشت اور تیز شراب پر مشتمل کھانا سونے اور چاندی کے ظروف میں پیش کیا جاتا تھا۔

گہری تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ ٹرائے کے دشمنوں کے حملوں کے خلاف مدافعت کی قوت بھی رکھتے تھے۔ تاہم 1200 ق م میں یونان کے بادشاہوں نے اپنی متحدہ قوت سے اہل ٹرائے کو نچا دکھانے کا عزم کیا جس کے نتیجے میں ہومر کے مطابق جنگ ہوئی اور وجہ چاہے ہیلن کا اغوا ہو یا نہ ہو مگر ایک بار پھر شہر کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔

مآخذ

1000 Great Events. Story of Civilization.

تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان، بھولی بری کہانیاں یونان۔ از مرزا ابن حنیف۔ تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم۔

یہ امر بھی فرعونوں میں مشترک ہے کہ ان دونوں سے مصر کا مذہبی طبقہ یعنی پروہت بیزار تھے۔ ہیرودوٹس کو اس کی سیاحت مصر کے دوران پروہتوں نے بتایا کہ ان دونوں فرعونوں کے عہد میں مندروں پر تالے پڑ گئے اور کسی کو دیوتاؤں کی پرستش کرنے کی اجازت نہ رہی تھی۔ ہیرودوٹس نے اپنی سیاحت ہی کے دوران خافرا کے اہرام کے دروازے پر مصری زبان میں نصب ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہرم کی تعمیر کے دوران معماروں اور مزدوروں کے لئے جو موبائیاں، پیاز اور لہسن روزانہ فراہم کیا جاتا تھا اس پر (1) سولہ سو ٹیلنٹ چاندی کا خرچہ اٹھتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب صرف لہسن پر سولہ سو ٹیلنٹ چاندی کا خرچہ اٹھتا تھا تو تعمیر کے دیگر اخراجات کتنے وسیع ہونگے۔ (1) تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ۔

باقی دو اہراموں کی طرح غزہ کا تیسرا اہرام بھی چوتھے خاندان ہی کے فرعون منکورا (Mycerinus) نے تعمیر کرایا تھا۔ ہیرودوٹس کے بقول منکورا ایک عدل پسند اور منصف مزاج فرعون تھا۔ اس نے اپنے پیش روؤں کے عہد میں بند ہو جانے والے مندروں کے دروازے کھلوائے اور لوگوں کو دیوتاؤں کی پرستش کی اجازت دے دی تھی۔ اس طرح وہ پروہتوں کے دل بھی جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ غزہ کے یہ تینوں اہرام آج بھی ان تینوں فرعونوں کی اہم یادگاروں کے طور پر باقی ہیں۔ بظاہر پتھروں کا ڈھیر نظر آنے والے یہ اہرام دراصل اس عہد میں علم ریاضی کی ترقی یافتہ صورت کے بہترین مظاہر ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف بڑے ہرم کے پتھروں سے سارے فرانس کے گرد تین فٹ اونچی اور ایک فٹ چوڑی دیوار تیار کی جاسکتی ہے۔ صرف اس بات سے آپ کو قدیم مصری قوم کی محنت اور عظمت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

کیویں کا ہرم مکمل طور پر مخروطی شکل کا مثلث نما چار پہلو مینار ہے۔ اس کی کسی سمت میں بھی دروازہ نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کی سب سے چلی منزل ایک مربع چبوترے کی مانند ہے۔ جس کا ہر ضلع سات سو تیرھ فٹ طویل ہے۔ اس چبوترے کی اونچائی چار فٹ آٹھ انچ ہے۔ اس چبوترے پر اسی اونچائی کا ایک دوسرا چبوترہ تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کی لمبائی چوڑائی پہلے سے کم ہے۔ اس طرح مینار کی چوٹی تک دو سو کے قریب چبوترے مسلسل چلے گئے ہیں ان چبوتروں کے بتدریج گھٹنے سے نیچے سے اوپر تک میڑھیاں بن گئیں ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس بڑے اہرام میں پانچ کروڑ کعب فٹ پتھر لگا ہے۔ 820ء تک اس اہرام کی اندرونی کیفیت کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس سال خلیفہ مامون الرشید نے مہینوں کی محنت اور بڑا کثیر سرمایہ صرف کر کے اس کو شمال کی سمت سے کھلویا۔ جب یہ حصہ کھلا تو شگاف کے پاس ہی مامون کو اس قدر زور لگا کہ ہوا ملا جتنا اس عظیم عمارت کو کھلوانے میں صرف ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ شاید اہرام تعمیر کرنے والے منجموں نے اپنے علم نجوم سے ہزاروں برس پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اسے فلاں سن میں فلاں بادشاہ کھلوائے گا اور اس کا کس قدر زلزلہ کام پر صرف ہوگا۔ شاید انہیں وہ سمت بھی معلوم تھی جس سمت سے اس اہرام کو کھولا جانا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے پہلے ہی وہ مختارہ رکھ دیا تھا ایسی ہی ایک روایت علامہ شمس الدین نے اپنے سفر نامے میں رقم کی تھی کہ 593ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک العزیز نے بعض ناعاقبت اندیشوں کے مشورہ پر اس اہرام کو مسمار کرنا چاہا مگر لاکھوں روپے کے زیاں کے بعد بھی صرف اوپری سطح کو نقصان پہنچ گیا۔ مجبوراً اسے کام بند کر دیا گیا۔

2500 ق م۔۔۔۔۔ مؤن جو داؤد کا تمدنی عروج

ضلع لاڑکانہ سندھ میں مؤن جو داؤد ریلوے اسٹیشن سے چودہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ٹیلا ہے جسے مقامی زبان میں مونجوڑو یعنی مردوں کا ٹیلا کہتے ہیں۔ 1911ء میں اس کے آثار دریافت ہوئے تھے۔ 1922ء میں محکمہ آثار قدیمہ کے ایک مقامی افسر آرڈی بیئرجی نے ہڑپہ اور مؤن جو داؤد کے باہمی تہذیبی تعلق کو دریافت کیا، اس اہم انکشاف کے بعد برطانوی ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر جنرل سر جان مارشل کی نگرانی میں آئندہ کئی سال تک یہاں کھدائی کا کام ہوتا رہا جس سے وادی سندھ کی قدیم ترین تہذیب کے اس عظیم شہر کی تاریخ سے تاریکی کے پردے آہستہ آہستہ اٹھتے چلے گئے۔

سمیری یا مصری تہذیبوں کی طرح وادی سندھ میں بھی ایک قدیم انسانی تہذیب نے دریا کے کنارے جنم لیا تھا یہ برصغیر پاک و ہند کی سب سے اولین اور قدیم ترین تہذیب ہے اور وادی سندھ کی تہذیب کہلاتی ہے۔ اس سے پہلے کی کسی اور ہندوستانی تہذیب کا سراغ نہیں ملتا۔ جس نے دریا کے کنارے جنم لیا تھا۔ ماہرین نے اس تہذیب کا پختہ زمانہ یا تمدنی عروج تو 2500 ق م سے لے کر 1700 ق م تک قرار دیا ہے۔ لیکن درحقیقت اس کا تسلسل 3800 ق م تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا دائرہ اثر شمال میں افغانستان کے علاقہ بدخشاں سے لے کر جنوب میں ساحل سمندر تک ہے۔ جہاں یہ بلوچستان کے ساحل سے لاکھیاواڑ تک محیط ہے۔ اتنے وسیع علاقے میں دریافت ہونے والے اس کے اثراتی ثبوت مٹی کے برتن، مہرین اور مکانات جو طے شدہ معیاری لختیوں پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ آپس میں مکمل یکسانیت رکھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک وسیع ترین تہذیب تھی۔

اس تہذیب کا سب سے پہلے ملنے والا شہر ہڑپہ ہے اسی وجہ سے ہڑپن سویا نیشن بھی کہتے ہیں۔ اسی تہذیب کا دوسرا بڑا شہر مونجوڑو ہے۔ بعد میں گنوری والا بھی ملا ہے جو ہڑپہ سے بڑا شہر ہے۔ لیکن ماہرین زیادہ اہمیت ہڑپہ اور مونجوڑو کو دیتے ہیں۔ مونجوڑو کو اس تہذیب کے مرکزی مقام کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شہر وادی سندھ کی تہذیب کے تمدنی عروج کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر حیران کن طور پر دوسرے ابتدائی ہندوستانی شہروں کے مقابلے میں پتھروں کی بجائے اینٹوں سے ہوئی ہے۔ جو مٹی اور کچر کو دھوپ میں سکھا کر تیار کی جاتی تھیں۔ مونجوڑو اس وقت کے کسی بھی دوسرے شہر سے تعمیری لحاظ سے ترقی یافتہ تھا اور آج کے جدید شہروں کی طرح باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی گلیاں مستطیل بلاکوں کی شکل میں رکھی گئی تھیں اور اپنی ساخت میں جدید امریکی شہروں کی گلیوں سے مشابہ تھیں۔ شہر کے مغربی کنارے پر ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو تقریباً مستطیل شکل ہی کا ہے۔ اس قلعہ کا طول شمالاً جنوباً چار سو گز ہے اور عرض شرقاً غرباً دو سو گز ہے۔ یہ قلعہ 30 فٹ اونچے چبوترے پر بنایا گیا تھا۔ اس چبوترے کے گرد پکی اینٹوں کی مضبوط دیوار ہے۔ قلعے کے اندر بڑے بڑے ہال کمرے، بڑے بڑے دروازے اور چبوترے ہیں۔ قلعے کے باہر شہر کے مکانات ہیں اور غلاموں کے

کوارٹرز بھی ہے۔ شہر میں گلیوں کی کشادگی کے باوجود کھلے میدان، پارک اور باغات نہ تھے۔ شہر میں تعمیر کردہ گھروں کے نقشے ہر نئے دور میں بدل جاتے تھے لیکن کتواں و پین رہتا تھا۔ اس کے اوپر مزید گول دیوار کھڑی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ ماہر اثریات نے جو کنوئیں کھود کر نکالے ہیں وہ بیس سے تیس فٹ تک اونچے ہیں۔

موجودہ دور کی سب سے نمایاں عمارت یہاں کا بڑا غسل خانہ یا عظیم حمام ایشان گھر ہے۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت ہے جس کے وسط میں ایک بڑا سا تالاب ہے۔ یہ تالاب شمالاً جنوباً 39 فٹ لمبا، شرقاً غرباً 23 فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ گہرا ہے۔ شمال اور جنوب دوست سے اینٹوں کے بنے ہوئے زینے اندر اترتے تھے۔ تالاب سے پانی رسنے کا سد باب لک سے کیا گیا ہے۔ اس تالاب کے ارد گرد ایک غلام گردش چلی گئی ہے۔ جس کے تین اطراف میں کمرے اور ایک سمت میں برآمدہ ہے۔ شمالی جنوب ایک جگہ ترتیب کے ساتھ آٹھ غسل خانے بنائے گئے تھے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ غسل خانہ اس وقت کے صاحب اقتدار مذہبی پیشواؤں کے استعمال میں ہوگا۔

شہر کا اتان گھر بھی ایک اہم عمارت تھی جس میں ماہرین کے مطابق 50 ہزار سے ایک لاکھ نفوس تک کی آبادی کے لئے اتان ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ شہر کی سرکس 35 فٹ سے زیادہ کشادہ تھیں۔ پانی کے استعمال کے لئے لوگوں نے گھروں میں بھی کنوئیں کھودے ہوئے تھے اس کے علاوہ چوراہوں پر پبلک کے استعمال کے لئے بھی کنوئیں موجود تھیں۔ گندے پانی کی نکاسی کے لئے سرکوں کے دونوں جانب دو نالے رکھے جاتے تھے ہر گھر میں الگ غسل خانے بھی موجود تھے جو خواتین کے لئے الگ اور مردوں کے لئے الگ تھے۔ امراء کے مکانات میں کمروں کے سامنے کشادہ جھن تھے۔ غرض یہ کہ منصوبہ بندی کے لحاظ سے یہ قدیم ایشیا میں اپنی طرز کا ایک مثالی شہر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے کوئی موجودہ کا مطالعہ کرے ویسے ویسے ہی یہ شہر اسے جدید سے جدید تر خوبیوں کا حامل شہر نظر آتا ہے۔ آج کے جدید شہروں کی طرح نہ صرف اس شہر کی گلیوں کے فرش کے نیچے ایک اچھا نکاسی آب کا نظام موجود تھا بلکہ اس کے مکانات میں حفظان صحت کا نظام موجود ہونے کے شواہد بھی ملے ہیں۔

اس شہر کے لوگ ایک خوش و خرم اور فعال زندگی بسر کرتے تھے اور کسی بھی جدید ملک کے باشندوں سے ضابطگی اور شائستگی میں کم نہ تھے۔ یہاں کی خواتین بناؤ سنگھار اور زیورات کی دلدادہ تھیں جس کا اندازہ کھدائی کے دوران ہونے والے زیورات اور سرے دانتوں اور مجسموں سے ہوتا ہے۔ بچوں کا دل بہلانے کے لئے اس معاشرے میں کھلونوں کا رواج بھی تھا۔ جانوروں کی صورتوں میں چڑیا نمایاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ مورتیوں میں سب سے زیادہ حیران کن چیز تیل گاری ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اثریاتی کھدائیوں میں جو مہر لٹی ہیں ان پر مختلف جانوروں کی شبیہیں بنی ہوئی ہیں کچھ مہروں پر انسانی شبیہیں بھی موجود ہیں مجسمہ سازی میں بھی یہ لوگ باذوق تھے۔ ایک مجسمہ جو کسی مذہبی پیشوا کی صورت کا لگتا ہے اس کا چہرہ بارعب ہے داڑھی تراشی ہوئی ہے، پیشانی تنگ اور مونچھیں منڈی ہوئی ہیں۔ مجسموں میں سب سے مشہور اور عالمی شہرت کا حامل مجسمہ رقصہ لڑکی کا ہے اس نے گلے میں ہار اور بازو میں بہت سے نگین پہنے ہوئے ہیں اس کے علاوہ بہت سے مجسمے ہیں جو عورتوں اور دیوی دیوتاؤں کے لگتے ہیں۔ یہ سب موجودہ اور وادی سندھ کے فن مجسمہ سازی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

موجودہ دور سے ملنے والے برتن وادی دجلہ و فرات میں بھی پائے گئے ہیں۔ جس سے نہ صرف یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدیم زمانے میں کسریوں کے ساتھ وادی سندھ کے تجارتی تعلقات قائم تھے بلکہ بہت سی چیزوں میں مشابہت کی وجہ سے ماہرین نے دونوں تہذیبوں کو ہم پلہ بھی قرار دیا ہے۔

موجودہ دور کے لوگ آریانہ تھے اور غالباً ہندوستان کے قدیم مذہب کے پیروکار تھے۔ یہ لوگ فن تحریر سے بھی آگاہ تھے مگر رسم الخط کے ماہرین ان کے اس قدیم رسم الخط کو ابھی تک پڑھ نہیں سکے۔ غرض ہر لحاظ سے موجودہ دور اس کی تہذیب برصغیر کی قدیم تاریخ کا ایک روشن باب تھی جس پر آج ہم فخر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی اولین تہذیبوں میں وادی سندھ کی اس تہذیب کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

2500 ق م۔ 2000 ق م۔۔۔ جنوبی امریکہ میں قدیم امریکی تمدن کا آغاز

سرزمین امریکہ میں انسان کی اولین موجودگی کا سراغ عظیم الحسیہ سوساروں (Dinosaurs) کے فحجر ڈھانچوں کے ساتھ ملتا ہے۔ جو بھولے برسے زمانے (جراہی عہد) سے اس براعظم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آثار و قرائن بتاتے ہیں کہ براعظم امریکہ کے یہ قدیم باشندے خاکنائے بیرگ کی راہ سے جو آج کل آبنائے بیرگ کہلاتی ہے اور ایشیاء کو امریکہ سے ملاتی ہے۔ ساہیریا سے الارکا میں اس دور میں وٹل ہوئے ہونگے۔ جب حقیقی انسان (Homosapien) کی شکاری جماعتیں شکار کے جانوروں کے پیچھے پیچھے کراہ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیل رہی تھیں۔ دونوں براعظموں میں انسانی منتقلی کا یہ عمل غالباً ہزاروں سال جاری رہا تا آنکہ طبی تبدیلیوں نے خاکنائے کو آبنائے بیرگ بنادیا۔ براعظم امریکہ کی اشیاء سے اس علیحدگی کے بعد انسان جو شکاری زندگی کے دور میں وہاں پہنچے تھے ان تمدنی تبدیلیوں اور تہذیبی ارتقا سے بے خبر ہو گئے جو ان کے بعد پرانی دنیا کے انسان کی طرز بود و باش میں رونما ہوئیں۔ پتھر کے اوزار استعمال کرنے والے ان شکاریوں کے علاوہ امریکہ کی سرزمین پر سمندروں، دریاؤں اور بھیلوں کے کنارے ایسے لوگوں کی بستیوں کے آثار بھی ملے ہیں جو پھیلے اور دریائی جانوروں کے شکار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب شمالی امریکہ کے میدانوں سے ان شکاریوں اور ماہی گیروں کی جماعتیں آہستہ آہستہ جنوبی امریکہ منتقل ہونے لگیں اور یہ لوگ جنوبی امریکہ کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ان لوگوں کی جنوبی امریکہ میں منتقلی سے تقریباً 2500 ق م میں جنوبی امریکا کا سب سے قدیم تہذیب نے جنم لیا۔ اس تہذیب کا مرکز بولیویا (Bolivia) اور پیرو (Peru) کے وہ علاقے تھے جو کوہستان اینڈیز (M.Andes) کی بلند بالا وادیوں میں واقع تھے۔ اسی وجہ سے براعظم امریکہ کی یہ اولین تہذیب اینڈین تہذیب (Andean Civilization) کہلائی۔ ان لوگوں نے یہاں زراعت جیسے قدیم انسانی پیشے کی بنیاد رکھی اور لاما (Lamas) پالنے لگے یہ لوگ مٹی کے برتن ہاتھ سے بنانے کے ماہر بن گئے مگر کھار کا چاک استعمال کرنے کا فن نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود کہ یہ لوگ مٹی کے برتن آگ سے پکاتے تھے ان کے ہاں برتن بالخصوص گھڑے، پیالے، وغیرہ مختلف جانوروں کی شکلوں کے بنائے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو احتیاط سے دفن کرتے تھے۔ ساتھ ہی مردہ افراد کے لئے برتنوں میں کھانے پینے کی اشیاء بھی دفن کی جاتیں ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے مردوں کو جلاتے اور ان کی راکھ اور ہڈیاں برتنوں میں ڈال کر دفن کر دیتے تھے۔

مٹکوں، گھونگھوں، پتھر اور لکڑی کے دانوں کو جن پر تانبے کا خول چڑھایا جاتا، یہ لوگ زیورات کے طور پر استعمال کرتے۔ یہ لوگ مٹی، آلو، کپاس، کدو کساوا اور مختلف دالوں وغیرہ کی کاشت کرتے تھے۔ ان کے قدیم آثار سے ان لوگوں کے صرف اسی قدر حالات معلوم ہو سکے ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ تقریباً دو ہزار قبل از مسیح تک جنوبی امریکا میں یہ تمدن عام تھا۔

2000 ق م۔ 2400 ق م۔۔۔ عیلامی تہذیب کا عروج و زوال

شمالی شام کے ایک مقام الحیو (Allepo) سے بچپن کھومیر جنوب مغرب میں ایک بڑا نیلا واقع ہے۔ یہ نیلا اس قدیم تہذیب کا دفن ہے جو ابلا یا عیلا (Ebla) نامی قدیم شہری ریاست کے نام پر عیلامی تہذیب کہلاتی ہے عیلا 2400 ق م سے 2000 ق م تک معلوم دنیا کا ایک اہم تجارتی شہر بھی تھا۔ اگر آج سے 4100 برس پہلے اس شہر کے ایک شاہی محل میں واقع ایک لائبریری میں آگ نہ لگتی تو آج ہم اس قدیم تہذیب اور اس کے اس اہم تجارتی شہر کے وجود سے قطعاً واقف نہ ہو سکتے۔

لائبریری کی آگ کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ اس آگ نے شاہی لائبریری کو جلا کر راکھ بنادینے کی بجائے اس کی کتابوں کو صدیوں کے لئے محفوظ کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آگ صرف کاغذ کی کتابوں کو جلا کر راکھ بنا سکتی ہے۔ مٹی کی لوحوں کو نہیں۔ عیلا کی یہ شاہی لائبریری اپنی ہم عصر سمیری اور عکاڈی لائبریریوں کی طرح مٹی کی لوحوں پر مبنی کتابوں پر مشتمل تھی۔ یہ لوحیں شاہی محل کی اس آگ نے پکا کر پختہ کر دیں۔ آگ میں پختہ ہو کر یہ لوحیں تقریباً 4100 برس (1975ء) تک زیر زمین دفن رہیں۔

اطالوی ماہرین اشیات کی ایک ٹیم نے جو پاؤ لویسٹھاکی (Paolo Matthiae) کی سرکردگی میں کام کر رہی تھی 1975ء میں مٹی کی یہ تقریباً 15000 لوحیں دریافت کیں پاؤ لویسٹھاکی کے ساتھی 1964ء میں عیلا میں اشیائیں کھدائی کا کام کر رہے تھے۔ 1974ء میں انہوں نے وہ شاہی محل دریافت کیا تھا جس میں یہ لائبریری واقع ہے بعد ازاں مٹی کی انہیں 15000 لوحوں سے ہمیں عیلا کی اقتصادی اور سیاسی ترقی کا سراغ ملا۔

ریاست عیلا کی آبادی اگرچہ اس قدیم دور میں 260000 سے زائد نفوس پر مشتمل تھی مگر دار الحکومت کی آبادی 30 ہزار سے زائد نہیں تھی۔ 30 ہزار کی اس آبادی میں سے تقریباً 11000 افراد کا تعلق افسر شاہی سے تھا۔ لائبریری سے ملنے والی لوحوں سے پتہ چلتا ہے کہ افسر شاہی کی اتنی بڑی تعداد کے لئے جو گندم، شراب اور دوسری اشیاء صرف ذخیرہ کی جاتی تھیں۔ ان کی مقدار کا اندازہ بھی ان لوحوں پر کیا جاتا تھا۔ عیلا کا حکمران افسر شاہی کی ایک بڑی کونسل کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔ ان الواح پر یہاں کے کئی بادشاہوں کے نام بھی درج ملے ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ عیلا کی شہری ریاست میں بادشاہ بھی سات سال کے لئے منتخب کیے جاتے تھے۔

عیلا کی شہری ریاست کی اقتصادیات عمارتی لکڑی، ریشمی پارچہ جلت، قیمتی پتھروں اور دھات کی بنی ہوئی اشیاء کی صنعت اور تجارت پر مبنی تھی۔ عیلامی تاجر اس وقت کی معلوم دنیا میں دور دراز کے مقامات، مصر، سمیری شہری ریاستیں ایران اور جزیرہ قبرص تک اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ کاتب یا منشی اسی مال و اسباب تجارت کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے پر مہمور تھے۔ اس مقصد کے لئے مٹی کی لوحوں پر سمیریوں کے ایجاد کردہ مٹی رسم الخط کی مدد سے ریکارڈ تحریر کرتے تھے۔

علمائوں کے ہاں سیری زبان کے ساتھ ساتھ ان کی ایک اپنی الگ زبان بھی مستعمل تھی لیکن دونوں زبانیں معی رسم الخط میں تحریر کی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کے ہاں معی رسم الخط سکھانے کے لئے باقاعدہ اسکول قائم تھے اس کا ثبوت ایسی الواح سے ملا ہے جن پر تحریر کرنے والے طالب علموں نے اپنا نام ثبت کر دیا تھا اور ساتھ ہی انہیں لوحوں پر ان کے استادوں کی کئی اصلاح کے نشانات بھی ملے ہیں۔

1975ء میں جب یہ لوہیں دریافت ہوئیں تو انہیں کوئی پڑھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے انہیں لوحوں میں ایسی لوحیں بھی دریافت ہو گئیں جن پر علمائی اور سیری دونوں زبانوں کے الفاظ کی قہر میں دی گئیں تھیں۔ ان فہرستوں نے ماہرین کے لئے علمائی زبان کو سمجھنا آسان کر دیا۔

علمائی لوگ نسلۂ سامی تھے اور ان کی زبان بھی سامی زبانوں کے گروہ میں سب سے قدیم زبان قرار دی گئی ہے۔ زبانوں کے اس گروہ میں عبرانی اور عربی اس کے بعد آتی ہیں۔ دوسرے ہم عصر معاشروں کی طرح علمائی معاشرے میں بھی بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ لیکن علمائیوں نے زیادہ تر دیوی دیوتا اپنے ہمسایہ معاشروں سے مستعار لیے ہوئے تھے۔ لوحوں پر درج تاریخی حقائق کے مطابق علمائی بادشاہوں نے بہت سے ہمسایہ ممالک کو فتح کیا تھا۔ دوسری طرح نیلے پر ملنے والے اشرافیاتی شواہد اس بات کے گواہ ہیں کہ خود علمائے بھی غیموں کے ہاتھوں کئی بار فتح ہوا۔ خود شاہی لائبریری میں لگنے والی آگ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ 2250 ق م میں یہ آگ ایک دشمن کے عملاً پر حملہ کے وقت لگی تھی۔ اس حملے میں دشمن عملاً پر قابض بھی ہو گئے تھے مگر دشمنوں کی اس فتح سے علمائی تہذیب کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ علمائیوں نے آگ سے بچنے والے نقصان کو شہر کی دوبارہ تعمیر سے جلد پورا کر دیا۔ لیکن دشمنوں کے ان بار بار حملوں سے وہ کمزور تر ہوتے چلے گئے۔ 2000 ق م کے قریب ان کی اپنے ہمسایوں سے جنگ ہوئی جس سے ان کی ریاست کو بڑا نقصان پہنچا لیکن پھر بھی علمائے ایک تجارتی مرکز کے طور پر بحال رہا۔ 1650 ق م میں حثیوں نے بلاخر علمائے اور اس کی تہذیب کے تابوت میں آخری کیل اپنی فتح سے ٹھونک دی جس کے بعد یہ تہذیب صدیوں کے غبار میں گم ہوتی چلی گئی تاہم 1975ء میں کئی ہزار یوں کے بعد اس کے وجود سے گمنامی کے پردے اٹھتے چلے گئے۔

2400 ق م۔۔۔ قوم عاد کی تباہی

بحین کے علاقے پر ایک سیاہ بادل چھایا ہوا تھا قوم عاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ سالوں کی خشک سالی کو دور کرنے کے لیے یہ ابر باراں بھیجا ہے۔ لیکن اس سیاہ ابر سے ایک سخت طوفان باد باراں قوم عاد پر ٹوٹ پڑا جس میں اس زمانے کے پیغمبر حضرت ہود کے ساتھ ان کے کچھ ساتھیوں کے سوا سب لوگ ہلاک ہو گئے (149 الحاقہ: 2) قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ایک طویل عرصہ کی خشک سالی نے سب کو پریشان کیا ہوا تھا جب قوم عاد نے آسمان پر سیاہ بادل چھائے دیکھے تو وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے اور جشن مناتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ بادل تو ہماری زمینوں کو سیراب کرے گا حالانکہ اس بادل میں ان کے لیے ہلاکت کے اسباب جمع تھے، چنانچہ بیک وقت زلزلے، رعد و برق، گرج اور آندھی کے عذاب نے، جو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل نازل ہوتا رہا، اس کو تباہ کر کے رکھ دیا (سورۃ الاحقاف)

اس طرح اس قوم کی بزرگ کاٹ دی گئی۔

حضرت ہود کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس طوفان باد باراں کے بعد 150 سال تک زندہ رہے۔

قوم عاد بحین میں حضرموت کے وسطی علاقے میں آباد تھی، یہ لوگ طاقتور، متدن اور متمول تھے مگر انہیں نعمتوں کی قدر نہ تھی اور وہ اپنے ساختہ و پرداختہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے موسم سرما اور موسم گرما کے لیے الگ الگ اونچے اونچے محل تعمیر کیے ہوئے تھے اور امیرانہ ٹھانڈھ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس میں غرور اور استکبار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ غریب و بے نوا افراد کو بیچ جانتے تھے۔ ان کا پندار تھا کہ ان کی یہ دولت اور ملامت ہمیشہ قائم رہے گی اور ان کے اونچے اور مضبوط محلات انہیں موت سے بچائے رکھیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا اور خدائے لم یزل نے ان کو ان کے غرور کی سزا دی۔

حضرت ہود کا تعلق ای قوم سے تھا۔ ان کے والد یا جد اعلیٰ کا نام عابر تھا جن کا شجرہ نسب قوم عاد کے نسب سے مل جاتا تھا۔ کہتے ہیں انہیں سے عبرانی نسل چلی۔

حضرت ہود نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ بہر حال حضرت ہود کی یہ مسامی بہت نمایاں رہی اور ان کا اشرافیت، تجمل اور غرور و حکمت کے فتوں کو دہانا اور شرافت اور رافت کو عام کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا مگر قوم نے ہدایت قبول نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

حضرت ہود کی قبر کے متعلق بھی محققین کے مطابق کچھ یقین سے کہنا مشکل ہے۔ مختلف مقامات پر اس کی موجودگی بیان کی جاتی ہے۔ ایک قبر بحین میں سیر ہوت سے کچھ فاصلے پر جو ان سے منسوب ہے جب کہ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ

نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ حضرت ہود کی قبر مبارک چاندہ دمشق میں ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ صحن کعبہ میں دیگر 98 پیغمبروں کے ساتھ مدفون ہیں۔

آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیقات کے مطابق قوم عاد کے کچھ نشانات دستیاب ہوئے ہیں جن کی بنا پر ان کی تاریخی حیثیت مسلمہ ہو چکی ہے۔ 1837ء میں ایک انگریز بحری افسر James-R-Wellested کو صحن غراب کے مقام سے ایک کتبہ ملا ہے، جس میں حضرت ہود کا ذکر ہے اور جسے حضرت ہود کے قبیلین کی تحریر خیال کیا گیا ہے۔

ماخذ

تمدنی انسانی پر انبیاء کرام کے اثرات از ڈاکٹر محمد ریاض
دائرہ المعارف اسلامیہ۔ بذیل مادہ ”ہود“ قاموس الکتاب۔ ارض قرآن۔

2400 ق م۔۔۔۔ آریاؤں کی نقل و حرکت کا آغاز

لفظ ”آریہ“ کو دانشوروں نے مختلف معنی پہنائے ہیں ان میں جو معنی حقیقت کے قریب تر محسوس ہوتے ہیں وہ آریہ کے بیان کردہ ہیں۔ ان کو مشہور روسی ماہر یودی کٹوفسکی نے اپنی کتاب ”پاکستان کی قومیں“ میں نقل کیا ہے۔ ان معنوں کے مطابق آری یا آریہ مترادف ہے۔ انجی، نوادار، غیر ملکی اور بیگانہ کے اور ان سے متعلق ایشیا کے جدید عہد حجریہ (Neolithic Age) میں وسطی یورپ اور مغربی ایشیا کے درمیان کچھ قبائل کے آباد ہونے کا سراغ ملتا ہے۔ جو آریہ کہلاتے تھے بعض ماہرین علم الانسان کے مطابق وہ جو زبانیں بولتے تھے وہ ان کے نام کی نسبت سے ہی آریائی زبانیں کہلائیں ہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک آریائی قبائل کا اصل وطن خوارزم تھا جسے اب ازبکستان کہتے ہیں۔ آریہ لوگ خوارزم ہی سے نکل کر براستہ ایران اور سرزمین پاکستان پہنچے تھے۔ بہر حال ان لوگوں نے اپنے وطن سے جو ایک سرحد خطہ پر تقریباً 2400 ق م میں نقل مکانی یا ہجرت کا آغاز کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ یورپ اور ایشیاء کے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ یورپ میں انہوں نے وسطی اور جنوبی یورپ کے قدیم باشندوں کو جو آئی بیرین (Iberians) کہلاتے تھے ان کے وطن سے نکال باہر کیا۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے افق پر یہ 2000 ق م کے لگ بھگ نمودار ہوئے عام خیال یہ ہے کہ وہ اس خطے میں دو بڑی لہروں کی شکل میں وارد ہوئے تھے۔ لیکن جدید انساناتی تحقیق کے مطابق یہ لوگ 2000 ق م سے لے کر تقریباً 1000 ق م تک مسلسل یہاں آتے رہے۔ اسی مسلسل آمد میں ان کی زیادہ بڑی تعداد میں آمد بڑی لہریں کہلاتی ہے۔ ماہرین علم انسانیت کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ لوگ دنیا کے کئی خطوں میں نمودار تھے اس لئے اغلب خیال یہی ہے کہ اسی وجہ سے آریہ کہلائے۔ مشہور مورخ ڈی ڈی کوسامی نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ بنیادی طور پر آریہ سے مراد ایک نیا طرز زندگی اور طرز گفتگو ہے آگے چل کر کوسامی کہتا ہے کہ قبل از تاریخی آریاؤں کی خصوصیات کے بارے میں حتمی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ انتہائی متنوع لصفات، جنگجو، لوٹ مار کرنے والے، کانسی کے زمانے کے پدرسری قبائل تھے جن کا زیادہ تر ذریعہ معاش مویشی بانی تھا۔ یہ گھڑ سوار لوگ تھے۔ لاشوں کو جلاتے تھے۔ ان کے لئے آگ مقدس تھی۔ ایران کے بجوی آگ کو سب سے بڑا دیوتا مان کر پوجتے تھے۔ آریہ لوگ اپنی کھلی رنگت اور لمبے قدوں کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ اسی رنگ کی وجہ سے شاید انہویں صدی میں آریائی نسل کی بقایا تمام انسانی نسلوں پر برتری کا نظریہ ابھرا، لیکن جلد ہی یہ نظریہ باطل ہو گیا۔

رگ وید میں آریاؤں کے جن قبائل کا ذکر آیا ہے انہیں ”پنج جن“ یا پنج کرشایہ کہا گیا ہے۔ ماہرین کے مطابق ان سے مراد پوری آریہ آبادی تھی۔ بعد ازاں جب یہ لوگ مختلف ملکوں میں آباد ہو گئے تو ان کے قبائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس قدیم آریائی ہجرت کا سبب ماہرین نے سرد علاقوں کا موسم اور خوراک کی قلت قرار دیا ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر آریہ لوگ اپنے وطن سے متحرک گروہوں کی شکل میں مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ جو آریائی قبائل روسی علاقوں اور اس

سے پرے کے علاقوں میں پھیلے ان کا امتیازی نشان جنگی کلباڑا تھا۔ یہ لوگ وادی دنیوب اور بھایا یورپ، ہنگری، پولینڈ اور جرمنی کی سرزمین میں داخل ہو کر پھیلتے چلے گئے۔ جنوب کی طرف جزیرہ نمابلقان کو پامال کرتے ہوئے یونان میں داخل ہوئے اور نبتا امن و امان کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو آسانی سے مغلوب کر کے اپنی حکمرانیاں قائم کرتے چلے گئے۔ یورپ میں ان کی آمد اور تسلط سے یونانی، لاطینی اور قدیم جرمن زبانوں کو فروغ ملا۔ یہ سب زبانیں ایک ہی ماخذ سے نکلیں تھیں۔ موجودہ یورپی زبانیں انہیں قدیم زبانوں سے نکلیں ہیں۔

تقریباً دو ہزار سے پندرہ سو قبل از مسیح میں آریاؤں کے قبائل کی شاخیں باختر افغانستان، شمالی ایران اور برصغیر پاک و ہند میں پھیلتی نظر آتیں ہیں۔ کوہستان کو پتہ داغ کے دامن میں زراعت کاروں کی ایک متمدن بستی کے کھنڈرات ملے ہیں۔ اس بستی کے آباد ہونے کی تاریخ کا اندازہ دو ہزار قبل از مسیح بتایا گیا ہے۔ اس بستی کے آباد کاروں کی ماہیت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ لیکن 1500 ق م کے قریب یہ بستی اچانک تباہ ہو گئی۔ اس کی تباہی سے ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ آریہ قبائل کی کسی لہر نے اسے تباہ کیا ہوگا۔ ایران میں آریاؤں کے حالات کا اندازہ ہمیں پارسیوں کی کتاب ژندو آستا سے ملتا ہے۔ لیکن اس کتاب کا مکمل نسخہ 331 ق م میں ایران کے آریہ بادشاہوں کے محلوں کے ساتھ سکندر اعظم نے نذر آتش کر دیا تھا۔

2350 ق م۔۔۔ دنیا کی اولین شہنشاہیت کا قیام

دنیا کے جس انسان نے تاریخ انسانی میں اولین شہنشاہیت قائم کی اس کا نام سارگون اول (Sargon 1) تھا۔ اس کے بچپن کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ سیریوں کی شہری ریاست کش (Kish) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی بھایا ابتدائی زندگی پر مکمل طور سے تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

بعض اشریاتی دریافتوں کے مطابق سارگون اپنے ایام جوانی میں ریاست کش کے حکمران "ارل بابا" یا اس کے جانشین کا ساتھی تھا۔ کش کے اس بادشاہ کی وفات پر سارگون نے تخت شاہی پر قبضہ کر لیا اور ایک خاصہ ب (اومہ نامی شہر کے مذہبی پیشوا یا لوکل) جس کا نام زغیسی تھا اور جس نے اپنے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر سارگون سے پہلے ار، لاگاش، ایرک اور لارسا کے شہر فتح کر لیے تھے) کو شکست دی اور پھر بحیرہ روم سے خلیج فارس آنے والی اہم تجارتی شاہراہ پر عکاد کے نام سے ایک نیا شہر آباد کر کے اسے اپنا دار الحکومت قرار دے دیا۔ عکاد نے اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے جلد ہی ایک اہم تجارتی شہر کی حیثیت اختیار کر لی۔ لیکن یہ حیثیت سارگون کے لئے کوئی وقعت نہ رکھتی تھی وہ سورج کے طلوع ہونے کی سرزمین (زیگورس) سے لے کر ان پانیوں تک کہ جن میں آفتاب شام کے وقت غروب ہو جاتا تھا (بحیرہ روم) تک کی سرزمین کو فتح کرنے کا عزم کئے ہوئے تھا۔ اپنے اسی عزم کے تحت سارگون اول نے 2340 ق م کے قریب سامی النسل جنگجوؤں کی فوج تشکیل دی اور ایک تہذیبوں کی مانند اہل سمیر کی شہری ریاستوں کو اور ان تک فتح کرتا چلا گیا جلد ہی میسو پوٹیمیا کے بلال نما خطے پر سراسر اس کی شاہی قائم ہو گئی۔ میسو پوٹیمیا کو زیر نگین کرنے کے بعد سارگون خلیج کے شمال میں واقع سلطنت عیلام (فارس)، ماگان (آبادان)، دیموں (مقط)، بحرین کو فتح کرنے کی مہم پر نکلا اور کامیاب رہا۔ اس سے اس کی سلطنت مشرق میں کوہستان زیگورس (ایران) اور شمال میں ایشیائے کوچک کے سلسلہ کوہستان، طورس تک قائم ہو گئی اب سارگون نے مغرب کا رخ کیا اور جلد ہی بحیرہ روم کے ساحلوں، جزیرہ قبرص اور جزیرہ کریٹ تک پہنچ گیا ان فتوحات کے بعد سارگون خود کو "شاہ چار سو" (Ruler of the Four Quarters) کے لقب سے پکارنے لگا۔ اشریاتی کھدائی سے ملنے والی الواح کے کتبوں میں لکھا ہے کہ اس کی سلطنت میں دیوداروں والی سرزمین (لبنان) اور چاندی کی کانیں (کوہستان طورس) بھی شامل تھیں۔ اسی طرح کتبوں سے قبرص، کریٹ اور بحرین کے اس کی سلطنت میں شامل ہونے کے ثبوت ملے ہیں اس دور کے ملنے والے کتبوں میں لکھا ہے کہ "سارگون فاتح اعظم" بادشاہی کے قدرتی حقدار کی سلطنت ان پہاڑوں سے کہ جن میں سے صبح کے وقت سورج طلوع ہوتا ہے (زیگورس) ان پانیوں تک کہ جن میں آفتاب شام کے وقت غروب ہو جاتا ہے (بحیرہ روم) پھیلی ہوئی تھی۔

پتھر کی ایک لوح پر سارگون اول کی پیدائش اور ابتدائی حالات کے متعلق ایک منظوم کتبہ بھی دستیاب ہوا ہے۔ اس کتبے میں کئی دیگر محکوم قوموں کو نجات دلانے اے مشاہیر کی پیدائش اور ان کے حالات سے ملتی جلتی داستان خود سارگون کی

ایک سولہویں پر تو حساب کے مختلف مسائل اور ان کے حل لکھے ہیں۔ دوسو پر حساب کے مختلف جدول بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان لوگوں پر صفر کی کوئی علامت نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم اٹھارویں صدی قبل از مسیح تک بابلی صفر کے استعمال سے ناواقف تھے۔

صفر کی ایجاد انسانی ذہن کا قابل قدر کارنامہ ہے کیونکہ اسی ہندسے سے عدم کو وجود کی اور نفی کو اثبات کی شکل ملتی ہے۔ صفر کی اسی اہمیت کی وجہ سے اہل عرب، اہل یونان اور اہل ہند بھی اس بات کے دعویدار ہیں کہ صفر ان کی ایجاد ہے۔ لیکن متنازعہ اور سلوکی عہد کی بابلی لوگوں کے دستاویزی ثبوت کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی کہ ان اقوام عالم کے صفر کی ایجاد کے دعوئی غلط ثابت ہوتے ہیں اور تحقیق نے اعتراف کیا ہے کہ ہندسہ صفر کے موجد درحقیقت اہل بابل ہی تھے۔ بابلی لوگوں کے مطالعے سے پتہ چلا ہے کہ اہل بابل ابتداء میں صفر کی علامت کو تو بطور وقفہ قلیل یا کوما کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

مآخذ

دنیا کا سب سے قدیم ادب ابن حنیف "نامی کے مزار" از: سبط حسن

2350 ق م۔۔۔۔۔ دنیا کی اولین فلکیاتی رصدگاہیں

دنیا کے قدیم کے باشندے جن میں مصری، بابلی اور چینی شامل تھے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بابلی خصوصی طور پر اس نظریہ کے قائل تھے کہ آسمان پر ستاروں کے مقامات یا برج دیوتاؤں کے بیانات کو عیاں کرتے ہیں۔ اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے بابلی کاہنوں نے اپنی زندگیاں اجرام سماوی اور ان کی حرکات کے مطالعہ کے لئے وقف کر دی تھیں۔ انہیں ابتدائی ماہرین فلکیات نے آسمان کو مطالعے کی غرض سے کئی برجوں میں تقسیم کیا اور ستاروں کے گروہوں اور جہر مٹوں کو مختلف دیوتاؤں اور دیگر اشیا کے نام دیئے انہیں ناموں کو یونانیوں نے اپنی زبان میں منتقل کیا۔ یونانیوں کے یہ رکھے گئے نام بارہ مجموعہ النجوم (Zodiac signs) یا منطقۃ البروج کی شکل میں ہم تک پہنچے ہیں۔

منطقۃ البروج سے آسمان کا وہ خیالی منطقہ مراد ہے جو طریق القوس کے ہر دو جانب تقریباً 8 درجے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس منطقے میں جو ستارے واقع ہیں وہ 12 برجوں میں مرتب کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی زمانہ قدیم ہی سے ایک علیحدہ علامت مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ علامتیں حمل (مینڈھا) ثور (تیل)، جوزا (تواہن)، سرطان (کیڑا)، اسد (شیر)، سنبلہ (کتواری)، میزان (ترازو)، عقرب (بچھو)، قوس (تیر انداز)، جدی (کبرا)، ساکب الماء اور غوث (مچھلی) پر مشتمل ہے۔

اس طرح کی علامتیں مقرر کرنے اور مستقبل مشاہدہ فلک سے یہ لوگ آسمان پر نظر آنے والی ہر شے سے آشنا ہو گئے اور اپنے اس علم کی بدولت مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق پیشین گوئیاں کرنے لگے۔ انکا یہی علم، علم نجوم (Astrology) کہلایا۔ علوم کے ماہر جو نجومی یا کاہن کہلاتے تھے۔ قدیم معاشروں میں ستاروں یا برجوں کی نسبت سے مذہبی تقاریب منعقد کرنے لگے تاکہ عام انسان کی زندگی سے شیطانی اثرات کو دور کیا جاسکے۔ کاہنوں کو یہ تقاریب منعقد کرنے کے لئے مسلسل آسمان کا مشاہدہ کرنا پڑتا تھا۔ اسی مسلسل فلکیاتی مشاہدے کے لئے ان کو فلکیاتی رصدگاہوں یا ایسی عمارتوں کی ضرورت پیش آتی جہاں سے آسانی کے ساتھ مشاہدہ افلاک کیا جاسکتا اسی مقصد کے لئے مصریوں مصریوں اور بابلیوں نے دنیا کی اولین رصدگاہیں تعمیر کرنا شروع کیں۔ یہ رصدگاہیں زیادہ تر مندروں کی چھتوں پر تعمیر کی جاتی تھیں۔ دنیا کے قدیم کی بہت سی رصدگاہوں میں سے صرف اسکندریہ میں تعمیر کی جانے والی (300 ق م) ایک رصدگاہ کی تمام یادداشتیں آج بھی محفوظ ہیں اگرچہ قدیم یونان میں بھی بہت سی رصدگاہیں تعمیر کی گئی تھیں۔ مگر ان میں سے کسی کا ریکارڈ بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔

کے تیسرے شاہی خاندان کے ہاتھوں نصیب ہوا۔ اس شاہی خاندان کی بنیاد شاہ ارنیموں (Ur. Nammu) نے (2118 ق م) رکھی تھی۔ اسی بادشاہ نے ارکی تعمیر نو کی اور یہاں بے شمار شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ان عمارات میں نمایاں ترین عمارت اس زنگور (چاند دیوتا کا مندر) کی ہے جو شہر کے مرکز میں واقع تھی اور جس کے جنوب مشرقی سمت میں شاندار میڑھیاں رکھی گئی تھیں۔ یہ میڑھیاں چاند دیوتا کے مندر کو جاتی تھیں جو زنگور کی بالائی منزل پر واقع تھا۔ اس مندر کی ابتدائی منزل کو بحال کر دیا گیا ہے۔ سرچارلس ودلے کے مطابق اس زمانے میں اتر قریباً 4 میل کے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کی آبادی کم از کم دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ ارکا یہ زمانہ عروج زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ 2000 ق م میں عیلامیوں اور عور یوں نے تیسرے شاہی خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اور ار بھی ان کے حملے میں تقریباً تباہ ہو گیا۔ ارکی اس جہاں کا ذکر نہ صرف تاریخ بلکہ سمیری ادب میں بھی نوحوں کی شکل میں ملتا ہے۔ اس جہاں کے بعد حکومت سمیریوں کے ہاتھوں سے نکل کر سامی النسل حکمرانوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اسی وجہ سے ارکی شان و شوکت بھی سامیوں کے دار حکومت بابل میں منتقل ہو گئی۔ لیکن اس سیاسی نشیب و فراز کے باوجود ارض صفحہ ہستی سے نہ مٹا۔ ار عہد آخر تک پورے میسو پوٹیمیا میں چاند کی پرستش اور چاند دیوتا کے مندر کی وجہ سے مشہور رہا۔ اس شہر کو ایک مذہبی مرکز کے حوالے سے نیبو کد نصر دوم اور سائرس اعظم کے عہد میں ایک بار پھر عروج حاصل ہوا۔ ان دونوں حکمرانوں نے یہاں کے معاہدے کی وسیع پیمانے پر مرمت کرائی تھی۔ دور حکومت کے بعد ار زوال پذیر ہو گیا اور چوتھی صدی قبل از مسیح تک اس کو مکمل طور پر زوال آ گیا۔ اس کا یہ آخری زوال شاید دریائے فرات کے راستہ بدل لینے کی وجہ سے آیا جس کی وجہ سے خشک سالی کا شکار ہو کر صدیوں کی گرد میں دفن ہوتا چلا گیا۔ ارکی کھدائی سے جو اثری اکتشافات ہوئے ہیں ان سے اس شہر میں حضرت ابراہیمؑ کی موجودگی اور آپؑ کے حالات زندگی پر روشنی بھی پڑی ہے۔

2118 ق م۔۔۔ شہر ابراہیمؑ کی تعمیر نو

(میسو پوٹیمیا) عراق میں

ایک مقام پر دریائے وجلہ اور فرات ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ ان کے اسی سنگم پر قدیم زمانے میں ایک شہر UR واقع تھا۔ یہ شہر سمیریوں اور بابلیوں کے زمانے میں میسو پوٹیمیا کے قدیم شہروں میں سے ایک تھا۔ سمیریوں نے اپنے نوشتوں میں اسے ”اریم“ اور بابلیوں نے ”أری“ لکھا ہے۔ تورات نے اسی ار کو ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی جائے پیدائش (Urof Chaldea) قرار دیا ہے۔

تیسری ہزاری قبل از مسیح میں اور دریائے فرات کے کنارے، سمیریہ کے انتہائی جنوب میں خلیج فارس کے بالکل قریب واقع تھا۔ اسی کے قریب سمیریوں کا ایک اور مشہور شہر ”أریدو“ بھی واقع تھا۔ انیسویں صدی کے نصف میں جس نیلے پر اُر کے آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں (1852ء) اسے تل المقر Tel-Almuqayyar کہتے ہیں یہ نیلا جنوب مشرقی عراق میں بغداد سے 220 میل اور خلیج کے ساحل سے 160 میل دور واقع ہے۔ ار کے آثار کی دریافت اور کھدائی کے کام کا سہرا زیادہ تر برطانوی ماہرین آثار قدیمہ کے سر ہے۔ یہاں ابتدائی کھدائی کا کام 1853ء میں شروع ہوا جب کہ یہ کام تکمیل کے مراحل میں 1922-34ء میں برٹش میوزیم اور پنسلونیا یونیورسٹی کی ایک مشترکہ ٹیم کے سربراہ، چارلس لیونارڈ وولے (Chales Leonard Wooley) کے ہاتھوں پہنچا۔

جدید تحقیق نے یہ بات ثابت کی ہے کہ ار کے مقام پر انسان پانچویں ہزاری قبل مسیح سے بھی پہلے سے آباد تھا۔

اس قدیم انسانی آبادی کے ایک سیلاب (سیلاب نوح) کے ہاتھوں تباہ ہونے کے آثار بھی ملے ہیں۔ اس جہاں کے بعد اس شہر کو تیسری ہزاری قبل از مسیح (تقریباً 2500 ق م) میں اس وقت عروج نصیب ہوا جب اسے ار کے پہلے شاہی خاندان نے اپنا دار حکومت قرار دیا۔ اسی عہد کا ایک قبرستان ماہرین اثاریات نے دریافت کیا ہے۔ اس قبرستان میں جو شاہی مقابر ملے ہیں ان سے اس زمانے کی غیر معمولی رسوم، تصنیف و تحفین اور بے پناہ دولت کا پتہ چلتا ہے۔ ان مقابر میں اس زمانے کے اہم ترین اشخاص کو نہ صرف سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیروں کے ساتھ دفن کیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کے ساتھ نوکر چاکروں کی فوج اور پالتو جانور، فرنیچر، ضرورت کی دیگر اشیاء اور یہاں تک کہ سواری کے لئے نئے سجائی، تیل گاڑیاں بھی رکھی جاتی تھیں۔ پہلے شاہی خاندان اور عبادیوں کے دور اقبال (2371 ق م۔ 2230 ق م) کے بعد یہ شہر پورے میسو پوٹیمیا کی سلطنت کا مرکز بن گیا۔ اسے یہ دوبارہ عروج ار

2000 ق م۔۔۔ حضرت صالحؑ کا زمانہ

وادی القرئی اور جزیرہ معرب کے شمال مغربی حصوں میں ایک دن ایک بہت شدید آواز یا چنگھاڑ الجھری پہاڑی بستیوں میں ابھری پھر اس آواز نے ایک شدید طوفان کی شکل اختیار کر لی جس نے ان انسانی آبادیوں کو پلٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد ایک زبردست زلزلے نے ان انسانی آبادیوں کو آگیرا۔ اگلی صبح ان آبادیوں کے کلین اپنے گھروں میں مردہ پائے گئے۔

یہ قرآن کریم میں بیان کی گئی ایک قوم ثمود کے لوگ تھے جن پر حضرت صالحؑ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے یہ عذاب الہی نازل ہوا تھا۔

قوم ثمود مقام حجر اور وادی القرئی میں جاز اور شام کے درمیان رہتی تھی۔ اس قوم کے لوگ اپنے محاصرین کی طرح طویل القامت اور کثیر الاعمار (بڑی عمر والے) تھے۔ پہاڑوں میں بڑے بڑے عالیشان مکانات بنا کر رہتے تھے۔ اس قوم کے پاس دولت، ثروت، قوت، حکمت سب کچھ تھی لیکن پانی کی ان پہاڑوں میں سخت قلت تھی۔ انہیں لوگوں میں حضرت صالحؑ "مبعوث ہوئے۔ حضرت صالحؑ بڑے منکسر المزاج اور حلیم انسان تھے۔ آپ ہمیشہ برہنہ پارہتے اور آپ نے ساری زندگی اپنا ذاتی مکان تعمیر نہیں کیا اور پھر خدا کے گھر میں بسر کردی جب آپ سن شعور کو پہنچے تو خلعت نبوت سے سرفراز فرمائے گئے۔ آپ نے قوم ثمود کو غیر اللہ کی پرستش سے منع فرمایا اور خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی۔ مگر سوائے چند لوگوں کے پوری قوم الحاد پر قائم رہی اور حضرت صالحؑ "کو کہنے لگی کہ اگر تم نبی برحق ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ حضرت صالحؑ نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ قوم ثمود کے لوگوں نے کہا کہ اس پہاڑ سے نائقہ (اونٹنی) پیدا ہو اور اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو جس کے بال سرخ ہوں۔

حضرت صالحؑ نے دعا کی، اسی وقت پہاڑ سے ایک آواز کے ساتھ پھر کا ایک ٹکڑا اٹھ اٹھا اور ایک اونٹنی بمعہ ایک بچے کے نکل آئی۔ مگر بے یقین قوم نے نبیؑ کے اس کلمے معجزے کو خلاف عقل قرار دے کر اسے سحر اور حضرت صالحؑ کو ساحر کہا۔ ابھی وہ اونٹنی کی غیر فطری نموداری پر حیران تھے کہ ثمود کو پچا اپنی ماں کے ساتھ چرنے لگا۔ یہ تعجب خیز معاملہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ حضرت صالحؑ کا اس سے زیادہ کیا جادو ہو سکتا ہے کہ اونٹنی کو پہاڑ سے پیدا کیا اور پھر اس کا بچہ بھی چرنے لگا۔ یقیناً حضرت صالحؑ نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ اونٹنی جب قوم ثمود کے واحد چشمہ آب پر پہنچی تو وہ چشمے کا سارا پانی پی گئی۔ اس دن تو لوگ خاموش رہے مگر اگلے دن وہ شکایت کرنے لگے۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ ایک دن تم چشمہ سے پانی پیا کرو ایک دن یہ اونٹنی پیا کرے گی مگر خیال رہے کہ کبھی بھول کر بھی اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کا نہ سوچنا مگر جس چیز کی ممانعت کی جائے اکثر انسان وہی کر گزرتے ہیں۔ قوم ثمود کے لوگوں نے اپنے نبیؑ کے حکم کا خیال نہ کیا اور اونٹنی کے قتل پر متل گئے۔

قوم کے ایک شقی القلب نے پانی کے چشمے کے قریب اونٹنی پر تلوار سے وار کیا اس کا ایک پاؤں کٹ گیا اور وہ اسی جگہ گر کر تر پنے لگی اور بچہ جان بچا کر پہاڑ پر بھاگ گیا جہاں سے اونٹنی نمودار ہوئی تھی۔ حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کو عذاب کی وعید دی۔ بعض تو اپنے خیالوں میں مست رہے بعض اس عذاب سے گلو خلاصی کرنے کی سوچنے لگے۔

حضرت صالحؑ نے فرمایا جاؤ اور اونٹنی کے بچہ کو تلاش کرو اگر پھل گیا تو عجب نہیں کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔ لوگ یہ سنتے ہی بچہ کی تلاش میں دوڑے بچہ انہیں نظر آیا مگر اس لمحے اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور تین آوازیں نکال کر غائب ہو گیا۔ اس وقت حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اب تم تین دن تک اور زندہ رہو گے چوتھے دن عذاب الہی نازل ہوگا اور تم سب اس میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسا کہ قرآن مجید میں آیا۔ "جب ہمارا امر (یعنی عذاب) پہنچا یا ہم نے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو کہ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے۔" پھر اس عذاب الہی سے کوئی کافر نہ بچ سکا۔ اس عذاب کی آمد کے بعد کے حضرت صالحؑ شام کی طرف چلے گئے اور فلسطین میں مقیم رہے پھر مکہ لوٹ آئے اور یہیں آپ کا انتقال ہمر پچاس سال ہوا۔

مآخذ

تہذیب انسانی پر انبیاء کے اثرات از ڈاکٹر محمد ریاض تاریخ ابن خلدون جلد دوم تاریخ الانبیاء۔

لوہے کو پگھلا کر اشیاء بنانے کی ٹیکنک نے صدیوں کے زوال 1200 ق م کے زمانے تک مزید چٹکی حاصل کرنی اور اب لوہے کو سودھنے یا پگھلانے کا علم مشرق وسطیٰ سے نکل کر بحیرہ روم کے ساحلوں تک پھیل گیا۔ تورات کی کتاب اول میں نیویل کین (Tubal Cain) نامی شخص کا حوالہ موجود ہے۔ تورات کے مطابق اسی شخص نے لوہے سے فولاد سازی کے کام کو

نئی دنیا براعظم امریکہ میں لوہے کا استعمال یورپی لوگوں کی آمد سے پہلے منظور تھا یہاں کی قدیم تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی اقوام لوہے کی ابتدائی استعمال بھی نہیں جانتی تھیں۔

برصغیر پاک و ہند میں لوہے کے زمانے کا آغاز تقریباً 1000 ق م بتایا جاتا ہے کیونکہ ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید 1500 ق م میں صرف دو دھاتوں کا ذکر ملتا ہے پہلی تو سونا ہے اور دوسرے سے "تامرا آپاس" یعنی تانبہ۔ رگ وید کے بعد تصنیف ہونے والی دیگر ویدوں میں ایک تیسری دھات "کرشنا آپاس" (کالی دھات یعنی لوہا) کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ اڑو اور ہڑپہ یا دیگر مقامات سے بھی لوہے کے استعمال کے کوئی اثریاتی ثبوت نہیں ملے۔ اس لئے مورخین کا خیال ہے کہ یہاں لوہا تقریباً 1000 ق م میں ہی عروج ہوا۔

رگ وید ہی کے مطابق آریاؤں کے ایک بڑے دیوتا اند کے پاس جو فضا کا دیوتا تسلیم کیا جاتا ہے۔ "ویر" نامی ہتھیار تھا۔ ویر سے مراد عموماً برقی لی جاتی ہے مگر اس ہتھیار کو بعض مورخین نے کھانا یا بسولہ بھی کہا ہے۔ رگ وید میں اس ہتھیار کو تیز دھار والا بہت سخت ہتھیار بیان کیا گیا ہے۔ جسے بار بار تیز کرنا پڑتا تھا۔ اسی ہتھیار کی مدد سے آریاؤں نے وادی سندھ کے جنگل صاف کئے تھے۔ بعض مورخین کے خیال کے مطابق یہ ہتھیار لوہے کا بنا ہوا تھا۔ بہر حال ان دیوالائی حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے ماہرین نے 1000 ق م کو برصغیر میں لوہے کے زمانے کا نقطہ آغاز قرار دیا ہے۔ اسی زمانے میں یہاں لوہے کا مکمل ایجاد ہوا اور یہاں کھیتی باڑی میں ترقی ہوئی اور یک قسم کا سبز انقلاب آگیا۔ پاکستان کے مشہور محقق یحییٰ امجد نے بھی اپنی کتاب "تاریخ پاکستان" (قدیم دور) میں یہی رائے قائم کی ہے کہ سرزمین پاکستان پر 1000 ق م میں لوہا متعارف ہوا تھا۔

ہندوؤں کی ایک اور کتاب "رامائن" میں بھی لڑکا کے راجہ راون کے بھائی کے ہتھیاروں میں لوہے کے گرز کا خاص طور پر ذکر آیا ہے۔ ان تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں برصغیر پاک و ہند میں لوہے کے ہتھیاروں کو بڑی نادر چیز سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے ان مذہبی کتابوں اور شجاعت کی داستانوں میں لوہے کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ رامائن کے اس دور شجاعت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شری رام چند کی کا زمانہ 1300 ق م سے 1000 ق م تک کے درمیانی عرصہ میں کہیں تھا۔ جب لوہے کے اوزار و ہتھیار نادر تحائف میں شمار کئے جاتے تھے۔

بہر حال ایک ہزار قبل از مسیح کے بعد لوہے کے اوزار ہتھیار معلوم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور اپنی افادیت کی وجہ سے کئی اور پتھریل کی اشیاء کی جگہ لینے لگے۔ اس نئی دھات کے استعمال سے انسان کی معاشرتی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آگیا جو آج اکیسویں صدی تک انسان کی ہزار ہا دوسری دریافتوں اور ترقیوں کے باوجود جاری ہے آج انسانی معاشروں میں مستعمل ہزار ہا قسم کی چیزیں اور جنگی سامان لوہے کو ڈھال کر ہی بنایا جاتا ہے اور معمولی سوئی سے ہولنی جہاز تک میں لوہا ہی کارفرما ہے۔ گویا نوع انسانی گذشتہ پانچ ہزار سال سے اب تک لوہے ہی کے زمانے سے گزر رہی ہے اگرچہ بعض دوسری دریافتوں اور ایجادات کے باعث اس زمانے کے بعض حصوں کو دوسرے نام بھی دے دیئے گئے ہیں۔ جیسے مثلاً موجودہ زمانے میں "خلائی دور" نامی دور اور کونٹک کا زمانہ۔

2000 ق م۔ 1913 ق م۔۔۔ ہجرت ابراہیمی

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سیر یوں کے قدیم شہر ار میں پیدا ہوئے اور اہل کنعان کی طرف ہجرت تک یہاں آباد رہے۔

عرب مورخین اور تورات کے مطابق آپ کے والد کا نام اور سلسلہ نسب کچھ یوں ہے۔ ابراہیم بن تاریخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارشد بن سام بن نوح قرآن پاک میں آپ کے والد کا نام آذریا ہے جو ان کا وضعی نام یا لقب ہے کلدانی (Chaldean) زبان میں "آدار" بڑے پجاری اور بت تراش کو کہتے تھے یہی لفظ عربی میں "آذر" بن گیا اور چونکہ تاریخ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لئے آذر جو دراصل اس کا لقب تھا نام سے زیادہ مشہور ہو گیا اور قرآن کریم نے بھی اسے اسی نام سے پکارا۔

اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بابل کے بادشاہ حمورابی کے ہم عصر تھے جس کے عہد حکومت کا اندازہ بعض مورخین نے پہلے 2067 ق م سے 2024 ق م تک کیا تھا۔ جدید تحقیق کے مطابق اب یہ زمانہ 1955 ق م۔ 1913 ق م بتایا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہودیوں کی روایات میں اسرافیل شاہ شاکر کو ہجرت ابراہیمؑ کا ہم عصر ظاہر کیا گیا ہے جسے بعض محققین حمورابی ہی کی بگڑی ہوئی شکل سمجھتے ہیں۔ بعض علمائے تاریخ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیمؑ نے بیس سال کی عمر میں ہجرت کی ہو تو حمورابی کے عہد میں ان کا کنعان میں موجود ہونا ممکن ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک سو بیس سال عمر پائی تھی۔ اگر محققین کے مندرجہ بالا بیان کی رو سے دیکھا جائے تو جدید تحقیق کے مطابق 1955 ق م سے 1913 ق م کے سالوں میں یعنی حمورابی کے جدید سلطنت میں حضرت ابراہیمؑ کا سال پیدائش 1935 ق م بنتا ہے جبکہ مورخین نے جن میں سرچارلس مارٹن اور مالک رام شامل ہیں قدیم تحقیق کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ کا سال پیدائش 2160 ق م بتایا ہے۔

سیر یوں کا شہر ارخص تذکرہ ابراہیمؑ کی بدولت مسیحی سے مٹ جانے کے بعد ہزاروں سال انسانوں کے ذہن میں صرف اس لئے موجود رہا کہ تورات میں حضرت ابراہیمؑ کو کلدانیوں (Chaldeans) کے شہر ار کا باشندہ ظاہر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی شہر کے بادشاہ (نمرود) کے سامنے بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اسی حکمران کے خدائی دعوے کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا اور اسی شہر کے مندر کے بتوں کو رات کی تاریکی میں تہہ مار کر پاش پاش کر دیا تھا۔ اسی جرم کی پاداش میں حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے جو حکم خداوندی سے گلزار بن گئی اور حضرت ابراہیمؑ زندہ سلامت بچ گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ ہجرت کر کے کنعان (فلسطین) کی طرف چلے گئے یہ تورات کا بیان ہے۔ جدید زمانے کی اثریاتی شہادتیں بھی ثابت کر رہی ہیں ار کے بادشاہ آخری دور میں اپنی پرستش کرانے لگے تھے۔ بت پرستی عام تھی۔ ار کے کھنڈرات سے ملنے والے متعدد بتوں کا شکستہ حال ظاہر کرتا ہے کہ انہیں ضرور کسی بت شکن سے واسطہ پڑا ہوگا۔ ار کے

ایک بادشاہ نرعدار یا نرعدار نے اس میں ایک عمارت بنوائی تھی جس پر یادگار کے طور پر حسب ذیل کتبہ لکھوایا تھا۔

”یہ عمارت نرعدار نے اس وقت بنوائی جب اس نے ناعید شمس باغی کو نکالا اور ارکو فتنے سے بچایا (ار کے ساتھ بھلائی کی) یہ کتبہ بیسویں صدی میں اریکیائی کھدائی کے دوران دریافت ہوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نرعدار کے کتبے کی عبارت حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے؟ اس عبارت میں جس ناعید شمس باغی کے کاخراج اور ارکو فتنے سے بچانے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کی یادگار میں ایک بادشاہ کو ایک مکمل عمارت بنوانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیا وہ ناعید شمس باغی حضرت ابراہیمؑ تھے؟ اگرچہ کچھ علمائے تحقیق نے جن کا تعلق مغرب سے ہے یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کتبہ کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہے لیکن بعض مشرقی محققین جن میں جناب مرتضیٰ احمد خان شامل ہیں اپنی کتاب ”تاریخ اقوام عالم“ میں لکھتے ہیں کہ نرعدار کا کتبہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے متعلق ہے اس میں انہیں ناعید شمس (سورج کا فلک) ظاہر کیا گیا ہے یہ نام سامی الاصل ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس دور میں صحرائے عرب کے لوگ جن کو عام مروج اصطلاح میں سامی کہا جاتا ہے اور جنہیں سمیری کتبوں میں عموری اور سمیرو (عبرانی) کا نام دیا گیا ہے۔ کافی تعداد میں سمیریوں ہی کے عہد سے یہاں کے شہروں اور دیہاتوں میں آباد تھے۔ اب اگر نرعدار کے کتبے کو حضرت ابراہیمؑ کے متعلق سمجھا جائے تو پھر آپؑ کی ہجرت کا وقت 2141 ق م سے 2125 ق م کے درمیان کوئی وقت بنتا ہے جو شاہ حورابی کے پرانے تحقیق شدہ عہد سے بھی پہلے کا بنے گا۔ نارنرود سے بچ جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنے کتبے کا فیصلہ سمیت ار سے ہجرت کر کے پہلے حران کی طرف چلے جو شرق اردن کی ایک بستی تھی۔ آپؑ کے ہمراہ اس سفر میں آپؑ کی بیوی کے بچے حضرت لوطؑ بھی تھے۔ یہاں سے آپؑ نے کنعان (فلسطین) کا رخ کیا۔ مسلمانوں اور اہل بیہودہ کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اس سفر میں مصر بھی گئے۔ مصر میں فرعون وقت نے آپؑ کی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ دست درازی کرنا چاہی مگر حکم خداوندی سے اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا، جو حضرت سارہ کی طرف بڑھا تھا۔ فرعون نے حضرت سارہ سے معافی مانگی اور اپنی بیٹی باجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیا۔ مصر سے واپسی پر حضرت ابراہیمؑ نے حجاز کی بے آب و گیاہ پہاڑیوں میں بیت اللہ کی بنیاد رکھی اور اپنی دوسری بیوی حضرت باجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کو یہاں آباد کیا۔ اسی سرزمین پر القرآن کے مطابق قربانی اسماعیلؑ کے واقعات پیش آئے۔ اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کے اعزاز میں اس وادی میں چشمہ زم زم جاری کیا۔ مسلمان وادی بطن کے ان مقامات کو جہاں چشمہ زم زم جاری ہوا اور بیت اللہ تعمیر ہوا بہت مقدس سمجھتے ہیں۔ اس عبادت گاہ کے قریب ہر سال جمع ہوتا اور اس کا طواف کرنے کی رسم عربوں میں حضرت ابراہیمؑ ہی کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ ابراہیمؑ نے بتوں کی پوجا کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی اور ایک خدا کی پرستش کا جو اعلان کیا تھا وہ آج بھی بیہودیت، عیسائیت اور اسلام کی شکل میں دنیا کے تین بڑے الہامی مذاہب کے طور پر زندہ ہے۔

2000 ق م۔ 1000 ق م۔۔۔۔۔ برصغیر پاک و ہند میں آریاؤں کی آمد

تقریباً 2400 ق م سے آریائی قبائل کی نسبتاً گرم اور آباد خطوں کی جانب ہجرت کا آغاز ہو چکا تھا۔ وسط ایشیا کے ان قبائل کی کچھ شاخیں 2000 ق م کے قریب کوہ ہندوکش کے دروں سے ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئیں۔ ان کی یہ آمد تقریباً اگلے ایک ہزار سال تک جاری رہی اور وہ مختلف لہروں کی شکل میں برصغیر میں داخل ہوتے رہے۔

برصغیر میں آریاؤں کی آمد کا اصل ارتکاز ارض پاکستان کے مختلف علاقوں تک محدود رہا۔ ان علاقوں کا مرکز پنجاب تھا۔ اس آمد کے دوران آریاؤں کا مقامی آبادی سے ٹکراؤ بھی ہوا اور انہوں نے یہاں پہلے سے قائم تہذیبوں کو تباہ و برباد کر کے ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ اس وجہ سے دوسری اور پہلی ہزاری ق م کی تاریخ برصغیر پاک و ہند کا سب سے اہم واقعہ آریہ قبائل کی آمد ہے۔ پنجاب کی سرزمین پر آریہ قبائل کی آمد کے وقت ہندوستان کی تہذیبی و سماجی حالت کیا تھی؟ اس کا اندازہ صحیح طور پر لگانا اس لئے مشکل ہے کہ اس دور کے تہذیبی آثار یا تو بالکل مفقود ہیں یا پھر بہت کم دستیاب۔ ہڑپہ اور موہنجوداڑو سے زراعت کاروں کے ترقی یافتہ تمدن کے جو آثار ملے ہیں ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریاؤں کی آمد سے بہت پہلے ہندوستان کے زرخیز خطوں میں ایک زرعی سماج قائم ہو چکا تھا۔ بلوچستان کی بروہی زبان و کن کی قدیم دراوڑی زبانوں سے ملتی جلتی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ شاید قدیم زمانے میں جنوبی ہند کے لوگوں کا بلوچستان سے کوئی تہذیبی تعلق تھا اس کے علاوہ بلوچستان سے ایسے مٹی کے برتن بھی ملے ہیں جو ہڑپہ اور موہنجوداڑو سے ملنے والے ظروف سے ملنے جلتے ہیں۔ اس سے وادی سندھ کی قدیم تہذیب کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے قدیم باشندوں کے متعلق ہمیں آریاؤں کے مذہبی لٹریچر سے بھی معلومات ملتی ہیں۔ آریاؤں کے اس لٹریچر میں ہندوستان کے قدیم باشندوں کو جو جنگلوں میں شکار یوں یا خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اشور اور راکشش (ناپاک شیطان) ظاہر کیا گیا ہے اور دراوڑوں کو بیچ جاتی کے انسان دانو واسیوں وردجی کے خطاب دیئے گئے ہیں۔ یہ اصطلاحیں اور بعد کے حالات ظاہر کرتے ہیں کہ آریہ اس ملک میں پہلے سے آباد میں باشندوں پر غالب آ کر حکمران بن گئے تھے۔ آریاؤں نے اس سرزمین پر جابجا اپنی ریاستیں قائم کرنے اور نوآبادیاں بنانے کی مہم پورے زور و شور سے ایک ہزار سال تک جاری رکھی۔ ان کی یہ مہم پرانے آباد کاروں یعنی قدیم باشندوں کے مفاد سے متصادم تھی اس لئے آریوں اور قدیم باشندوں میں جنگوں اور لڑائیوں کا ایک مسلسل مکرر شروع ہو گیا۔ لیکن اس تصادم کے باوجود دونوں قوموں میں اختلاط کا عمل بھی جاری رہا۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کے تمدن، طرز بود و باش، عقائد، طریق عبادت اور خیالات سے متاثر ہونے لگیں۔ عوام میں زبانوں کی آمیزش سے نئی زبانیں وجود میں آئیں۔ خود نوادہ آریاؤں کے طرز معاشرت کے بارے میں معلومات بھی ہمیں ان کی مقدس کتاب رگ وید اور دوسرے قرآن سے ملتی ہیں۔ آریائی سماج قدیم ہندوستانی سماج کے مقابلے میں پوری تھا۔ یہ لوگ قبیلوں اور خیلوں میں بنے ہوئے تھے جن کا سردار خاندان کا بزرگ ہوتا تھا اور راجہ کہلاتا تھا۔ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد ان کی معاشرتی درجہ بندی کچھ اس طرح تھی کہ

راجاؤں کے نیچے شرفاً اور امراء کا طبقہ تھا۔ پروہت یا مذہبی رسوم ادا کرنے والے لوگوں کی ایک الگ جماعت تھی۔ عام لوگ کسان، حرفہ کار ہوتے تھے۔ یہ آریہ لوگ گوشت بھی کھاتے تھے اس کے علاوہ ان کی غذاؤں میں سبزیاں بھی مستعمل تھیں۔ یہ لوگ تیل گاڑیاں چمکتے، بھلیاں اور تھیں نقل و حمل کے لئے استعمال کرتے تھے۔ بیلوں سے زراعت کاری اور بار برداری کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ راجے قلعے اور محل بنا کر رہتے تھے اور عام لوگوں میں جھوپڑیوں اور مٹی کے مکانات بنا کر رہنے کا رواج تھا۔ عام لوگ دھوتی اور لنگوٹی پہنتے۔ فرش پر گھاس، گندم اور دھان کی پرانی بچھاتے تھے۔ برتنوں کی جگہ پتے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ لوگ ایک قسم کا نشہ آور مشروب بھی استعمال کرتے جسے سوم رس یعنی شجر حیات کا عرق کہتے تھے۔ ان کی تفریحات شکار، ناچ، پہلوانی اور تھوں کی دوڑ وغیرہ تھیں یہ لوگ مظاہر قدرت کی مخفی قوتوں یعنی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ جن میں اگنی (آگ) اندر (بارش رعد) وایو (ہوا)، ورونا (آسمان) اور ایسے ہی بہت سے دیوتا شامل تھے۔ ہندوستان میں آباد ہونے اور مقامی آبادی سے اختلاط کی وجہ سے نہ صرف دیوتاؤں میں اضافہ ہو گیا۔ بلکہ بت پرستی یا سمورتی پوجا کا رواج بھی آریاؤں نے قدیم باشندوں سے سیکھ لیا۔ آریاؤں کے سماج میں معاشرتی زندگی پیدائش سے موت تک طرح طرح کے رسوم اور رواجوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر فصل، ہر کام، ہر حرکت، ہر واقع اور ہر مقصد کے لئے الگ الگ رسوم مقرر تھیں۔ جن کی ادائیگی کے لئے پروہتوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری تھا۔ یہ لوگ کئی قسم کی قربانیاں بھی کرتے تھے جن میں انسان (برمن) کی قربانی اور گھوڑے کی قربانی بہت اہم تھیں جو مخصوص رسوں کے ساتھ ادا کی جاتی تھیں۔ ابتدائی دور میں یہ بت پرستی اور مندر کی ضرورت سے نا آشنا تھے۔ بعد میں آریاؤں کے چاروید بن گئے رگ وید کے اشوک پڑھے جانے لگے۔ سام وید کے بھجن گائے جانے لگے۔ اسی طرح ان کی بکروید میں مذہبی رسوم کی ادائیگی کے طریقے درج ہیں اور اتھروید میں ایسے منتر ہیں جو جھاڑ پھونک اور ٹوٹے ٹوٹے کام دیتے تھے۔ اسی طرح اپنی آمد کے وقت آریہ ذات پات کے جھگڑوں سے بے نیاز تھے۔ تقریباً 1500 ق م تک ان لوگوں نے مقامی لوگوں سے اختلاط کے بعد ذات پات کے ایک نئے نظام کو جنم دیا۔ اس نظام میں برصغیر کے قدیم باشندوں کو داس یا غلام کا درجہ دیا گیا۔ اس طرح آریاؤں کی آمد کے تقریباً ایک ہزار سال بعد میں برصغیر میں مکمل طور پر ایک آریائی سماج قائم ہو گیا۔

2000 ق م۔۔۔۔۔ یورپ میں کانسی کا زمانہ

تقریباً 2000 ق م کے لگ بھگ جزائر برطانیہ اور ان کے قریبی یورپی ممالک ایک ایسی قوم کے حملے کا شکار ہوئے جو بیکرز (Beakers) کہلاتی تھی۔ یہ قوم یورپ کی اولین دھات گرہم تھی۔ یہ لوگ پانی پینے کے لئے خاص قسم کے پیالے بناتے تھے۔ انہیں برتنوں کے نام پر یہ لوگ بیکرز کہلاتے تھے۔

چونکہ تیسری ہزاری قبل از مسیح تک برطانیہ، ہالینڈ، فرانس، جرمنی اور یورپ کے دیگر بہت سے ممالک کے لوگ دھات سازی کے فن سے نا آشنا تھے اس لئے ان لوگوں کے حملہ سے ان ملکوں میں اطوار زندگی یکسر بدل گئے اور یہاں کے مقامی لوگ بھی دھات کی اشیاء بالخصوص اوزار ہتھیار بنانے اور استعمال کرنے لگے۔

علم الانسان کے ماہرین کے نزدیک بیکرز کا تعلق وسطی یورپ میں غالباً دریائے رائن کی وادی سے تھا۔ یہ لوگ شاید مشرق اونی کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے تانبے اور کانسی سے اشیاء بنانے کا فن پا گئے تھے۔ وسطی یورپ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ یہ لوگ اگلے دو سو سال میں 1800 ق م تک اپنے کانسی کے ہتھیاروں کی وجہ سے پورے یورپ میں چھا گئے۔ اور پتھر کے ہتھیار رکھنے والی اقوام پر فتح پاتے چلے گئے۔ بیکرز کے مقامی لوگوں سے اختلاط کے باعث یورپ میں ایک نیا تمدن وجود میں آیا جس سے یورپ میں کانسی کے زمانے کا آغاز ہو گیا۔

برطانیہ میں ان لوگوں نے جو یادگاریں چھوڑیں ہیں وہ آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں ان یادگاروں میں نمایاں ترین سنون ہنچ (Stonhenge)، سلسبری (Silisbury)، اور میڈن کیسل (Maiden Castle) کی یادگاریں ہیں۔ ان میں سب سے متاثر کن سنون ہنچ کی یادگار ہے۔ یہ شاہی یورپ میں اولین تعمیراتی یادگار ہے جو پتھروں سے ایک دائرے کی شکل میں تعمیر کی گئی ہے یہ سلسبری کے میدان، ولٹ شائر کاؤنٹی میں واقع ہے اور گذشتہ چار ہزار سے اپنے تعمیر کرنے والے مخفی افراد کی یاد دلاری ہے سنون ہنچ کا سب سے اہم تعمیراتی پہلو یہ ہے کہ جس زمانے میں ابھی برطانیہ میں پہلی بھی ایجاد نہ ہوا تھا، اہرام مصر کی تعمیر کی طرح انسان نے اتنے بھاری پتھروں کو تعمیر کے مقام تک نہ جانے کیسے پہنچایا ہوگا؟

حکمت، حساب و الجبر، طب و کیمیا اور نجوم شناسی میں بابل کے صاحبان کمال کا کوئی ہمسرہ نہ رہا۔ بابل کے عہد زریں کے اگرچہ آج 4000 سال بعد بھی اس شہر کے محلات و عمارت کو مٹے ہوئے بھی ایک مدت گزر چکی ہے۔ لیکن چونکہ سرمایہ علم کی فنا نہیں اس لئے اہل بابل نے جو شعبہ علم روشن کی تھی وہ یونانیوں کے دانش کدے اور کئی دوسری اقوام عالم کی تاریخ کے صفحات منور کر دینے کے بعد آج بھی روشن ہے کیونکہ جن علوم کی ابتداء اہل بابل نے کی تھی وہ آج بھی نوع انسانی کے لئے سودمند ہیں۔ کلدانیوں کی روایتی انفس طرازی اور غب دانی کی شہرت نے صدیوں تک ان کی اصل علمی خدمات پر پردہ ڈال رکھا اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ علم و تہذیب کا آفتاب سب سے پہلے مغرب میں یونان کے افق سے ابھرا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ آفتاب کبھی مغرب سے طلوع نہیں ہوتا اور اسی طرح یونان نے سائنس، طب اور فلسفہ سب نے بابل ہی کے مشرقی چشمہ فیض سے اکتساب کیا تھا۔

اہل بابل ذہانت، صناعتی اور ہنرمندی میں یکساں ہونے کے ساتھ ساتھ سائنسی عوامل کا شعور بھی رکھتے تھے۔ اشور بنی پال کے کتب خانے، بابل، اشور اور ایک کی کھدائیوں سے ایسی الواح بکثرت دستیاب ہوئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے صاحب علم لوگوں نے اپنے تجربات کی بنا پر کئی علوم کے کچھ سائنسی اصول اور قوانین بھی وضع کئے تھے۔ ان علوم کی تدوین و ترویج ناممکن تھی۔ تاریخ نے بتائے ہے کہ انسان نے چیزوں کو گنتا اور ان کی پیمائش و وزن کرنا کب اور کہاں شروع کیا تھا؟ حمیری دور کی اشریاتی دریا فتوں سے اب تک ایسے کوئی آثار نہیں ملے جن سے ابتدائی انسان کی حساب دانی پر روشنی پڑ سکے۔ بہر حال سماجی ضرورتوں نے انسان کو لامحالہ حساب رکھنے اور گنتی کا طریقہ ایجاد کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ گنتی کرنے کے لئے مٹی کی گولیاں، گنتارا اور وزن کرنے کے لئے باٹ جن قدیم تہذیبوں کے آثاروں سے ملے ہیں ان میں بابل کی تہذیب کے آثار سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اہل بابل نے حساب میں 60 کا نظام اعداد Sexicesimal ایجاد کیا۔ اسی طرح حساب میں صفر کی ایجاد ذہن انسانی کا بڑا انقلابی کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اہل یونان، اہل ہند اور اہل عرب سب ہی کا دعویٰ ہے کہ صفر کا ہندسہ انہوں نے ایجاد کیا مگر حقیقتی طور پر صفر کی بائبل لوجوں کی دستاویزی شہادت سے ان کی دعوؤں کی تردید ہو جاتی ہے اور ہندسہ صفر کی ایجاد کا سہرا بھی اہل بابل کے سر بندھتا ہے۔

موسمی تبدیلیاں اور تیوہادوں کا باقاعدہ حساب رکھنے کے لئے بابل کے پروتھوں نے موسم کے تغیرات اور تیوہادوں کے دن مٹی کی لوجوں پر لکھنے شروع کر دیے تھے۔ اس ریکارڈ سے بائبل کیلنڈر یا جتزی کی ابتداء ہوئی۔ بائبل پر وہ اپنے روزمرہ کے مشاہدے کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ بارہویں رویت ہلال کے وقت وہی موسم ہوتا ہے جو پہلی رویت ہلال کے وقت تھا لہذا انہوں نے سال کو 12 قمری مہینوں میں تقسیم کیا جس میں 29 اور 30 دن کے مہینے رکھے گئے۔ اس طرح وہ قدیم مصریوں کے برعکس ایک قمری کیلنڈر ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تجارت اور سودی کاروباری کے فروغ کے بعد جب بائبل معاشرے پر قمری تقویم کی خرابیاں ظاہر ہوئیں تو اہل بابل نے کاروباری ضرورتوں کے تحت قمری کیلنڈر کے ساتھ ساتھ ایک شمسی کیلنڈر بھی تشکیل دیا۔ بائبل سن ہمارے زمانے کی عیسوی یا جبری تقویموں کی طرح کس خاص وقت سے شروع نہ ہوتا بلکہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی سے نئے سن کا آغاز ہوتا تھا۔ (عہد مغلیہ کن جلوس کی طرح)۔

تاریخ میں سورج و چاند گرہن کی صحیح پیشین گوئیوں کا سہرا بھی یونانی دانشوروں کے سر باندھا جاتا ہے۔ جب کہ

1955 ق م۔۔۔۔۔ بابل کا عہد زریں

صدیوں تک دجلہ و فرات کی زرخیز وادی پر سمیریوں کا اقتدار رہا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ کمزور پڑتے چلے گئے اور آخر کار ساسانی انسل لوگوں سے شکست کھا گئے۔ نئے فاتحین بھی پہلے پہل یہاں کوئی مرکزی حکومت نہ قائم کر سکے اور ہر شہر ایک الگ خود مختار ریاست بن گیا یہ شہری ریاستیں ہر وقت ایک دوسرے سے مصروف پیکار رہتی تھیں۔ پھر انہیں ریاستوں میں سے ایک غیر اہم ریاست ”بابل“ میں ایک ایسا بادشاہ تخت نشین ہوا۔ جس نے روزمرہ کی یہ جنگ و جدل ختم کر کے سمیریوں کے دور کی طرح امن و امان بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ بادشاہ حمورابی تھا۔ بابل کے پہلے حکمران خاندان (عموری Amorite) کا چھٹا حکمران۔ اس کے عہد کے آغاز و اختتام کی حتمی تاریخوں کا فیصلہ مورخین اب تک نہیں کر سکے۔ پہلے حمورابی کے عہد کو 2067 ق م سے 2013 ق م یا 2000 ق م تک تصور کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں ماری (Mari) کے مقام سے ملنے والی مٹی کی 20000 الواح سے ایسے تاریخی اور فلکیاتی شواہد حاصل ہوئے جن سے حمورابی کا عہد 1792 ق م سے 1750 ق م یا 1728 ق م سے 1686 ق م بنا ہے۔ کئی مورخین نے اسے 1955 ق م سے 1913 ق م تک بتایا ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا بحث سے قطع نظر عظمت بابل کا حرف آغاز حمورابی تھا اور نقطہ عروج بخت نصر۔ یہ درست ہے کہ بابل کا شمار عموریوں یا کلدانیوں سے پہلے بھی میسوپوٹیمیا کے متبرک شہروں میں ہوتا تھا کیونکہ اس میں سب سے بڑے دیوتا مردوک کا مندر تھا۔ لیکن کسی بادشاہ نے اسے پایہ تخت نہیں بنایا تھا۔ سب سے پہلے شان لارسہ کے عہد میں 2169 ق م میں عرب کے بدوی قبائل کے ایک سردار ”موقوم آیوم“ نے بابل میں ایک متوازی حکومت قائم کر کے بابل کے پہلے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی تھی۔ پھر اسی خاندان کے چھٹے حکمران حمورابی نے بابل کے گرد و فصیل تعمیر کرائی اور داخلی نظم و نسق درست کر کے سمیریہ کی دیگر شہری ریاستوں کی تسخیر شروع کر دی جلد ہی اس نے ایرک اور ہسین کے علاوہ کئی اور شہر سرکے۔ آخر میں لارسہ کی بادشاہی کا بھی خاتمہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ حمورابی نے عیلامیوں سے بھی جنگ کی کیونکہ وہ رم سین شاہ ہسین کو اس کی کھوئی ہوئی ریاست دلانے کے لئے حمورابی کی سلطنت پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طرح حمورابی سارے سمیریہ (جنوبی عراق) کا بادشاہ بن گیا۔ پھر جلد ہی عیلام، آشور اور نینوا تک ان کی سلطنت میں شامل ہو گئے اور حمورابی اپنی حکومت کے 40 ویں سال تک ایک وسیع سلطنت شہر بابل کے نام پر قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو سلطنت بابل ہی کہلائی۔ ایک اچھے فاتح کے ساتھ ساتھ حمورابی ایک اچھا منتظم بھی تھا۔ اس کے دریافت شدہ 145 خطوط اور اس کا مرتب کردہ ضابطہ قوانین آج بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ ایک لمبا عرصہ میدان جنگ میں بسر کرنے والا یہ حکمران حکومت کے داخلی انتظام و انصرام پر بھی توجہ دیتا تھا۔ بابل کی سلطنت وسیع ہوجانے کے بعد یہ شہر اس وقت کی دنیا کا سب سے بڑا، سب سے پر شوکت شہر بن گیا اس کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی اور اس کے عہد زریں کا آغاز ہو گیا اس عہد زریں میں علم و

تہذیب ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گئی۔

بابلی تہذیب فنا ہوئے تقریباً ڈھائی ہزار سال گزر چکے مگر آج اگر ہم نوع انسانی کی گذشتہ ترقیوں پر نظر ڈالیں تو مشرق و مغرب کی تمام ترقیوں کا رشتہ بابلی تہذیب سے ملتا نظر آئے گا جو ایک کھلی حقیقت ہے کیونکہ اہل بابل سے پہلے ان جیسی ترقی یافتہ کوئی دوسری قوم دنیا میں نہیں تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ بابلی پروتوں نے سورج گرہن جزوی اور کلی کے بارے میں یونانیوں سے مدتوں پہلے مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے پیشین گوئیاں شروع کر دیں تھیں پروفیسر رے ون اپنی کتاب "قلفیان قبل از سقراط" میں لکھتے ہیں کہ چھٹی صدی قبل از مسیح میں دانشوران بابل سورج گرہن کے متعلق یہاں تک صحیح پیشین گوئیاں کر سکتے تھے کہ یہ گرہن کن کن مقامات پر نظر آئے گا اور کن کن مقامات پر نہیں دیکھا جاسکے گا۔ جس پہلے یونانی فلسفی اور سائنس دان طالیس کی 585 ق م میں ہونے والے دوران جنگ سورج گرہن کے متعلق پیشین گوئی کا ذکر ہیرودوٹس اور کئی دوسرے یونانی مورخین نے اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ بات بھی نہایت اغلب ہے کہ اس نے علم ہیئت بابلیوں سے ہی حاصل کیا ہو یا پھر کم از کم طالیس کی اس پیشین گوئی کا باخدا بابلی دستاویزات ہوں کیونکہ اس زمانے میں اہل یونان اور اہل بابل کے درمیان خوشگوار تعلقات کا سراغ ملتا ہے اور اکثر تعلیم یافتہ یونانی ایشیائے کوچک میں واقع یونانی نوآبادیوں تک ضرور سفر کرتے تھے ان نوآبادیوں میں اس بات کا اغلب امکان ہے کہ بابلی علوم کی معلومات حاصل کرنا یہاں سے زیادہ آسان تھیں۔

اہل بابل چاند اور سورج گرہن کے علاوہ اجرام فلکی کے متعلق اور ان کے درمیانی فاصلوں کا علم بھی رکھتے تھے۔ اس بات کا پتہ نیفر سے ملنے والی 1000 ق م کی لوحوں سے چلا ہے بابلیوں کے نزدیک اجرام فلکی کی تعداد آٹھ تھی جن میں چاند زمین کے سب سے قریب تھا۔ آسمان کے تین منطقے تھے اور ہر منطقہ بارہ حصوں یا دائروں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر منطقے کے اپنے چند مخصوص سیارے اور تارما منزل تھے۔ بابلیوں نے 419 ق م میں ستاروں کا راس منزل تیار کر لیا تھا۔ یہ وہی راس منزل ہے جو آجکل بھی جنسیوں کے سرورق پر نظر آتا ہے۔

علم جغرافیہ اور نقشہ نویسی میں بھی اہل بابل یونانیوں سے پہلے ترقی کر چکے تھے۔ جغرافیہ کے متعلق جولیس دریافت ہوئیں ہیں ان پر نہ صرف ملکوں، شہروں دریاؤں اور پہاڑوں کے نام اور ان کی جانے وقوع کندہ ہے بلکہ یہ جان کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اہل بابل کو قطب شمالی کا بھی دھندلا سا علم تھا۔ چنانچہ ایک لوح پر کرہ شمالی کے بارے میں لکھا ہوا ملا ہے کہ وہاں سال میں دس مہینے سورج طلوع نہیں ہوتا۔ چھٹی صدی قبل از مسیح ایک بابلی لوح پر دنیا کا نقشہ بھی بنا ہوا ملا ہے۔ جو یونانی دانشوران اس مینڈر سے مدتوں پہلے کا ہے۔

میسوپوٹیمیا میں اہل بابل سے پہلے سمیریوں نے علم طب میں کچھ پیش رفت کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بابل کے طبیبوں کو ایسی شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ جیسی اہل مغرب کوئی زمانہ حاصل ہے۔ بابلی طبیبوں کے پاس دیگر اقوام جیتوں، کنعانیوں اور مصریوں کے مریض بغرض علاج آتے تھے۔ غازی کائی کے مقام سے ملنے والی طبی الواح سے پتہ چلا ہے کہ تیرھویں صدی قبل از مسیح میں ایک حتی بادشاہ ایک بابلی حکیم سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے اس بابلی طبیب کو اپنے ملک سے جانے کی اجازت نہ دی۔ اس بابلی طبیب نے اپنے بادشاہ کو فریاد نامہ بھجوا دیا۔ جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں میں محظوظ و کتابت کے بعد کہیں اسے واپس جانے کی اجازت ملی۔ بابل کی طبی لوحوں سے کم از کم 550 مروج دواؤں کے نام ملے ہیں جن سے علم الادویہ میں بابلی طبیبوں کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

بابلی تہذیب تقریباً تین ہزار سال تک زندہ رہی اس کا زوال تو اگرچہ بتا فشی عہد سے شروع ہو گیا تھا مگر یونانی فتح نے اس تہذیب کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی جس کے بعد دنیا میں ابتدائی سائنسی ترقی کرنے والی یہ قوم اور اس کی

کی ریاست تھی۔

تیسرا ضابطہ قانون جمہوری کے پیش رو بادشاہ لیتا اشترا نے ریاست ہسین (Isin) میں نافذ کیا تھا۔ اس کی فقہ 38 دفعات پر مبنی جاسکتی ہیں۔ تاہم جمہوری کا ضابطہ اپنے پیش روؤں کے ان ضابطوں سے کہیں زیادہ جامع اور مبسوط تھا۔ اس ضابطہ کا آغاز ایک طویل تمہید سے ہوتا ہے جس میں شہنشاہ نے قوانین کی عرض و غایت پر روشنی ڈالی ہے۔ ضابطے میں درج جمہوری کے ان قوانین کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً املاک کے قوانین، لیکن دن کے قوانین، ضابطہ فوجداری کے قوانین، ازدواجی زندگی کے متعلق قوانین اور غلام و آقا کے تعلقات کے قوانین۔ ان قوانین کے مطالعے سے اس دور کی معاشرتی زندگی کے بہت سے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ پتہ چلتا ہے کہ باہلی لوگ مخلوق اور معبودوں سے وابستہ طبقوں کے علاوہ معاشرے کے بہت سے طبقات میں بٹے ہوئے تھے۔ ان طبقات میں سے چار اہم طبقات یہ تھے۔ اشرافیہ (ادیلو) مساکین (مشکلو)، غلام (وردو) اور عام شہری مثلاً تاجر، کاریگر، زمیندار، کاشتکار، باغبان، مزدور، گڈرینے اور ملاح وغیرہ۔ اشرافیہ سے مراد شاہی خاندان کے افراد اور امراء تھے۔ مساکین وہ طبقہ تھا جس کو (چھپے فونپے) خدمات کے عوض جاگیر کی اور دوسری مراعات حاصل تھیں۔ غلام عام طور پر جنگی قیدیوں میں سے بنائے جاتے تھے یا پھر سود کی وجہ سے مقررہ لوگوں کو غلام بنالیا جاتا تھا۔ لیکن غلام آزادی حاصل کر سکتے تھے۔

اس عہد میں سزا اور جزا کا تعین سماجی رتبے کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک ہی جرم کی سزا غلام کے لئے ایک آزاد شہری کے مقابلے میں کہیں سخت اور زیادہ تھی۔

جمہوری کے ان قوانین میں سب برابر نہیں تھے۔ جیسے آج بھی دنیا کے طبقات زدہ سماجوں کے قوانین کی نظر میں تمام انسان ہر گز بھی برابر نہیں ہیں۔ جمہوری کے قوانین میں سزا کی دو قسمیں تھیں جسمانی سزا اور مالی سزا۔ جسمانی سزاؤں میں سب سے بڑی سزا سزا موت تھی۔ جو کم از کم 35 جرائم پر دی جاتی تھی۔ یہودیوں کے قانون موسوی کی مانند جمہوری کے عہد میں بھی جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ کا قانون رائج تھا مگر اس کے اس ضابطے میں بعض ایسے قوانین بھی ہیں جو صرف زبانی جرائم کے خلاف بھی سزائیں تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیٹا باپ سے کہتا کہ تم میرے باپ نہیں ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جاسکتا تھا۔

اس نئے قدیم زمانے میں بھی مکان کرائے پر دیئے جانے کا رواج تھا۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی مکان کرائے پر دینے سے پہلے کرایہ نامہ لکھوایا جاتا تھا۔ اس کرائے نامے پر مالک مکان، کرایہ دار اور گواہان کے دستخط ہوتے تھے۔ جمہوری کے عہد کی ایک لوح ایسی ملی ہے جس پر ایک کرایہ نامہ کدہ ہے۔ یہ دنیا کا سب سے قدیم تحریری کرایہ نامہ ہے۔ قرض اور سود کا چلن بھی عام تھا۔ قرضدار اگر قرضہ نقد ادا نہ کر سکتا تو اس کے عوض مساوی مالیت کا اناج جمع سود جس کی شرح بیس فی صد رائج تھی ادا کر سکتا تھا اگر کوئی قرض خواہ اپنے قرض دار سے اس سے زیادہ سود وصول کرتا اور یہ عدالت میں ثابت ہو جاتا تو تمام قرضہ ساقط ہو جاتا تھا۔

خیانت مجرمہ ثابت ہو جانے پر خان کو پانچ گنا جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔ البتہ اناج کی خیانت کی سزا صرف دو گنا تک تھی۔ لیکن دین کے مقدمات میں گواہوں کی بڑی اہمیت تھی۔ ایسا کوئی مقدمہ قابل ساعت نہ تھا جس میں چشم دید گواہ موجود نہ

1950 ق م۔۔۔ جمہوری کا ضابطہ قوانین

یہ برس کے مشہور زمانے عجائب گھر لور میں پتھر کی ایک لاث ششے کے ایک کس میں محفوظ کی گئی ہے۔ یہ لاث اس عجائب گھر کا سب سے نادر اور تاباں مخطوط ہے یہ لاث آٹھ فٹ لمبی اور تین فٹ موٹی ہے۔ اس کے بالائی حصے پر ایک انتہائی باہمی منظر کھدایا گیا ہے۔ جس میں بائبل کا سب سے اہم دیوتا مردوک بڑے جاوہر جلال کے ساتھ ایک تخت پر رونق افروز ہے۔ اس کے سامنے بائبل کا حکمران جمہوری نہایت ادب سے کھڑا ہے۔ وہ دائیں ہاتھ سے دیوتا کو سلام کرتے ہوئے بائیں ہاتھ کو اپنے پیٹ پر رکھے ہوئے ہے۔ دیوتا مردوک اسے ضابطہ قوانین کا تختہ عطا کر رہا ہے جو لاث کے بقیہ زیریں حصے پر عکاسی زبان میں کدہ ہے۔

یہ نادر و تاباں مخطوط جو پتھر کی ایک لاث پر کندہ ہے۔ دراصل جمہوری کا ضابطہ قوانین ہے جسے کئی مورخین دنیا کا پہلا تحریر شدہ ضابطہ قوانین بھی کہتے ہیں۔ اس زمانے میں چونکہ چھاپے خانے اور اخبارات نہیں تھے لہذا سلطنت کے اہم قوانین اور احکامات کو پتھر کی لاثوں پر کندہ کر کے مندروں میں یا شاہراہوں پر نصب کر دیا جاتا تھا تاکہ لوگ اپنے حقوق کی قانونی حیثیت سے آگاہ رہیں۔ جمہوری کے ضابطہ قوانین کی یہ لاث تاریخ کی سب سے پرانی لاث ہے۔ یہ بعض مورخین کے مطابق 1950 ق م اور بعض کے نزدیک 1788 ق م میں جمہوری کے حکم پر سچر کے مقام پر شش دیوتا کے مندر میں نصب کی گئی تھی۔ بارہویں صدی قبل از مسیح میں عیلام کا بادشاہ اس لاث کو فتح کے نشان کے طور پر اٹھا کر اپنے دار الحکومت سوس لے گیا۔ اور وہاں نصب کر دی۔ اہل عیلام کے زوال اور سوس کی تباہی کے بعد یہ لاث ہزاروں ملبوں میں دب گئی اور تین ہزار سال تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہی۔ 1901ء میں یہ فرانسیسی ماہرین آثار قدیمہ کو سوس کی کھدائی میں ہاتھ آئی۔ اتنی لمبی مدت گزرنے کے باوجود اس لاث پر سے فقط چند مقامات سے عبارت مٹی ہے تاہم یہ لاث ابھی تک اچھی حالت میں ہے۔ کہیں کہیں سے تھوڑی بہت عبارت کے مٹ جانے کی وجہ سے جمہوری کے قوانین کی تقریباً 35 شقیں یا دفعات ضائع ہو گئی ہیں۔ لیکن چونکہ اس ضابطے کی کئی اور نقلیں بھی کئی دوسرے مقامات سے بھی بازیاب ہو چکی ہیں۔ اس لئے ان کی مدد سے جمہوری کا یہ ضابطہ مکمل طور پر مرتب کر لیا گیا ہے۔

اس ضابطہ میں کل 286 دفعات ہیں۔ ان دفعات کے مطابق اس ضابطہ کا ہر قانون اپنے عہد کے سماجی حالات اور ریاستی تقاضوں کی عکاسی کرتا ہے۔

بعض محققین کے نزدیک جمہوری کا ضابطہ قوانین تاریخ کا پہلا ضابطہ نہیں ہے بلکہ خود عراق ہی میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران اب تک تین اور ایسے ضابطوں کا پتہ لگا ہے جو جمہوری سے پیشتر نافذ العمل تھے۔ ان ضابطوں میں سب سے پرانا ضابطہ ار کے شہنشاہ ارشمو کا ہے۔ یہ ضابطہ جمہوری سے تقریباً 4 سو برس پہلے 2133 ق م میں وضع ہوا تھا۔

دوسرا ضابطہ قانون ریاست اشوتام میں رائج تھا اس کی 61 دفعات تھیں یہ بغداد کے مشرق میں عکادیوں کی ایک چھوٹی

ضابطے کے مطابق باہلی معاشرے میں شادی ہو جب ایک معاہدہ تھی۔ شادی سے پہلے اگر اس معاہدے کا معاملہ باقاعدہ طور پر طے نہ پاتا تو عدالت شادی کو تسلیم نہ کرتی تھی۔

مرد اور عورت دونوں کو طلاق کا حق حاصل تھا اور طلاق بھی باقاعدہ طور پر تحریری ہوتی تھی۔ چنانچہ طلاق نامے پر مشتمل ایک لوح بھی اثباتی کھدائیوں میں برآمد ہوئی ہے پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ جہیز عورت کی ذاتی ملکیت تصور ہوتا تھا۔ اگر کوئی عورت بے اولاد مر جاتی تو اس کا جہیز اس کے والدین کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ جائیداد زینہ اولاد میں برابر تقسیم کی جاتی جبکہ خواتین کا حصہ ان کی شادی کے موقع پر جہیز کی صورت میں دیا جاتا تھا۔

قانون تعمیرات کی رو سے نیا تعمیر شدہ مکان اگر معمار کے غلط تعمیر کرنے یا اس کی لاپرواہی سے گر جاتا تو دوبارہ تعمیر کے اخراجات معمار سے وصول کئے جاتے۔ اگر کوئی مکان تعمیراتی نقص کی وجہ سے گر جاتا اور مالک مکان اس میں دب کر مر جاتا تو معمار کی سزا موت تھی اور اگر مالک مکان کا بیٹا اس میں دب کر ہلاک ہو جاتا تو پھر معمار کے بیٹے کو قتل کیا جاتا تھا۔ ہڈی جوڑنے اور عمل جراحی کے دیگر آپریشنوں کا باقاعدہ اجرت مقرر تھی۔ موسیٰیوں کے علاج کے لئے بھی باقاعدہ پیشہ ور طبیب ہوتے تھے اور ضابطے میں ان کی اجرت بھی دی گئی ہے۔ اگر کوئی موسیٰی جراح کے ہاتھوں دوران عمل جراحات مر جاتا تو جراح صاحب کو جانور کی چوٹائی قیمت چکانا پڑتی تھی۔

حورابی کے اس ضابطہ قوانین کا اختتام اس کے ان خود ستائی کلمات پر ہوتا ہے۔

میں نے دشمن کو فتح وین سے اکھاڑ پھینکا

میں نے جنگ کا خطرہ ختم کر دیا۔

اپنی رعایا کو پر امن بستوں میں آباد کیا تاکہ وہ دوستانہ زندگی بسر کر سکیں۔

کسی کی مجال نہ تھی کہ جوان پر وھنس جاتا عظیم دیوتاؤں نے مجھے حکم دیا۔

پس میں وہ مہرمان گذر دیا بتا جس کے عصا میں خیر ہے۔ میرا سایہ رحمت میرے شہر پر ہے۔

میں نے ارض سومر و عاکد کے باشندوں کو اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ میں نے ان پر امن سے حکومت کی۔ میں نے

اپنی طاقت سے انہیں ہر آفت سے بچایا۔

1850 ق م۔۔۔ حضرت یعقوبؑ اور ان کا عہد

حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسرائیل کے لقب سے یاد کیا ہے اور ان کے ہی نام پر قوم یہود "بنی اسرائیل" کہلائی ہے۔ روایت ہے کہ جب حضرت اسحاقؑ نے حضرت یعقوبؑ کو دعا خیر و برکت دی تو ان کے بھائی عیسو نے برہم ہو کر حضرت یعقوبؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

آپؑ کی والدہ نے آپؑ کو حران اپنے ایک بھائی کے پاس بھیج دیا۔ آپؑ حران کی سمت میں شام سے صبح تک سفر کرتے جب صبح ہوتی تو ٹھہر جاتے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسرائیل کا لقب دیا۔ حران میں ان کے ماموں لابان بن تویل نے پہلے اپنی بڑی بیٹی لیہا کو حضرت یعقوبؑ کے نکاح میں دیا پھر اپنی چھوٹی بیٹی راحیل بھی ان سے بیاہ دی۔ ان دونوں بیٹیوں کے ساتھ جہیز میں دو خادائیں بھی دیں جن سے حضرت یعقوبؑ نے بعد ازاں ازدواجی تعلقات قائم کر لیے اور ان کے لطن سے بھی ان کے ہاں اولاد پیدا ہوئی۔ جب حضرت یعقوبؑ کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو گئے تو حضرت راحیل نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا کی اور ان کے ہاں حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹے حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے۔ بیس سال تک حران میں مقیم رہنے کے بعد حضرت یعقوبؑ کنعان آ گئے۔ ان کے ماموں اور سر نے انہیں روکنا چاہا مگر مشیت ایزدی کے مطابق آپؑ خرید حران میں نہ رکے۔ کنعان پہنچ کر انہوں نے اپنے بھائی عیسو کو کچھ بھیڑ بکریاں تحفہ میں بھیجیں جس سے عیسو کا دل یعقوبؑ سے صاف ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ نے پرولم پہنچ کر زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس زمانے میں ان کے ہاں ان کا بارہواں بیٹا حضرت راحیل کے لطن سے "بنیامین" پیدا ہوا حضرت راحیل نے حالت زوجگی میں انتقال کیا اور بیت اللحم میں دفن کی گئیں۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ کے والد حضرت اسحاقؑ ان کے پاس چلے آئے اور انہوں نے ایک سو اسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ کو بہت چاہتے تھے اس وجہ سے ان کے دوسرے بھائی ان سے حسد کرنے لگے اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک دیا۔ ان کی جدائی کے غم میں حضرت یعقوبؑ کی بصارت چلی گئی پھر ایک مدت کے بعد جب ان کی ملاقات حضرت یوسفؑ سے ہوئی تو بینائی لوٹ آئی حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد بعد ازاں ان کے نام پر بنی اسرائیل کہلائی۔

مآخذ

قصص القرآن از یو ہاوی تاریخ ابن خلدون جلد تاریخ الانبیاء۔

سالوں میں غلہ خوب ذخیرہ کر لے تاکہ قحط سالی کے زمانے میں کام آسکے۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کی بتائی ہوئی تعبیر اور آپؑ کی تجاویز کو صائب سمجھتے ہوئے آپؑ کو عزیز مصر کے عہدے پر فائز کر دیا تاکہ وہی غلے کو مناسب طریقے سے ذخیرہ کرنے کا انتظام کریں۔

قحط کا زمانہ آیا تو کنعان سے حضرت یوسفؑ کے بھائی غلہ خریدنے کے لئے مصر آئے جہاں حضرت یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا اور اپنے باپ اور بھائیوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس واقعہ کے چھ سات سو سال بعد کی مصری تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی قوم یعنی حضرت یعقوبؑ کی اولاد مصر کے ایک خطہ گوشن میں آباد ہوئی تھی۔ اتنی صدیوں میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی اور قبطی (مصر کے اصلی باشندے) انہیں اپنا غلام سمجھنے لگے۔ اسی وجہ سے ان سے طرح طرح کی جسمانی مشقتیں لی جانے لگیں۔ (1200 ق م)

حضرت یوسفؑ کی یہ داستان بارہویں خاندان کے کسی فرعون کے زمانے میں رونما ہوئی تھی۔ اس داستان سے شام، فلسطین اور کنعان کی بدوی قبائل کی بے چینی اور اضطراب کا بھی سراغ لگتا ہے۔ یہی اضطراب ان بدوی قبائل کو سر زمین مصر کی طرف لے آیا۔ اور مصر کی تاریخ میں زبردست انقلاب کا موجب بنا۔ حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کے بارہ بیٹے تو حضرت یوسفؑ کے عزیز مصر بن جانے کی وجہ سے گوشن میں آباد ہوئے۔ لیکن بعد میں فلسطین، کنعان اور شام کے بدوی قبیلے مصر کی سر زمین میں بزدل گھسنے لگے۔ انہوں نے جو تاریخ مصر میں عمالیک (Hyksos) یا چرواہے بادشاہ کہلائے۔ پہلے ڈیلٹا کی سر زمین کو سر کیا پھر مصر کو مکمل فتح کر کے وہاں اپنی بادشاہی قائم کر لی۔ (1750 ق م)

1800 ق م۔۔۔ لگا ہے مصر کا بازار دیکھو!

ممفس (Mymphus) جو قدیم مصر کا دار الحکومت تھا اس کے ایک بازار کے عقبی میدان میں شہر میں نو وارد تاجر اپنا مال فروخت کیا کرتے تھے۔ ایک دن اس میدان میں غیر معمولی بھیڑ تھی اور لوگ بڑے جوش و خروش سے کنعان سے آنے والے عرب تاجروں کے ایک قافلے سے غلام و کثیر خرید رہے تھے۔ غلاموں اور کثیروں کی بولیاں بڑھ چڑھ کر لگ رہی تھیں اس دن ایک عربی تاجر جس کا نام مالک بن زغر تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان غلام کو فروخت کے لئے اپنے ساتھ اس میدان میں لایا تھا۔ مصری اس غلام کے ظاہری حسن سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ غلام کوئی معمولی انسان نہ تھا۔ وہ خود ایک پیغمبر اور ابن پیغمبر تھا بلکہ یہاں تک کہ وہ ایک پیغمبر کا پوتا اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا پڑ پوتا تھا۔ اس کا نام یوسفؑ تھا اور تجاویز عربوں کا یہ قافلہ اسے کنعان کے ایک اندھے کوئس سے نکال کر لایا تھا جہاں اسے اس کے بھائیوں نے اپنے حسد و شر کی وجہ ڈال دیا تھا۔ جب کہ ممفس کے امراء اور ورؤسا کو اس خوبصورت غلام کی شہر میں آمد کی خبر ملی تو وہ اس کے غلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے جوق در جوق اس میدان میں جمع ہو گئے۔ مالک بن زغر نے اپنے اس غلام کی قیمت اتنی زیادہ مقرر کی تھی کہ امراء اور روساء تک کو بولی دینے میں ندامت اٹھانا پڑی تھی ایسے میں ایک بڑھیا بھی جس کے پاس صرف ایک سوت کی انٹی تھی اس میدان میں بطور خریدار پہنچی۔ کسی نے پوچھا کہ بڑی اماں تم نے یوسفؑ کی قیمت بھی سنی ہے۔ ایک اور شخص نے ازراہ تفنن کہا کہ شاید تیری یہ سوت کی انٹی تو اس سے بھی قیمتی ہے۔ بڑھیا نے ان لوگوں کے تفنن آمیز سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں تو صرف یوسفؑ کے خریداروں میں اپنا نام لکھوانے کے لئے آئی ہوں تاکہ روز قیامت سند رہے۔

بلاخرہ جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا اس شخص کا نام بائبل میں ”فوطیفار“ اور قرآن کریم میں ”عزیز مصر“ آیا ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی تھی کہ وہ حضرت یوسفؑ کی قیمت ادا کر سکے۔

بعد ازاں اسی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہو جانے پر اس نے آپؑ پر بہتان لگا دیا۔ اسی الزام کی پاداش میں حضرت یوسفؑ قید خانے میں ڈال دیئے گئے جہاں آپؑ بارہ برس تک قید رہے۔ اسی قید خانے میں شاہ مصر کا ایک ساتی اور ایک باورچی بھی قید تھا۔ ان دونوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتانے پر حضرت یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے خوابوں کی تعبیر کے مطابق ساتی اپنے منصب پر بحال ہو گیا۔ جب کہ باورچی کو سزائے موت ملی۔ چند سال بعد بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ گندم کی سات خشک بالیاں سرسبز بالیوں کو نگل گئیں اور سات دہلی گائیں موٹی گائیں تازی گائیوں کو کھا گئیں ہیں۔ شاہ مصر کے درباری ممبر اس خواب کی تعبیر بیان کرنے سے قاصر رہے۔ اس موقع پر ساتی کو حضرت یوسفؑ یاد آئے۔ اس نے ان کا تذکرہ بادشاہ سے کیا۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو بڑی توقیر کے ساتھ اپنے دربار میں طلب کیا حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر بتائی کہ پہلے سات سال خوشحالی کا دور رہے گا اور خوب فصل ہوگی۔ پھر اگلے سات سالوں میں مسلسل قحط سالی کا دور دورہ ہوگا اس لئے بادشاہ کو چاہئے کہ خوشحالی کے

1750 ق م۔۔۔ مصر پر عمالیق کا حملہ

مصر پر فرعون نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک بڑی شان سے حکومت کی، لیکن اتنی طویل مدت اقتدار میں رہنے کی وجہ سے بلاخران کی گرفت حکومت کی باگوں پر دھیمی پڑ گئی۔ مرکزی حکومت کے کمزور پڑ جانے سے ملک میں طوائف اہلو کی اور انتشار پھیل گیا۔ اس کیفیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اردگرد کے ہمسائے جن میں نوبیائی (Nubian) حبشیائی (Thebans) اور لیبیائی (Libyans) شامل تھے۔ سب مصر پر چڑھ دوڑے چودھویں اور پندرھویں خاندان کے برائے نام بادشاہوں نے یہ حملے بڑی مشکل سے ناکام بنائے۔ چودھویں یا پندرھویں خاندان کے عہد آخر میں مصر پر ایک اور زبردست غیر ملکی حملہ ہوا۔ اس حملے میں اہل مصر مغلوب ہو گئے۔ یہ نیا حملہ عمالیق (Hyksos) نے کیا تھا۔ جو شام، فلسطین اور کنعان کے سامی نسل بدوی چرواہے تھے جو مصر کی خوشحالی اور ثروت سے متاثر تھے۔ یہ لوگ مصر کی تاریخ میں چرواہے بادشاہوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ لوگ صحراؤں سے بجلی کے کوندے کی طرح لپکے اور مصر کی آباد زمینوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔ ان لوگوں کے پاس ایک خفیہ ہتھیار تھا۔ جس کے آگے مصری بے بس تھے۔ یہ تھا گھوڑوں سے کھینچے جانے والا رتھ اس کے علاوہ یہ لوگ ایک خاص قسم کی مکان تیر پھینکنے کے لئے استعمال کرتے تھے جو مصریوں کے زیر استعمال مکانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دائرہ کار کھیتی تھی۔

عمالیق نے 1750 ق م میں مہینیس فتح کر کے مصر کے سلطیوں حکمران خاندان کی بنیاد رکھی۔ چونکہ ان لوگوں کے دور میں بہت کم تمدنی ترقی ہوئی۔ اس لئے ان کے زمانے کی بہت کم تحریریں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت فلسطین و شام تک جو ان کا اصل وطن تھا پھیلی ہوئی تھی۔ فلسطین کے ایک مقام بیت فلیط سے مٹی سے بنائے ہوئے ایک زبردست قلعے کے آثار ملے ہیں جس کے اردگرد اسی فنٹ چوڑی اور 28 فنٹ گہری خندق تھی۔ اس قلعے کی قبروں میں لاشیں سیدھی لٹائی ہوئی ہیں۔ ان قبروں سے مٹی کے گھڑے اور کانسی کے خنجر اور دیگر اشیاء ملی ہیں یہ قلعہ چرواہے بادشاہوں نے مصر فتح کرنے کے بعد تعمیر کیا تھا۔ خندق کی موجودگی اس بات کا پتا دے رہی ہے کہ ان چرواہے بادشاہوں کو ایٹانے کو چک کے چھوٹے حملوں کا خطرہ رہتا تھا۔ شاید حقیوں کی دیکھا دیکھی انہوں نے گھوڑے اور رتھ کا استعمال سیکھا تھا۔

عمالیق عہد میں مصر کی ثقافت زوال کی شکار رہی۔ اس دور میں نہ اہرام تعمیر ہوئے اور نہ ہی مغل اور مندر۔ اعلیٰ درجے کے قدیم مصری ادب کی نشوونما بھی اس عہد میں رکی رہی آخر 1560 کے قریب مہینیس کے ایک نواب سکین یزے نے بغاوت کر کے انہوں کے نام سے سترہویں شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس کے جانشینوں نے چرواہوں کو کشل کی طرف پیچھے دھکیلا انھارویں خاندان نے برسر اقتدار آ کر چرواہوں کو سرزمین مصر سے بے دخل کیا۔ وہ وہاں فلسطین و شام چلے گئے۔ انھارویں خاندان کی ایک ملکہ حط سوط نامی نے 1514 ق م سے 1479 ق م تک حکومت کی۔ اس ملکہ نے مہینیس میں ایک بڑا مندر تعمیر کیا۔ اور بیرونی ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم کئے۔ جس سے مصر کی تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

1600 ق م۔۔۔ مائی سینائی تہذیب کا ظہور

تقریباً 1900 ق م کے لگ بھگ شمالی یورپ سے کچھ قبائل سرزمین یونان پر وارد ہوئے اور انہوں نے 1600 ق م تک تمام یونان پر قبضہ کر لیا۔ ان قبائل کے سردار یا بادشاہ نے پیلو پونسس Pelloponnesus (جنوبی یونان) میں مائی سینائی (Mycenae) کے مقام پر ایک قلعہ مکمل تعمیر کیا۔ شمالی یورپ کے یہ قبائل اپنی فطرت میں حد بحد جنگجو واقع ہوئے تھے یونان میں آباد ہونے کے بعد ان کی مدبھڑ منوئی (Minoan) لوگوں سے ہوئی جو جزیرہ کریٹ (Crete) پر آباد تھے۔ نووار جنگجو لوگوں نے جلد ہی جزیرہ کریٹ فتح کر لیا۔ لیکن مفتوحین کی تہذیب و ثقافت اتنی پختہ تھی کہ بجائے مفتوحین فاتحین کا اثر قبول کرتے خود فاتحین مفتوحین کی تہذیب میں رنگے گئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے منوئی رسم الخط سے الگ ایک خطب (Minoan Linear B) ایجاد کیا ان کی تہذیب منوئی تہذیب سے بالکل الگ ثابت ہوئی۔ 1953ء میں ایک ماہر اشیات مائیکل وینٹرس (Michel Vetrin) نے منوئی رسم الخطب کی عبارت کو مٹی تختیوں سے پڑھ لیا۔ اس سے مائی سینائی لوگوں کے یونانی الاصل ہونے کا ثبوت مل گیا۔ اور پتہ چلا کہ مائی سینائی لوگ ایک یونانی زبان ہی بولتے تھے اور یونانی دیوتاؤں ہی کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا معاشرہ ایک مردوں کا سربراہ آوردہ معاشرہ تھا اور اسی معاشرہ کی باقیات ہی پر یونانی ہیلینی (Hellenes) معاشرے کی رکھی گئی۔

تیرہویں صدی قبل از مسیح میں انہیں مائی سینائی لوگوں نے جنگ ٹروجن لڑی تھی جسے صدیوں بعد تائینا یونانی شاعر ہومر نے اپنی رزمیہ داستانوں کا موضوع بنایا جو بعد ازاں ہیلینی روایات کا مغرب بن گئیں۔

تقریباً ایک صدی پہلے تک مائی سینائی تہذیب کے بارے میں ہماری معلومات یا تو یونان کی دیوالائی داستانوں سے اخذ شدہ تھی۔ یا پھر اس کا مآخذ ہومر کی رزمیہ داستانیں، ایلید (Iliad) اور اوڈیسی (Odyessey) تھیں۔ ایکلیس (Achilles) آگامینین (Agamemnon)، مائی سینائی اور ٹرائے جیسے لفظ صرف ہومر کے زرخیز ذہن کی پیداوار سمجھے جاتے تھے۔ 1871ء میں مشہور زمانہ جرمن ماہر اشیات ہنرخ شلیمان نے جہاں ترکی کے شمال مغرب میں ٹرائے کا تاریخی شہر دریافت کیا وہاں اس نے یونان میں مائی سینائی کے مقام پر واقع عظیم مائی سینائی بادشاہ آگامینین کا محل دریافت کر کے مائی سینائی تہذیب کے افسانے کو حقیقت کا رنگ دے دیا۔

سترہویں صدی قبل از مسیح میں یونان کی سرزمین پر آباد ہونے کے بعد مائی سینائی لوگوں نے اپنی الگ الگ اور چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کی تھی جن کے بادشاہ یا حکمران قلعہ نما محلوں میں رہتے تھے۔ ان محلوں کی تزئین اور آرائش بہت خوبصورتی سے کی جاتی تھی اگرچہ یہ تمام ریاستیں برابری کی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں مگر یہ سب مائی سینائی کے بادشاہ کو اپنا سربراہ تسلیم کرتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی ایک ریاست کا بادشاہ مائی سینائی بادشاہ کی حیثیت کو چیلنج بھی کر دیتا۔ مائی سینائی لوگوں نے تجارت کو بھی فروغ دیا۔ مگر شروع میں ان کی تجارت زیادہ تر یونانی جزیروں اور ایشیائے کوچک تک محدود تھی پھر انہوں نے اپنی

تجارت کا دائرہ کا بحیرہ روم کے کناروں پر آباد ملکوں تک وسیع کر لیا۔ وہ اپنی مصنوعات، کپڑا، ہاتھی دانت اور سونے کے بدلے میں سونے کے مرصع برتن اور زیورات حاصل کرتے تھے۔ سونے کی بنی ہوئی یہ اشیاء مائی سینیا کی بادشاہوں کے مقابلہ سے دریافت ہوئی ہیں۔

1700 ق م۔۔۔ کنوس کی تعمیر

مشہور زمانہ جرمن ماہر اثریات ہنرٹ شلیمان، جو نرائے کی دریافت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ نرائے ہی کی طرح ایک اور افسانوی شہر کنوس اور شاہ میناس (king Minos) کے شاہی محل کو دریافت کرے لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی اور وہ کنوس (Knosos) کو ڈھونڈنے کا خواب دیکھتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شاہ میناس کا محل قدیم یونانی تاریخ دانوں کے مطابق جزیرہ کریٹ پر واقع تھا۔ شلیمان کی موت کے بعد شاہ میناس کے شہر اور محل کو برآمد کرنے کا کام ایک انگریز ماہر اثریات سر آر تھر ایوان (Sir Arthur Evan) 1851ء۔ 1941ء کے حصے میں آیا۔ اس نے 1900ء میں جزیرہ کریٹ پر کھدائی کا آغاز کیا اور بغیر کسی وقفے کے اپنی موت تک (1941ء) آٹالیس سال اس کام میں مصروف رہا۔ اس طویل عرصے میں اس کی اشریاتی دریافتوں نے دنیا کو چونکا دیا۔ اس طرح آر تھر ایوان ہلا کر کنوس کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ صدیوں کی گرد سے برآمد ہونے والا یہ شہر یورپ کی اولین تہذیب کا مرکز تھا۔

سائٹ پر کھدائی کا کام شروع ہونے کے فوراً بعد ہی نئی دریافتیں ہونا شروع ہو گئیں۔ کنوس کے کھنڈرات سطح سے صرف چند فٹ نیچے پڑے تھے۔ یہاں نرائے کی طرح صدیوں کے دوران تعمیر و تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جو نوادرات ان کھنڈرات سے مل رہے تھے وہ تو یونانی تھے اور نہ ہی رومن بلکہ بہت پرانے تھے۔ ہومر کے عہد سے بھی بہت پہلے کے۔ پھر ان کھنڈرات سے ایک بڑا محل دریافت ہوا جو اس قدر بڑا تھا کہ مائی سینیا کی دیگر عمارتیں اس کے سامنے بونی نظر آتی تھیں۔ یہ ایک وسیع و عریض مستطیل صحن کے گرد بنایا گیا تھا اور اس میں ہر طرف کھلنے والے کمروں کا ایک بوکھلا دینے والا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ فی الواقع ایک بہت بڑی اور چونکا دینے والی قدیم بھول بھلیوں تھی اس محل کی دیواروں پر منتش تصویروں میں بار بار بیلوں کی تصویریں دیکھنے میں آئیں جو انسانی دماغ میں ”مینوتاؤر“ کے یونانی افسانے کو ابھارتی تھیں مینو تار (Minotaur) ایک ایسی مخلوق تھی جو آدمی انسان اور آدمی جانور کا جسم رکھتی تھی۔ قدیم افسانے کے مطابق یہ مخلوق جزیرہ کریٹ کی ایک بھول بھلیاں میں رہتی تھی۔ کہانی کے مطابق جب شاہ میناس نے اپنے بیٹے اندروگیس کو ایٹینز میں ہونے والے کھیلوں کے مقابلے میں حصہ لینے کے لئے بھیجا تو اندروگیس نے آسانی سے اہل ایٹینز کو کھیلوں میں ہرا دیا۔ اہل ایٹینز نے حد کے مارے ایٹینز کے بادشاہ کے حکم پر اسے قتل کر ڈالا۔ غصیلے میناس نے اپنے بھائی پر بیڑے کو ایٹینز پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا اور ایٹینز والوں پر خون بہا کی ایک خوفناک شق نافذ کر دی۔ میناس کی اس شق کے مطابق ہر سال اہل ایٹینز اپنے سات بہترین نوجوان اور سات حسین ترین دوشیزائیں بطور جزیہ کنوس بھیجا کریں جہاں انہیں غضبناک، منوتاؤر نامی مخلوق کی بھیٹ چڑھا دیا جائے گا۔ افسانے کے مطابق مینوتاؤر شاہ میناس کی بیوی ہی نے ختم دیا تھا۔

جب ایٹینز کی 28 جوانیاں مینوتاؤر کی بھیٹ چڑھ گئیں تب ایٹینز کے بادشاہ کا بیٹا تھیسئوس ایک طویل سفر سے واپس آیا۔ جب اسے شاہ میناس کے اس سخت جزیہ کا علم ہوا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ آئندہ کنوس بطور جزیہ بھیجے جانے

والے سات نوجوانوں میں اس کا نام بھی شامل کر دیا جائے۔ میں مینو تار کو مار کر اپنے شہر کی تدلیل کا بدلہ لوں گا۔ شاہ ایتھنز نے اپنے بیٹے کی ضد مانتے ہوئے اسے اجازت دی۔ تھیسوس جب سیاہ بادبانوں والے جہاز پر سوار ہو کر کنوس پہنچا تو اسے دیگر نوجوانوں کے ساتھ شاہ میناس کے حضور میں پیش کیا گیا۔ میناس کی بیٹی ایریان پہلی نظر میں اس پر فریضہ ہو گئی۔ ایریان نے قید خانے میں اسے ایک کنوار اور دھاگے کا گولہ پیش کیا تاکہ وہ کنوار سے مینو تار کو قتل کر کے دھاگے گولے کی مدد سے بھول بھلیاں میں اپنا راستہ ڈھونڈ سکے۔ تھیسوس نے ایک خون ریز لڑائی میں مینو تار کو مار ڈالا اور دھاگے کے سرے کو پکڑ کر راستہ ڈھونڈتے ہوئے بھول بھلیوں سے باہر نکل آیا۔ پھر دیگر نوجوانوں کے ساتھ ایریان کو ہمراہ لے کر واپس ایتھنز روانہ ہوا مگر فتح کی خوشی میں اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق اپنے جہاز کے سیاہ بادبان کو سفید بادبانوں کے ساتھ نہ بدل سکا جو اس کی زندگی بچ جانے کی علامت تھے جو نبی کا لے بادبانوں والا جہاز ایتھنز کے قریب پہنچا۔ شاہ انجوس جو اپنے محل کے در سے بچے سے جہاز کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھا کہ اس کا بیٹا مر چکا ہے اس نے غم کے مارے سمندر میں جھلانگ لگادی اس دن سے یہ سمندر بحیرہ ایجیہ کہلاتا ہے اسی بادشاہ کے نام پر۔

خاصے معقول وقتوں میں یونان میں اس اسطوری فسانے کو حقیقی کہانی سمجھا جاتا تھا۔ ایتھنز میں ٹھہرا ہوا ایک مخصوص جہاز فی الواقع وہ جہاز خیال کیا جاتا تھا جس میں تھیسوس نے سفر کیا تھا۔ سال میں ایک بار اس جہاز پر خاص چڑھاوے لاد کر اسے شہر واپس بھیجا جاتا تھا۔ جب تک یہ جہاز ایتھنز سے دور رہتا وہاں تقدس کی ایک فضا قائم رہتی تھی۔ حقیقت میں ستراط کی سزائے موت بھی تیس روز کے لئے اسی عید سے ملتوی کر دی گئی تھی۔ جب تک یہ مقدس جہاز واپس ایتھنز پہنچتا اس وقت تک کسی بھی سزائے موت کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا تھا۔ بہر حال کنوس سے ملنے والی بہت سے تصویروں میں باز مگر لڑکوں اور لڑکیوں کو ساڈوں پر سے پھلانگتے دکھایا گیا ہے ان تصویروں سے اس حد تک ضرور پتہ چلا ہے کہ شاید نیل جزیرہ کریت کے اس قدیم تمدن اور اس کی مذہبی رسومات میں ایک اہم کردار ادا کرتا تھا۔

کنوس کے آثار سے معلوم ہوتا کہ 1700 ق م کے قریب یہ شہر ایک دفعہ تباہ ہو کر پھر آباد ہوا۔ اس تباہی کی وجہ سے شاید عوام کی بغاوت تھی جنہوں نے شاہی محلات نذر آتش کر دیئے 1580 ق م میں کنوس پھر تباہ ہوا۔ اس مرتبہ تباہی کی وجہ زلزلہ تھا۔ قریب کے آتش فشاں کے لاوے سے مٹی کے برتن برباد ہوئے ہیں جو اس زمانے کی صنعت و حرفت کا پتہ دیتے ہیں۔ 1400 ق م کے قریب کریت پر ایک اور تباہی آئی۔ اس کے محلات شہر اور بستیاں سب نذر آتش کر دی گئیں۔ اس تباہی کا سبب ایک نئی قوم کی بغاوت سمجھی جاتی ہے۔ جو جنوبی روس کے میدانوں سے اٹھ کر جنوب کی طرف بڑھتی ہوئی یونان کی سر زمین پر قابض ہو چکی تھی۔

ان وحشی حملہ آوروں نے جوڈورین (Dorians) کہلاتے تھے کریت پر حملہ کر کے شاہ میناس کا محل جلا دیا۔ محل کے ستونوں پر چڑھی ہوئی راہ کی تھیں اس خوفناک آتشزدگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن اس تہذیب اور اس کے اس مرکزی آخری تباہی کی ایک خوفناک زلزلے کے ہاتھوں ہوئی جو شاید اتفاقاً آتشزدگی کے فوراً بعد آ گیا تھا۔ اس زلزلے نے اس اولین تہذیب یورپ پر آخری تباہی کی مہر ثبت کر دی جس کے بعد یہ کبھی نہ ابھر سکی۔

کریت میں جنم لینے والا یہ اولین یورپی تمدن اور اس کا تھول ظاہر کرتا ہے کہ کریت کے کشتی رانوں کی تجارت کتنے

عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ یونانی ڈورین یا پہلی قبائل کے حملے سے کریت کی بربادی کے بعد کریتی باشندے شام کے ساحل پر جا کر آباد ہو گئے۔ جہاں انہوں نے نئی بستیاں آباد کر کے نئی ریاستیں قائم کر لیں۔ کریتی پہلے بھی شامی انسل ہی تھے ساحل شام پر آباد ہونے کے بعد انہوں نے پھر کشتی رانی اور تجارت شروع کر دی۔ اور چند صدیوں میں پھر بحیرہ روم کی تجارت ان کے ہاتھ آ گئی۔ شام کے ساحل پر ان کی دو بستیوں صور اور صیدون نے بے ترقی کی یہ بستیاں اگرچہ کریتیوں کے ساحل شام پر واپس آنے سے پہلے ہی آباد تھیں۔ یہ لوگ ساحل شام پر آباد ہونے کے بعد بھی کہلائے۔

570 ق م۔۔۔ احموسیس اول اور عمالقہ کا اخراج

مصر پر عمالقہ یا بکسوس ایک طویل عرصہ تک قابض رہے۔ انہیں اٹھارہویں خاندان کے حکمران احموسیس اول نے مصر سے نکالا۔ عمالقہ کے خلاف آخری مہم کے بارے میں ایک فوجی افسر احموس (Ahmose) کی ایک رپورٹ دریافت ہوئی ہے۔ اس افسر نے کئی فوجوں کی افواج میں خدمات انجام دیں۔ یہ جنوبی بالائی مصر کا باسی تھا اور ایک بحری جہاز "مکفس" میں ظاہر ہونے والا " (Appearing in Memphis) میں فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کی اس عسکری رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اموسس نے بری اور بحری فوج کے ذریعے اور اس شہر پر حملہ کیا۔ اس شہر کی فتح سے پہلے اس کے کئی حملے ناکام ہوئے۔ آخری حکومت کے چند ہویں سال اموسس نے اور اس شہر پر قبضہ کر لیا اور عمالقہ کو مصر سے نکال باہر کیا یوں مصر ایک بار پھر متحد ہو گیا اپنے اس کارنامے کی وجہ سے اور اموسس منینر (Menes) اور آمن حوتپ جیسے بڑے مصری بادشاہوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ ان حکمرانوں نے بھی مصر کو متحد کر کے ایک عظیم مصری ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔

احموس نے 1570 ق م نئی متحدہ بادشاہیت کی بنیاد رکھی۔ مصر پر اپنا قبضہ مکمل کرنے کے بعد اس نے فلسطین میں شاربون (Sharuhon) نامی قلعہ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا جو تین سال جاری رہا۔ اور ایک طویل محاصرے کے بعد اس قلعہ پر اس کا قبضہ ہوا۔

فلسطین و مصر میں اپنا اقتدار مضبوط بنانے کے بعد وہ کش (Kush) کے فویائی شہزادوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے دوسری آبشار کے قلعوں پر قبضے کے بعد ان کو تباہ کر دیا تھا۔ نوہیا کے شہزادے مصری تہذیب میں سرتاپاؤں تک غرق تھے۔ یہ لوگ مصری نام رکھتے اور ان کا طریق حکومت بھی مصری ہی تھا۔ لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ شہزادے کس نسل سے تھے؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مصری ہوں۔

احموس فوجی اپنی رپورٹ میں یوں اظہار ہے "اب عمالقہ کو ختم کرنے کے بعد میرا مالک دریا کے ذریعے تخت ہینوفر (Khenthennofer) نوہیا کے غار والوں کو تباہ کرنے کی مہم پر گیا۔ میرے مالک نے ان کو قتل کیا۔ پھر میں نے ان میں سے دو کو غلام بنایا اور تین کو مارا۔ ایک نے مجھے بہت ساسوتا اور دو خادما کیں دیں۔ میرے مالک نے شمال اور جنوب میں فتوحات حاصل کر کے خوشی حاصل کی اور دریا میں سفر کیا۔"

ان علاقوں پر اموسیس اول نے احموس سی تایت (Ahmos-si-tayit) کو گورنر بنایا۔ اس گورنر نے اس خطے سے خوب مال و دولت مصر بھیجا۔ جس سے مصر کی اس نئی حکومت کے معاشی حالات بہتر ہوئے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں سے بے اندازہ دولت انگلستان بھیجی جس سے انگلستان میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا۔

اموسس اول نے نوہیا پر حملے کے بعد کسی اور مہم میں حصہ نہیں لیا بلکہ وہ ملک کے اندرونی حالات اور معاملات

سدھارنے میں مصروف ہو گیا اور اس نے اپنے بچیس سالہ عہد حکومت میں ملک کو مستحکم کر دیا۔

عالمقہ کے عہد میں صنعتی سردار بالکل آزاد ہو گئے تھے ان سرداروں میں سے کچھ کی وفاداریوں مشکوک تھیں ان کی جگہ اموسس نے اپنے وفاداروں کو متعین کیا۔ اس کی توجہ سے ملک میں تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور معاشی حالات بھی بہتر ہونے لگے۔ قیمتی پتھر اور دھاتیں پھر سے مصر درآمد ہونے لگیں۔ جن سے دوبارہ عمارات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا جو عمالقہ کے عہد میں رکا ہوا تھا۔

مآخذ

مصر کے عروج و زوال کی داستان از ڈاکٹر ریاض، History Of Ancient Egypt

1520 ق م۔۔۔۔۔ صبر ایوب کا زمانہ

حضرت ایوب بن زرار بن عواک بن یسویک مشہور پیغمبر ہیں۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں چار بار آیا ہے۔ ان قرآنی آیات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ایوب بڑے دکھ درد اور مصیبت و ابتلا میں مبتلا ہوئے مگر انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور بارگاہ رب العزت میں الحاح زاری کر کے اس اذیت سے نجات کی دعا کی، جو قبول ہوئی۔ اس طرح ان کا مبرا اور ان کی زندگی عالم انسانیت کے لیے ایک مثال بن گئی۔

بائبل کے عہد نامہ عتیق میں بھی ان کا ذکر آیا ہے انگریزی میں ان کا نام (Job) ہے اور ان کی طرف ایک صحیفہ منسوب ہے (Book of Job) مسلم مورخین کے مطابق حضرت ایوب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے اور ان کی والدہ حضرت لوط کی بیٹی تھی۔ آپ کی پیدائش فلسطین میں ہوئی۔ آپ نے حضرت اسماعیل کی نسل میں ایک لڑکی کی شادی کی اس کا نام رحمتہ بتایا جاتا ہے۔ حضرت ایوب کی دولت کی فراوانی کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ آپ بے حد مختار تھے اور غریبوں، مصیبت زدہ لوگوں، مہمانوں اور انبیوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ آپ کی پرہیز گاری اور خدا ترسی کی وجہ سے محققین کے نزدیک ابلیس کے سینے میں دشمنی کی آگ بھڑکی اور اس نے اللہ تعالیٰ سے حضرت ایوب کو آزمانے کی اجازت طلب کی۔ اللہ کی جانب سے تین مراحل میں آپ کی آزمائش کی اجازت دی گئی۔ مال میں، خاندان میں اور جسم میں۔ پھر جب آپ کی آزمائش کا آغاز ہوا تو آپ کو آپ کے عزیز و اقربا نے چھوڑ دیا۔ صرف ایک وفادار بیوی باقی رہ گئی جو ان کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ حتیٰ کہ جب آپ کو گھورے پر پھینک دیا گیا تو اس وقت بھی ان کی بیوی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ دوستوں کی غلط فہمی حضرت کی تکلیف میں اضافہ کا باعث بنی۔ جب اس ابتلا سے بھی آپ کے پایہ استقلال میں متزلزل پیدا نہ ہوا تو شیطان نے آپ کو بھگانے کی کوشش کی جیسے اس نے حضرت آدم کو کھانے کے ذریعے بہکا دیا تھا۔ مگر ”ایوب“ اس کی چال کو سمجھ گئے۔ بلاخر حضرت جبرائیلؑ یہ بشارت لے کر آئے کہ آپ ایک کربلائی چشمے کے ذریعے ابتلا سے نجات پائیں گے 38 (ص) 42۔ چنانچہ آپ نے اس چشمہ کا پانی پیا اور اس میں غسل کیا تو آپ شفا یاب ہو گئے آپ کا مال آپ کی جائیداد اور خاندان پہلے سے دو چند ہو گیا۔

روایت ہے کہ آپ سلسلہ انبیاء میں حضرت یوسف کے بعد مبعوث ہوئے مگر بعض مفسرین نے آپ کو حضرت یونس کے بعد رکھا ہے۔

آپ صاحب رسالت نبی ہیں اور آپ نے حوران کے مقام پر اپنی قوم میں دین حق کی تبلیغ فرمائی المصودی نے لکھا ہے کہ (332ھ میں) دمشق کے نزدیک نوئی کے مقام پر آپ کا مقبرہ زیارت گاہ عام و خاص تھا۔ حضرت ایوبؑ نے اپنے زمانہ ابتلا میں جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس سے صبر ایوب کی اصطلاح نکلی جو آج بھی ادب میں بطور ضرب المثل رائج ہے۔

ماخذ

دائرہ المعارف الملامیہ جلد 3 تاریخ المصودی جھنص القرآن

1514 ق م۔۔۔۔۔ ہٹ شپ سوط، ملکہ مصر اور اس کا عہد

مورخین کے مطابق ہٹ شپ سوط (hatshepsut) تاریخ عالم کی سب سے پہلی مطلق العنان ملکہ تھی جس نے پندرہ برس کی عمر میں تخت نشین ہو کر مردانہ طبع میں تقریباً پانچ سال مصر پر حکومت کی۔ پاکستان کے مشہور ماہر مصریات جناب مرزا ابن حنیف عمارت سازی کے شوق کی وجہ سے اس ملکہ کو ”شاہجہان مصر“ کہلانے کی مستحق قرار دیتے ہیں۔ اس ملکہ کا عہد تاریخ مصر میں پر امن اور خوشحال ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ ہٹ شپ سوط کے اہم کارناموں میں سب سے نمایاں کارنامہ اس کا دیر البحری کے مقام پر چٹانوں کو تراش کر ایک دلکش اور نادر روزگار مندر تعمیر کرانا اور سرزمین ”پنٹ“ کی طرف ایک اہم اور بڑی تجارتی مہم روانہ کرنا تھا۔

ہٹ شپ سوط تھمس اول کی بیٹی اور اس کی بہن۔ ملکہ احموی کے پطن سے تھی۔ وہ اس کے فرزند اور جانشین تھمس دوم کی مصری روایات کے مطابق بہن بیوی تھی مصریوں کے ہاں ایسے جوڑے کی شادی بہترین سمجھی جاتی تھی۔ جن کے ہاں باپ بھی بہن بھائی رہ چکے ہوں۔

تھمس دوم کی زندگی میں وہ اس کی شریک حمران تھی اس کی وفات بعد جب وہ چھ سالہ تھمس سوم کی نگران اور ایک مطلق العنان ملکہ بنی تو اس نے پہلا اعلان یہ کیا کہ اس کے معبود اعظم آمین رع نے اسے حمران منتخب کیا ہے۔ اپنی حیثیت کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اس نے اپنی مملکت کے سب سے قابل ترین شخص سنمیت (Senenmut) کو اپنا دست راست اور اپنی بیٹیوں کا تالیق مقرر کیا۔

اسی شخص نے ملکہ کے حکم پر دارالحکومت تھمیس کے سامنے دریا کے مغربی کنارے پر دیر البحری کے مقام پر معبود اعظم آمین رع، دیوی باثور اور دیوتا انویس کے لئے ایک شاندار مندر تعمیر کرایا تھا۔ اس مندر کی دیواروں پر ملکہ نے اپنی زندگی کے واقعات اور دیوتاؤں سے اپنے تعلق کو تصویروں کی شکل میں نقش کرایا تھا۔ آج یہی تصویریں ملکہ ہٹ شپ سوط کی زندگی کے متعلق سب سے بڑا ماخذ تصور کی جاتیں ہیں دنیا بھر سے آنیوالے سیاح آج بھی اس مندر کے طرز تعمیر اور اس کی دلنشین نقاشی، مصوری اور کندہ کاری کو دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ ملکہ نے ایک اور مندر بنی حسن کے مقام پر بنوایا تھا اس کے علاوہ ایک اور مندر چونے کے سنگ مرمر سے تعمیر کرایا تھا۔ اس مندر کے دروازے پتیل کے تھے۔ سنگ سرخ سے چار خوبصورت ستون تراش کر تیار کئے گئے اور ملکہ کے حکم پر یہ ستون تھمیس کے ایک مندر میں نصب کئے گئے۔ یہ ستون بالترتیب 98 اور 105 فٹ بلند تھے۔ اتنے بلند ستون مصر کی تاریخ میں پہلی بار تیار کئے گئے تھے۔ ملکہ ہٹ شپ سوط نے نہ صرف تعمیرات پر توجہ دی بلکہ اس نے مصر کے تجارتی تعلقات جو چرواہے بادشاہوں کے عہد میں بیرون ملک سے منقطع ہو گئے تھے دوبارہ بحال کرنے کے لئے ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ اس نے اس سلسلے میں سب سے پہلے بحیرہ قلم کے جنوبی ساحلوں پر کچھ بندر گاہیں قائم کر کے ایک بڑا بحری تیار کرنے کے احکام صادر کئے۔ اس کے حکم پر ایسے جہاز بنائے گئے، جو بادبانوں اور

ملکہ شہ سوط ہمیشہ خود کو مردانہ القاب سے مخاطب کرنا پسند کرتی تھیں اسی وجہ سے وہ اکثر مردانہ لباس زیب تن کئے رہتی اور یہاں تک کہ بعض مواقع پر مصنوعی داڑھی موٹھیں تک لگایا کرتی تھیں اشرافیہ کہلوں میں اکثر اس ملکہ کو مذکر کے صیغہ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ مندر کی دیوار پر منتقل تصویروں میں وہ البتہ ایک عورت ہی کے روپ میں نظر آتی ہے جہاں اسے باثور دیوی کی حیثیت دی گئی ہے۔

ہندوؤں کی چار ویدوں میں سے رگ وید اتر ویدی وہ وید ہیں جنہیں علیحدہ تصنیف کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ باقی ویدوں میں زیادہ تر رگ ویدی کے کچھوں کو ہی دہرایا گیا ہے۔ رگ وید کے کچھوں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اگر ان کے مترنوں میں شعری وزن سے تو انہیں ”رج“ کہا جائے گا اور بلند آواز میں بڑھا جائے گا۔ رج کے معنی وحشت، مدح تعریف

کے ہیں اسی لفظ راج سے وید کا نام ماخوذ ہے۔ اس طرح رگ کے معنی ہوئے حمد و ثناء کے اگر مترنثر میں ہے تو انہیں ”سج“ کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی بھیئت چڑھانا یا قربانی کرنا ہیں۔ اس طرح ان مترنوں سے ”یکروید“ وجود میں آئی۔ جب کہ گائے جانے کے لئے مزدوں مترنوں کو ”سامن“ (برابر) کہا جاتا ہے۔ ان سے ”سام وید“ وجود میں آئی ہے۔

اگر چہ رگ وید میں جو سماج پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اخلاقیات کا معیار یکساں نہیں پھر بھی آج کے ہندو معاشرے میں جو برائیاں موجود ہیں ان میں سے بہت سی رگ وید میں بالکل ناپید ہیں مثلاً رگ وید ذات پات کے مشہور زمانہ ہندو اند نظام کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ اس میں گوشت کھانے پر بھی کوئی ممانعت موجود نہیں۔ آج کے ہندو معاشرے میں خواتین کو جو حیثیت دی جاتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں لیکن رگ وید میں خواتین کو اس کے برعکس بڑا اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خود رگ وید کے کئی بھجن خاتون رشیوں کی تصنیف بتائے گئے ہیں۔ رگ وید میں ہندوؤں کی مشہور زمانہ ظالمانہ اور انسانیت کے ”سج“ رسم ”سج“ کا کہیں ذکر نہیں ملتا دریا گنگا کے مقدس ہونے کا کوئی ثبوت بھی رگ وید میں موجود نہیں البتہ اس دریا کا نام بھی محض اتفاقاً درج ہے۔

رگ وید میں جہاں اس دور کی اچھائیوں کا ذکر ملتا ہے۔ وہیں اس دور کی مختلف سماجی برائیوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان برائیوں میں محرمات سے مباشرت، جسم فروشی، اسقاط حمل، دھوکہ فریب، چوری اور ڈاکہ زیادہ نمایاں ہیں۔ جو ہندوؤں کے اس ابتدائی معاشرے میں موجود تھے۔ رگ وید سماج ایک پس ماندہ سماج تھا۔ دوسری طرف اس وقت کے معاشرے میں نہ شہر تھے اور نہ ہی شہری زندگی یہاں تک کہ ابھی عوام میں مذہب سے گہری وابستگی اور گناہ و ثواب کے راسخ تصورات تک بھی نہ پیدا ہوئے تھے۔

1514 ق م۔۔۔ وادی گنگا کی تہذیب کا عروج

برصغیر پاک و ہند میں آریاؤں کی آمد کا آغاز تقریباً 2000 ق م کے لگ بھگ ہوا تھا۔ ان کی یہ آمد مختلف لہروں کی شکل میں 1500 ق م یا 1000 ق م تک جاری رہی۔ شروع میں آریوں کی آمد کا مرکز پنجاب اور برصغیر کا شمال مغربی حصہ رہا۔ پھر آریاؤں نے دو آبے گنگا جمنہ کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھے انہیں برصغیر کی قدیم قوموں کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ برصغیر کے قدیم باشندوں سے ان کی خاصیت کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب وہ برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ اب اس خاصیت نے باقاعدہ جنگوں کی شکل اختیار کر لی۔ برصغیر کے قدیم اور جدید باشندوں میں مختلف علاقوں پر قبضے کے حصول کے لئے جدوجہد شروع ہو گئی۔ پھر آہستہ آہستہ ہندوستان کی ابتدائی تہذیب نے آریاؤں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور یہ آریائی تہذیب میں جذب ہوتی چلی گئی۔ اگلے پانچ سو سال میں آریہ حملہ آوار طاقتور حکمران (راجہ) بن کر ابھرے اور انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر لیں۔ اس زمانے میں آریہ بھی برصغیر کے پرانے باشندوں سے غیر متاثر نہ رہ سکے۔ آریاؤں کی مقدس کتاب رگ وید کی اولین سطر پر آریوں پر غیر آریوں کا یہ اثر واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ رگ وید کے اس حصہ کی زبان کافی حد تک غیر ہند یورپی اثرات سے پر ہے رگ وید کے دوسرے حصوں میں بھی بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں۔ جو کہ بھی آریائی زبان سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور یقیناً مقامی زبانوں سے مستعار لیے گئے ہوں گے۔

اسی زمانے میں آریاؤں کی سیاسی تنظیم ہوئی۔ رگ وید کے ایک باب میں ایک کہانی بیان کی گئی ہے۔ جس کے مطابق دیوتاؤں اور راکششوں (شیاطین) کے درمیان ہمیشہ جنگ ہوا کرتی تھی جس میں دیوتا راکششوں کے ہاتھوں ہمیشہ شدید خسارے میں رہتے چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ انہیں ایک راجہ کی ضرورت ہے جو میدان جنگ میں ان کی قیادت کر سکے انہوں نے اندر کو اپنا راجہ بنایا پھر وہ راکششوں کو شکست دینے کے قابل ہو گئے۔ اس کہانی سے قدیم زمانے میں ہندوستان میں بادشاہت کی ضرورت اور سیاسی تنظیم کی ضرورت کا اشارہ ملتا ہے پھر آریاؤں نے بادشاہت کے نظام کو اپنالیا۔ رگ وید کے زمانے میں پنجاب میں آریہ قبائل کا طرز حکومت بادشاہت کا سا تھا۔ یعنی ایک فرد پوری قوم یا قبیلے کا سربراہ یا راجہ ہوتا تھا۔ رگ وید ہی میں آریوں کے ایک سیاسی ادارے ”سمجی“ کا ذکر آیا ہے جس سے مراد پورے قبیلے یا قبیلوں کا اجتماع ہے جیسا کہ رگ وید کے اس شعر میں

سانو مترا سمجی سانو
سانم ورت سجا پتم ایشام

(رگ وید 10,191,3)

ترجمہ:

ایک ان کا منتر، ایک سمی

ایک ان کا ورت، مشترک ہوائی سوچ

سیاسی تنظیم کے بعد آریاؤں نے دو آہ گنگا و جمنہ میں اندر پرستھ اور ہستنا پور جیسے شہروں کی بنیاد رکھی۔ جہاں بعد ازاں گنگا و جمنہ کی تہذیب نے بے حد عروج حاصل کیا۔

1500 ق م۔۔۔ کتاب الممات۔ Book Of The Dead

قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انہیں مرکر اوسیرس (Osiris) دیوتا کے سامنے پیش ہونا پڑتا ہے۔ اوسیرس دیوتا مصریوں کے نزدیک عالم اسفل یا عالم ظلمات کا دیوتا تھا۔ قدیم مصریوں کے نزدیک کے مطابق اوسیرس اپنی عدالت یا ایوان انصاف میں پیش ہونے والے ہر متوفی کا حساب آخرت کرتا تھا۔ اس کے فیصلے ہی کے مطابق یا تو مرنے والا ”حیات ابدی“ کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا جاتا اور وہ حیات ابدی کی سر زمین میں اوسیرس دیوتا کی رعیت میں شامل ہو جاتا یا پھر ابدی ذلتیں اس کا مقدر بن جاتیں۔

قدیم مصریوں کے عقائد کے مطابق مرنے کے بعد روح اوسیرس دیوتا کی بابرکت آسمانی قلعہ و یا جنت کے پرخطر سفر پر روانہ ہو جاتی تھی۔ دوسری دنیا کا یہ سفر بہت خطرناک تھا مگر مرنے والے کو بہر کیف طے کرنا ہوتا تھا۔ عالم اسفل کا یہ سفر انتہائی تاریک تھا اور اس کے راستے میں بہت زیادہ مرئی رکاوٹیں کھڑی ہوتی تھیں۔ اسے سیاہ صحرا اور بلند و بالا پہاڑ عبور کرنا پڑتے۔ شیاطین اژدہوں اور سانپوں سے بھری ندیوں کے پار اترنا پڑتا تھا اوسیرس کے ایوان انصاف میں ہونے والے سوالات کے جوابات اور عالم ظلمات کے اس جان لیوا اور دہشتناک سفر میں راہنمائی کے لئے مصریوں نے ایک ”راہ نما“ کتاب ترتیب دی تھی جو ”کتاب الممات (Book of the Dead)“ کہلاتی ہے۔

”کتاب الممات“ یا ”مردوں کی کتاب“ دراصل قدیم مصریوں کی ایسی تحریروں کا مجموعہ ہے جو دوسری دنیا کے سفر کے دوران اور پھر وہاں پہنچ کر مرنے والوں کے استفادے کے لئے اثر آفریں عبارتوں کی حیثیت سے پریمی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس میں تکفنی رسوم اور ایسی دیگر مذہبی رسم بھی دی گئی ہیں جو مرنے والے کے لئے تدفین سے پہلے اور تدفین کے بعد ادا کی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے اس کتاب سے قدیم مصریوں کے مذہب اور جمہور و تکفین سے متعلق عقائد پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

مرزا بن حنیف اپنی کتاب ”مصر کا قدیم ادب“ کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں کہ تحریروں کے مندرجہ بالا مجموعے یا ”کتاب الممات“ کی تحقیقی قدامت تقریباً 5500 برس بنتی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت یہ ضابطہ تحریر میں نہ لائی جاسکتی تھی اس لئے اس کی تحریری قدامت 4400 برس سے 3500 برس تک مقدم ہے۔ یہ کتاب مرزا صاحب کے نزدیک جدید شہنشاہی دور (1575 ق م۔ 1807 ق م) میں ضابطہ تحریر میں لائی گئی تھی۔ جدید شہنشاہیت کے زمانے میں وسیع پیمانے پر پھر پورا انداز میں لکھی جانے کے بعد اس کتاب کے مندرجات نوی عہد 30 ق م تک مستعمل رہے۔ تاہم اس کی قدامت عہد فراعنہ کے آغاز 3100 ق م تک پہنچتی ہے۔ اس کے کچھ ابتدائی حصے اسی دور میں تخلیق ہو چکے تھے اسی وجہ سے بہت سے ماہرین مصریات اس کتاب یا اس کی بعض تحریروں کو تقریباً 5000 سے 4000 ہزار سال تک قدیم قرار دیتے ہیں۔

مصر میں بعض ایسے مقام بھی ملے ہیں جو عہد فراعنہ کے آغاز سے بھی پہلے کے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی مذہبی تحریروں

نہیں پائی گئیں۔ لیکن فراعنہ کے عہد میں بننے والے بعض مقبروں سے ایسے شواہد ضرور ملے ہیں کہ اس وقت بھی ”کتاب الحیات“ کے کچھ متر یا دعائیں زبانی طور پر ضرور مردہ تھیں۔ پیچرس یہ تحریری شکل میں ”کتاب الحیات“ کا قدیم ترین نسخہ فراعنہ کے اٹھارویں خاندان کے عہد (1575 ق م - 1308 ق م) سے تعلق رکھتا ہے اور یہ آسن حوتپ نامی ایک شخص کے بیٹے کے لئے لکھا گیا تھا۔ یہ ای ”نو“ کے مقبرے سے دریافت ہوا ہے اس لئے اس کو ”نو پیچرس“ کہا جاتا ہے۔

”کتاب الحیات“ کی نقل یورپ کے علماء محققین نے 1881ء میں تیار کی تھی ان کا تعلق 26 ویں خاندان (663 ق م - 525 ق م) کے عہد میں لکھے جانے والے پیچرس سے تھا۔ 1923ء میں کتاب الحیات پر سب سے قابل قدر اور قیام کا سرای اے ویلسن (Sir E.A. Wallisbudge) نے تین جلدوں میں انگریزی ترجمہ کی شکل میں کیا تھا اس کتاب پر ہونے والے کام میں یہ سب سے زیادہ اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔

”کتاب الحیات“ کے ضمن میں ایک حیران کن انکشاف یہ ہے کہ اس کے عنوان ”کتاب الحیات“ یا مردوں کی کتاب یا ان کا انگریزی مترادف Book of the Dead کبھی بھی مصریوں کے عنوان کے مطابق نہیں رہا۔ مصری اسے اپنی زبان میں (ReNuPertemHru) کہتے تھے۔ علماء محققین نے اس کے مختلف معانی دیے ہیں۔ مثلاً ”دن کے وقت آگے آنے کے ابواب“ یا ”آئندہ دنوں میں کام آنے والے ابواب“ بعض محققین کے نزدیک قدیم مصری ان کا مطلب ”روح کو کال بنانے والے ابواب“ بھی لیتے تھے۔ ”مردوں کی کتاب“ اور اس کا انگریزی مترادف (Book of the Dead) دراصل عربی عنوان ”کتاب الحیات“ کا ترجمہ ہے جو مصری عربوں نے اسے دیا تھا۔ انیسویں صدی میں یورپی سیاح اکثر قدیم نوادرات اور قدیم اشیاء کی تلاش میں مصر آتے تھے۔ یہ لوگ قدیم مصری نوادرات کو بھاری قیمت دے کر مصریوں سے خرید لیا کرتے تھے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام مصری بھاری معاوضوں کے لالچ میں قدیم مصری مقبروں میں گھس کر تابوت توڑ توڑ کر قدیم خطوط شدہ لاشوں سے قیمتی پتھر اور دوسرے زیور نوچ کھسٹ کر یورپوں کو بیچنے لگے۔ ان مقبروں کو لوٹنے والے ان مصریوں کو تابوتوں میں لاش کے ساتھ اکثر و بیشتر ایسے گول کئے ہوئے پیچرس بھی ملتے جن پر مختلف عبارتیں یا تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ چونکہ یہ پیچرس یا مخطوطے لاشوں کے ساتھ ملتے تھے اس لئے مصری عربوں نے انہیں ”کتاب الحیات“ کا نام دیا یعنی ”مردوں کی کتاب“ اس عنوان کو سب سے پہلے 1842ء میں جرمن ماہر مصریات کارل رچرڈ لپسیس (Karl Richard Lepsius) نے اپنی کتاب (Das Toten Buch Der Aegypten) کے لئے منتخب کیا تھا۔ بعد کے ماہرین مصریات نے اسی جرمن عنوان (Das Toten Buch) کو اپنی زبانوں میں ”مردوں کی کتاب“ کے طور پر ترجمہ کیا اور یوں یہ عنوان کتاب کے اصل نام کی جگہ مستعمل ہو گیا۔

ان محققین میں سر پٹرل پیج ریناؤف (Sir Peter le page Renouf) سرفہرست ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ ”مردوں کی کتاب“ ہرگز کتاب کھلانے کی مستحق نہیں کیونکہ دیگر ادبی اور فنی کتب کی طرح نہ تو اس کا کوئی حرف آغاز ہے نہ وسط اور نہ ہی کوئی حرف آخر یہ دراصل مختلف مذہبی تحریروں یا ابواب کا مجموعہ ہے۔ جو آپس میں مشکل ہی سے کوئی رابطہ وضبط رکھتے ہیں۔ اس کی مثال عبرانی زبان کی کتاب زبور (Psalms) میں ملتی ہے۔ جو خود بھی ایسی ہی آزادانہ تحریروں کا مجموعہ ہے۔

خود ”کتاب الحیات“ مصریوں کے اس عقیدے کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کتاب کے ”ابواب“ عقل و دانش کے مصری دیوتا ”تحت“ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ تین افراد کے نام اور ملتے ہیں جن کے بارے میں ایسی قدیم مصری روایات ملتی ہیں کہ وہ اس کتاب کے کچھ ابواب کے مصنف ہیں۔ ان میں سے دو تو خود فرعون تھے اور ایک فرعون زادہ۔ ایک فرعون ”سم تی“ جو پہلے شای خاندان (3100 ق م - 2890 ق م) سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسرا جو تھے شای خاندان (2613 ق م - 2494 ق م) کا فرعون منقر اور تیسرا جو تھے ہی خاندان کے مشہور فرعون خوف کا دانشور بیٹا ”حرووف“ بہر حال یہ کتاب مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں کے تحریر کردہ ابواب کا مجموعہ ہے۔

کتاب کے یہ ابواب اہراموں کی دیواروں پر کندہ، تابوتوں پر نقش، اویسرس دیوتا کے چوٹی مجسموں پر لکھے گئے ملے ہیں کتاب کی سب سے زیادہ نقول پیچرس پر ملی ہیں جو خطوط لاشوں کے ساتھ دفن کی گئی تھیں۔ اس ضمن میں ایک بات اور بڑی دلچسپ ہے کہ یہ کتاب کسی بھی جگہ مکمل طور پر دستیاب نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کتاب پر مبنی پیچرسوں کی تعداد ہزاروں میں ہے مگر کسی پیچرس پر بھی اس کے مکمل ابواب رقم نہیں ملے۔ اب تک ایک سو نوے سے دو سو تک ابواب مختلف مقامات سے مل چکے ہیں۔ ان ابواب کو مغربی محققین نے ایک جگہ کر کے کتابی صورت میں جمع کیا ہے۔

جن پیچرس پر ”کتاب الحیات“ کے ابواب لکھے ہوئے ملے ہیں۔ ان کا سائز مختلف ہے۔ بعض پیچرس محض چند فٹ کے جب کہ کچھ ایسے بھی ہیں جن کی لمبائی نوے فٹ تک پہنچی ہے۔ یہ فرق امیروں اور غریبوں کے مقابلے سے ملنے والے پیچرسوں میں ”کتاب الحیات“ کے مندرجات میں منتر، افسوس، حمدیں، مناجات، دعائیں، پرتا شریکات، اساطیر، تشریحات، رسوم، خطوط شدہ لاش کے کمرے کے گیت اور دوسری عبارتیں شامل ہیں۔ اویسرس دیوتا کے ایوان ہائے عدالت اور وہاں ہونے والے فیصلوں کی تفصیل اور اسی دیوتا کی جنت کے میدانوں کا احوال اور ان کی ”تشریح“ دوسری دنیا کے مختلف حصوں اور دروازوں سورج دیوتا، رع کی کشتیوں اور چراغوں کی مذہبی رسوں کا تذکرہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب کے ابوابوں میں سب سے اہم باب ایک سو پچیسواں ہے۔ بعض ماہرین نے اسے مردے کا حساب آخرت کا نام دیا ہے۔ جس پیچرس پر یہ رقم ہے۔ وہ بالقصور ہے۔ اس کا سب سے اہم منظر وہ ہے جس میں مرنے والے کا دل اویسرس کے ایوان انصاف میں دیگر دیوتاؤں کی مجلس کے سامنے ترازو میں تولتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ مصریوں کے عقیدے کے مطابق انسانی دل میں نیکی اور بدی کا منبج سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس کو تولے جانے سے مرنے والے کی بے گناہی یا اس کے گنہگار ہونے کا یقین کیا جاسکتا تھا۔ اس باب کی تفصیلات سے اٹھارویں خاندان کے فراعنہ کے عہد میں مصریوں کی اخلاقی اعتبار اور مذہبی تصورات کا پتہ چلتا ہے۔ اسی باب میں اویسرس دیوتا کے ایوان انصاف میں مرنے والے کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ دیئے جانے کی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔

کتاب کے دیگر اہم بابوں میں 46، 45 اور 154 عمل خطوط کے متعلق ہیں۔ باب نمبر 168 اور 170 میں تکلفی رسومات کی تفصیل ہے جبکہ 98 اور 99 میں اس پر اسرار کشی کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ جس کے ذریعے مردہ کو عالم غلطات میں دریا عبور کرنے تھے۔

1468 ق م۔۔۔ دنیا کے پہلے فاتح عالم تو تمس سوم کی سترہ مہمات

اسن پسند ملکہ ہط شپ سوط کی وفات کے بعد تھیس کے تخت پر تاریخ عالم کا سب سے پہلا بین الاقوامی فاتح تو تمس سوم یا تھوس سوم (1468 ق م۔ 1436 ق م) جلوہ افروز ہوا۔ وہ ملکہ ہط شپ سوط کا داماد اور بھتیجا تھا۔ ملکہ کی زندگی میں وہ محض ایک شریک حکران اور پھوپھی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والا ایک مجبور فرعون ثابت ہوا تھا۔ لیکن اپنی تخت نشینی کے صرف دو ماہ بعد اس نے خود کو دنیا کے سب سے بڑے فاتح اور کشور کشا چنگیز خان کو چھوڑ کر تاریخ انسانی میں سب سے کامیاب عسکری برقی رفاری کا مظاہر کر کے پہلے عظیم فاتح عالم کے طور پر منوالیا۔

تومس سوم کی تخت نشینی سے تقریباً پچاس سال پہلے تو تمس اول نے مغربی ایشیا کے بہت سے ملکوں کو بزور شمشیر تخییر کیا تھا۔ اگرچہ ملکہ ہط شپ سوط کے اتالیک سالہ دور میں ان ممالک کے حکمرانوں نے کبھی سر نہیں اٹھایا تھا لیکن اندرونی طور پر وہ سب کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جب وہ اپنی پچاس سال پہلے کی شکستوں کا انتقام لے سکیں۔ ملکہ کی موت کی خبر سننے ہی مغربی ایشیا کے حکمرانوں نے مصر کی بالادستی کا جوا اپنے کندھوں سے ہٹا دینے کا فیصلہ کیا۔ ان کے نزدیک اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ جب ایک مجبور فرعون مصر کے تخت پر بیٹھ چکا ہو۔ دوسری طرف جب تو تمس سوم کو مغربی ایشیا میں مصر کے خلاف ایک اتحادی فوج کے قیام اور جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو اس نے مصر میں بیٹھ کر مدافعتانہ جنگ لڑنے پر دشمن کے علاقے میں جارحانہ جنگ لڑنے کو ترجیح دی۔ وہ مغربی ایشیائیوں کی سرکوبی کے لئے تیس ہزار فوج لے کر مصر سے نکلا اور نو دن سے کم مدت میں ایک سو ساٹھ میل سے زائد فاصلہ سرعت سے طے کر کے اسی نے فلسطینی شہر غزہ پر قبضہ کر لیا۔ ابھی دشمن اس کی اس فتح سے سنبھل نہ پائے تھے کہ صرف ایک دن بعد اس نے نوے میل دور ایک مقام لیم کی طرف کوچ کیا۔ اسی اثناء میں ایشیائی اتحادیوں نے کدیش کے حکمرانوں کی قیادت میں ایک اہم فوجی چھاؤنی مگدو پر قبضہ کر لیا۔

تومس سوم ابھی لیم میں قیام پذیر تھا۔ لیم سے مگدو کو تین راستے جاتے تھے۔ جن میں سے دو طویل مگر آرام دہ اور میدانی تھے جب کہ تیسرا راستہ مختصر مگر انتہائی دشوار کن اور پہاڑی تھا۔ اس کی فوج کے جرنیلوں نے اسے کسی بھی طویل راستے سے مگدو جانے کا مشورہ دیا تا کہ لشکر کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن تو تمس سوم نے دشوار کن راستے سے مگدو جانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے بعد اس نے اپنے لشکریوں کو اختیار دیا کہ جو چاہے اس کا ساتھ دے اور جو نہ چاہے وہ دوسرا راستہ اختیار کرے۔ اس کے لشکریوں نے اس کے ساتھ دشوار کن پہاڑی راستے سے مگدو جانے کا فیصلہ کیا۔ تو تمس سوم نے خود لشکر کے آگے پیدل چل کر اس سفر میں اپنے لشکر کی قیادت کی۔ دشوار کن پہاڑی راستے سے سفر کر کے وہ انتہائی کم وقت میں مگدو جا پہنچے جس سے اتحادی افواج کو بڑی حیرت ہوئی ان کے نزدیک اتنی کم مدت میں مگدو پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ ایک گھمسان کی جنگ کے بعد تو تمس سوم نے ایشیائی اتحادی افواج کو شکست دی۔ اس جنگ میں تو تمس سوم نے ذاتی شجاعت کے زبردست مظاہرے کیے۔ کدیش کا حکمران جو اتحادی افواج کی قیادت کر رہا تھا میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اس جنگ میں بڑی تعداد میں مال غنیمت

تومس کے ہاتھ آیا۔ اس فتح کے بعد اس نے لبنان پر حملہ کیا۔ اور وہاں کے تین شہر بھی فتح کر لیے۔ ان فتوحات کے بعد اگرچہ وہ مصر لوٹ گیا مگر اس کے بعد وہ چین سے کبھی نہیں بیٹھا اور اس نے مشہور مسلم فاتح محمود غزنوی کے ہندوستان پر سترہ حملوں کی طرح مغربی ایشیا پر پورے سترہ حملے کئے۔ اس کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا حملہ جنوبی شام اور شمالی فلسطین پر تھا۔ ان حملوں کے بعد تو تمس نے فونیقیہ کے ساحلی شہروں کو مسخر کرنے کا عزم کیا کیونکہ ان شہروں کی تسخیر کے بغیر اس کے لئے عراق اور کئی دوسرے ایشیائی ممالک پر حملہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ فونیقیہ کی تسخیر کے لئے اس نے ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا جس کی کمان ایک متمدن آسن کے سپرد کی گئی۔ اس بحری بیڑے کی مدد سے اپنے پانچویں حملے میں تو تمس نے شمالی فونیقیہ میں فوجیں اتار دیں اور بغیر جنگ کے اہم شہر صور پر قبضہ کر لیا۔ چھپے طے میں اس نے اپنے دیرینہ دشمن شاہ کدیش کے ملک کدیش کا محاصرہ کر لیا اور اسے شکست دی۔ اس کا ساتواں حملہ شام کے ساحلی شہر الدترا کے خلاف تھا۔ آٹھویں حملے کے لئے اس نے وسیع پیمانے پر تیاریاں کیں اور ایک سال تک وہ اپنے ملک سے نہ نکلا۔ اگلے سال وہ شامی بندرگاہ بمر پر اپنے لشکر سمیت اترا اور عراق تک بڑھتا چلا گیا۔ حلب کی فتح کے بعد دنیا کا قدیم ترین تمدن رکھنے والی وادی دجلہ و فرات اس کے قدموں میں تھی۔ وہ فرات سے آگے کیش تک بڑھتا چلا گیا۔ یہاں اس نے متانی کے آریائی حکمران کو شکست دی۔ جس کے بعد وہ ایک اور قدیم سلطنت آشوریہ کے دارالحکومت نیوا پر حملہ آور ہوا اور اسے خراج دینے پر مجبور کر دیا۔ اس عظیم مصری فاتح کو ایشیائے کوچک کے حصوں نے بھی خراج ادا کر کے اپنے ملک سے واپس کیا۔

اپنی اس عظیم مہم سے واپسی پر اس عظیم فاتح نے وطنی فرات اور کوہستان زبیرس کے درمیانی علاقے میں ایک شکاری مہم کے دوران ایک سو بیس باگھی شکار کئے جس سے اس کی ذاتی شجاعت کا لوہا تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقش ہو گیا۔ تو تمس سوم ایک عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ڈپلومیٹ یا سفارت کار بھی تھا۔ اس نے آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے انگریز قوم جیسی ڈپلومیسی اپنائی تھی۔ وہ مفتوح اقوام کے شہزادوں کو مصر لے جا کر مصر سے وفاداری اور ان کے جذبہ حب الوطنی کو سرد کرنے کے لئے نئے نئے تربیتی طریقے اختیار کرتا تھا۔ تو تمس سوم نہ صرف ایک عظیم فاتح اور سیاسی مدبر تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم فنون کا سرپرست، تعمیرات کا رسیا، فیاض و شفیق، زیرک، بدترین دشمنوں کو معاف کر دینے والا غفور و رحیم مگر بعض اوقات روٹنے کھڑے کروینے کی حد تک منتقم مزاج بھی تھا۔ اسی تو تمس سوم کے بیرونی بیچاروں کے لئے پر عزم اور دل دہلا دینے والے کوچ اور پھر مال غنیمت سے لدی پھندی اس کی فاتحانہ آن بان کے ساتھ واپسی کے مناظر بھی مصر کے قدیم دارالحکومت تھیس کی سڑکوں اور شاہراہوں اور شہریوں نے دیکھے تھے۔ جو آج اس کے اہرام کی دیواروں پر رقم ہیں۔

پجاری کی بیٹی قرار دیتے ہیں جو بچپن ہی سے شادی گل ہی میں پرورش پاری تھی۔ آمن حوتپ سوم اس سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ بارہ سال کی عمر میں اس کی شادی دس سالہ طئی سے ہو گئی تھی۔

1405 ق م۔۔۔ آمن حوتپ سوم کا پر امن عہد

مصر کی تین ہزار سالہ قدیم تاریخ کا سب سے پر شکوہ اور ذی شان فرعون آمن حوتپ سوم (1405 ق م۔ 1367 ق م) تھا۔ اس کا عہد مصری تاریخ کا سب سے پر امن، پرسکون اور خوشحال ترین عہد کہلاتا ہے۔ اسی فرعون کی ملکہ طئی کے ہاں جو اپنے زمانے کی ایک مدبر و ممتاز اور تاریخ ساز ملکہ تھی۔ مصر کی موحد اور مفکر فرعون اخناتون پیدا ہوا تھا۔

آمن حوتپ سوم کو بعض مورخین ”عالیشان“ کا لقب دیتے ہیں جو اس کے لئے ہرگز مبالغہ آمیز نہیں۔ اس کے عالیشان ہونے کا ایک نشان لکسر کا عظیم مندر ہے۔ دنیا کا یہ بہترین مندر اس نے اپنی ایک سالگرہ کے موقع پر اپنی ولادت کو ”عنایت ربانی“ قرار دیتے ہوئے بنوایا تھا۔ اسی طرح اس کے متعلق یہ بات بھی مشہور ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی فہمائش پر ایک میل لمبا اور ہزار فٹ چوڑا تالاب بھی بنوایا تھا۔ تاکہ وہ خاص تہوار کے دن مذہبی رسومات پوری کر سکے۔

مورخین نے اس کے عہد کی ایک فوجی مہم کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس کی قیادت اس نے خود کی تھی۔ اگرچہ اس فوجی مہم کی کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہیں ہے مگر اس کے عہد کے کاتین اور اس کے حواریوں نے اس مہم کی قصیدہ گوئی میں زمین اور آسمان ایک کر دئے۔ ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ ”فضیلت مآب، حضور بادشاہ سلامت بد نصیب ملکہ کوٹش کی سر زمین میں فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد بحیثیت فاتح مصر کو لوٹے۔ بادشاہ سلامت نے اپنی اس عظیم فتح کا احوال ایک کشادہ تختی پر کندہ کر لیا۔ آج تک ایسی عظیم فتح ہمارے بادشاہ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ نہ ہی ایسا کوئی بادشاہ گذرا ہے۔ جس نے اتنا شاندار کارنامہ انجام دیا ہو۔“

دنیا کے اولین اور باضابطہ خطوط جن کو ”تل اہمار نہ کی تختیوں“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی عہد کے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دراصل آمن حوتپ سوم کے نام دوسرے ملکوں کے بادشاہوں، شہزادوں اور شام و فلسطین میں مامور مصری گورنروں کی جانب سے لکھے ہوئے سرکاری و نجی خطوط ہیں۔ ان مکتوبات کو دنیا کی مکتوب نگاری کے اولین نمونے قرار دیا گیا ہے۔ ان خطوط کا مطالعہ بہت دلچسپ اور لطف انگیز ہے۔ ان میں پیش کردہ تحائف کی فہرستیں ہیں تازہ خبریں اور اطلاعات، ملکی سرگرمیوں کے جائزے مکتوب نگاروں کے خاندانی اور نجی حالات اور بادشاہ سے کئے گئے استفسارات شامل ہیں۔

آمن حوتپ سوم کی نجی زندگی کا قابل ذکر اور اہم پہلو یہ ہے کہ اس کی ملکہ طئی کا تعلق ایک غیر شاہی خاندان سے تھا۔ ملکہ طئی کے خاندان کے بارے میں مورخین میں بہت اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ مصری کے ایک کم تر خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اپنی مقناطیسی جاذبیت اور بے پناہ حسن کی بنا پر ملکہ بنی پھر اس نے اس قدر وقار مقبولیت حاصل کر لی جو ایک فرعون کو زیب دیتی تھی۔ اگرچہ بعد ازاں فرعون آمن حوتپ سوم نے متانی کی شہزادی گل نچا سے شادی کر لی تھی۔ لیکن وہ طئی کے حسن اور محبوبیت کے محرک و اپنے ذہن سے کم نہ کر سکا تھا۔

بعض دوسرے مورخین کے نزدیک طئی ہی متانی کی شہزادی تھی بعض مورخین اسے مصر کے قدیم دیوتا بن کے مندر کے

بیشوں کے ساتھ کبھی میں بیٹھ کر معبد کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لئے پہنچا۔ لوگوں نے نعروں کے ساتھ اپنے اس ”مذہبی انقلابی راہنما“ کا استقبال کیا۔ قربان گاہ پر قیمتی نذرانے چڑھائے گئے لوگوں کو اس موقع پر دیوتا آتن کو خوش کرنے کی رسوم سے آگاہ کیا گیا۔

اختاتون کے اس نئے اور انقلابی مذہب میں اصنام پرستی اور اوہام پرستی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس نے اپنے خدا آتن کا بت یا مجسمہ بنانے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ نہ کبھی اس کے لئے قربانی پیش کی۔ معبودوں میں زیادہ تر تازہ پھولوں کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے اس مذہب کی نمایاں ترین علامت ”قرص خورشید“ کو قرار دیا گیا تھا قرص خورشید سے کرنیں پھوٹ کر آخر میں ہاتھ کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ گویا یہ کرنیں ہر ذی روح کے لئے صحت اور زندگی کے پیغام کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مذہب کی مرکزی علامت ہونے کے باوجود قرص خورشید کی پوجا نہیں کی جاتی تھی۔

نئے مذہب کی ایجاد و تکمیل میں اختاتون کی مصروفیت نے اسے بحیثیت حکمران بہت نقصان پہنچایا۔ چونکہ ایک مذہبی مصلح کی حیثیت سے اس نے کمزور اٹھا کر ایک کونے میں رکھ دی تھی اس لئے نہ صرف عسکری لحاظ سے بلکہ انتظامی لحاظ سے بھی اس کا عہد مصر کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا۔ بادشاہ نے جنگی مہمات اور فتوحات کا سلسلہ بکسر موقوف کر دیا جس سے ملک میں مال غنیمت کی آمد ختم ہو گئی اور ملکی دولت کو بے دریغ مندروں کی تعمیر پر خرچ کئے جانے سے ملک مالی طور پر مستحکم نہ رہا۔ دار الحکومت کی تبدیلی کے بعد اختاتون نے اپنے نئے دار الحکومت سے قدم باہر نہ نکالنے کا عزم کیا جو اس نے مرتے دم تک بخوبی نبھایا۔ مگر اس سے ملک کے دوسرے علاقوں میں نظم و نسق خراب ہوتا چلا گیا۔ شب و روز اپنے شغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے بادشاہ اپنے ملک میں حکومت کی کارکردگی سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔ اپنے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا اس کے پاس اہم سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی وقت نہ رہا۔ اس کی ان کوتاہیوں کا نتیجہ اس کی وفات کے بعد نکلا۔ اس کا تعمیر کردہ نیا دار الحکومت برباد کر دیا گیا۔ ایک ایک مکان اور ایک ایک عمارت مسمار کر دی گئی۔ نئے مذہب کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ خاص طور پر اختاتون کے کلمات اور مندروں کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ بقول قائم محمد ایک پتھر بھی ایسا نہ بچا جسے نئے مذہب کے آثار باقیہ میں شکار کیا جاسکے۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ شاید اختاتون کے خدا اور خود زمانے نے لشکر کشی کر دی۔

اختاتون کے زمانے کی ایک اہم شخصیت اس کی ملکہ نفرتیتی تھی۔ شادی کے بعد مصر آئی تو اس کا نام ”نادوخیا“ سے نفرتی رکھا گیا۔ اختاتون کے تبدیلی مذہب کے اعلان کے بعد اسے ”آتن نفر و نذر“ (آتن کی حسین صورت) کا خوبصورت خطاب دیا گیا جو زبان خلق پر ”عرف عام میں نفرتیتی بن گیا۔ اختاتون کی زندگی میں کئی ایسے وقت آئے جب اس کے امراء اور وزراء اس سے برگشتہ ہو گئے۔ لیکن آخر وقت تک نفرتیتی اس کی وفاداری اور غم گسار رہی اگرچہ کئی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ چھ لڑکیوں کی پیدائش کے بعد نفرتیتی اختاتون سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ اس علیحدگی کی وجہ سے شاید یہ تھی کہ اولاد زینہ نہ ہونے کے باعث اختاتون نے ایک لے پاک لڑکے کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ لیکن اختاتون کے زمانے کی باقی ماندہ تصاویر بتاتی ہیں کہ ملکہ اور اس کی بیٹیاں ہر موقع پر بادشاہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اپنی والدہ طئی کے بعد بادشاہ کی شخصیت پر جس خاتون کا بہت زیادہ اثر تھا وہ ملکہ نفرتیتی ہی تھی۔

اختاتون کی وفات کے بعد اس کے دو داماد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ پہلے تخت نشین ہونے والا داماد جلد ہی

1383 ق م۔۔۔ اختاتون دنیا کا پہلا موحّد فرعون

جب کبھی بھی ایسے قدیم مشاہیر عالم کی فہرست مرتب کی جاتی ہے کہ جنہوں نے ایسے مذاہب کی بنیاد رکھی کہ جو اخلاقی اعلیٰ پہلو رکھنے کے باوجود آسمانی نہیں تھے تو کرن، زرتشت، گوتھ بدھ اور کنفیوشس کا نام سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ لیکن ان کے ایک ایسے پیشرو کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے جس نے ان مشاہیر عالم سے کئی صدیوں پہلے ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جو ایک خدا۔ یا وحدانیت اور توحید کا علمبردار تھا۔ یہ عظیم موحّد ایک ایسے تاریک دور میں شہاب ثاقب بن کر چکا جب کہ ابھی حضرت موسیٰ نے بھی توحید کا اعلان نہیں کیا تھا اور مصر اصنام پرستی اور اوہام و شگون پرستی کی انتہا گہرائیوں میں گم تھا۔ یہ عظیم موحّد ”اختاتون“ تھا آسن حوتپ سوم کا بیٹا۔ وہ اگرچہ آسن حوتپ چہارم کے نام سے تخت نشین ہوا مگر اس نے صرف چار سال حکومت کرنے کے بعد اپنا تہ تبدیل کر لیا اور مصریوں کے خانہ مذہب پر مسلط الاعتقاد دیوی دیوتاؤں کی بجائے ایک دیوتا ”آتن“ کے سرکاری خدا ہونے کا اعلان کیا۔ تجسیم خداوندی کے متعلق جتنے نظریات مصر میں قدیم زمانے سے کارفرما تھے۔ اس نے وہ سب کے سب ٹھکرا دیے اور ایک ان دیکھے واحد ”خدا“ کی تبلیغ کے لئے اس نے تمام مخلصانہ کوششیں وقف کر دیں اور اس زمانے میں مصر میں قائم دنیا کی سب سے بڑی پاپائیت اور پجاریوں کے قدیم نظام سے ٹکرا گیا۔ وہ آسن دیوتا اور اس کے پجاریوں سے اس قدر متفرق تھا کہ اس نے اپنا نام جو آسن دیوتا کے نام پر تھا تبدیل کر لیا۔ آسن کی پوجا کے خاتمے کے ساتھ اس کے پجاریوں کے تمام اختیارات، وسائل اور اوقاف و وظائف ضبط کر لیے گئے۔ دار الحکومت تعمیر کا نام ”آتن کی روشنیوں کا شہر“ رکھ دیا گیا۔ پرانے دیوتاؤں کی سرکاری عبادت منسوخ کر دی گئی۔ شاہی فرمان جاری کیا گیا کہ ان دیوتاؤں کے نام جس یادگار پر بھی لکھے ہوئے ہوں انہیں مٹا دیا جائے۔ اس شاہی فرمان کی زد میں خود بادشاہ کے آباؤ اجداد کے مجسمے بھی آگئے جو کارک کے عظیم معبد کی دیواروں پر آویزاں تھے۔ بادشاہ کے والد آسن حوتپ سوم کے مجسمے بھی آگئے جو کارک کے عظیم معبد کی دیواروں پر لگے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے والد آسن حوتپ سوم کے مجسمے کو بھی نہ بخشا گیا اور اس پر سے بھی ”آسن“ کھرچ دیا گیا۔

جب اختاتون کی نفرت حد سے بڑھی تو اس نے فیصلہ کیا کہ پرانا دار الحکومت چھوڑ دیا جائے تاکہ ماضی کے نشانات سے یکسر چھٹکارا حاصل ہو سکے۔ ایک نیا دار الحکومت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دریائے نیل کے ڈیلٹا اور تعمیر کے درمیان ایک میدان نئے دار الحکومت کی تعمیر کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس میدان کے تین اطراف میں پہاڑیاں تھیں اور چوتھی سمت میں دریا بہتا تھا اپنی حکومت کے چھ سال کے آخر میں مینے کے تیرہویں دن اختاتون نے آتن دیوتا کے مقدس شہر اور نئے دار الحکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس شہر کا نام ”اختاتون“ موجودہ تل العمر نہ رکھا گیا۔ اس شہر میں تعمیر ہونے والی تمام سرکاری عمارتوں کے لئے ہدایت بھی خود بادشاہ نے دیں۔ اختاتون کے عہد حکومت میں اس نے شہر نے بے حد ترقی کی یہ شہر اپنے تعمیراتی حسن میں اپنے ہم عصر شہروں سے بڑھ گیا۔ جس دن شہر کا مرکزی معبد مکمل ہوا۔ اختاتون اپنی بیوی نفرتیتی اور چار

فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا داماد طوط آسن تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے نام کی نسبت سے آسن کے ناراض پجاریوں کو خوش کر دیا اور آسن دیوتا کی پوجا ایک بار پھر بحال کر دی۔ مصر کی قدیم تاریخ میں طوط آسن کا سب سے بڑا کارنامہ یہی شمار ہوتا ہے کہ اس نے مصر کے پرانے مذہب کو بحال کر دیا اور دار الحکومت تھبیس کو ایک بار پھر دار الحکومت قرار دے دیا۔ طوط آسن کا ایک اور اہم کارنامہ اس کا شاندار مقبرہ ہے جو بیسویں صدی کے آغاز میں دریافت ہوا تھا۔

1350 ق م۔۔۔ حضرت شعیبؑ کا زمانہ

قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ کا ذکر تقریباً دس مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں قدرے تفصیل سے ان کا ذکر آیا ہے۔ وہ اہل مدین میں مبعوث ہوئے تھے۔ اہل مدین یا قوم شعیبؑ خدا کی نافرمانی اور معصیت کے ارتکاب کے گرداب ہلاکت میں مبتلا تھے۔ بت پرستی اور شرکائے رسوم کے علاوہ یہ لوگ ناپ و تول میں کمی و بیشی کرتے تھے، معاملات زندگی میں کھوٹ ڈالنے اور ڈاکہ زنی میں مصروف تھے۔

دولت و ثروت کی فراوانی، زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی نے ان کو اس قدر مغرور بنا دیا تھا کہ وہ ہر قسم کی بد اخلاقیوں کو برائیاں سمجھتے تھے۔ حضرت شعیبؑ نے ان لوگوں میں اشاعت توحید کی اور انہیں ناپ تول اور دیگر معاملات زندگی میں ایمان داری برتنے کی تاکید کی اور حقوق العباد کی ادائیگی اور امن عامہ میں خلل ڈالنے سے باز رکھنے کے لئے ڈرایا۔ مگر قوم نے الٹا آپ کو اور آپ کے قبیعین (بعض مفسرین نے آپ کو خسروئی بتایا ہے۔ مگر قرآن کریم میں خسروئی کا نام نہیں ہے) کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی اور ان کی دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ قوم کے دل میں آپ کے لیے ذرا بھی عزت نہ تھی۔ اگر انہیں آپ کے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ آپ کو سنگسار کرنے میں دیر نہ کرتے۔ قرآن حکیم کے مطابق ان گناہوں کی پاداش میں بلا آخر انہیں دو قسم کے عذابوں نے آگھیرا۔ ایک زلزلے کا عذاب اور دوسرا آگ کی پاش کا عذاب یعنی جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے تو بیک وقت ایک ہولناک زلزلہ آیا اور ابھی وہ اس کی ہولناکی سے سنبھل نہ پائے تھے کہ آسمان سے آگ برسنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ اگلی صبح دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل جھلے ہوئے مردہ پڑے تھے۔

بہت بعد کی روایت سے حضرت شعیبؑ کا مزار حطین میں بتایا جاتا ہے۔ یمن کے علاقے حضر موت میں ایک قبر ہے جو مرجع خلائق ہے۔ یہاں کے باشندوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت شعیبؑ عذاب کے بعد یہاں آباد ہو گئے تھے۔

(یہ مناجات اس عہد کے مقبروں سے ملی ہے)

آمن دیوتا کا وقار مکمل طور پر بحال ہو گیا۔ اس کے مندروں میں ایک بار پھر زروسم کے ڈھیر لگ گئے۔ لیکن ان بڑی تبدیلیوں کے باوجود طوط آمن کے عہد میں شاہی محل کے باغات اور فوج میں بہت سے نام آتن دیوتا کے نام سے بھی معنون رہے۔

طوط آمن کے عہد کے نویں سال شام میں مصر کے ایک حلیف بادشاہ کے خلاف جیتوں کے ایک حلیف نے لشکر کشائی کی جیتوں نے اپنے حلیف کی مدد کے لئے اپنی باقاعدہ فوج بھیجی۔ مصر کے حلیف بادشاہ نے طوط آمن سے مدد کی درخواست کی۔ طوط آمن نے اپنے سپہ سالار حورم کو ایک بڑی فوج کے ساتھ شام روانہ کیا۔ ابھی یہ معرکہ جاری تھا کہ طوط آمن نے صرف 18 سال کی عمر میں اچانک وفات پائی۔ اس کی وفات کے وقت اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے اس کی بیوہ نے جیتوں کے بادشاہ کو اپنا کوئی شہزادہ بھیجنے کی فرمائش کی تاکہ وہ اس سے شادی کر کے مصر کے تاج و تخت کو سنبھال سکے۔ لیکن جی شہزادے کی آمد میں دیر ہو گئی اور طوط آمن کے وزیر اور آمن دیوتا کے پجاری ”آئے“ نے اس سے شاید جبراً شادی کر کے یا اسے ٹھکانے لگا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف چونکہ کابھوں اور پروہتوں آمن دیوتا کے قدیم مذہب کی بحالی کی وجہ سے طوط آمن کا شکر گزار تھا اس لئے انہوں نے طوط آمن کے مقبرے کو بیش قیمت خزانوں سے بھر دیا طوط آمن کا خزانوں سے بھرا ہوا مقبرہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہا اور اسی وجہ سے چوروں اور لٹیروں کے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکے۔ کابھن ”آئے“ کی حکومت کے بعد طوط آمن کے سپہ سالار حورم جب نے انیسویں خاندان کا آغاز کیا۔ وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح ایک قابل حکمران ثابت ہوا بعض مورخ حورم جب کو اٹھارویں خاندان ہی میں شامل کرتے ہیں۔ سپہ سالار حورم جب برسر اقتدار آیا تو اس نے تاریخی سرکاری ریکارڈ سے اختاتون، سمخ کارے، طوط آمن اور پجاری ”آئے“ کے ادوار کو خارج کر دیا۔ طوط آمن کے مقبرے کے گوشہ گمنامی میں چلے جانے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے۔ کیونکہ سرکاری ریکارڈ سے خارج ہونے کے بعد لوگ طوط اور اس کے مقبرے کو بھول گئے۔ بیسویں خاندان کے زمانے میں جب رعمیس ششم کا مقبرہ چٹانوں کو تراش کر تیار کیا گیا تو وہی سہی کسر پتھروں کے ڈھیروں نے پوری کر دی ان ڈھیروں نے طوط آمن کو مقبرہ لوگوں کی نظروں سے ایک لمبی مدت کے لیے اوجھل کر دیا۔ 3 ہزار سال گزرنے کے بعد جس پہلے شخص کو طوط آمن کے مدفن میں داخل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا وہ ہاروڈ کارٹر تھا۔ مشہور زمانہ برطانوی ماہر اشریات وہ 1922ء میں بلا خراس مقبرے کے نوادرات تک پہنچ گیا۔ دیکھئے 1922۔

1329 ق م۔۔۔ طوط آمن اور قدیم مذہب کی بحالی

شاہ مصر، طوط آمن (عہد 23-1333) کی وجہ شہرت آج کی دنیا میں زیادہ تر اس کے مقبرے کی وجہ سے ہے۔ یہ مقبرہ 1922ء میں صحیح وسام حالت میں دریافت ہوا تھا (دیکھئے 1922ء طوط آمن کے مقبرے کی دریافت) اس کے عہد (23-1333 ق م) کا سب سے اہم واقعہ مصر کے قدیم مذہب کی بحالی ہے جو اس کے سر اختاتون نے اپنے مذہبی انقلاب کی بنا پر کالعدم قرار دے دیا تھا۔

اختاتون کی وفات کے بعد اس کا دامائخ کارے (Smenkh Kare) تخت نشین ہوا۔ مگر وہ جلد ہی فوت ہو گیا اس کے بعد اختاتون کا دوسرا داماد طوط آمن صرف آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ طوط آمن کی ممی کے طبی تجزیے سے پتہ چلا ہے کہ وہ غالباً اپنے پیشرو سمخ کارے کا بھائی تھا۔ سمخ کارے اختاتون کی زندگی میں اس کا حکومتی شریک کار رہا تھا۔ خود طوط آمن یا طوط آتن اختاتون کی وفات کے بعد سمخ کارے کا شریک حکومت ٹھہرایا گیا تھا۔ تل العمرنہ سے ملنے والی بعض مہروں سے اس کی شہادت ملی ہے۔ اس کی شادی اختاتون کی تیسری بیٹی سے ہوئی تھی۔ یہی شادی اس کی تخت نشینی کا باعث بنی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر اتنی کم تھی کہ اس کے ایک وزیر آئے (Ay) اور سپہ سالار حورم جب (Horemheb) کو اس کا نائب ریاست اور اتالیقی مقرر کرنا پڑا۔ انہیں دونوں اشخاص کے زیر اثر طوط آتن نے دار الحکومت کو اختاتون کے تعمیر کردہ شہر ”اختاتون“ سے واپس ٹھیسر منتقل کیا اور آمن دیوتا کا قدیم مذہب بحال کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اختاتون کی تمام مذہبی اصلاحات ختم کر دی گئیں۔ مذہب کی یہ عظیم تبدیلی طوط آتن کی تخت نشینی کے چوتھے سال 1329 ق م میں رونما ہوئی۔ اختاتون کی زندگی اور اس کی وفات کے بعد بھی کئی بار ایسے لمبے آئے کہ جب اس کی مذہبی اصلاحات اور توحید پسندی کی وجہ سے پروہت طبقہ بغاوت پر اتر آیا اور قریب تھا کہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے ایک ایسے ہی لمحہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے طوط آتن کے پروہتوں کو خوش کرنے کے لئے نہ صرف قدیم مذہب کو بحال کر دیا بلکہ اپنا نام بھی طوط آتن سے طوط آمن رکھ لیا۔ اس نے ایک خصوصی حکم کے ذریعے پورے ملک میں اور آمن دیوتا کے پجاریوں کے سلب کردہ تمام اختیارات، وسائل اور اوقات و وظائف دوبارہ بحال کر دیے اس کے ساتھ ہی اختاتون کو سرکاری طور پر بدعتی، گمراہ اور بد معاش قرار دیا گیا۔ آمن دیوتا کے پروہتوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اختاتون کی حوط شدہ لاش کی بے حرمتی کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھائی اس موقع پر ایک مناجات میں پروہتوں نے آمن دیوتا کی تعریف کچھ یوں کی۔

اے آمن ! جو تجھ سے آگاہ نہ تھا اس
کا (اختاتون کا) سورج غروب ہو گیا
جس نے تیری مخالفت کی۔
اس کا معبد تاریک پڑا ہے۔

1319 ق م۔۔۔ حرم حب کی حکومت

طوط آمن کے بعد اس کے وزیر آئے (AY) نے اقتدار پر قبضہ کر لیا مگر اس کا عہد حکومت مختصر تھا جو صرف چار سال پر محیط تھا۔ اسے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے اس کی موت کے بعد حرم حب (Horem Hab) جو اختاتون کے زمانے سے اعلیٰ فوجی جرنیل تھا حکومت پر قابض ہو گیا۔ حرم حب نے طوط آمن کے عہد میں خصوصیت حاصل کر لی تھی کہ اسے طوط آمن نے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ آئے نے اپنے بعد اسے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس کی اتنی سرعت سے ترقی اس بات کی آئینہ دار ہے کہ وہ آئے کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ وہ اس کا داماد تھا۔ آئے نے ممفس میں رہتے ہوئے سرکار کے مقام پر ایک عظیم الشان مقبرہ یا اہرام تعمیر کروایا تھا۔ اس کی موت کے بعد حرم حب برسر اقتدار آیا اس نے اس کے مدفن پر قبضہ کر کے اس کا شای ریکارڈ تلف کر دیا۔ اس بات سے یہ چلتا ہے کہ شاید آخری وقت میں آئے اور حرم حب کے درمیان ضرور کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے آئے اپنے مدفن میں دفن بھی نہ ہو سکا۔ حرم حب نے ایک مجسمے پر کھدوایا کہ اس کی تخت نشینی بالکل پرسکون انداز میں ہوئی تھی۔ موزنین میں ایک یہ خیال بھی پایا جاتا ہے۔ کہ حرم حب نے آئے کے خلاف کچھ نہیں کیا بلکہ بعد میں آئے والوں نے امارت بادشاہوں کے خلاف کام کیا ان کی عمارات تباہ کر دیں اور مقبروں تک کو نقصان پہنچایا۔ اور کئی عمارات اپنے استعمال میں لے آئے۔ حرم حب قدیم مصر کی ایک اختلافی حیثیت کی مالک شخصیت تھی جسے بعض محققین کے قدیم مصر کا میکیا وی کہا ہے۔ بعض اسے منفی حیثیت کا حامل ورن قرار دیتے ہیں۔ اس کے عہد کی ”بہتری کی ہدایات“ (Edict of Reform) دریافت ہوئیں ہیں۔ جن کو اس کے عہد کے پہلے سالوں میں تحریر کیا گیا تھا۔ یہ کاریک کے معبد کے دسویں ستون کے جنوبی پتھر پر لکھی ہوئی ہیں۔ ان تحریروں کا ایک تہائی حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ باقی میں لکھا ہے کہ اس نے قانون کی بالادستی کے لیے لوگوں کو سخت ترین سزائیں دیں تھیں۔

مآخذ

History Of Ancient Egypt.

مصر کے عروج و زوال کی داستان

1292 ق م۔۔۔ مصر میں انیسویں شاہی خاندان کی تاسیس

1292 ق م حرم حب کے ایک فوجی جرنیل رعیس اول نے مصر کے انیسویں حکمران خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس نے فوج میں نوکری اختاتون کے دور میں ایک فوجی کی حیثیت سے شروع کی تھی۔ اپنی خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے جرنیل بن گیا۔ حرم حب نے اپنے عہد میں اسے اپنا وزیر بنادیا۔ اس طرح اس کے ہاتھوں امارت دور کے بعد بھی ایک فوجی جرنیل کے حکومت پر قبضہ کرنے کی روایت برقرار رہی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں فوجی جرنیل کتنے طاقتور ہو چکے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے جب چاہتے بادشاہ بن جاتے تھے۔ رعیس اول نے خود یہ روایت توڑی اور اپنے بیٹے سیتی اول (Sett 1) کو اپنا ولی عہد اور شریک حکومت (Co. Regent) نامزد کیا اور اس طرح ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی رعیس کا اصل نام پراہیس (Praheses) تھا جسے بعد میں پہلا حرف جی ساقط کر کے رعیس بنادیا گیا۔

رعیس کا تعلق شمال مشرقی ڈیلٹا کے رہائشی ایک عام گھرانے سے تھا۔ رعیس اول کے بعد انیسویں خاندان کا دوسرا حکمران سیتی اول بنا۔ جیسے رعیس اول نے حرم حب جیسی حکمت عملیوں کو جاری رکھا تھا ایسے ہی سیتی اول نے اپنے باپ کی پالیسیوں کو جاری رکھا اور اپنے آپ کو نئے دور کا شروع کرنے والا کہا۔ سیتی اول نے صحیح معنی میں انیسویں خاندان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔

سیتی اول نے حرم حب کی طرح ایک تحریر چھوڑی ہے۔ جس کے مطابق وہ بھی افسران کی کرپشن سے بڑا تنگ تھا اور ان کو سدھارنے کی خاطر انہیں سخت ترین سزائیں دیتا تھا۔

انیسویں خاندان کا عہد ایک رجعت پسندانہ دور تھا اس خاندان نے پرانے دور کی روایات کو دوبارہ زندہ کیا۔ البتہ انہوں نے اختاتون سے متعلق ہر یادگار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اختاتون طعون اور مردود قرار دیا۔ امارت دور کے عجیب و غریب مگر ناکام انقلاب کے بعد انیسویں خاندان میں مصر کی شان و شوکت اسی طرح برقرار رہی جس طرح امارت دور سے پہلے تھی۔

مآخذ

E.B.Vol 6. History Of Ancient Egypt.

جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور مصریوں کی شکست فتح میں بدل گئی۔ حطیوں سے جنگوں کا یہ سلسلہ تقریباً 16 سال جاری رہا اور اس دوران دونوں اقوام میں بے شمار جنگیں لڑی گئیں۔ تقریباً 1258 ق م کے قریب دونوں قوموں میں ایک معاہدہ امن طے پایا جس سے مکمل جنگ بندی ہوئی۔ اس معاہدے کے ریکارڈ مصر اور ایشیائے کوچک دونوں جگہوں سے ملے ہیں۔ اس معاہدے کے بعد دونوں قوموں میں تعلقات اس حد تک خوشگوار ہو گئے کہ رعمیس دوم نے ایک حطی شہزادی سے شادی کر لی۔

حطیوں سے معاہدہ امن طے پانے کے بعد رعمیس نے زمانہ امن کی مصروفیات پر توجہ دی اور بہت سی عمارات اور مندر تعمیر کرائے۔ شام فلسطین میں جنگی مہمات کے دوران رعمیس کو احساس ہوا تھا کہ اس کا دارالحکومت تھمیس ایشیا سے دور ہے۔ چونکہ اس کا خاندان بنیادی طور پر ڈیلٹا نیل کے علاقے کا رہنے والا تھا اس وجہ سے رعمیس نے ایشیائے قریب ڈیلٹا نیل میں تائیس کے مقام پر ایک نیا دارالحکومت تعمیر کرایا۔ یہ دارالحکومت اس کے نام پر ”پی رعمیس (Pi Ramses)“ (رعمیس کا گھر) کہلایا۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات پر بے شمار مندر تعمیر کرائے۔ اس کے تعمیر کردہ مندروں میں سے دو زیادہ، ایک نوبیا میں ابوسمیل کا مندر اور دوسرا تھمیس میں تعمیر کردہ اونچا مندر جو خود اس کے ہی نام سے منسوب ہے۔ اس کے علاوہ رعمیس دوم نے اپنے والد کی یاد میں دریائے نیل کے کنارے کسکر کے مقام پر ایک خوبصورت مندر تعمیر کرایا تھا۔ کرناک کے مندر میں بھی شاندار تعمیراتی اضافے اسی کے عہد کی یادگار تھے۔

قدیم مصر کی تاریخ میں آرٹ کی ترقی اور فن تعمیر کے کمال کے لحاظ سے یہ عہد مصریوں کے عروج کا آخری دور تھا۔ اس کے بعد کی تعمیرات میں فنی زوال کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے۔ رعمیس کی ذاتی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ملی ہیں۔ اس کی پہلی اور شاید محبوب ملکہ نفرتری (Nefertari) تھی۔ اس ملکہ کے اعزاز میں رعمیس دوم نے ابوسمیل کے پہلو میں ایک چھوٹا سا مندر تعمیر کیا جو تاج محل کی طرح اس کی ملکہ سے محبت کی یادگار تھا۔ نفرتری نے رعمیس دوم کے عہد کے اولین حصے میں وفات پائی تھی۔ تھمیس کے قریب ”وادی مقابر“ میں اس کا مقبرہ آج بھی موجود ہے۔ حتی شہزادیوں کے علاوہ اس کی ایک اور ملکہ ایسی نوفرے (Isinofre) کے نام سے بھی تھی اس کی لٹن سے بادشاہ کے چار بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ ان بیویوں کے علاوہ رعمیس دوم کے حرم میں سینکڑوں کنیریں بھی موجود تھیں اس وجہ سے اس کی اولاد کی تعداد 100 سے زائد بتائی جاتی ہے۔

آج کے ہیروٹ کے قریب نہر القب کے مقام سے رعمیس دوم کے عہد کا ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس پر اس کی ایک فوجی مہم کی تفصیلات کندہ تھیں۔ آج اس کتبے کی تفصیلات اگرچہ زیادہ تر مٹ چکی ہیں مگر رعمیس کا نام اور تاریخ پڑھی جاسکتی ہے۔

رعمیس دوم کی ممی آج کل قاہرہ کے نزدیک ایک مقبرے میں محفوظ ہے جو ایک بوڑھے آدمی کی ہے جب کہ اسی عہد کے مجسموں میں اسے ایک خوبصورت نوجوان دکھایا گیا ہے اس کا سب سے عمدہ مجسمہ تورین کے میوزیم میں محفوظ ہے۔

رعمیس دوم کا عہد مصر کی سیاسی تاریخ میں بھی عروج کا آخری دور ہے۔ اس کی وفات کے بعد بیسویں حکمران خاندان کے عہد میں بھی کچھ عرصے فلسطین اور شام پر مصر کا قبضہ برقرار رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ ان علاقوں اور دیگر مقبوضات پر سیاسی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی اور یہ سب مصر کے ہاتھ سے نکل گئے۔ رعمیس دوم کے بعد رونما ہونے والی اس سیاسی و

1279-13 ق م۔۔۔۔۔ رعمیس دوم اور اس کا عہد

رعمیس دوم یا رعمیس اعظم مصر کے انیسویں شاہی خاندان کا وہ حکمران ہے جس کے عہد میں بنی اسرائیل کے نجات دہندہ اور پیغمبر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو نجات دلائی۔ رعمیس دوم نے مصر پر تقریباً 66 سال حکومت کی وہ مصر کی تاریخ میں طویل ترین عہد حکومت رکھنے والا دوسرا فرعون ہے رعمیس دوم اور اس کے خاندان کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ اس کا خاندان مصر کے عظیم مذہبی مصلح فرعون اختاتون کے عہد کے اختتام کے چند دہائیوں کے بعد برسر اقتدار آیا۔ اسی خاندان نے مصر کی سیاسی ساکھ بحال کی اور ایشیائے قریب میں مصر کے ڈوبے ہوئے اقتدار کو اپنی فتوحات سے سہارا دیا۔ رعمیس دوم کے والد یسعی اول نے باغی حتی شہزادوں کو جنوبی شام اور فلسطین میں شکست دے کر کئی صوبوں کو دوبارہ مطیع کر لیا تھا لیکن اس کی یہ فتوحات عارضی ثابت ہوئیں کیونکہ اس کے عہد کے آخری دنوں میں حطیوں نے کدیش پر دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ رعمیس دوم کو کسی ہی میں اس کے باپ نے حکومت میں شریک کار کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے رعمیس کو کاردار کا تجربہ کم عمری ہی سے ہو گیا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے فلسطین و شام میں ہونے والی شورشوں کی سرکوبی پر توجہ دی۔ اپنی تخت نشینی کے پانچویں سال شمال میں ان صوبوں کے خلاف ایک مہم لے کر وہ خود روانہ ہوا جن کو اس کا والد یسعی اول مستقل طور پر سرخ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس مہم کے دوران اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیلات اس کے تعمیر کردہ ہر مندر کی دیواروں پر نقش کرائی گئی تھیں۔ اس واقعہ کو مصر کی تاریخ میں ”جنگ کدیش“ یا معرکہ کدیش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس مہم کے دوران اس نے اپنی تاریخ ساز عسکری قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی فوج کو چار حصوں یا ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر ڈویژن کا نام سرزمین مصر کے ایک بڑے دیوتا کے نام پر آمن، رع، پتاح اور سیت رکھا گیا۔

آمن ڈویژن کو ہر اول دستے کی حیثیت دی گئی۔ قید کئے گئے حطیوں کی فراہم کردہ غلط اطلاعات کے مطابق کدیش میں ان کی بہت زیادہ فوج متعین نہ تھی۔ لیکن اس کے برعکس حطیوں نے اپنی افواج کدیش کے قریب و جوار اور ایک آبائی گذرگاہ کے قریب شہر کے جنوب مشرق میں چھپا دی تھیں۔ جب مصری افواج اس آبائی گذرگاہ کے قریب سے گذریں تو حطی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ مصریوں کی ایک ڈویژن فوج تقریباً جاہ ہو گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب مصری اپنے بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے قریب تھا کہ مصریوں کو شکست فاش ہو۔ اور رعمیس دوم میدان جنگ میں مارا جائے۔ مصری سپاہیوں کے فرار کے بعد سے حطیوں نے رعمیس کو اپنے زرنے میں لے رکھا تھا۔ ہزاروں حطیوں کے زرنے میں آنے کے باوجود وہ بڑے استقلال اور پامردی سے دشمن کے محاصرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اس کی فوج کی تیسری ڈویژن ساحل کی طرف سے میدان جنگ میں آ نکلی۔ تیسری ڈویژن کا عین شکست کے وقت میدان جنگ میں آ جانا بھی رعمیس کی جنگی منصوبہ بندی کا ایک حصہ تھا۔ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے رعمیس نے

عسکری کمزوری کا تعلق شاید رعمیس کے اس لشکر کی غرقابی سے تھا جو بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے تلف ہو گیا تھا۔ یا پھر اس حادثے کی مجوزانہ خصوصیت نے مصریوں کے حوصلے آئندہ کے لئے پست کر دیئے جس کے اثرات بعد کے زمانے میں ظاہر ہوئے۔ لیکن اس واقعہ کے متعلق مصریوں کے ریکارڈ سے کوئی شہادت نہیں ملتی۔

رعمیس دوم کے عہد میں مصریوں کی معاشرتی حالت قریب قریب وہی تھی جو اس سے پہلے کے دور کے اچھے حالات میں تھی۔ شاہی خاندان، روساء، امراء، مندروں کے بیماری حکمران طبقے کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ عوام ان کے رحم و کرم پر تھے۔ اس دور میں متوسط طبقہ کے لوگوں کی موجودگی کا سراغ بھی ملتا ہے۔ جو تا جرائل حرفہ اور سرکاری ملازم ہوا کرتے تھے تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی ترقی کر گیا تھا۔ اس دور میں بھی مردوں کو میانے کا رواج تھا۔ بادشاہوں کو پتھر کے تابوت میں بند کر کے اہراموں میں دفن کیا جاتا تھا۔ امراء کے مقبرے پہاڑ کاٹ کر بنائے جاتے تھے اور تابوت لکڑی کا ہوتا تھا۔ تابوت پر متونی کی تصویر بنادی جاتی تھی۔ اور ضروری سامان کے ساتھ جو بادشاہوں اور امراء کی حالت میں بہت قیمتی ہوتا تھا لکڑی کی بنی ہوئی مورتیاں بھی رکھی جاتیں تھیں یہ مورتیاں نوکر چاکر سمجھی جاتی تھیں اور حاضر جناب کہلاتی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ متونی کی روح کو جب کوئی خدمت لینے کی ضرورت ہو اور وہ پکارے تو یہ مورتیاں خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ مردوں کی تکفین و تدفین کی رسمیں ادا کرنے کے لئے پروہتوں کا ایک مستقل طبقہ قائم ہو گیا تھا۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل اٹھارویں حکمران خاندان کے بادشاہ آمن حوطپ سوم کے عہد میں (1411 ق م سے 1375 ق م تک) فلسطین کی حدود تک پہنچ چکے تھے کیونکہ اس زمانے کی بعض تحریروں میں فلسطین میں یہود (Hebrew) (عبرانی) قوم کی شورش کا حال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ تر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور رعمیس دوم ہم عصر تھے۔

1275 ق م۔۔۔ خروج بنی اسرائیل

مصر کے سلہویں حکمران خاندان کے عہد میں حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد (بنی اسرائیل) (حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا جس کی وجہ سے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی) سمیت اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کے پاس مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ سلہویں خاندان عاملت (Hyksos) یا غیر ملکی چرواہے بادشاہوں کا خاندان تھا۔ یہ لوگ سامی النسل تھے۔ اس لئے ان حکمرانوں نے اپنے ہم نسل عبرانیوں سے اچھا سلوک کیا۔ حضرت یوسفؑ نے بنی اسرائیل یا آل یعقوبؑ کو مصریوں سے الگ تھلگ جشن یا گوش کے علاقے میں آباد کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ عام مصری، جو متدن تھے۔ ان عبرانیوں سے جو کہ چرواہے اور بدو تھے، نفرت کرتے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) تاہم حکومت چونکہ ان پر مہربان تھی اس لئے آل یعقوبؑ نے مالی اعتبار سے بہت ترقی کی اور ان کی تعداد میں بھی تیز رفتاری سے اضافہ ہوا، لیکن جب یہ چرواہے بادشاہ مصر سے نکال دیئے گئے اور مصر پر فراعنہ کے سترہویں خاندان اور خاص مصریوں کی حکومت قائم ہوئی تو بنی اسرائیل کے دن بدلتے لگے۔ اب عوام کے ساتھ ساتھ حکمران بھی ان سے نفرت کرنے لگے۔ ادنیٰ النسل قرار دیئے جانے کے بعد عبرانیوں سے جبری مشقت لی جانے لگی اور غلاموں کا ساتھیازی سلوک روا رکھا جانے لگا۔ جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے کہ ”ان کی زندگی گارا را بنیائیں اٹھا اٹھا کر اجیرن ہو گئیں“ مصری آقاؤں کے لئے سخت و مشقت کرتے ہوئے ان کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال ابھرتا تھا کہ کیا سرزمین مصر سے فرار یا آزادی ممکن ہے۔ آخر وہ فرعون تخت حکومت پر بیٹھا جس کے دور میں بنی اسرائیل پر مظالم کی انتہا ہو گئی۔ ان کی عزت و ناموس خطرے میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مظالم سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو پیدا کیا۔

جدید محققین اور ماہرین اثاریات کا خیال ہے کہ جس فرعون کے عہد میں حضرت موسیٰؑ کی ولادت ہوئی وہ فراعنہ مصر کے انیسویں خاندان کا بادشاہ رعمیس ثانی تھا بعض مورخین کے نزدیک مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ بھی اسی فرعون کے زمانے میں پیش آیا لیکن بعض کا خیال ہے کہ جس فرعون سے حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ ہوا وہ منتاح ہے۔ (Jewish Encylopaedia) فرعون منتاح کے عہد کے ایک کتبے میں پہلی بار اسرائیل کا لفظ لکھا ہوا ملا ہے۔ یہ انیسویں خاندان کا چوتھا بادشاہ رعمیس ثانی کا تیرہواں بیٹا تھا۔

حضرت موسیٰؑ آل یعقوبؑ کے ایک فرد عمران کے گھر پیدا ہوئے۔ چونکہ فرعون نے اپنے کاہنوں کے پیشین گوئی کے مطابق بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا۔ اس لئے ان کی والدہ نے انہیں سر کنڈوں کی ایک ٹوکری یا صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا تاکہ آپ کی زندگی فرعون کے آدمیوں کے ہاتھوں سے بچ سکے۔ جہاں یہ ٹوکری کنارے لگی وہاں سے اسے فرعون کی بیوی (حضرت آسیہ) نے دریا سے نکلوا لیا۔ جب اس میں ایک خوبصورت بچے کو پڑا دیکھا۔ تو اسے قصر شاہی لے گئی اور اسے بیٹا بنا کر پالا۔ یوں قدرت نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش عین ان کے دشمنوں کے

درمیان اور شاہی قصر کی شان و شوکت میں ہونے کا سبب پیدا کر دیا۔

حضرت موسیٰ جو ان ہونے تو ایک دن آپ نے بازار سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ ایک مصری (قبیلی) ایک اسرائیلی کو پیٹ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ نے زبان سے اس ظلم کو روکنا چاہا مگر وہ مصری باز نہ آیا۔ اس پر آپ نے اسے ایک مکر رسید کیا جس سے وہ مصری وہیں گر کر مر گیا۔ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا کہ اگلے دن پھر وہی اسرائیلی کسی اور مصری سے جھگڑتا ہوا نظر آیا۔ حضرت موسیٰ نے اسے بھی سخت ست کہا اور جھگڑا ختم کرانے کے لئے فرعون کی کوالگ کرنے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ کہیں حضرت موسیٰ اسے گرد نہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس نے چیخ کر کہا کہ کیا آپ اس مصری کی طرح مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح مصری کے قتل کا معاملہ جواب تک پوشیدہ تھا ظاہر ہو کر مشہور ہو گیا۔ اب حضرت موسیٰ نے اپنے ایک تخلص کے مشورے پر شہر کو چھوڑا اور بحیرہ امر کے نزدیک ایک صحرائی علاقہ (مدین) میں حضرت شعیب کے پاس چلے گئے اور ایک مدت تک ان کی بکریاں چراتے رہے۔ حضرت شعیب نے اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔ پھر ایک رات جب کہ وہ سینا کے علاقہ میں آپ سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کی تلاش میں تھے تو آپ کو وادی امین میں ایک شعلہ چمکتا ہوا دکھائی دیا جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا اور نبوت سے سرفراز کیا۔ پھر آپ کو بشارت دی کہ آپ ہی بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے گے۔

مصر واپس پہنچ کر آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون کی مدد سے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور انہیں اپنے مشن سے آگاہ کیا پھر آپ حضرت ہارون کو لے کر فرعون کے دربار پہنچے اور اسے حق کی دعوت دی اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ہمراہ جانے دے مگر فرعون بنی اسرائیل کو ذلت کی زندگی سے نجات دینے کے لئے تیار تھا اور نہ ہی اس نے انہیں مصر سے جانے کی اجازت دی۔ حضرت موسیٰ نے جب دلیل خداوندی کے طور پر معجزات ظاہر کئے تو فرعون نے مصر کے تمام ماہر جادو گروں کو ان کے مقابلے پر مغمور کیا۔ یہاں معجزے کے طور پر حضرت موسیٰ کا عصا اڑدھا بن کر جادو گروں کے رسیوں سے بنے ہوئے سانپوں کو نگل گیا۔ اگرچہ حق ثابت ہوا مگر فرعون اور اس کے امراء اپنے معاندانہ رویے سے باز نہ آئے۔ جب خدا کے حکم سے مصر میں یکے بعد دیگرے دس وبائیں نازل ہوئیں تو فرعون نے مجبوراً بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کی قیادت میں مصر چھوڑنے کی اجازت دی۔ مگر جب بنی اسرائیل کا قافلہ روانہ ہوا تو فرعون کی نیت پھر بدل گئی۔ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تا کہ انہیں پھر غلام بنا سکے۔ حضرت موسیٰ نے حکم الہی پر بحیرہ قلزم کے کنارے اپنی قوم کے ہمراہ قیام فرمایا۔ اسی اثنا میں فرعون بھی تعاقب کرتے ہوئے ان کے پیچھے بحیرہ قلزم کے کنارے پہنچ گیا۔ ادھر حکم خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰ نے بحیرہ قلزم پر اپنا عصا مارا سمندر دو حصوں میں منقسم ہو گیا اور درمیان میں خشکی کا راستہ ظاہر ہوا۔ خدا کی قدرت سے ایسی ہوائیں چلیں کہ سمندر کا ہر قطرہ ایک عظیم الشان پہاڑ بن گیا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے خوف و خطر اسی راستے سے سمندر پار اتر گئے۔ لیکن جب فرعون ان کے پیچھے چھپ چلا تو پھر موبص واپس آ گئیں اور وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈوب گیا۔ اگرچہ ڈوبتے ہوئے فرعون نے اعلان کیا وہ اس خدا پر ایمان لایا جو بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ لیکن خدا نے اس کے ایمان کو رد کر دیا۔ اس فرعون کی مہیا ہوئی لاش آج کل قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کا دور ابتلاء ختم نہ ہوا۔ وہ چالیس سال تک جزیرہ نماے سینا کے صحراؤں میں بھٹکتے

پھرے۔ اسی دوران کہ وہ طور پر حضرت موسیٰ پر کتاب و شریعت نازل ہوئی۔ بنی اسرائیل پر امن و سلوی اتر آ۔ ان کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ وہ گمراہی کے راستے پر چلتے ہوئے سامری نامی زرگر کے بنائے ہوئے طلائی بھینچے کو پوجتے بھی لگے۔ مگر خدا کے ساتھ جو عہد ہو چکا تھا اس کی پابندی اور حضرت موسیٰ کی قیادت نے بے خائمان بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھرنے نہ دیا۔

لاحکوں مظلوم و مجبور لوگوں کو ظالم اور متکبر فرعونوں سے نجات دلانے اور صحرائے سینا میں اگلی نسل کی ترتیب کر کے انہیں اس قابل بنانے کے بعد کہ وہ ان کے تابع یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے طاقتور اور جابر حکمرانوں سے حکومت چھین کر دنیا کے اس عظیم اور اولین انقلاب کی تکمیل کر سکیں کہ جس کے ذریعے وہاں ایک ایسا عادلانہ نظام قائم ہو سکے جو دوسری دنیا کے لئے نمونہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر اور راولو العزم پیغمبر نے وادی اردن کے سامنے ایک پہاڑ پر وفات پائی اس وقت تک بنی اسرائیل ارض موعود میں داخل نہ ہوئے تھے۔ لیکن وفات کے وقت حضرت موسیٰ کو اطمینان تھا کہ ان کی قوم میں مصیبتوں اور آزمائشوں کو صبر سے برداشت کر لینے کی صلاحیت چونکہ بدرجہ اتم پیدا ہو چکی ہے۔ اس لئے اب وہ دن دور نہیں جب یہ ایک راسخ الطبع قوم بن جائے گی۔ دنیا کا یہ اولین انقلاب اپنے نتائج مابعد کے لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اس انقلاب کے بعد بنی اسرائیل کی ہیئت اجتماعی نے ایک نیا قلب اختیار کیا۔ بنی اسرائیل کے پاس آئین و قانون کے نام سے وہ چیز آئی، جس کا کوئی واضح تصور دوسری اقوام عالم کے پاس موجود نہ تھا۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ کو دنیا کا پہلا وضع قانون بھی کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احکام عشرہ کے نام سے آپ نے قوانین اخلاق کے جو دس اہم اصول اس وقت دنیا کو بتائے جب کہ ابھی دنیا کے بہت سے تمدن ارتقا کی منزلوں سے گزر رہے تھے وہ اس سے قبل کی دنیا میں نظیر نہیں رکھتے۔ انہیں احکام کی بنیاد پر بعد کی دنیا میں معاشرت و سیاست کے سارے قوانین کی بنیاد رکھی گئی۔

1213 ق م۔۔۔۔۔ منفتح کا عہد حکمرانی

رعمیس دوم کے بعد اس کا بیٹا منفتح یا مرنے پتاح (Merenphtah) مصر کا فرعون بنا۔ وہ انیسویں شاہی خاندان کا چوتھا حکمران تھا۔ اگرچہ رعمیس دوم کے عہد میں مصر کی خوشحالی میں اضافہ ہوا تھا مگر فوج اب اتنی طاقتور نہیں رہی تھی کہ مصر بین الاقوامی طور پر سپر طاقت کا کردار ادا کر سکے۔ خود منفتح جب تخت نشین ہوا تو اس کی عمر 60 سال سے زائد تھی مگر اس میں توانائی کی کمی نہ تھی۔ اس کے عہد میں لیبیا والوں نے مصر پر حملہ کیا اور دریائیل کے ڈیلٹا پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف مشرقی روم کے قبائل بھی مصر پر ٹوٹ پڑے تاہم منفتح نے جنگی تیاریوں کے بعد اپنی افواج کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دے کر حملہ آوروں کو مصر کی سرحدوں سے باہر نکال دیا۔ لیبیائی حملہ آور ہجرت کی نیت سے آئے تھے اور مصر میں آباد ہونا چاہتے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے بیوی بچے اور مال مویشی بھی لائے تھے۔ منفتح کو مال غنیمت میں حملہ آوروں کے بیویاں ہاتھ لگیں۔ منفتح نے ملکی دفاع کو مضبوط بنانے کے بعد فلسطین و شام پر یلغار کی اور بے شمار مال غنیمت جمع کیا جس سے مصر ایک بحری طاقت بن گیا۔

منفتح کے عہد میں بھی حلی ریاست کے ساتھ معاہدہ امن پر عمل ہوتا رہا۔ اس کے عہد میں حتی ریاست میں زبردست قحط آیا۔ منفتح نے حتی حکومت کو گندم امداد کے طور پر بھیجی۔ بیرونی طور پر تو یہ حال تھا مگر اندرونی طور پر مورخین لکھتے ہیں کہ مصر پر لیبیائی لوگوں کے حملے میں حلی ریاست کا پس پردہ ہاتھ تھا۔ اس مہم کے تین سال بعد مصر کے ایشیائی مصری مقبوضات میں بغاوتیں پھیل گئیں۔ منفتح اپنی ضعیف العری کے باوجود خود فوج لے کر گیا اور تمام باغیوں کو قتل و قتل سزا دی۔

پانچویں سال اسے مغربی ڈیلٹا میں بھی باغیوں کے خلاف کارروائی کرنا پڑی۔

1209 ق م۔۔۔۔۔ مصر پر لیبیا کا حملہ

فرعون منفتح (Merneptah) کو تاریخ مصر میں دو وجوہات کی بناء پر شہرت حاصل ہے۔ ایک تو وہی کہ بعض محققین کے نزدیک منفتح کے عہد میں خروج بنی اسرائیل کا واقعہ پیش آیا۔ دوسرے یہ کہ اس فرعون کے عہد میں لیبیا کے صحرا نشینوں اور ایشیائے کوچک کے ساحلوں پر آباد بحری لوگوں نے مل کر متمدن مصر پر ایک زبردست حملہ کیا اور ڈیلٹا کے علاقے کو فتح کرنا چاہا۔ مگر منفتح کی عسکری تیاریوں کی وجہ سے انہیں منہ کی کھانا پڑی۔

ایک شب منفتح نے خواب میں دیکھا کہ دیوتا پتاح نے دشمن کو ختم کرنے کے لئے اسے ایک تلوار پیش کی۔ اس خواب کو جنگ کی تائید قرار دیتے ہوئے منفتح نے اپنی افواج کو جدید عسکری اطوار سے آراستہ کیا تا کہ دشمن سے ہنپا جاسکے۔ میدان جنگ کے مقام کے متعلق قدیم مصری تحریروں میں اختلاف ہے بہر حال یہ جنگ ڈیلٹائیل کے مغربی علاقے میں لڑی گئی۔ لیبیا والوں کا خیال تھا کہ مصر ان کے لئے ایک تہ نوالہ ثابت ہوگا لیکن منفتح کی عسکری تدابیر نے پانسہ پلٹ دیا۔ حملہ آواروں کا استقبال منفتح کی فوج کے تیر اندازوں نے کیا جو پہلے ہی سے عسکری اہمیت کے مقامات پر تعین تھے۔ آسمان سے تیروں کی بارش ہوئی تو حملہ آور جنگیں مار کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ چھ گھنٹے تک تیر اندازوں نے لیبیا کی افواج پر قیامت ڈھائے رکھی۔ ان سے فرصت ملی تو مصری شمشیر زنوں نے انہیں اپنی تلواروں کی نوک پر رکھ لیا اور کشتوں کے پستے لگا دیئے۔ جب دشمن کی جمیعت کا شیرازہ کھم گیا تو منفتح کے حکم پر مصری جنگی رتھوں نے جھگڑوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ لیبیا والوں کا فرار تاریخ کا یادگار فرار بن گیا۔ مصری افواج نے انہیں مایوس چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیا۔ اس جنگ میں 9400 سے زائد لیبیائی اور بحری لوگ مارے گئے۔ لیکن مصر تباہی سے بچا لیا گیا۔ اس عظیم فتح کی یاد میں بادشاہ کے حکم پر چار یادگار کتبے رعمیس کے مندروں میں آویزاں کئے گئے۔ انہیں کتبات میں سے ایک میں بنی اسرائیل کا حوالہ ملا ہے۔

اگرچہ منفتح کی قیادت میں مصریوں نے شاندار فتح حاصل کی مگر اس حکمران کے عہد میں مصر اپنی سابقہ عظمت و جلالت اور شان و شوکت اور آرت و فنون کی ترقی میں آمادہ زوال ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مصوری، نقاشی اور مجسمہ سازی جیسے اہم فنون بے جان ہو کر رہ گئے۔ اپنے پیشروؤں کی طرح منفتح کو عمارت سازی اور مندر سازی کا بھی کوئی شوق نہ تھا۔ نہ ہی خزانے کی حالت ایسی تھی کہ ان منصوبوں پر کثیر رقم خرچ کی جائے۔ ادب میں بھی سوائے نقدہ کامرانی (جنگ میں فتح کی یادگار) کے سوا کوئی اور قابل ذکر تخلیق نہ ہوئی۔ انیسویں خاندان میں اس کے بعد کوئی قابل ذکر حکمران تخت نشین نہ ہوا۔

1200 ق م۔۔۔ فونیقیوں کی بحری طاقت کا عروج

صدیوں سے فونیقی قوم مغربی لبنان میں بحیرہ روم کے کنارے واقع شہروں میں آباد تھی۔ مصریوں کے ساتھ ان کے تعلقات بہت پرانے چلے آ رہے تھے۔ ایک طویل عرصے سے وہ فراعنہ کے محکوم تھے۔ تقریباً 1200 ق م کے قریب مصری حکمرانوں کے کمزور پڑنے کی وجہ سے فونیقیوں کو ان کی غلامی کا جواب اپنے کندھوں سے اتار بیچنے کا موقع میسر آ گیا۔ آزادی کے حصول کے بعد عالمی افق پر وہ ایک طاقتور بحری قوم بن کر ابھرے۔

بحیرہ روم کے کنارے آباد فونیقی شہروں میں دو شہر صور (Tyre) اور صیدون (Sidon) بہت اہم تھے۔ دراصل یہی شہر دنیا کی اس سب سے قدیم بحری طاقت کا گھر تھے فونیقی جہاز سازی اور جہاز رانی میں اپنے وقت سے بہت آگے تھے وہ بحیرہ روم، خصوصاً آبنائے جبل الطارق سے اپنے بحری جہاز دنیا کے دور دراز مقامات تک لے جاتے تھے۔ دور دراز کے مقامات کے ان بحری سفروں میں وہ قطبی ستارے، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے مقامات سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ براعظم یورپ کا نام فونیقی لفظ ”غروب آفتاب“ سے نکلا ہے۔

جہاز رانی میں ترقی کے ساتھ ساتھ فونیقیوں نے تجارت کے میدان میں بھی بے حد ترقی کی وہ یونان سے لے کر برطانیہ اور ایتھین سے میسوپوٹیمیا تک اس زمانے میں اسباب تجارت لے کر جاتے آتے تھے۔ دور دراز کے ان بحری سفروں کی وجہ سے ہی شاید فونیقی دنیا کی سب سے پہلی نوآبادیاں قائم کرنے والی قوم بنی۔ اہل فونیقیہ نے جزیرہ قبرص، شمالی افریقہ جنوبی ہسپانیہ اور جزائر برطانیہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں تھیں۔ فونیقی نوآبادیاں میں سے سب سے زیادہ شہرت قرطاج نے پائی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد 813 ق م میں رکھا گیا تھا۔

اہل فونیقیہ ہی وہ قوم تھے جنہوں نے وقت کی بچت کے لئے قدیم تصویریں رسم الخط کو چھوڑ کر ایک نیا تحریری رسم الخط ایجاد کیا۔ یہ رسم الخط اور اس کا انجیدی نظام قدیم یونان اور روم سے ہوتا ہوا یورپ تک پہنچا اور یورپی زبانوں کا رسم الخط قرار پایا۔ آج کی یورپی اقوام کا رسم الخط فونیقی رسم الخط کا مرہون منت ہے۔ اہل فونیقیہ جو مصنوعات تیار کرتے تھے۔ ان میں ارغوانی رنگ بلوری ظروف اور پارچہ جات شامل تھے۔ مگر ان کی یہ مصنوعات کوئی جدید پہلو نہ رکھتی تھی بلکہ زیادہ تر ہم عصر مصری اور بابلی اشیاء کی نمونوں پر بنائی جاتی تھیں۔ فونیقی بعل (Baal) دیوتا کی پوجا کرتے تھے اور ان کے مختلف شہروں میں اسی دیوتا کے مختلف ناموں سے مندر تعمیر کئے گئے تھے۔

1193 ق م۔۔۔ ٹرائے کی تباہی

ہومر کی ہیلینڈ (Iliad) جنگوں کے متعلق سنائی جانے والی کہانیاں میں سب سے پہلی اور غالباً عظیم ترین کہانی ہے۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ کیسے ٹرائے کے بادشاہ پر یام کا بیٹا پارس سپارٹا کے بادشاہ مینن لاس کی بیوی ہیلن کو اغوا کر لیتا ہے۔ مینن لاس کی بیوی ہیلن اس وقت دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔

ہومر ٹرائے سے بدلہ لئے جانے کا گیت گاتا ہے۔ جب پارس اغوا شدہ ہیلن کی واپسی کے متعلق استہزایہ طور پر انکار کر دیتا ہے تو مینن لاس کا بھائی آگامیسٹون جو مینن کی بادشاہ اور یونان کا حکمران اعلیٰ تھا ٹرائے کے ایک قومی حریف کی حیثیت سے آگے آتا ہے۔ یونان کے تمام بادشاہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ بہادر اکلید، من جلا اوڈی سکس، شہ زور اجاکس اور دوسرے ایک بڑی فوج کے ساتھ ٹرائے کے میدان میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔ لیکن ٹرائے، پارس کے جنگجو بھائی ہیکٹر کی قیادت میں نو سال تک انہیں اپنی طرف پیش قدمی سے باز رکھتا ہے۔ ہیلینڈ کے علاوہ اوڈیسی میں ہومر نے ہمیں بتایا ہے کہ طویل محاصرے کے بعد چالاک اوڈیسی اپنی جنگی چال سے ٹرائے شہر کی دیواریں توڑ کر اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔

ہزاروں سال تک اس کہانی کو محض ایک فرضی قصہ سمجھا جاتا رہا اور ٹرائے کا وجود خود بھی افسانوی ہی رہا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جرمنی کے ایک شخص ہنرک ٹھیمان نے ہومر کا ٹرائے دریافت کرنے اور افسانے سے حقیقت ثابت کرنے کا عزم کیا۔ 1868ء میں وہ ٹرائے ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔

بحیرہ ایج (Aegean sea) کے شمال مشرقی کنارے حصارک کے مقام پر اسے بلا آخر ٹرائے مل گیا۔ اگرچہ 1822 میں چارلس میک لارن (Charles McLaren) نے بھی اس مقام پر ایک ٹیلے میں مدفون شہر کے کھنڈرات کو ہومر کے ٹرائے کے کھنڈرات قرار دیا تھا۔ مگر ٹھیمان کی کوششوں سے پہلے اسے کسی نے بھی ٹرائے کے طور تسلیم نہیں کیا تھا۔ ٹھیمان کو حصارک کے مقام پر یکے بعد دیگرے 9 شہروں کی باقیات ملیں۔ جو 3000 ق م کے ٹرائے سے لے کر تیسری صدی قبل از مسیح کے الیمین (Ilion) تک سے تعلق رکھتی تھیں۔

کانسی کے زمانے سے تعلق رکھنے والے اس شہر کا محل وقوع بہت خوب تھا۔ یہ عین اس بری راستے پر واقع تھا جو ایشیائے کوچک سے یورپ کو جاتا تھا۔ یہ اس بحری راستے کے بھی بہت قریب تھا جو وہ اناٹیا سے گذرتا تھا۔ صرف قزاقوں کے خوف سے پہلے آباد کاروں نے اپنا شہر سمندر سے کچھ فاصلے پر بسایا تھا۔ اگرچہ سمندر سے اس دوری کی وجہ سے تجارت کرنے والوں کو وقت محسوس ہوتی تھی۔ سب سے پہلا ٹرائے ان دو دریاؤں کے درمیان ایک پہاڑی چٹان پر بنایا گیا تھا۔ جنہیں بعد میں یونانیوں نے سامندر اور سیسکس کے نام دیے۔

پھر یہ شہر 9 صدی قبل از مسیح سے گذرا اور کبھی اجڑا اور کبھی آباد ہوا۔ 14 ویں صدی ق م کے وسط میں ایک زلزلے نے ٹرائے کو ہلا کر رکھ دیا تھا بڑی بڑی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی تھیں اور عمدہ مکانات کو زمین بوس کر دیا تھا۔ لیکن اس تباہی

ہومر کی بیان کردہ داستان کا یہ لکڑی کا گھوڑا کوئی تاریخی وجود رکھتا تھا یا کہ نہیں لیکن بات ثابت ہو چکی ہے کہ ٹرائے 1193 ق م کے قریب قریب حملہ آواروں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ ایک بار پھر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اسے جلایا گیا اور اس کی آبادی کا قتل عام کر دیا گیا۔ ٹرائے بحیرہ ایجیہ میں تجارت اور جہاز رانی کے اعتبار سے بالکل ختم کر دیا گیا۔ لیکن تقس اپنی راہ سے ایک بار پھر جی اٹھا۔ بچے کچے ٹرائیوں نے ایک اور شہر تعمیر کر لیا جو ماہرین اتریات کے نزدیک ہفتم تھا۔

کے بعد یہ شہر اس مقام پر آباد ہوا وہ ماہرین اتریات کے نزدیک ٹرائے سات الف ہے۔ یہ ہی دراصل پریم کا شہر تھا۔ یہ زلزلے سے پہلے آباد ٹرائے سے اگرچہ کچھ چھوٹا تھا مگر اس میں زندگی کی نچ بالکل وہی تھی جیسی جانی سے پہلے ہوا کرتی تھی۔ ٹرائے سات الف جلد ہی ایک سیاسی اور اقتصادی مرکز کے طور پر جانا جانے لگا۔ 1200 ق م کے قریب یونان کی دیگر ریاستوں نے اس کی اس ترقی سے پریشان ہو کر اس کے خلاف آگامیسون کی قیادت میں اتحاد قائم کیا۔

ہومر کی بیان کردہ داستان ہیلن کی حقیقت کے متعلق تو بہت سے محققین نے افسانوی ہونے کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اسی قسم کا اغوا کیالواقع ہوا ہو لیکن ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی بیوی کو اغوا کر لئے جانے کا معمولی واقعہ یونانی حکمرانوں کو ٹرائے کے خلاف جنگ پر نہیں اکسا سکتا تھا۔ یونان اس قدر کمزور اور منقسم تھا کہ اس قسم کا معمولی واقعہ اسے سیاسی طور پر متحد نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن دوسری طرف ٹرائے پر حملے کی دوسری وجوہات اور بہتر وجوہات موجود تھیں ٹرائے ایک حد درجہ دولت مند شہر تھا۔ اس کی فتح سے بہت سے مال غنیمت اور غلام ہاتھ لگ سکتے تھے۔ ٹرائے ایک پریشان کن شہر تھا جس نے درہ وانیال کی تجارتی راہ مسدود کر رکھی تھی ٹرائے کو راستے سے ہٹا دینے سے یونانی جہاز آزادی سے ایشیا تک جاسکتے تھے۔ پھر ٹرائے تجارتی منزلوں میں بھی ایک بڑا مقابل تھا جس نے اپنی مصنوعات دور دور تک پھیلا رکھی تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یونانی بادشاہ ٹرائے کے خلاف متحد ہو سکتے تھے۔ شاید انہیں وجوہات کی بنا پر ٹرائے کی جنگ لڑی گئی ہو۔

حملہ آور 1199 ق م میں روانہ ہوئے۔ یونان کے ہر شہر سے آدمی فوج میں آ شامل ہوئے۔ نہ صرف مسی نی اور سپارٹا جو میمنون اور مینی لاس کے شہر تھے، نے اپنی افواج اس جنگ کے لئے روانہ کیں۔ بلکہ یونان کے اس عظیم دور کے ہر شہر پائیسوس، آرگوس، اتھا کا، کریت، رھوڈز اور تیز بھی اس مہم میں شریک ہوئے۔ عین ممکن ہے کہ مکمل ہیلن کا اغوا ہی جنگ شروع کرنے کا سبب بنا ہو۔ لیکن یونانیوں کو جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ جنگ شروع کرنا جنگ جیتنے سے کہیں زیادہ آسان کام ہے۔ کیونکہ ٹرائیوی باشندوں نے ثابت کر دیا کہ وہ قہر تڑپیں جسے فوراً ہی منہ میں رکھ لیا جائے۔ شاہ پریم نے ایشیائے کوچک کے علاقوں اور سرزمین یونان پر واقع تھریس سے لوگ بھرتی کر کے ایک بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔

ایک بڑی فوج بڑ جنگ کے بعد آگامیسون کی فوجوں نے ٹرائے کے قریب ساحل پر قدم بجائے اور ایک طویل عرصہ تک وہیں پڑاؤ قائم کئے رکھا۔ ہومر ہمیں بتاتا ہے کہ محاصرہ دس سال جاری رہا۔ شاید یہ شاعر کی مبالغہ آرائی ہو اور ممکن ہے کہ حقیقت ہو۔ یونانیوں کے پاس محصور شہر کی فیصلوں کو توڑنے کے لئے کوئی مشین نہیں تھی۔ وہ اپنے ملک سے بہت دور اور شاید رسد سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ اس لئے انہیں ٹرائے کے ارد گرد پھیلے ہوئے چھوٹے شہروں پر خوراک کی خاطر حملہ کرنا پڑا۔

ہومر ہمیں بتاتا ہے کہ ٹرائے کا یہ طویل محاصرہ اس وقت ختم ہوا جب یونانی لشکر میں سب سے ذہین اوڈیسیس نے لکڑی کا بہت بڑا گھوڑا تیار کر کے رات کے اندھیرے میں اسے ٹرائے کے دروازے کے سامنے رکھ چھوڑا تھا۔ ایک ٹرائیوی پروہت کی اس گھوڑے پر نظر پڑی اور اہل ٹرائے اسے دیوتاؤں کا تھن سمجھتے ہوئے شہر کے اندر لے آئے۔ لکڑی کے گھوڑے کے اندر یونانی سپاہی چھپے ہوئے تھے۔ وہ کود کر باہر نکل آئے۔ ابھی اہل ٹرائے سنبھل نہ پائے تھے کہ انہوں نے آگامیسون کے لشکر کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔

رفت یہ ہوئی کہ تاؤ ازم وجود میں آیا۔ اسی عہد میں دنیا کی سب سے پہلی لغات وجود میں آئی۔ غریبہ چاؤ میں چین نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی اور معلوم انسانی دنیا میں ایک متمدن ملک بن گیا۔

1122 ق م۔۔۔۔۔ چین میں ”چاؤ“ خاندان کی حکومت کا قیام

چین میں شاگ خاندان کے ایک جاگیردار نے 1760 ق م میں یں خاندان کی حکمرانی قائم کی تھی۔ اس خاندان کے عہد میں سلطنت کی مزید توسیع ہوئی۔ انتظامی امور درست کئے گئے۔ موسیقی اور علم ہیئت کو ترقی ہوئی۔ شمالی چین میں ان دنوں ایک ”چاؤ“ ریاست قائم تھی جس کے نواب بہت انتظم لوگ تھے۔ انہوں نے وحشی قبائل (تاتاریوں) کے حملوں کو روک تمام کے لئے باقاعدہ طور پر فوج رکھی ہوئی تھی۔ 1154 ق م میں یں خاندان کا آخری بادشاہ چاؤ سن تخت پر بیٹھا۔ اس نے ایک ہمسایہ ریاست سو پر حملہ کیا اور اس ریاست کی ایک فاحشہ عورت ”ٹاکی“ پر عاشق ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ اس عورت نے جلد ہی سلطنت کے امور میں مداخلت شروع کر دی۔ اس کی شکایت کرنے پر دو امراء کو قتل کرا دیا گیا جب کہ کئی اور قید کر دیئے گئے۔ اس پر چاؤ ریاست کے نواب دوگ وائگ نے احتجاج کیا تو اسے بھی قید کر لیا گیا۔ دوگ وائگ کے بیٹے نے اپنے باپ کو قید سے چھڑایا۔ 1122 ق م میں چاؤ کے نواب نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اور یں خاندان کی حکومت ختم کر کے چاؤ خاندان کی حکومت قائم کر دی۔ اور یں خاندان نے اپنے قیمتی ساز و سامان سمیت اپنے شاہی محل کو آگ لگا دی اور خود بادشاہ بھی اسی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

اہل چین کی تاریخ میں اس بغاوت اور اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگ کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے اور لکھا ہے کہ ریاست چاؤ کے حکمران نے سات لاکھ لاکھ لے کر شہنشاہ پر چڑھائی کی تھی۔ ایک بڑی خوفناک جنگ کے بعد جس میں چینی روایات کے مطابق اتنا خون بہا کہ لکڑی کے شہتیر بھی تیرنے لگے تھے بلا آخر ریاست چاؤ کے حکمران کو کامیابی حاصل ہوئی۔ آخری یں شہنشاہ اتنا ظالم تھا کہ وہ انسانوں کو کباب و سیخ کی طرح بھناتا تھا اور انسانوں کو ایسے بچنے بانس پر چڑھنے کا حکم دیتا کہ جس کے نیچے آگ کا لاؤ روشن ہوتا۔

چاؤ خاندان نے چین پر تقریباً پانچ سو سال حکومت کی اس خاندان کے عہد میں دوسرے امور کے علاوہ چین نے سائنس کے میدان میں خوب ترقی کی۔ خود چاؤ خاندان کے بانی دوگ وائگ نے چین میں ایک ابتدائی فلکیاتی رصد گاہ قائم کی تھی۔ اسی کے دربار کے دانشوروں نے دنیا کی پہلی ”Almanac“ ترتیب دی تھی اور نئے سال کے آغاز کے لئے ایک متعین تاریخ مقرر کی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ مشرق بعید میں کیلنڈر کا آغاز تھا اس عہد کے چینی نجوم چاند اور سورج کو لگنے والے گرہنوں کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے۔ علم طب میں ترقی کی وجہ سے دغ مند کرنے والی کئی ادویات بھی اسی دور میں دریافت ہوئیں تھیں۔ آکوپنچر یا مخصوص چینی شعبہ طب میں بھی خاصی پیش رفت ہوئی۔ چاؤ عہد کے چین میں آرٹ اور فنون لطیفہ کے شعبے میں بھی خاصی ترقی ہوئی۔ چینی مصوروں نے بحری مہمات کے لئے خوبصورت اور قابل عمل نقشے بھی ترتیب دیئے۔ چاؤ عہد میں چینی بحری جہازوں نے سمندر کا سینہ چھان مارا۔

اسی عہد میں چین نے ادب کے میدان میں بھی ترقی کی اور کئی بے مثال ادبی فن پارے وجود میں آئے۔ مذہبی پیش

1122 ق م۔۔۔ آشوری سلطنت کا عروج اور تلگت پلاسر اول کی تخت نشینی

آشوری (Assyrian) لوگ سامی نسل تھے۔ ابتدا سے یہ دوسرے سامی نژاد لوگوں کے ساتھ بابل میں رہتے تھے۔ البتہ ان کی زبانیں اپنے بانی عزیزوں کی زبان سے مختلف تھی۔ ان کی معاشرت کا انحصار تجارتی کاروانوں پر تھا۔ ان کا رواؤں کی حفاظت کے لئے وہ اکثر ان کے ہمراہ مسلح سپاہیوں کے دستے بھیجا کرتے تھے جو انہیں آس پاس کے صحرائی قبائل کے لئے انہ جملوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ صحرائی قبائل سے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے سلسلے میں اکثر ان کی جھڑپیں ہوتی رہتیں تھیں۔ یہ جھڑپیں کبھی کبھار چھوٹی موٹی جنگوں کی صورت اختیار کر لیتی تھیں۔ اس کے ساتھ آشوری زراعت پیشہ بھی تھے۔

ایک طویل عرصے تک آشوری قوم بابلیوں کی حکمرانی میں رہی۔ اس کے بعد ان پر طاقتور حیتوں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ تیرہویں صدی قبل از مسیح میں جب حیتوں کی طاقت کا شیرازہ بکھرا تو آشوری ایک آزاد قوم کی حیثیت اختیار کر گئے اور انہوں نے اپنی ایک الگ مملکت قائم کر لی۔ چونکہ ان کی مملکت سرزمین بابل کی طرح زرخیز اور شاداب نہ تھی اس لئے انہوں نے لوٹ مار اپنا پیشہ بنالیا۔ جنگوں کا تجربہ انہیں پہلے ہی تھا اب حیتوں کے زیر سایہ انہوں نے لوہے کا استعمال بھی سکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ ایک ناقابل تغیر قوم کی شکل اختیار کر گئے۔ ہر سال موسم بہار میں وہ اپنے ہمسایہ ممالک کو تاخت و تاراج کرتے اور قتل و غارت مچاتے۔ جو لوگ ان کے ہاتھوں اسیر ہوتے، انہیں وہ غلام بنا لیتے اور ان سے محنت و مشقت کے کام لیتے۔ آشوری انتہائی بے رحم اور شقی القلوب لوگ بننے چلے گئے۔ وہ قتل و غارت کو دیوتاؤں کی مرضی و منشا کے مطابق خیال کرتے تھے۔ ان کی سنگدلی کی ایک وجہ موزنن نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ ان کی تعداد کم تھی اور ان کے تابع فرمان علاقے بہت وسیع تھے اس لئے وہ مفتوح اقوام کو مرعوب اور مطیع رکھنے کے لئے ان کے ساتھ سہمانہ سلوک رواد رکھتے تھے۔

آشوری تاریخ میں پہلا بڑا نام تلگت پلاسر اول کا ہے وہ 1115 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کی قدیم تحریروں کے مطابق وہ خدا کا ایک طاقت ور شکاری تھا۔ انہیں تحریروں کے مطابق اس نے پیدل شکار میں 120 شیر مارے تھے جب کہ رتھ پر سوار ہو کر شکار کئے جانے والے شیروں کی تعداد 800 بتائی گئی ہے۔ یہی شانہ تحریروں میں بتاتی ہیں کہ کس طرح اس نے جانوروں کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کا شکار کیا۔ حیتوں، آرمینوں اور دیگر چالیس اقوام کو مسخر کرتا ہوا وہ ہر سمت میں اپنی فوجیں لے کر گیا۔ بابل پر قبضہ کر کے اس کے کسدیوں کی حکمرانی ختم کر دی اور ایک بڑی آشوری سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مصر کے حکمرانوں کو خوفزدہ کر کے اس نے ان سے تحائف وصول کئے۔ (دریا نیل کے ایک مگر مجھ سے اسے خاص طور پر تسکین ہوئی تھی) اپنی تسخیرات سے حاصل ہونے والے مال متاع سے اس نے آشوری دیوتاؤں اور دیویوں کے لئے معبد تعمیر کرائے۔ اسی دور میں اہل بابل نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی فوجوں کو شکست دی۔ اس کے تعمیر کردہ معبدوں کو مسمار کر دیا اور اس کے دیوتاؤں کو بابل کی اسیری میں لے لیا گیا۔ یہ صدمہ تلگت پلاسر اول کی موت کا باعث بنا۔ اس کا دور اس داستان فتح و شکست کے باوجود آشوری تاریخ کی علامت اور خلاصہ تھا۔

1020 ق م۔۔۔ ساؤل کی تخت نشینی

ارض موعود میں قیام کے ایک عرصہ بعد بنی اسرائیل اپنے پیغمبر حضرت سموئل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ التجا کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایک بادشاہ عطا کرے تاکہ وہ متحد ہو کر دشمنوں سے لڑ سکیں اور ان کی ذلت اور رسوائی دور ہو۔ حضرت سموئل نے دعا کی تو یہ وحی نازل ہوئی کہ طاوت یا ساؤل کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بننے کے لئے چنا ہے۔

ساؤل ایک نہایت جہیم اور قد آور نوجوان تھا اسے بادشاہ منتخب کیا گیا تو وہ تخت پر بیٹھے ہی دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلا اور اس کے ساتھ بنی اسرائیل بھی نکلے۔ بنی اسرائیل کے پاس ہتھیار و ساز و سامان کی سخت کمی تھی۔ اس زمانے میں دعات کی صنعت پر فلسطین کی اجارہ داری تھی انہوں نے انہن گروں کو بنی اسرائیل کے علاقے میں جانے سے روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ ساؤل اور اس کے بیٹے یشتن کے علاوہ کوار یا نیزہ کسی کے پاس نہیں تھا۔ لیکن سرو سامان کی اس شدید کمی کے باوجود ساؤل نے بڑی بہادری سے اسرائیل کے تمام دشمنوں کے خلاف کامیاب جنگ کی اور انہیں شکست دی۔

ساؤل کے بیٹے نے بنی اسرائیل کا لشکر لے کر فلسطین پر حملہ کیا اور نہایت کامیابی سے انہیں پسپا کر دیا۔ اس کے بعد دشمنان بنی اسرائیل متحد ہو کر بنی اسرائیل سے لڑنے کے لئے حملہ آور ہوئے۔ حضرت سموئل کا ساؤل نے مل کر ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دی۔

اس کے بعد حضرت سموئل نے ساؤل کو عاتقہ کی طرف روانہ کیا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ انہیں اور ان کے موبیشوں کو تہ تیغ کر دیں۔ ساؤل نے ایسا ہی کیا مگر عاتقہ کے بادشاہ کو اس کی التجا پر چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت سموئل پر وحی نازل ہوئی کہ طاوت (ساؤل) کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور اس کی حکومت سلب کر لی گئی ہے۔ حضرت سموئل نے اس وحی سے ساؤل کو مطلع کیا اور خود اس کا بایکٹ کر دیا۔

انہیں دونوں حضرت سموئل نے خدا کے حکم پر حضرت داؤد کو اپنا نائب منتخب کیا۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ اھر جاوٹ نے فلسطین کو ابھار کر بنی اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اسی جنگ میں جاوٹ حضرت داؤد کے ہاتھوں مارا گیا اور حضرت داؤد بنی اسرائیل کے بادشاہ منتخب کر لیے گئے۔

ماخذ

قاموس الکتاب صفحہ نمبر 490۔ تاریخ ابن خلدون جلد اول۔

بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث اس کے نیک بندے ہونگے۔ ایک روایت کے مطابق زبور موعظ و حکم کا مجموعہ تھی۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو خوبصورت آواز بھی عطا کی تھی اور آپؑ ایک خوش گلو انسان تھے۔ چنانچہ کن داؤد ضرب
الصل بن چکا ہے۔

اسرائیلی روایات اور خرافات اس کے برعکس ہیں۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کے پہلے
بادشاہ طالوت کے دربار میں ایک ماتحت کے طور پر کام کرتے تھے اور وہ بادشاہ کے داماد بھی تھے فلسطین کے خلاف ان کی
جنگجوانہ کاروائیوں سے جب ان کی مقبولیت بڑھی تو حد کے مارے بادشاہ ان کے خلاف ہو گیا اور حضرت داؤدؑ کو دربار
طالوت سے بھاگنا پڑا۔ آپؑ جنوبی یہوداہ اور فلسطیانہ میں ایک غیر قانونی بھگڑے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں
آپ کے گرد ایک باقاعدہ فوج اکٹھا ہو گئی اور آپؑ ایک طرح سے رابن بنڈ کی زندگی گزارنے لگے مگر اس کے باوجود آپؑ
محب وطن رہے۔ اسی وجہ سے آپؑ یہوداہ کے بزرگ انسانوں کی نظر میں ایک پسندیدہ نوجوان تھے۔ پھر جب ایک جنگ کے
دوران بادشاہ طالوت اور اس کا ولی عہد بیٹا جو تھن مارے گئے۔ تو بنی اسرائیل نے بلا تعلق حضرت داؤدؑ کو بادشاہ بنالیا۔ دل
ڈیوڈیوراثت اپنی کتاب میں بائبل روایات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ پہلے بادشاہ طالوت کے بعد کافی قتل و
غارت کے نتیجہ میں برسر اقتدار آئے وہ جالوت کے ہیر واندہ قاتل، یوخن اور متعدد خادماؤں کے نرم دل محبوب، وحشی رقصوں
کے نیم برہنہ رقص دل لہانے والے بریل نواز، شاندار نغموں اور حمدوں کے بیٹھے گلوکار اور تقریباً 40 برس تک یہودیوں پر
کامیابی سے حکومت کرنے والے حکمران تھے۔ بنی اسرائیل کی روایات میں حضرت داؤدؑ ایک متضاد و متناؤں والے شخص کے طور
پر ابھرتے ہیں۔ دشمنوں کے ساتھ میز ر اور مسیح جیسی نرمی برتنے کے لئے تیار اور کسی بھی آشوری حکمران کی طرح تمام جنگی
قیدیوں کو مار ڈالنے والے اپنے بیٹے کو اس بوڑھے سخی کا ”خون میں تر سفید سر لانے کے لئے بھی بھیجتے نظر آتے ہیں۔ جس
نے بہت سال پہلے بددعا دی تھی۔ نفس پرستی کے ساتھ اربابہ کی بیوی کو اپنے حرم میں شامل کر کے اربابہ سے نجات پانے کے
لئے اسے جنگ کے اگلے محاذوں پر بھیجتے ہوئے بھی (اسی واقعہ کو قرآن حکیم نے نناوے نبیوں کے استعارے کے ساتھ پیش
کیا) اس قصے کے قائلین کے لئے حضرت علیؑ نے حد فذف کا اعلان کیا تھا۔

بہر حال اسرائیلی روایات کے مطابق آپؑ ایک مختلف عناصر والے مستند انسان تھے جو اپنے اندر بربریت کی علامات
بھی رکھتے تھے اور تہذیب کی تمام امتیازی خصوصیات بھی۔

1000 ق م۔۔۔ حضرت داؤدؑ اور سلطنت اسرائیل

بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت (Saul) کی قیادت میں ایک لشکر فلسطین (Philistines) کی دیویکے سردار
جالوت (Goliath) کے خلاف برسر پیکار تھا۔ جالوت کے مقابلے میں آنے والے اکثر اسرائیلی یا تو مارے جاتے یا پھر بری
طرح زخمی ہو جاتے تھے۔ اس کیفیت کی وجہ سے اسرائیلی نوجوان جالوت کے مقابلے میں جانے سے پس و پیش سے کام لے
رہے تھے۔ ایسے میں ایک نوجوان اسرائیلیوں کی صفوں سے نکلا اور دیویکے جالوت کے مقابلے میں آ گیا۔ اس نوجوان کے
پاس ایک عصا اور ایک فلاخن بطور ہتھیار تھے۔ وہ ایک قرسی نالے سے پانچ پکنے پتھر حملہ کی غرض سے اٹھا کر ساتھ لایا تھا۔
جالوت کے مد مقابل آنے پر اس نے ایک پتھر فلاخن میں رکھ کر مارا، وہ پتھر ٹھیک نشانے پر لگا اور جالوت سر پر پتھر لگنے سے
چکرا کر گر پڑا۔ نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد تمام فلسطینی میدان چھوڑ کر بھاگ
نکلے اور اسرائیلیوں کو فتح نصیب ہوئی۔

یہ جری اور باہمت نوجوان حضرت داؤدؑ تھے۔ وہ اس جنگ میں شامل ہونے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ اپنے
بھائیوں کی خبر گیری کرنے آئے تھے مگر صورت حال دیکھ کر قوی جذبے کے تحت حضرت طالوت کی اجازت سے میدان
جنگ میں کود پڑے تھے۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ یہود کے خاندان (سبط) سے نبوت اور انرا نیم کے خاندان
(سبط) سے سلطنت مختص تھی مگر قتل جالوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو شہرت و عظمت کے ساتھ نبوت اور سلطنت
بھی عطا کی۔ (البقرہ)

حضرت داؤدؑ کے بادشاہ بننے کے بعد اسرائیلی قوم کے عروج و فتوحات کا دور شروع ہو گیا۔ اسرائیلی جو پہلے فلسطین
کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا شکار تھے۔ اب پورے ملک فلسطین کے مالک بن گئے۔ اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد
حضرت داؤدؑ نے دار السلطنت ہبرون (Hebron) (بھلیل) سے پرولم منتقل کر دیا اور ایک وسیع تر سلطنت اسرائیل کی بنیاد
رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے سلطنت داؤدؑ کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا۔ ”و شدد ملکہ“ (38 ص: 25) چنانچہ
مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کو خدا نے ساری اقوام کے تمام خطوں کی حکومت عطا کی تھی جس میں شام، عراق،
فلسطین اور جزیرہ عرب کے بعض حصے شامل تھے۔ بنی اسرائیل کا یہ دور عروج حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اوج کمال کو پہنچا۔
حضرت داؤدؑ کے عہد سے پہلے اسرائیلی لوہے کی اشیاء اور ہتھیاروں کے لئے فلسطین کے دست مگر تھے اور لوہے سے اشیاء
بنانے کے فن سے نا آشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کو موم کر دیا اور اس طرح لوہے کی صنعت اور زرہ
سازی میں بنی اسرائیل خود کفیل ہو گئے۔

حضرت داؤدؑ کا شجرہ نسب گیارہ پشتوں کے بعد حضرت ابراہیمؑ سے جلتا ہے۔ آپؑ خدا کے برگزیدہ بندے اور
صاحب کتاب نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر الہامی کتاب ”زبور“ نازل فرمائی۔ اسی ”زبور“ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے

کے نیچے ہے) بیکل کا ڈیزائن مصری، آشوری اور بابلی آرائشی نمونوں سے ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ معبد کلیساؤں کے برعکس ایک متعدد عمارتوں پر مشتمل ایک چار اضلاعی عمارت تھی جس کا مرکزی ڈھانچہ معتدل جنتوں والا تھا۔ یہودی روایات کے مطابق اس معبد کے اندر جتنا سامان تھا وہ سب سونے اور چاندی سے بنایا ہوا تھا۔ بیکل کی مرکزی عمارت کے سامنے کوئی ایک سوای فٹ بلند سونے سے ڈھکا ہوا ایک پورچ یا ڈیورس تھی مرکزی چھت کے شبیروں، کھیموں اور دروازوں، شمع دانوں، گل گیروں، عود دانوں اور چلیوں تک پر سونے کا مسرفانہ استعمال کیا گیا تھا۔ اندر قیمتی پتھروں سے مرصع سونے کے پترے چڑھے زیچون کی لکڑی کے بنے تابوت یکینہ میں حضرت یوسفؑ کا جسد مبارک اور دیگر پیغمبران بنی اسرائیل کے تبرکات محفوظ تھے۔ حضرت موسیٰؑ اسے مصر سے ہمراہ لائے تھے اور حضرت داؤدؑ کی خواہش تھی کہ وہ تبرکات والے اس صندوق یا تابوت یکینہ کے لئے ایک مستقل گھر بنائیں بیکل کی تعمیر اس خواہش کی تکمیل میں ہوئی تھی۔ وہ فرشتے تابوت یکینہ کی حفاظت کے لئے متعین تھے۔ بیکل کے بیرونی حلقہ میں بیتل کے حوض نصب کرائے گئے تھے۔ جو بیتل سے بنے ہوئے بیلوں کی پشت پر قائم تھے بیکل کی تمام قربان گاہیں سونے کی تھیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اس معبد کے صدر دروازے پر بیتل کے بڑے ستون بھی نصب کرائے تھے جن کا قطر بارہ ہاتھ تھا۔ بیکل خداوندی سے منسوب تمام ظروف بھی سونے چاندی ہی کے تھے۔

دیواریں بڑے بڑے چوکور پتھروں کی تھیں۔ چھت، ستون اور دروازے دیوار اور انخیر کی لکڑی سے تراشے گئے تھے۔ زیادہ تر تعمیریں سامان نوبقیہ سے لایا گیا تھا اور زیادہ تر تعمیریں کام بھی لبنان الاصل و دستکاروں سے کرایا گیا تھا۔ لیکن افسوس اتنے جاہ چشم سے تعمیر ہونے والی یہ عمارت سلیمانؑ کے اولین جانشین رجھام کے عہد میں اپنی آرائش و زیبائش سے محروم ہو گئی۔ تقریباً 930 ق م میں ایک فرعون مصر سیکس یا سبیساق نامی نے یروشلم پر چڑائی کی اور معبد کا بہت سا طلائی ساز و سامان لوٹ کر لے گیا۔

مورخین کے مطابق بیکل اس دور کی سب سے بہترین عمارت تھی۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد بھی اس سے ملحقہ ریبوں اور خادموں کے لئے رہائش گاہیں بنائیں گئیں اس کے علاوہ ہر آنے والا بادشاہ بیکل کی بارہ دریوں اور برآمدوں میں اضافہ کرتا رہا۔ بیکل سلیمانی کی مکمل طور پر بربادی بابل کے حکمران بخت نصر کے ہاتھوں 586 ق م میں ہوئی۔

965 ق م۔۔۔ معبد سلیمانی کی تعمیر

حضرت ابراہیمؑ نے 1900 ق م کے لگ بھگ اسے ہجرت کی تھی۔ ان کے ساتھ چند عبرانیوں پر مشتمل ایک گروہ تھا۔ اس ہجرت کے تقریباً 900 سال بعد ان چند عبرانیوں نے ایک مکمل قوم کی حیثیت اختیار کر لی۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ یہ قوم مصر سے نکلنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ مگر ارض موغود (فلسطین) میں داخل نہ ہو سکی تھی۔ ایک طویل عرصہ کی بادیہ چٹائی کے بعد بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ایک جانشین حضرت یوشعؑ کی قیادت میں فلسطین فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر طاوت اور حضرت داؤدؑ کے عہد میں ایک زبردست اسرائیلی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا اس سلطنت نے حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بے حد عروج حاصل کیا۔

حضرت سلیمانؑ علم و حکمت اور فہم و فراست میں یکائے زمانہ تھے۔ انہیں اقتدار بھی ایسا عطا ہوا تھا کہ ان کے بعد بنی اسرائیل میں پھر کسی کو میسر نہ آ سکا۔ ہوا، دوش و طیور راجن و انس سب ان کے تابع فرمان تھے۔ عدل و انصاف قائم کرنے میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ بقول مورخین وہ حضرت داؤدؑ کی وفات کے بعد 13 سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے (بعض مورخین تخت نشین کے وقت آپ کی عمر 22 سال بتاتے ہیں)۔ آپؑ نے 40 سال حکومت کی حضرت سلیمانؑ کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے ہم نے سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس کی صبح کی منزل مہینہ بھر کی راہ ہوتی تھی اور پچھلے ہوئے تانبے کا اس کے لئے چشمہ بہا دیا تھا (تانبے کی ان بھٹیوں کے آچار مل چکے ہیں جو بندرگاہ ایلات کے قریب وجوار میں تھیں) کہ اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن، دیکیں وغیرہ تیار کرتے تھے (34 سبا 12، 13) مشہور اسرائیلی مورخ ول ڈیورانت لکھتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یروشلم میں چاندی سونے کی ایسی بہتات تھی کہ جیسے گلیوں میں کنکر۔ مال و دولت کی اس فروانی کے بعد حضرت سلیمانؑ نے یروشلم کو ایک معبد اور ایک نئے محل سے زینت بخشنے کا ارادہ کیا۔

اگرچہ اس معبد یا بیکل کی بنیاد حضرت داؤدؑ نے اپنے عہد میں رکھ دی تھی مگر اس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں ہی ہوئی بلکہ آپؑ کے انتقال کے بعد بھی چند ماہ تک اس کی تعمیر کا کام جاری رہا۔ جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اکثر تجلیے میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؑ ایک عصا کے سہارے عبادت کے لئے کھڑے ہوئے تھے کہ روح نے جسم سے مفارقت کر لی اور جسم بدستور لکڑی کے سہارے کھڑا رہا۔ جس کی وجہ سے تعمیر بیکل کا کام جاری رہا کیونکہ اگر آپؑ کی وفات کا حال فوراً معلوم ہو جاتا تو جن، جو کسی اور کارعب نہیں مانتے تھے، کام چھوڑ کر بھاگ جاتے، مگر ماہ تک جب عصائے سلیمانؑ کو دیکھ کر کھالیا اور حضرت سلیمانؑ گر پڑے تب ان کی موت کا علم ہو سکا۔

معبد کے لئے جگہ ایک پہاڑی پر منتخب کی گئی تھی۔ اس کی دیواریں کسی یونانی دیوی کے مندر کی مانند بلند تھیں اور چٹانی ڈھلوانوں سے سیدی اوپر کی جانب اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ (قریب قیاس ہے کہ معبد کی جگہ مسلم زیارت گاہ الحرم شریف

نبی نے اسے تنبیہ کی کہ خدا کے حکموں کی نافرمانی کے نتیجہ میں خدا کا غضب نازل ہوگا اور یربعام کا شاہی خاندان ختم ہو جائے گا۔ لیکن ان تمام تنبیہوں کے باوجود یربعام نے بت پرستی جاری رکھی۔ داخلی انتشار نے اسرائیل کو اتنا کمزور کر دیا کہ یربعام کے بیٹے ایہام کے عہد میں یہوداہ نے اسرائیل سے بیت ایل کا شہر چھین لیا۔

چند ہی سالوں میں یربعام کے خلاف ہونے والی پیش گوئی پوری ہوئی اور یربعام کے بیٹے نب کو دو سال بھی حکومت کرنا نصیب نہ ہوئی وہ فلسطین کے شہر صحتون کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ جھٹانے اسے قتل کر دیا اور اس طرح یربعام کے خاندان کی حکومت ختم ہوئی۔

مآخذ

عہد نامہ متیق۔ عہد متیق کا تاریخی سفر۔ از جیکب سمویل شلوا، قاموس الکتاب

931 ق م۔۔۔ شمالی سلطنت کی علیحدگی

حضرت داؤدؑ نے بنی اسرائیل میں اتحاد قائم کر کے انہیں ایک متحد قوم بنادیا تھا۔ مگر سلیمانؑ کی موت کے ساتھ ہی یہ اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور اس کے فوری نتیجے میں شمالی سلطنت قائم ہوئی جو یہوداہ اور سلطنت ارام (شام) کے درمیان واقع تھی۔ یہ سلطنت اسرائیل کہلائی۔

حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یروشلم کی وہ دیوار تعمیر ہوئی جو آج کل ”ملو“ کے نام سے مشہور ہے اس دیوار کی تعمیر کی نگرانی حضرت سلیمانؑ نے یربعام کے سپرد کی تھی۔ وہ بہت اچھا تنظیم ثابت ہوا۔ جن دنوں وہ یہ دیوار تعمیر کروا رہا تھا۔ اخیاہ نبی نے بڑے ڈرامائی انداز میں اسے خدا کا پیغام پہنچایا۔ اس نے اپنا چہ بچاڑ کراس کے پارہ ٹکڑے کیے اور دس ٹکڑے یربعام کو دے دیے۔ جس کا مطلب تھا بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے دس پر وہ حکومت کرے گا۔

حضرت داؤدؑ کو بھی بادشاہ بننے سے پہلے اسی طرح بادشاہ بننے کی بشارت دی گئی اور انہوں نے انتظار کیا تھا مگر یربعام یہ بشارت پا کر بغاوت پر اتر آیا چنانچہ حضرت سلیمانؑ اس سے ناراض ہو گئے اور وہ فرار ہو کر فرعون مصر کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ اور حضرت سلیمانؑ کی وفات تک وہیں رہا۔

سلیمانؑ کے بیٹے رجحام نے قوم کو سکھ میں جمع ہونے کی دعوت دی تو یربعام کو بھی وطن واپس آنے کی دعوت دی گئی تاکہ وہ ہزرگوں کی بات کی حمایت کرے کیونکہ انہوں نے حضرت سلیمانؑ کے نافذ کردہ ٹیکسوں میں کمی کرنے کی درخواست کی تھی۔ رجحام نے ان کے اس مطالبہ کو یکسر مسترد کر دیا جس کی وجہ سے اس کے خلاف بغاوت ہو گئی اور اس کی حمایت میں صرف یہوداہ اور بن یمن کے قبیلے رہ گئے باقی دس قبیلوں نے علیحدہ ہو کر یربعام کو اپنا بادشاہ بنالیا۔

سمعیہ ان کے خلاف مزید عسکری کارروائی کرنا چاہتا تھا کہ اسے سمعیہ نبی نے خبردار کیا اور فوجوں کو روکنے کی ہدایت کی۔ یوں ملک خانہ جنگی اور خونریزی سے بچ گیا۔ اس طرح رجحام کو چھ تین گوتی کے مطابق اپنی علیحدہ سلطنت قائم کرنے کا موقع مل گیا اور اس نے شمالی سلطنت قائم کی۔

رجحام نے 22 سال تک حکومت کی ان سالوں میں یربعام اور رجحام دونوں کے درمیان ہمیشہ جنگ رہی۔ رجحام کی وفات کے بعد یربعام نے یہوداہ پر حملہ کر دیا۔ یہوداہ کے نئے بادشاہ ایہام نے اس کی فوجوں کو مار بھگا یا اور بیت ایل اور اسرائیل کے کئی دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شاید اسی وجہ سے یربعام کو اپنا دار السلطنت بدلنا پڑا اس نے دریائے اردن کے مشرق میں فونیل (Phenuel) کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔

یربعام انہیں چاہتا تھا کہ اس کے لوگ مذہبی رسومات اور مذہبی تہواروں کی ادا نگلی کے لیے یروشلم جائیں لہذا اس نے مذہبی امور میں تہذیبیاں اور بیت ایل میں سنہری چھڑے نصب کروائے جس سے اسرائیل میں بت پرستی شروع ہو گئی۔ یربعام کی مذہب پر دست درازیاں جب بڑھنے لگیں تو ایک گنام نبی نے اسے خبردار کیا مگر اس نے توجہ نہ دی۔ پھر اخیاہ

930 ق م۔۔۔ فرعون مصر شیشونک اول کا حملہ یروشلم

حضرت سلیمان اپنے بعد یربعام (Jeroboam) نامی ایک یہودی سردار کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے مگر یربعام نے ان کی زندگی ہی میں ان کی حکم عدولی کر کے مصر کی راہ لی۔ جب حضرت سلیمان وفات پا گئے تو ان کے بیٹے رجعام (Rehoboam) کو ان کا جانشین بنادیا۔ وہ ایک کمزور حکمران ثابت ہوا اس کے عہد میں یہوداہ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یربعام نے الگ بادشاہی کا اعلان کر دیا اور سلطنت اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ بنی اسرائیل کے دس قبیلوں نے اس کی اطاعت اختیار کی۔ رجعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگ رہی۔

رجعام کے عہد کے پانچویں سال فرعون مصر شیشونک اول نے فلسطین پر حملہ کر دیا۔ مصری کتیبوں کے مطابق اس نے فلسطین کے 154 شہر تاراج کیے۔ یروشلم میں یہودیوں کے معبد ہیکل سلیمانی کو سلیمان کے عہد کے بعد پہلی مرتبہ لوٹا۔ سلیمان نے یروشلم میں بہت سے محل بھی تعمیر کروائے تھے۔ شیشونک اول نے ان شاہی محلات میں گھس کر انہیں بھی لوٹ لیا۔ رجعام سے خراج کی ادائیگی کے وعدے پر اپنی جان اور حکومت بچائی۔ شیشونک اول مصر کے لیے اچھا حکمران ثابت ہوا مگر اپنے عہد میں ملک متحد رکھنا اس کے لیے مشکل تر ثابت ہوا لیبیائی لوگ مرکزی مصر میں بکھرے ہوئے تھے اور آزاد رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مصر میں رہنے کے باوجود اپنے صحرائی انداز نہ بدلے۔ ان کے اس رویے کو دیکھ کر مقامی مصریوں نے بھی مرکز کے خلاف بغاوت کی جو بادی گئی۔

913 ق م۔۔۔ آسا کی تخت نشین

913 ق م میں سلطنت یہودیہ کا تیسرا اہم بادشاہ آسا (Asa) تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں عزریاہ بن عود اور حنانی پیغمبر تھے۔ آسا کے عہد حکومت کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے بعد تیسرا شاندار عہد سمجھا جاتا ہے۔ آسا اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسرائیل کی سلطنت سرائیم کی جنگ کی وجہ سے کمزور پڑ چکی تھی۔ آسانے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سلطنت میں بت پرستی کی بیخ کنی کی اور تمام عبادات کی تعمیر و مرمت کرائی جن کو فرعون شیشونک اول نے اس کے دادا یربعام کے عہد میں تباہ کیا تھا۔

انہیں دنوں سلطنت یہودیہ کے لیے جنوب سے ایک اور خطرہ جشہ سے اٹھا۔ جشہ کا شہزادہ زراح ایک بڑا لشکر لے کر تین سو گاڑیوں سمیت اس پر چڑھ آیا۔ آسا کی فوج نے صفائی کی وادی میں اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست فاش دی اور کافی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ اگرچہ اس جنگ کے مقام کا نام مورخین نہیں بتاتے مگر قیاس کیا ہے کہ یہ جنگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کی جائے رہائش کے قریب ہی کہیں تھی۔ اس لڑائی کے بعد واپس آ کر آسانے عود پیغمبر کے کہنے پر سب کو جمع کیا۔ سب نے عہد کیا کہ وہ اپنے باپ دادا کے خدا کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اسرائیل کے بادشاہ لشاہ نے یہودیہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں آرام کے بادشاہ نے آسا کی بھرپور مدد کی۔ آسا کے عہد میں حضرت عزریاہ بن عود کے بعد حضرت حنانی پیغمبر کا دور آیا جس نے آسا کو راہ راست سے بھٹکتے ہوئے دیکھا تو اسے تبلیغ کی۔ اس پر آسانے حنانی کو قید میں ڈال دیا۔ آسا 873 ق م میں 40 سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوسقط تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں یہوداہ کی سلطنت نے وہی اقبال مندی حاصل کر لی تھی جو حضرت داؤد و سلیمان کے عہد میں تھی۔

900 ق م۔۔۔ علم جیومیٹری میں انسانی پیش رفت

قدیم زمانے میں دریائے نیل میں آنے والے ہر سال کے سیلابوں سے وسیع زمین زیر آب آ جاتی تھی اور حد بندیاں ٹوٹ جاتی تھیں لہذا انسان کو پہلے پہل زمین کی پیمائش کی ضرورت پیش آئی۔ رسیاں کھینچ کر زمین کی لمبائی اور چوڑائی ناپی گئی یہی دراصل علم جیومیٹری کی ابتدا تھی جو مصریوں کے ہاں ہوئی۔ تاہم اس سائنس میں صحیح معنی میں انسانی پیش رفت تقریباً 900 ق م میں یونان میں ہوئی جب ایتھنز کے لوگوں نے اس علم پر باقاعدہ تحقیق کا آغاز کیا اور نت نئے فارمولے تخلیق کیے۔ اس وقت تک علم جیومیٹری محض دائرہ اور قوس تک محدود تھی جو مصریوں نے متعارف کرائے تھے۔ یونانیوں نے قاعدہ، ٹیڑھے میڑھے اضلاع، ٹکون اور دائرے کے 180 زاویے معلوم کیے۔ اگرچہ زاویہ قائمہ کا تصور بھی مصریوں کے ہاں موجود تھا لیکن یہ یونانی ہی تھے جنہوں نے مثلث کے وتر کو قائمہ زاویہ کا مربع برابر ہوتا ہے ثابت کیا۔ جیومیٹری میں پروٹوجومیٹرک مسائل کا آغاز ہوا جو علم جیومیٹری کی ترقی یافتہ شکل تھی۔ شروع شروع میں جاندار اشیاء کی تصویریں جیومیٹری کے قوانین سمجھنے کے لیے وضع کی جاتیں تھیں۔ بعد ازاں جیومیٹری کے علم کو فن تعمیر میں استعمال کیا جانے لگا جن سے یونانی اور رومی فن تعمیر نے ترقی کی۔

ماخذ

تاریخ سائنس از پروفیسر چوہدری عبدالقادر، مقدمہ سائنس جلد اول از جارج سارٹن

884 ق م۔۔۔ آشور نصر پال دوم کا عہد

آشور نصر پال (Ashur Nasirpal) کے معنی ”میں نے محافظ آشور دیتا ہوں“ کے ہیں۔ یہ نام کئی آشوری بادشاہوں کا ہے۔ انہیں میں سے ایک آشور نصر پال دوم تھا جو 884 ق م میں تخت نشین ہوا اور اس نے 859 ق م تک حکومت کی۔ اس کا اہم کارنامہ اپنے باپ نفلتی شپ کے ساتھ مل کر نئی آشوری سلطنت کا قیام ہے۔ سات سال کی مسلسل یلغاروں کے بعد وہ آرامیوں کو دریائے فرات کی بالائی وادیوں میں زیر نگین کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ شمال میں ہونے والی ایک آرامی بغاوت کو دبانے کے بعد اس نے ایک نیا آشوری صوبہ تختان قائم کیا تاکہ سرحدوں کو محفوظ بنایا جاسکے۔ اسی دوران آشور نصر پال دوم نے اپنے باپ کے ایک دشمن امی بعلی سے خراج وصول کیا۔ اگرچہ آشور نصر پال ایک اچھا انتظم تھا مگر اسے اکثر بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 879 ق م میں پہاڑی قبائل نے بغاوت کر کے اس کے باجگوار بادشاہ ابی بعلی کو قتل کر دیا۔ آشور نصر پال نے ان قبائل کی سرکوبی کی اور ان کے ساتھ انتہائی ظلم و ستم کا سلوک کیا۔ آشور نصر پال دوم تعمیرات کا دلدادہ تھا۔ 875 ق م میں اس نے شمالی مغرب میں ایک اہم محل اور نیورتا اور ہننل کے مقبرے تعمیر کرائے۔ کئی دوسرے معبدوں کے ساتھ ساتھ اس نے شہر کی فضلیں تعمیر کرائیں۔ نینوا میں چڑیا گھر اور نباتات کا عجائب گھر بھی اس نے قائم کیا۔ دریائے سے ایک نہر نکال کر پورے شہر کو سیراب کیا۔ کالاہ کے افتتاح پر اس نے دس روز تک عوام میں مفت کھانا تقسیم کرایا۔ آج کل برٹش میوزیم لندن میں آشور نصر پال دوم کا بت موجود ہے جو 1847ء میں نینورتا کے معبد سے حاصل کیا گیا تھا۔

874 ق م۔۔۔۔۔ انخی آب تحت نشین هوا

عمری کا بیٹا انجی اب 874 ق م میں سلطنت اسرائیل کا ساتواں بادشاہ بنا۔ اس نے 22 برس حکومت کی۔ انجی اب نے اسرائیل کی سلطنت کی توسیع کی اور دریائے اردن تک کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ سیاسی طور پر انجی اب اسرائیل کا ایک مضبوط اور کامیاب بادشاہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں اسرائیل اور یہودیہ کے درمیان امن قائم رہا۔ اُس نے مواب کو اپنے زیرِ اقتدار رکھا اور یہاں سے کثیر خراج حاصل کرتا رہا۔ اس نے سامریہ کے گرد فصیل تعمیر کروائی اور پتھی دانت سے اپنے لیے ایک محل تعمیر کروایا۔

کتاب مقدس میں اس تیسری جنگ کا، جو جنگ فرور کھلاتی ہے ذکر نہیں ملتا۔ یہ جنگ 853 ق م میں لڑی گئی۔ اس کا احوال ہبلما عیسر سوم کے لکھے پر درج ہے کہ کتاب کے مطابق فنی آب کی فوج میں 2 ہزار رتھ اور دس ہزار سپاہی تھے مگر کیا باہر ہی کی پیشین گوئی کے مطابق اسے شکست ہوئی اور شدید زخمی ہو کر وہ مارا گیا۔

مَا خَذَ

قاموس الكتاب صفحہ نمبر 11, 12 - عہد نامہ عتیق

875 ق م۔۔۔۔۔ یہوسف ایک دیندار بادشاہ

جنوبی یہودی ریاست یہوداہ کی مذہبی تاریخ میں یہوسف کا پچیس سالہ دور حکومت سب سے حوصلہ افزا دور تھا۔ اپنے عہد کے ابتدائی سالوں میں اس نے اپنے پیشرو آسا کی اصلاحات کی پالیسیوں کو جاری رکھا۔ آسا کے عہد میں یہ پالیسیاں بہت موثر ثابت ہوئیں تھیں۔ یہوسف مورخین کے مطابق بچپن سے یہوداہ کے عظیم مذہبی راہنماؤں کے زیر اثر رہا تھا۔ اس لیے اس نے برسر اقتدار آنے کے بعد ریاست میں ایک مذہبی پروگرام ترتیب دیا۔ شریعت موسوی کی لازمی تعلیم کے لیے اس نے دو کانونوں اور نو عالمی مرتبت لادویوں کو مقرر کیا اور اپنے پانچ درباری امراء کے ساتھ پورے یہوداہ کے دورے پر بھیجا۔ لگتا تھا جیسے آسا کی سلطنت کے آخری سالوں میں لوگ بخل کی پوجا کرنے لگے تھے مگر اب یہوسف نے انہیں خدا کی طرف پھیرا۔ خدا کی طرف پھرنے سے آس پاس کی قوموں نے اس کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا بلکہ بادشاہ کے حضور ہدیے اور خراج پیش کر کے جنوبی سلطنت کی برتری تسلیم کی گئی۔

یہوداہ اور اسرائیل میں دوستانہ مراسم قائم تھے۔ یہوسف کے عہد کے پہلے دس سالوں میں یہ دوہتی باہمی شادیوں میں بدل گئی۔ انہیں دونوں جنگ کرکر میں اسرائیل کے بادشاہ اخی اب نے آرام کے ساتھ مل کر آشوریہ کی بھیجی ہوئی طاقت کو روکا۔ جنگ کے خاتمہ پر اخی اب نے سامریہ میں یہوسف کے اعزاز میں ایک بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ آئندہ دونوں یہودی ریاستوں نے مل کر آرام کا مقابلہ کیا جس میں اخی اب مارا گیا اور یہوسف بھی زخمی ہوا۔

مگر یہ اتحاد اور رشتہ داری خدا کو پسند نہیں تھی۔ اس لیے یہوسف کو ایک نبی یا ہونے خدا کے غضب کی وعید دی۔ اسی طرح یاہو کے باپ حثانی نے یہوسف کے پیشرو آسا کو جھڑکا تھا۔ جس کے نتیجے میں آسانے اسے قید میں ڈال دیا تھا مگر یہوسف نے اپنے باپ آسا کے برعکس یاہو کی اس جھڑکی پر مثبت رد عمل ظاہر کیا۔ اور سارے یہوداہ لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کیا اور سارے قلعہ بند شہروں میں شریعت موسوی کے مطابق قاضی مقرر کیے۔

اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہوسف کو ایک ایچی نے خبر دی کہ عونیوں اور موآبیوں کی ایک بڑی جماعت نے اودوم پر چڑھائی کر دی ہے۔ اودوم بحیرہ مردار کے جنوب میں واقع تھا۔ یہوسف کو پتہ چل گیا کہ یاہو نے خدا کی جس غضب کی پیشین گوئی کی تھی یہ اس کا نتیجہ ہے۔ یہوسف نے ہیکل سلیمانی میں خدا کے حضور دعا کی جو قبول ہوئی اور ایک لادی نے خدا کا پیغام دیا۔ کہ بغیر جنگ کے تم ہی لوگوں کو فتح حاصل ہوگی۔

پھر جب یہوسف اپنا لشکر لے کر حمہ و حاشاں خداوندی کا تا ہوا دشمن کی طرف بڑھا تو دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور یہوسف کو بغیر جنگ کے فتح حاصل ہوئی۔ ادھر اسرائیل میں عمری خاندان کا نیا حکمران اخزیاہ تخت نشین ہوا۔ یہوسف نے اس کے ساتھ ایک بار پھر قریبی تعلقات قائم کیے۔ اخزیاہ کے بعد اس کا بھائی یورام تخت نشین ہوا تو اس نے یہوسف کی تجویز پیش کو موآب پر متحد ہو کر حملہ کیا جائے۔ قریب تھا کہ یہوسف

اس کی تجویز مان لیتا کہ اللہ نبی نے اسے احساس دلایا کہ اس نے بے دین بادشاہ سے اتحاد قائم کیا ہے۔

یہوسف کی وفات 848 ق م میں ہوئی۔ عمری خاندان کے بادشاہوں کے برعکس اس کا یہ کارنامہ تھا کہ اس نے اپنی عوام کو بت پرستی کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر چونکہ اس نے اسرائیل کے بت پرست حکمرانوں سے قریبی تعلقات قائم کیے تھے اس لیے اسے مختلف نبیوں نے جھڑکا۔ اس کی زندگی میں تو اسرائیل سے اتحاد رکھنے کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا مگر اس کی وفات کے بعد یہوداہ خاندان داؤد کی حکومت ختم ہوتے ہوتے بجی۔

ماخذ

عہد متیق کا تاریخی سفر۔ صفحہ نمبر 28۔ قاموس الکتاب

چاہا۔ خوش قسمتی سے حضرت الیاسؑ کو اس کاروائی کی خبر پہلے مل گئی اور وہ جھوٹے نبیوں کو شکست دینے کے باوجود اسرائیل کے بھاگے۔ اس دوران وہ اتنے مایوس ہوئے کہ خدا سے اپنی موت کی دعا مانگنے لگے۔ خدا نے انہیں وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ کوہ حورب پر چلے جائیں۔ پھر تین کام ان کے سر دیکھے گئے جنہاں کو ارام کا بادشاہ اور یاہو کو اسرائیل کا آئندہ بادشاہ ہونے کا مسح کریں اور حضرت الیشع کو اپنا جانشین منتخب کریں پھر خدا نے انہیں ایک جگہ میں آسمان پر اٹھالیا۔

مآخذ

قاموس الکتاب۔ صفحہ نمبر۔ 110۔ عہد عتیق کا تاریخی سفر۔ صفحہ نمبر 265۔

850 ق م۔۔۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ظہور

انہی اب بادشاہ کے عہد میں اسرائیل میں بعل کی پوجا کو رواج اور ترقی دی گئی۔ اس مقصد کے لیے بعل کے سینکڑوں ”نبی“ (پجاری) اسرائیل بلائے گئے تاکہ بعل پرستی کو انہی اب کی عوام کا مذہب بنا دیا جائے۔ اسی وجہ سے انہی اب کو اسرائیل کا سب سے گناہ آلود بادشاہ تصور کیا جاتا ہے۔

اسی بدترین برہمنی کے دور میں حضرت الیاسؑ (الیاہ) خدا کا پیغمبر تھا۔ اگرچہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ وہ اچانک بلعاد سے نمودار ہوا اور اسرائیل کے لیے آنے والے دنوں میں ایک خشک سالی کا اعلان کرنے لگا۔ انہی اب نے اسے گرفتار کرنا چاہا جس کی وجہ سے وہ ساڑھے تین سال تک چھپا رہا۔ انہیں صارت شہر کی ایک بیوہ نے پناہ دی۔ ان کے اس عورت کے ہاں قیام کے دوران اس بیوہ کو کھانے کی اشیاء روزانہ معجزاتی طور پر مل جاتی تھیں۔ ایک اور زبردست معجزہ حضرت الیاسؑ کے ہاتھ پر یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اس بیوہ کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا۔

پھر جن دنوں اسرائیل میں قحط پڑا۔ زبردست رد عمل ظاہر ہوئے۔ ملکہ ایزبل بڑی کوشش کے باوجود حضرت الیاسؑ کو تلاش اور گرفتار نہ کر سکی اس نے اس عہد کے بہت دیگر پیغمبروں کو مروادیا۔ انہی اب کے خادم خاص عبدیہ نے سو سے زائد اس عہد کے انبیاء اسرائیل کو غاروں میں چھپا کر اس ظالم ملکہ کے ہاتھوں سے بچایا۔ حضرت الیاسؑ کی تلاش پورے اسرائیل اور آس پاس کی مملکتوں تک جاری رہی مگر وہ نہ ملے۔ پھر انہوں نے ایک دن خود مصر شہر پر آکر عبدیہ کو کہا انہی اب کو بلاؤ۔

بادشاہ نے ان پر الزام لگایا کہ وہ اسرائیل میں سیاسی بدامنی پھیلا رہے ہیں۔ اس پر حضرت الیاسؑ نے انہی اب اور اس کے خاندان کو جھڑکا کہ تم نے خدا کے احکامات کو پس انداز کر دیا ہے اور بعل دیوتا کی پرستش کرنے لگے ہو۔ پھر حضرت الیاسؑ نے اس کے بلائے ہوئے بعل دیوتا کے ”نبیوں“ کو چیلنج کیا کہ وہ قربانی کے جانور کو آسانی آگ سے جلا دکھائیں۔ وہ صبح سے شام تک اپنی فضول رسمیں ادا کرتے رہے اور بعل دیوتا کو اس کا کام پر مجبور کرتے رہے مگر پتھر کا یہ خدا ایسا کرنے پر کبھی مائل نہ ہوسکا اور حضرت الیاسؑ ان بت پرستوں کا مذاق اڑاتے رہے۔

پھر انہوں نے خود مذبح کی سرمت کی اور قربانی تیار کر کے خدائے واحد کو پکارا۔ اے خدا اگر تیرا دین سچا ہے تو یہ قربانی قبول کر لے۔ پھر فضا آسمان سے آگ نازل ہوئی اور قربانی کے جانور کو بھسم کر گئی۔ حضرت الیاسؑ پر خدا کے اس کرم کے بعد سارے اسرائیل نے خدا کے وجود کو تسلیم کیا اور ان جھوٹے نبیوں کو قسین کے نالہ پر سزائے موت دی پھر پہاڑ پر چڑھ کر حضرت الیاسؑ نے بارش کی دعا کی جو منظور ہوئی اور انہوں نے انہی اب کو خوشخبری دی کہ بارش جلد آئے گی۔

اگرچہ انہی اب نے حضرت الیاسؑ کے ہاتھ پر کوہ کرمل پر رونما ہونے والے معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر اس کی بت پرستی ملکہ ایزبل نے انہیں تسلیم نہ کیا بلکہ وہ حضرت الیاسؑ کے پیچھے پڑ گئی اور انہیں ایک بار پھر گرفتار کروانا

850 ق م۔۔۔۔۔ ہومر کے رزمیہ شاہکار

ہومر (Homer) قدیم یونانی ادب میں وہی مقام رکھتا ہے جو انگریزی ادب میں شکسپیر کا ہے۔ اگرچہ ابھی تک فیکٹر کے فن پاروں کی طرح ہی اس کی دونوں رزمیہ شاہکار نظمیں بھی اس کی تسلیم نہیں کی جاتیں لیکن پھر قدیم زمانے کا کوئی شاعر اس کی ہمسری کا دعویٰ کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اسی وجہ سے قدیم یونان کے یہ دونوں عظیم رزمیہ ایلیڈ (Illiad) اور اوڈیسی (Odyssey) ہومر سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ہومر کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ نہ اس کی پیدائش کا زمانہ معلوم ہے نہ اس کی وفات کے بارے میں ٹھیک طور پر کچھ پتہ چلتا ہے۔ وہ ایشیائی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور شاید پیدائشی طور پر اندھا تھا۔ اگر ہم صدیوں سے قائم اس مفروضے کو تسلیم کر لیں کہ ان رزمیوں کو ترتیب دینے والا ہومر ہی تھا تو اسے دنیائے قدیم کی سب سے متاثر کن شخصیت اور سب سے بڑا مصنف بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے یہی شاہکار پورے کلاسیک عہد میں یونانی ثقافت اور تعلیم کی بنیاد فراہم کرتے نظر آتے ہیں بلکہ رومی سلطنت کے قیام اور عیسائیت کے پھیلاؤ تک پوری انسانیت کی تعلیم کے لئے ریزہ کی ہڈی کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ بالواسطہ طور پر ان رزمیوں کا اثر پہلی صدی عیسوی کے رومی شاعر ورجل کی نظم اینیڈ (Aeneid) (کے یہ نظم انہیں رزمیوں کے طریق پر ترتیب دی گئی تھی) میں بالکل واضح ہے۔ جب کہ بلاواسطہ طور پر ان شاہکار کا احیا آٹھویں صدی عیسوی کی بازنطینی ثقافت میں نمایاں نظر آتا ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں جب قسطنطنیہ پر عثمانی ترکوں کا قبضہ ہوا تو یونانی علوم کے عالم اطالیہ اور دیگر یورپی ملکوں کی طرف ہجرت کر گئے ان کے ساتھ ہی یہ دونوں رزمیہ بھی یورپ پہنچے اور وہاں دور احیا علوم کے آغاز کا باعث بنے یورپ کے دور احیاء میں علوم (Renessance) کی ثقافت پر ہومر کی رزمیوں کی چھاپ نمایاں ہے۔ یورپ کے کلاسیک عہد میں ان رزمیوں کے بے شمار تراجم کئے گئے۔ جن کی وجہ سے یہ اس عہد کی اہم ترین نظمیں قرار پائیں۔

ایلیڈ میں ہومر نے ٹرائے کی جنگ کے آخری سال کے واقعات بیان کئے ہیں جنگ ٹرائے یونان کی دیگر ریاستوں کے اتحاد اور ٹرائے کی ریاست کے درمیان لڑی گئی تھی افسانوی روایات کے مطابق یہ جنگ دس سال جاری رہی تھی۔ اس جنگ کا محرک خوبصورت ہیملن تھی۔ جو ایلیڈ کے مطابق سپارٹا کے بادشاہ مینیساس کی بیوی تھی ہیملن کو ٹرائے کے بادشاہ پر پام کا بیٹا ہیڈرس اغوا کر لیتا ہے۔ سپارٹا کے بادشاہ کا بھائی آگاممنن یونانی بہادروں کا ایک لشکر لے کر ہیملن کی بازیابی کے لئے ٹرائے پر حملہ آور ہوتا ہے۔

24 کتابوں میں منقسم ایلیڈ کی کہانی جنگ ٹرائے کے 54 دنوں کے گرد محسوس ہے دوران جنگ آگاممنن اور ایک بہادر ایکیلیڈ (Achilles) کے درمیان ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ایکیلیڈ جو ایک عظیم جنگجو ہے محسوس کرتا ہے کہ یونانیوں کے لئے اس کی جنگی خدمات کا مناسب صلہ نہیں ملا۔ دوسری طرف آگاممنن کی سوچ یہ ہے کہ ایکیلیڈ اس کا

احترام بحیثیت سپہ سالار نہیں کرتا۔ باہمی رنجش کے بعد ایکیلیڈ جنگ سے انکار کر کے اپنے خیمے میں واپس چلا جاتا ہے۔ جنگ ایکیلیڈ کے بغیر بھی جاری رہتی ہے۔ لیکن ایکیلیڈ کے بغیر یونانیوں کو ہیکٹر، (ٹرائے کے بادشاہ پر پام کا ایک اور بیٹا) پسپا کر دیتا ہے۔ یونانیوں کی پسپائی پر ایکیلیڈ کا ایک قریبی دوست پٹروکلس (Patroclus) ایکیلیڈ کی زہر پہن کر لڑنے کے لئے جاتا ہے۔ اسے ہیکٹر جنگ کے دوران قتل کر دیتا ہے۔ اپنے دوست کی موت پر ایکیلیڈ اس کے انتقام کے لئے ایک بار پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور انتقاماً ہیکٹر کو ٹرائے کے باہر قتل کرتا ہے۔ ایلیڈ کی کہانی ہیکٹر کی مدافعتی رسومات کے ساتھ ہی اختتام کو پہنچتی ہے۔

تقریباً تین ہزار سال سے ایلیڈ کو بہادری، عزم اور جنگ میں رونما ہونے والے المیوں کی داستان کے طور پر بڑی دلچسپی سے پڑھا جا رہا ہے۔ یہ نظم ہمیں تین ہزار سال پہلے کے ٹرائے کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بتاتی ہے۔ 850-800 ق م کے ساتھ ساتھ اس کا سال تصنیف 700 ق م بھی بتایا جاتا ہے۔

ہومر کا دوسرا شاہکار ”اوڈیسی“ ہے جو ایلیڈ ہی کی طرح 24 کتابوں (ابواب) پر مشتمل ہے۔ یہ رزمیہ اس کے مرکزی کردار اوڈیسیس کی جنگ ٹرائے سے واپسی کا فسانہ ہے۔ اوڈیسیس یونانی ریاست اٹھیکا (Ithaca) کا حکمران، وفا شعار بیوی پینی لونی (Penelope) کا شوہر اور ٹیلے میکس (Telemachus) کا باپ ہے۔ جنگ ٹرائے میں وہ اپنی جنگی چالوں اور دور اندیشی کی وجہ سے ایک مشہور رہنما تھا۔ بعد ازاں جنگ سے وطن واپسی پر وہ دس سال کے لئے جزیرہ در جزیرہ بھٹکتا پھرتا ہے۔ اس کی یہی آوارہ گردی اور سلطنت کی بازیافت ہی اوڈیسی کا موضوع ہے۔

اوڈیسی کا آغاز جزیرہ اوگیا (Ogygia) سے ہوتا ہے جہاں اوڈیسیس سمندری دیوی کیلیسو (Calypso) کی قید میں ہے۔ کوہ ائیس پر دیوتاؤں کی کونسل میں زیوس دیوتا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اوڈیسیس کی رہائی کا وقت آ گیا، اسے اپنی بیوی پینی لونی اور ریاست اٹھیکا کی طرف واپس لوٹنا ہے۔

دوسرے منظر میں جو اوڈیسیس کے محل واقع اٹھیکا کا ہے۔ چند امراء مطالبہ کرتے ہیں کہ پینی لونی اوڈیسیس کو مردہ سمجھ کر ان میں سے کسی ایک سے شادی کرے تاکہ اٹھیکا کا نیا بادشاہ میسر آ سکے۔ اوڈیسیس کا بیٹا ٹیلے میکس (Telemachus) جواب جوان ہو چلا ہے، امراء کے اس مطالبے پر ناراض ہو جاتا ہے۔ اوڈیسیس کی محافظ دیوی اٹھینا (Athena) ایک مشیر کے ہمیں میں اسے مشورہ دیتی ہے کہ اسے اپنے باپ کی تلاش میں سفر پر نکلنا چاہیے۔ ٹیلے میکس اپنے باپ کی تلاش میں بحری سفر پر نکلتا ہے۔

کہانی کا اگلا موڑ اوڈیسیس کے ایڈونچر کی طرف مڑتا ہے۔ دیوتا ہرمیس (Hermes) اسے کیلیسو کی قید سے رہا کرتا ہے۔ اوڈیسیس اس جزیرے سے ایک تختہ پر نکلتا ہے۔ راہ میں سمندری، دیوتا پوسیدن اسے تختے کو غرق کر دیتا ہے۔ تختہ کی غرقابی کے بعد اوڈیسیس جزیرہ فیشی ان (Pheasian) پر پناہ لیتا ہے جہاں اسے وہاں کی شہزادی نوزیکا (Nausicaa) دریافت کر کے اپنے باپ کے دربار میں لے جاتی ہے۔ شاہ فیشی ان کے دربار میں اوڈیسیس پہلی مرتبہ ٹرائے کی جنگ کے بعد کے واقعات سناتا ہے اوڈیسیس بتاتا ہے کہ جنگ کے اختتام پر وہ اس کے ساتھی ایک ایسے جزیرے پر پہنچ گئے تھے جہاں ایسے لوگ آباد تھے جو بے خبری اور خوابیدگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی یہ حالت کنول

کے پھل کھانے سے ہوئی تھی۔ اوڈیسس کے کچھ ساتھی بھی یہ پھل کھا کر غافل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اوڈیسس انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے چلا ہے۔ اس جزیرے سے نکلنے کے بعد وہ اور اس کے ساتھی ایک اور جزیرے پر پہنچے۔ اس جزیرے پر انہیں پولی فیس (Polyphemus) ایک آنکھ والا دیو، سائیکلوپ (Cyclope) گرفتار کر لیتا ہے۔ وہ اس جزیرے سے بھاگ نکلے ہیں۔ اس کے بعد ان کا گذر جادو گرنی سائرس (Circe) کے جزیرے پر ہوتا ہے، وہ اوڈیسس کے ساتھیوں کو اپنے جادو سے سوروں بدل دیتی ہے اور اوڈیسس کو اپنا عاشق بناتی ہے۔ وہ اوڈیسس کو بتاتی ہے کہ اس کو وطن واپس جانے کے لئے عالم اسفل (Underworld) سے گزرنا ہوگا۔ عالم اسفل پہنچنے پر اوڈیسس کی ملاقات اس کی ماں کی روح اور ان بہادروں کی ارواح سے ہوتی ہے جو جنگ ٹرائے میں مارے گئے تھے۔ عالم اسفل کا پیغمبر ٹریسیاس اسے وطن واپسی کی راہ دکھاتا ہے اور ساتھ ہی سائرس اسے خبردار کرتی ہے کہ راہ میں ان کا گذر ایک ایسے سمندر سے ہوگا جہاں سازن نامی عورت نما پرندے ملاحوں کو اپنے پیٹھے گیتوں سے بہلا کر ایک جادوئی جزیرے پر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اوڈیسس نے اپنے ساتھیوں کے کانوں میں کوئی چیز ٹھونس دی تاکہ وہ ان عورت نما پرندوں کے گیت نہ سن سکیں جب کہ خود کو اس نے جہاز کے مسئول سے باندھ لیا تاکہ ان کے گیت سے محفوظ رہتے ہوئے سماعت کر سکے۔ آخر سب خطروں سے بچ نکلنے کے بعد جب اوڈیسس کا جہاز اٹھیکا پہنچنے والا ہی تھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے جزیرہ ٹھرنیکیاہ پر سورج کے مقدس موسیوں کو چرا کر کھالیا۔ سزا کے طور پر ایک طوفان نے ان کے جہاز کو غرقاب کر دیا۔ اپنے جہاز اور ساتھیوں کے ڈوب جانے کے بعد اوڈیسس کیلیپس کے جزیرے پر پہنچ گیا جہاں اسے کیلیپس نے قید کر لیا۔

بارہ ہزار سے کچھ زائد مصریوں پر مشتمل ”اوڈیسی“ کا رنگ جدا گانہ ہے۔ ”ایلیڈ“ کی ظاہری ہیئت ایسی ہے جیسے بڑے بڑے شہس کندے تراش کر پہلو بہ پہلو دھیر کر دیئے گئے ہوں جبکہ ”اوڈیسی“ کے تانے بانے پر جسے بڑی ہنرمندی سے بنا گیا ہے۔ کسی بہتے پانی کا گمان ہوتا ہے۔ اور نظم کا مزاج بہتے پانیوں کی ہر موج کی طرح باہم مربوط ہے۔ بیانیہ کا موڈ اپنے اندر سمندر کی جھلک رکھتا ہے۔ پلٹ چکارے کی ٹینک سے کام لے کر ہر بیانیہ میں ایک اور بیانیہ رکھا گیا ہے۔ یہ ہومر کی اچھوتی اختراع ہے۔

کہتے ہیں ”ایلیڈ“ اور اوڈیسی ہمیشہ سمندر اعظم کے سر ہانے رکھی رہتی تھی۔ خود سمندر کی سواخ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک ہنر پر اس نے انیکلیپر کا اتباع کرنا چاہا۔ مغربی ادب کے ان پہلے شاہکاروں کی عظمت آج بھی مسلم ہے۔ جو رزمیہ بھی بعد کی انسانی تاریخ میں لکھے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ان کی گرد کو نہ پہنچ سکا۔ چونکہ ادب کی تاریخ میں ارتقاء ترقی نام کی کوئی چیز نہیں۔ اس لئے اس بات میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ ہومر جو ادب کی عالمی تاریخ میں پہلا شاعر مانا جاتا ہے اسے ادبی تاریخ کا سب سے پہلا بڑا شاعر بھی تسلیم کر لیا جائے۔ مگر تاریخ کے سب سے پہلے اس شاعر کی ذات آج بھی محمد ہے کہ کیا اتنی خوبصورت اور مربوط شاعری کرنے والا شاعر حقیقی تھا یا افسانوی۔ کیونکہ خود قدیم یونانیوں کی نظر میں بھی اس کی شخصیت بہت ہی پُر اچن اور سایہ آساقی۔ یہ بات بھی عجیب ہے کہ آج تین ہزار سال بعد بھی مشہور و معروف رہنے والا ہومر کا نام قدیم یونانیوں کو ناموس ہونے کے سبب ابھرنے میں ڈال دیتا تھا اور وہ اس کے نام کا مطلب

یعنی بتانے سے قاصر رہتے تھے۔

مآخذ

1000 Great Event By Lynne Sabel And Philip Steel Ecclopeadia

Britannica. History Of The World. Dorling 1000 Great Books.

Kinderley.

ادبیات عالم کی تاریخ۔ بیولی ہسری کہانیوں یونان از مرزا ابن حنیف۔ یونان کا ادبی ورثہ از عقیل روبی۔ شاہیر ادب از سلیم الرحمن۔

842 ق م۔۔۔ اسرائیل میں فوجی انقلاب

یہورام، شاہ اسرائیل افی آب اور ملکہ ایزبل کا دوسرا بیٹا، اپنے بھائی اخزیاء کی موت کے بعد اسرائیل کا بادشاہ بنا۔ مگر یہ ایک نااہل بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت اسرائیل بدلتی جا رہی تھی۔ انہیں حالات میں پیغمبر الیسع نے اپنے تبلیغ کا آغاز کیا۔

یہورام کے سپہ سالار ہونے حضرت الیسع کے دین کو قبول کیا اور یہورام کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس طرح شاہ افی اب کے خاندان اور عمری خاندان کو تاج و تخت سے محروم کر دیا۔ اس نے یزریل پر قابض ہو کر شاہ اسرائیل یورام اور شاہ یہود یہ اخزیاء کا کام تمام کر دیا۔ ان کے علاوہ اس نے ایزبل کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ ایزبل ہی وہ ہستی تھی جس نے بعل پرستی کو اسرائیلی مذہب کا حصہ بنا دیا تھا۔

اب یا ہوسامریہ کی طرف بڑھا اور افی اب کے خاندان کی ستر بیٹوں کی تلوار کا لقمہ بنا دیا اور حکم دیا کہ جتنے لوگ بعل پرستی میں سرگرم نظر آئیں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور ان سب کو بھی جنہیں جشن اور تقریبات میں شامل ہونے کے لیے اس مندر میں لایا گیا تھا جو افی اب نے بعل دیوتا کی پرستش کے لیے تعمیر کر دیا تھا۔ چونکہ عمری خاندان نے مذہب اور سیاست کو آپس میں کیجا کر دیا تھا اس لیے ہورام کو ضروری معلوم دیا کہ انقلاب کے ذریعے بعل پرستی کی لعنت کو بھی بے رحمی سے ختم کر دے۔

یاہو کو ہر طرف سے تکالیف کا سامنا بھی لوہا عمری خاندان کو صفایا کرنے کے باعث اسے یہوداہ اور فیقیہ کی حمایت حاصل نہ رہی کیونکہ ان کے شاہی خاندان ایزبل سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔

یاہو کی نسل تقریباً ایک صدی 842 ق م تا 753 ق م تک تاج و تخت کی مالک رہی۔ شاہی سلطنت یا اسرائیل میں کسی اور خاندان کو اتنا طویل عرصہ حکومت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اس خاندان کے چوتھے حکمران کے عہد میں اسرائیل کو بین الاقوامی سطح پر انتہائی عزت اور وقار نصیب ہوا مگر یہ خوشحالی چند روزہ ثابت ہوئی اور آشوریوں نے اگلے تین سال کے اندر اس کے آثار تک مٹا دیئے۔

841 ق م۔۔۔ ملکہ عتلیاہ۔ یہوداہ میں خوف و ہراس کا دور

اپنے بیٹے اخزیاء کی موت کے بعد ملکہ عتلیاہ برسر اقتدار آئی اور اس کے ساتھ ہی یروشلم ہی داؤد سلیمان کے شاہی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہوسف نے شاہی سلطنت کے بے دین لوگوں سے جو شادی بیاہ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس کی موت کے صرف دس سال بعد افی اب اور ایزبل کی بیٹی عتلیاہ، جس کی شادی یہوسف کے بیٹے یہودام سے ہوئی تھی، اپنے بیٹے اخزیاء کی موت کے بعد تخت پر قابض ہو گئی۔

اس نے اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لیے پہلا کام یہ کیا کہ شاہی نسل کے ہر فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس سے ہر طرف خوف و ہراس پھیل گیا اور وحشت و بربریت کے نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ اخزیاء کے شیرخوار بچے کے سوا یہوداہ کے تخت کا کوئی وارث باقی نہ بچا۔ صرف اخزیاء کی بہن کی بہن ہوسیع نے یوآس کو بیکل میں ملکہ عتلیاہ کے سات سالہ دور حکومت میں چھپائے رکھا یہی شخص حضرت داؤد کے خاندان سے تباہ زندہ بچا تھا۔ یہوسف کی موت کے فوراً ہی مذہب میں زبردست تغیرات رونما ہوئے تھے۔ عتلیاہ اپنی ماں ایزبل کی طرح بعل دیوتا کی سرگرم پرستار تھی۔ چنانچہ اس نے یروشلم سے یہوداہ میں بعل پرستی کی حوصلہ افزائی کی۔ بیکل سلیمانی کا تقدیس شدہ ساز و سامان بعل کی پرستش کے لیے وقف کر دیا گیا۔ اور اس مسلک کی بھرپور تائید و حمایت کی۔ جو سلوک عتلیاہ کی ماں ایزبل نے اسرائیل کے نبیوں سے کیا تھا وہی سلوک عتلیاہ نے یہوداہ میں خاندان داؤد اور مذہب سے کیا۔

عتلیاہ کے عہد کے ساتویں سال حضرت داؤد کے وعدے کے مطابق خدا نے اس کی نسل کو ایک بار پھر تخت پر بحال کر دیا۔ شاہی نسل کو تخت پر بحال کرنے میں ایک کاہن یہویدع نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اس نے آسا اور یہوسف کے عہد میں زبردست مذہبی بیداری اور بحالی دیکھی تھی۔ اس نے موزوں وقت پر شاہی محل کے محافظوں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان کی تائید و حمایت سے بیکل سلیمانی کے صحن میں یوآس کی تاجپوشی کر دی۔ جب عتلیاہ کو اپنے محل میں خوشی کے نعرے اور لوگوں کی لاکڑی کا آواز سنائی دی تو اس نے بیکل میں آنے کی کوشش کی مگر اسے گرفتار کر کے اندر ہی قتل کر دیا گیا۔

یوآس جب تخت نشین ہوا تو صرف سات سال کا بچہ تھا۔ اس نے اسی وجہ سے خاصا طویل 835 ق م۔ 796 ق م عہد حکومت پایا۔ چونکہ اس کی تخت نشینی میں کاہن یہویدع کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اس لیے بعد ازاں وہی اندرون خانہ حکومت کی پالیسیاں ترتیب دیتا رہا۔

عتلیاہ کے قتل کے ساتھ ہی یہوداہ میں بعل دیوتا کی پرستش کا خاتمہ ہو گیا۔ بعل کے مندر ڈھا دیئے گئے اور اس کے جھوٹے نبی متان کو قتل کر دیا گیا۔ جب تک یہویدع زندہ رہا یہوداہ میں لوگ خدا کی عبادتوں میں دلچسپی لیتے رہے۔ اس کی موت کے بعد امراء نے یوآس کو اس بات پر مائل کیا کہ بتوں کی پوجا کو دوبارہ رائج کیا جائے۔ چنانچہ یہوداہ میں ایک بار پھر برہمنی پھیل گئی۔ یہویدع کے بیٹے زکریاہ نے بروقت بنی اسرائیل کو خبر دیا کہ اگر وہ خدا کے فرمان کی خلاف

پھر یہی ہوا اور ارامی سلطنت کے بادشاہ حزائیل کی طاقت سے بے بس ہو کر پہلے تو یوآس نے بیکل کے مقدس خزانے میں رشوت کے طور پر دیئے مگر پھر عدم ادائیگی خراج کی وجہ سے بالآخر ارامی فوجیں یروشلم میں داخل ہو گئیں۔

814 ق م۔۔۔ قرطاجنہ کا سنگ بنیاد

شمالی افریقہ میں خلیج تیونس کے کنارے ایک نکونی جزیرہ نما واقع ہے۔ اس جزیرہ نما پر قدیم زمانے میں فونیقی قوم نے ایک خوبصورت شہر تعمیر کیا تھا۔ جس کا نام قرطاجنہ تھا۔ یہ شہر ترقی کر کے ایک شہری ریاست بن گیا تھا۔ قرطاجنہ (Carthage) کے ابتدائی آبادکار جو فونیقی شہر صور (Tyre) (موجودہ لبنان) سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلے پہل بارہویں صدی قبل از مسیح میں یہاں پہنچے تھے۔ ان کا مقصد ایک نوآبادی قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اسباب تجارت کے لئے ایک منڈی تلاش کرنا بھی تھا۔ تعمیر روم کے افسانے کی طرح قرطاجنہ کی تعمیر بھی افسانوی طور پر 814 ق م میں ہوئی تھی۔ اس افسانوی روایت کے مطابق صور کی شہزادی ڈائیڈو (Dido) جب اپنے بھائی شاہ پیکمالین (Pygmalion) (صور کی تاریخ میں اس نام کا ایک بادشاہ گزرا ہے) کے مظالم سے بھاگ کر شمالی افریقہ پہنچی تو اس نے خلیج تیونس کے کنارے اس مقام پر ایک شہر کی تعمیر کے لئے مقامی لوگوں سے ایک بھل کی کھال کے برابر جگہ حاصل کی پھر شہزادی نے چالاکی سے بھل کی کھال کو باریک اور پتلی ٹیڑھوں میں کاٹنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں ان باریک ٹیڑھوں کی مدد سے ایک بڑے رقبے پر قبضہ کر لیا۔ اسی رقبے پر قرطاجنہ کی تعمیر ہوئی۔ قرطاجنہ شہر کے عین درمیان میں ایک چٹان پر ایک قلعہ تھا جو برصہ (Byrsa) کہلاتا تھا۔ برصہ یونانی، زبان میں بھل کی کھال ہی کو کہتے ہیں۔ اسی قلعے کے ارد گرد قرطاجنہ کا پورا شہر آباد تھا۔ یہ شہر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدیم دنیا کا ایک اہم شہر بن گیا اور روم کے ہمسرے طور پر ابھرا۔ رومی اس شہر کے باشندوں کو پونی (Poeni) کہتے تھے۔ جو فونیقیہ (Phoenicia) کے ایک بدلی ہوئی شکل تھی۔ اسی لفظ کی وجہ سے بعد ازاں روم اور قرطاجنہ کے درمیان تیسری اور دوسری صدی قبل از مسیح میں لڑی جانے والی جنگیں پیونیک جنگیں (Punic wars) کہلاتی ہیں۔

قرطاجنہ کے سنگ بنیاد رکھے جانے کی مذکورہ بالا تاریخ غالباً خود قرطاجنی باشندوں نے اپنی مبالغہ آرائی سے قائم کی تھی۔ جدید آثار قدیمہ کی سائنس کی تحقیق کی روشنی میں جو ثبوت دستیاب ہوئے ہیں وہ اس تاریخ سے موافقت نہیں رکھتے۔ اثراتی کھدائیوں سے کوئی بھی چیز ایسی دستیاب نہیں ہوئی جس کا تعلق آٹھویں صدی قبل از مسیح کے آخر سے پہلے کے زمانہ سے بتا ہو؟ قرطاجنہ کے بارے میں سب سے قدیم حوالہ ہمیں 509 ق م میں ملتا ہے، جب روم اور قرطاجنہ میں تجارتی مراعات کے بارے میں ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ پانچویں صدی ق م میں اہل قرطاجنہ نے سبکی فتح کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی وجہ سے اہل روم سے خصامت کا آغاز ہوا۔ بعد میں سکلی ہی پر اہل قرطاجنہ کی یورشوں سے پیونیک یا قرطاجنی جنگیں پیش آئیں جن کے آخر میں 146 ق م میں رومی جنرل سپیویلیٹر ایکٹس اصغر نے قرطاجنہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور شہر کو جلا کر مسمار کر دیا۔ قرطاجنی جنگوں کے لئے دیکھئے (قرطاجنی جنگیں)۔

122 ق م میں رومی سینیٹ نے دور دوی امیروں، گائیس گریکس (Gaius Gracchus) اور مارکس

مآخذ

عہد عتیق۔ عہد عتیق کا تاریخی سفر۔۔۔ صفحہ نمبر۔ 302۔ قاموس الکتاب

فلویس فلیکس (Marcus Fulvius Flaccus) کو قرطاجنہ کے کھنڈرات پر ایک رومی نوآبادی قائم کرنے کی ذمہ داری سپرد کی، لیکن کوشش بار آور نہ ہو سکی۔ اس کے بعد جولیس سیزر نے روم کے ایسے شہریوں کو یہاں آباد کیا جن کے پاس زمینیں نہ تھیں۔ 29 ق م میں شہنشاہ آگسٹس نے افریقہ میں رومی مقبوضات کے انتظامی امور کے لئے قرطاجنہ کا انتخاب کیا۔ اس کا آباد کردہ قرطاجنہ (Colonia Julia Carthago) کہلاتا ہے۔ جلد ہی یہ قرطاجنہ سکندریہ اور دوسرے کئی رومی نوآبادیاتی شہروں سے زیادہ ترقی کر گیا اور ان کا ہم پلہ قرار پایا۔ اگرچہ کبھی بھی رومی شہنشاہ نے یہاں قیام نہیں کیا مگر بیشتر رومی شہنشاہ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے بعد روم کی سلطنت کے زوال تک قرطاجنہ کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ البتہ دوسری صدی عیسوی کے آخر تک یہاں عیسائیت اتنی پھل پھول چکی تھی کہ یہاں کے کلیسیائی شخصیات میں فادر تر تولین (Father Tertulian) اور سینٹ سائپرین (S.T. Cyprian) کے نام نمایاں ہیں۔

439ء میں ونڈال حکمران گائٹیرک (Gauseric) بغیر کسی مزاحمت کے فاتحانہ طور پر قرطاج میں داخل ہو گیا۔ اور یہاں ونڈال سلطنت قائم ہو گئی۔ جو تقریباً سو سال تک قائم رہی۔ گیلیمیر (Gelimer) یہاں کا آخری ونڈال حکمران تھا۔ اسے 533ء میں قریبی بازنطینی شہر ڈیسیم (Decimum) نے قریب بازنطینی جنرل بیلیساریس (Belisarius) نے شکست دی اور وہ خود بھی بغیر کسی مزاحمت کے قرطاج کو فتح کر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ 705ء تک یہاں بازنطینی حکومت قائم رہی اور اس سال اس تاریخی شہر کو مسلم عربوں نے فتح کیا جس کے بعد اس کے ایک قریبی شہر تونس کو عربوں نے حاصل ہوا، اور یہ شہر گہنا بنا چلا گیا۔

رومی قرطاجہ بھی قدیم کی طرح بالاخر تباہ ہو گیا مگر اس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ان آثاروں میں ایک رومی آبرہ اور کئی قلعوں کے آثار نمایاں ہیں۔ سابقہ قلعہ برصہ کے مقام پر رومی عہد میں جو پتھر اور مزوادیوی کا مندر تعمیر ہوا اس کے علاوہ یہاں ایک غلام گردش بھی تعمیر کی گئی تھی۔ اسی غلام گردش کے آثار سے رومی عہد کی سنگتراشی کے بہترین نمونے دریافت ہوئے ہیں۔ قرطاجہ کے بازنطینی عہد میں یہاں کئی خوبصورت کلیسا بھی تعمیر ہوئے تھے۔ مگر اب ان کے آثار مفقود ہیں۔

مَا خَذَ

Encyclopaedia American. 1000 Great Events By Lynne Sabel.

A History Of World Civilization By J.E.Swain. World History, The

Time. The Epic Of Man By The Editors of Life.

انسائیکلو پیڈیا تاریخ اقوام عالم از مولانا غلام رسول مہر۔ تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان۔ تاریخ اقوام عالم از سیف نوگامی۔ تاریخ و تہذیب عالم مترجم امیر الدین الفتی حیدر۔

800 ق م۔۔۔۔ ایطروسکی شہری ریاستوں کا ظہور

آٹھویں صدی قبل از مسیح میں اطالیہ کے وسطی اور مغربی علاقوں میں اٹلی کے قدیم باشندوں، لاطر و سکیوں (Etruscans) نے شہری ریاستیں قائم کیں۔ لاطر و سکیوں کی زبان اور تحریریں اگرچہ آج بھی مکمل طور پر نہیں پڑھی جاسکتیں لیکن اس کے باوجود ان کی فنون لطیفہ میں پیش رفت قابل دید تھی۔ ان کے تعمیر کردہ مقربے خصوصاً اس زمانے کی خوبصورت یادگار ہیں اور قدیم اشیاء کے خزانے بھی۔ دریاے ٹائبر کے جنوب میں لاطر و سکیوں کی ریاستیں قائم تھیں۔ جب کہ شمال میں آریاؤں (لاطینی) نے اپنا اقتدار قائم کر رکھا تھا۔ یہ دونوں قومیں دریاے ٹائبر کے کنارے ایک سالانہ میلے میں ملتی تھیں۔ اس موقع پر ان لوگوں میں اشیاء کا تبادلہ بھی ہوتا۔ آہستہ آہستہ اسی میلے کی جگہ ایک ہستی آباد ہو گئی جو بعد ازاں روم کہلائی۔ اس ہستی میں پہلے لاطینی قوم برسر اقتدار آئی پھر لاطر و سکیوں نے قبضہ کر لیا۔ لاطینی اور لاطر و سکیوں کی کشمکش، بالآخر لاطینی غالب آئے اور انہوں نے یہاں قدیم آریائی طرز پر چند سہری حکومت قائم کر لی۔

لیٹر وکیوں اور سسلی کے یونانیوں میں بھی جنگیں لڑی گئیں جن میں لیٹر وکیوں کو شکست ہوئی اور ان کا بڑی بیڑا بھی تباہ ہو گیا۔ دوسری طرف شاہی اٹلی پر فرانس کے وحشی قبائل نے جو گال کہلاتے تھے حملے شروع کر دیے۔ 390 ق م گال قبائل نے اپنے سردار ہرنوس کی قیادت میں روم پر حملہ کر کے اس کو تاراج کیا۔ صرف ایک قلعہ ان کی دست برو سے محفوظ رہ سکا۔ گالوں کے حملے کے بعد لاطینی پھر نیپلے اور روم کی لاطینی جمہوریت نے لیٹر وکیوں پر فتح پا کر وسطی اٹلی پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ باہمی اتحاد کی کمی کی وجہ سے تمام لیٹر وکی ریاستیں لاطینی قبضے میں چلی گئی۔ اور لیٹر وکی قوم اور اس کی تہذیب روم میں جذب ہو گئی۔

تاریخ اقوام عالم میں سسٹی نو گائوی لکھتے ہیں کہ مسروچ کے مطابق 1200 ق م میں جب جزیرہ کریٹ کے تمدن بحری قزاقوں نے تباہ کیا تو وہاں کے بقیہ السیف باشندے یونان اور ایشیائے کوچک کے ساحلوں پر آباد ہو گئے۔ ان میں سے کچھ ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر مغربی اٹلی میں پھیل گئے۔ یہی لوگ بعد ازاں لاطری و سکی یا اترسکن کہلائے۔ یہ لوگ شریر اور پراسرار تھے۔ مغربی اٹلی میں ان لوگوں کے تہذیب و تمدن کے آثار دریافت ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ قسطنطنیہ اور تفریحات کے شائق تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح کے آغاز میں اترسکوں نے روم کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کی تھی لیکن 509 میں رومنوں نے ان کے آخری بادشاہ کو روم سے بھگا کر وہاں جمہوریت قائم کر لی اگرچہ رومنوں نے اترسکوں کو غاصب اور ظالم قرار دیا مگر انہوں نے روم کے لئے بڑے کام کئے۔ شہر کی حفاظت کے لئے دیوار بنوائی۔ نالی سٹم جاری کیا اور ایک خوبصورت مندر تعمیر کیا۔ روی افواج کی از سر نو ترتیب کی اور بہت سی قانونی اصلاحات نافذ کیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ لاطری و سکی ہی روم کے بانی قرار پاتے ہیں۔

791 ق م۔۔۔۔۔ عزریاہ کا عہد حکومت۔۔۔ خوشحالی

یہوداہ کی تاریخ میں حضرت سلیمان کے عہد حکومت کے بعد عزریاہ کا دور (791 ق م۔ 740 ق م) نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کا عہد ایک طویل دور تھا۔ اس نے تقریباً 52 برس حکومت کی اور اس کے عہد میں کنی اہم واقعات رونما ہوئے۔ مگر حیران کن بات یہ ہے کہ اتنے طویل عہد حکومت کے باوجود عزریاہ صرف سترہ برس تنہا حکومت کر سکا (بقیہ عرصہ وہ شریک بادشاہ رہا)۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں بنی اسرائیل کو بڑی اقوام کی باجگاری کی پستی سے نکال کر ایک مضبوط اور طاقتور قوم بنادیا۔

جب عزریاہ تخت نشین ہوا تو یہوداہ کی قومی امیدیں انتہائی پستی کا شکار تھیں۔ حضرت سلیمان کے بعد سلطنت کی تقسیم کے دوران قوم کو جس مایوسی کا سامنا تھا یہ مایوسی اس سے بھی زیادہ تھی۔ اسرائیل کے ہاتھوں یہوداہ کی شکست کسی آفت اور تباہی سے کم نہ تھی۔ یہوآس کے عہد میں عزریاہ صرف ایک منظم حکومت کا ڈھونگ ہی قائم رکھ سکا تھا۔ اس کے شریک حکومت امصیہ کو قید کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ یہوآس کی وفات کے بعد امصیہ کو رہائی 782 ق م میں مل گئی چونکہ قوم اس کی تباہ کن پالیسی کا شکست کی صورت میں نتیجہ بھگت رہی تھی۔ اس لیے اسے دوبارہ عزت نصیب نہ ہو سکی اور وہ بالآخر یہوداہ سے بھاگ گیا۔

یربعام اور عزریاہ کے عہد میں اسرائیل اور یہوداہ کے تعلقات کے بارے میں بائبل خاموش ہے۔ اس خاموشی سے محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاید دونوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ یہوداہ کافی عرصہ اسرائیل کا باج گزار رہا ہے۔ عزریاہ نے یروشلم کی فصلیں تعمیر کروائیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہوداہ کو معاشی خوشحالی حاصل ہو گئی۔ علاقائی وسعت کے باعث یہوداہ کو اہم تجارتی شہروں اور عرب، مصر اور دوسرے ملکوں کو جانے والی اہم شاہراہوں پر کنٹرول حاصل ہوتا گیا اگرچہ یہوداہ شمالی سلطنت سے فوجی و معاشی ترقی میں پیچھے رہ گیا تھا مگر عزریاہ کی ثابت قدمی کی وجہ سے وہ ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔

اسرائیل تو یربعام دوم کی وفات کے بعد رو بہ زوال ہو گیا مگر یہودہ کی خوشحالی بحال رہی۔ یوں حضرت داؤد اور سلیمان کے دور خوشحالی کے بعد یہ یہوداہ کی تاریخ کا سنہری عہد تھا۔

ماخذ

Jewish Encyclopedia بزیل مادہ ”عزریاہ“ عہد متیق کا تاریخی سفر

760 ق م۔۔۔۔۔ حضرت عاموص کی منادی

حضرت عاموص نے عزریاہ شاہ یہوداہ اور یربعام شانی، شاہ اسرائیل کا زمانہ پایا۔ وہ تقویر کا باشندہ تھا۔ جو یروشلم سے 10 میل جنوب کی سمت میں واقع تھا۔ گلہ بانی حضرت عاموص کی خدمت کا طرہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ گلہ کے درختوں سے پھل بھی اتارتے تھے۔ محققین نے لکھا ہے کہ ان علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے طبقہ انبیاء میں پرورش نہیں پائی تھی۔

قاموص الکتاب کے مطابق ایک عام اندازہ یہ ہے کہ حضرت عاموص نے 760 ق م کے لگ بھگ سامریہ میں اپنی نبوت کے فرائض انجام دیتے ہوئے عام منادی کی اور شمالی سلطنت، اسرائیل کی تباہی کی پیش گوئی کی جو 722 ق م میں حرف بہ حرف پوری ہوئی اور اسرائیل کو آشوریوں نے تباہ کر دیا۔

حضرت عاموص ایک صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ اس کتاب میں ان کے حسب و نسب کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت عاموص کا زمانہ نبوت مختصر ہے انہوں نے جو پیشین گوئیاں کیں وہ سچی ثابت ہوئیں ان میں سے ایک اسرائیل میں آنے والے ایک شدید زلزلے کے بارے میں تھی جو صرف دو سال بعد پوری ہو گئی۔ آخر زمانہ میں اسرائیل کے حکمران یربعام نے انہیں سامریہ سے نکال دیا اور وہ یہوداہ واپس آ گئے۔

میں صرف دوڑ کے مقابلے شامل تھے۔ 724 ق م میں ان کھیلوں میں ایک دہرے فاصلے کی دوڑ شامل کی گئی۔ یہ آج کل 400 میٹر کی دوڑ کے برابر تھی۔ بعد کی دہائیوں میں بہت سے دوسرے کھیل ان مقابلوں میں شامل ہوتے چلے گئے۔ 720 ق م میں پہلی بار طویل فاصلے کی دوڑ شامل کی گئی یہ آج کل 1500 میٹر سے 5000 میٹر کی دوڑ کے برابر تھی۔ کشتیاں 708 ق م میں متعارف کرائی گئیں۔ اسی سال نیزہ بازی، لاگ، جپ اور ڈسک پھینکنے کے مقابلے بھی اولمپک کھیلوں کا حصہ بنے۔ باسکٹ 688 ق م میں اور تھو دوڑ 680 ق م میں شامل کی گئی۔ اس طرح کھیلوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

77 ویں کھیلوں کا آغاز کے انعقاد (472 ق م) تک اور اولمپک مقابلے صرف ایک دن کے لئے منعقد ہوئے تھے۔ بعد ازاں یہ پانچ روزہ کر دیئے گئے۔ چار دن کھیلوں کے مخصوص تھے جب کہ پانچویں اور آخری دن اختتامی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔

یونانی ریاستیں دوسری صدی عیسوی اپنی آزادی رومی فاتحین کے ہاتھوں کھو بیٹھیں۔ رومی اگرچہ کسرتی کھیلوں میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے مگر انہوں نے یونانی کھیلوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انہیں جاری رکھا۔ رومی شہنشاؤں میں قیصر آگسٹس سب سے زیادہ کھیلوں کا شائق تھا۔ اس نے روم میں ایک لکڑی کا عارضی اسٹیڈیم بھی تعمیر کرایا۔ اس کے بعد شہنشاہ نیرہ نے بھی دیگر یونانی کھیلوں اور اولمپک مقابلوں کی سرپرستی کی چوتھی صدی عیسوی کے آخر تک دارالحکومت روم کی آبادی ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ ان ایک لاکھ افراد میں کھیلوں کے شائق افراد کی تعداد 25 ہزار سے زائد تھی۔ پھر چوتھی صدی عیسوی ہی میں رومی شہنشاؤں کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد شہنشاہ تھیوڈوسس اول نے نئے مذہب کے زیر اثر ماضی کی تمام کافرانہ رسوم کو منسوخ کر دیا۔ اولمپک کھیلیں بھی انہیں رسوم کے دائرے میں آ گئیں اور منسوخ کر دی گئیں۔ اگرچہ تھوڑے عرصے بعد یہ کھیلیں دوبارہ شروع ہو گئیں مگر صحیح معنوں میں ان کا احیاء 1896ء سے پہلے ممکن نہ ہو سکا۔

مآخذ

1. Encyclopaedia Britannica.
2. Ancient World By Richard Mansfield.
3. The Dorling Kindersley History Of The World.
4. The Times Illustrated History Of World.

5: تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم۔

6: تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان۔

7: انسائیکلو پیڈیا تاریخ اقوام عالم از ویم ایل لیگر۔

8: 1000 اہم واقعات۔

776 ق م۔۔۔ اولمپک کھیلوں کا آغاز

اولمپک کھیلیں جو آج کل ہر چار سال کے بعد منعقد ہوتی ہیں، متاخر یونانی مورخین کے مطابق 776 ق م میں شروع ہوئی تھیں لیکن بعض دوسرے مورخین کے مطابق 776 ق م میں ان کھیلوں کو شروع ہوئے 500 سال گزر چکے تھے۔ تاہم زیادہ تر مورخین کا اتفاق 776 ق م کے آغاز ہی پر ہے۔

اولمپک کھیلیں ان چار قدیم یونانی کھیلوں، اسٹیمین گیمز (Isthmian Games) (منعقد کورنتھ)۔ نیمن گیمز (Nemeans Games) (منعقد نیسیا)۔ پائی تھین گیمز (Pythian Games) (منعقد ڈیلفی) اور اولمپک (Olympic) (منعقد) پیلوپونیسس، میں سے ایک تھیں جو کلاسیکل گیمز کہلاتی تھیں۔ یہ مقدس یونانی شہر اولیپیا میں ہر چار سال کے وقفے سے عروج موسم گرما کے بعد 16 اگست سے 19 ستمبر کے درمیان آنے والی قمری تاریخوں میں منعقد ہوتی تھیں۔

کھیلوں کے انعقاد والے مہینے میں یونان کی تمام ریاستیں ایک معاہدہ التواء جنگ پر عمل پیرا رہیں جس کی رو سے کوئی ریاست بھی باہمی تنازعات کے باوجود ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کی پابند ہوتی۔ جو شخص بھی یہ کھیلیں دیکھنے یا ان میں حصہ لینے اولیپیا آتا اس پر لازم ہوتا تھا کہ وہ ہتھیار بند نہ ہو۔ اسی شق پر خود اولیپیا کے باشندے بھی عمل پیرا رہتے تھے۔

اولیپیا کو ہستان کروناٹس M.Kronas کی چوٹیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں زمانہ قدیم میں بہت سے مندر تعمیر ہوئے تھے۔ ان مندروں میں وہ عظیم الشان معبد بھی شامل تھا۔ جس میں مشہور یونانی معمار فیڈیاس Pheidias کا تراشا ہوا زیوس دیوتا کا وہ مشہور زمانہ مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ جو دنیا کے قدیمت عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ اسی معبد کے نزدیک وہ قدیم اسٹیڈیم واقع تھا جہاں اولمپک گیمز منعقد ہوتی تھیں۔ اولمپک کھیلیں قدیم یونانی معاشرے میں اتنی راج رہ گئی تھیں کہ یونان ان کھیلوں کے درمیانی وقفے کو جو اولیپیاڈ Olympiad کہلاتا وقت ناپنے کی اکائی کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اولمپک کھیلوں کا پہلا چیمپئن کورونیکس Coroebus نامی ایک باورچی تھا۔ اس نے یہ اعزاز 776 ق م کی کھیلوں میں کم فاصلے کی دوڑ جیت کر حاصل کیا تھا۔ یہ پہلا اولمپک ہیرو ہے جس کا ذکر اولمپک تاریخ میں ملتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قدیم زمانے میں بھی اولمپک مقابلہ جیتنے والوں کو قومی ہیرو کا درجہ دیا جاتا تھا۔ موسیقار ان کے اعزاز میں گھنٹیں ترتیب دیتے۔ سنگ تراش ان کے خوبصورت مرمریں مجسمے تراشتے اور شاعر ان کی تعریف میں نظمیں کہتے تھے۔ شروع میں اولمپک گیمز صرف آزاد یونانی شہریوں کے لئے مخصوص تھیں۔ مقابلے میں حصہ لینے والے چاہے یونانی ریاستوں سے تعلق رکھتے ہو یا نوآبادیوں سے وہ ہمیشہ آزاد شہری اور پیشہ ور کھلاڑی ہوتے اگرچہ انعام (معاوضے) میں انہیں جیتنے کے بعد صرف پھولوں کا تاج پیش کیا جاتا تھا۔ 776 ق م میں منعقد ہونے والی ابتدائی کھیلوں

753 ق م۔۔۔۔ تعمیر روم

تقریباً 1000 ق م میں ہند یورپی نسل - Indo European کے حملہ آوار قبائل کی ایک لہر کوکھالپائے کے دروں سے گزر کر اٹلی کے جنوبی اور وسطی علاقوں تک پہنچی۔ ان قبائل نے یہاں قبضہ کر کے آہستہ آہستہ یہیں مکمل بودوباش اختیار کر لی۔ ہند یورپی نسل کے یہ لوگ چار قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سین Sbines، سکی میٹر Samnites، امبرین Umbrian اور لاطینی Latins۔ لاطینی وسطی اٹلی میں آباد ہو گئے اور انہوں نے بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد کر لیے۔ 800 ق م تک لاطینی لوگوں کے تقریباً چالیس گاؤں آباد ہو گئے۔ اتنی تعداد میں گاؤں آباد ہوجانے کے بعد لاطینی لوگوں نے دریائے ٹائبر کے کنارے ایک شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا اور شہر کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب کیا۔ چونکہ یہ جگہ دلدلی تھی لہذا پہلے اس جگہ سے کچر اور دلدل کو خشک کیا گیا۔ جیسے جیسے وہ اس جگہ پر کام کر رہے تھے انہیں اپنے ہمسایہ لاطینیوں کی Etruscan قبائل سے حملہ کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ لاطینیوں کی دریائے ٹائبر کے شمالی کنارے پر آباد تھے۔ لاطینیوں کا خیال تھا کہ ان کے یہ ہمسائے اس شہر کی تعمیر کو ناپسند کرتے ہوئے دریائے ٹائبر کو ایک پایاب مقام سے عبور کر کے فوراً حملہ آور ہونگے۔ اس پایاب کی نگرانی کے لئے پیلاٹین پہاڑی Palatin Hill سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی۔ اس بنا پر لاطینیوں نے اسی پہاڑی کے اوپر اس شہر کو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ دشمن کی حرکات و سکنات پر بھی مستقل نظر رکھی جاسکے۔

مندرجہ بالا تاریخی مفروضے کے باوجود زمانہ حال تک تاریخ دانوں کو صحیح طور پر علم نہیں ہو سکا کہ روم کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا۔ یاروم کب وجود میں آیا؟ البتہ تاریخی تحقیق سے یہ پتا چلتا ہے کہ دیگر لاطینی شہروں کی طرح روم بھی کئی گاؤں اکٹھے ہوجانے سے وجود میں آیا اس شہر کی ابتدائی اساس پیلاٹین پہاڑی پر ہی رکھی گئی تھی۔ اسی اساس سے Roma quadrata ابھرا، وہ چوکوشہر جو ایک افسانے کے مطابق رومولس Romulus نے تعمیر کیا تھا۔ پھر پھیلتے پھیلتے سات پہاڑیاں و پیلاٹین، کپولین، کورنیل، ویتل، لیسکولین، کیملین اور ایونٹین اور نیز دوسری بلندیاں اور میدان بھی روم کی حدود میں آ گئے اور روم سات پہاڑیوں کا شہر کہلانے لگا۔

تاریخ کی بجائے دو افسانے ہمیں بتاتے ہیں کہ روم کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا۔ ایک افسانے کے مطابق ٹرائے کے ایک جنگجو ایneas نے تقریباً 1100 ق م میں روم کی بنیاد رکھی جب کہ دوسرے افسانے کے مطابق 753 ق م میں روم کا سنگ بنیاد دو جڑواں بھائیوں رومولس اور ریمس Remus نے رکھا تھا۔ ان دونوں جڑواں بھائیوں کی پرورش ایک مادہ بھیڑیے نے کی تھی۔ افسانے کے مطابق مقررہ دن خاص قسم کی جھاڑیوں کی آگ کا الاؤ روشن کیا گیا اور پھر باری باری رومولس Ramulus اور ریمس کے سب ساتھی اس آگ کے الاؤ پر سے پھلانگتے تاکہ اس تعمیر کی کام میں شیطانیات اور برائی سے بچا جاسکے پھر رومولس نے ایک سفید تیل اور گائے کوئل میں جوت کر مستقبل کی فیصلوں کے

ساتھ ساتھ بل چلایا اور زمین پر جھریاں ڈالی۔ اس زمانے میں اس طرح جھریاں ڈالنا متبرک خیال کیا جاتا اور ان جھریوں یا مٹخی خطوط کو ایسی جگہ سے پھلانگنا جہاں گزرنے کا نشان یا دروازہ نہ رکھا گیا ہو اس شہر کی فیصلوں کی بے حرمتی کرنا تصور کیا جاتا تھا۔ ریمس نے اپنے بھائی رومولس سے دلی طور پر حسد کرتا تھا جیسے ہی اس نے یہ جھریاں ڈالیں ریمس نے فوراً یہ جھریاں پھلانگتے ہوئے اپنے بھائی کو کہا کیا یہی لکیریں تمہارے شہر کی حفاظت کریں گی۔ اس بے حرمتی پر ریمس کو مار ڈالا گیا۔ اور رومولس نے اس کی لاش پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ آئندہ بھی جو شخص ہمارے شہر کی فیصلیں پھلانگتے کی جرات کرے گا۔ اس کا بھی یہی حشر ہوگا۔

ان افسانوں سے قطع نظر بہر حال تاریخ دانوں کی اس بات کا اثراتی سراغ بھی ملا ہے کہ آٹھویں صدی قبل از مسیح میں لاطینی لوگ اس مقام پر آباد ہو چکے تھے جہاں آج روم آباد ہے۔ ایک روایت کے مطابق ابتدائی روم پر سات بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان کے نام رومولس (716-753 ق م)، نوامپومیلوس Numapomilus (715-673 ق م)، تولوس ہوٹیلوس Tulus Hostilius (673-641 ق م)، انکس مارکس Ancus marcius (641-616 ق م)، سروئس تولیس Servius Tullius (578-534 ق م) اور لوئس تاکیس سپربس Lucius Tarquinius Superbus (510-534 ق م) چھٹی صدی قبل از مسیح میں روم پر لاطینیوں نے قبضہ کر لیا۔ روم کا آخری بادشاہ تاکیس سپربس انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا تھا۔ 509 ق م میں رومی عوام اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے روم سے بادشاہت ختم کر کے جمہوریت کی ابتدا کی۔ یہ جمہوریت 27 ق م تک قائم رہی اسی دوران 390 ق م میں فرانس کے گال قبائل نے روم کو تاراج کیا۔

درحقیقت روم کی یہ جمہوریت، جمہوریت نہیں بلکہ ایسی حکومت تھی جس کا نظم و نسق طبقہ امراء کے ہاتھ میں تھا (اس سے نچلے درجے کے شہریوں کو بھی مراعات ملتی رہتی تھیں) بعد ازاں سینٹ کی حکومت آئی۔ حکمران "توتھل" کہلانے لگے۔ رفتہ رفتہ شہر روم نے ہمسایہ لاطینی ریاستوں اور گرد و پیش کے دوسرے لوگوں پر اپنی سیادت قائم کر لی۔ اسی وجہ سے 390 ق م میں گالوں کے ہاتھوں تاراج ہونے کے باوجود روم کی عظمت میں اضافہ ہوتا گیا اور تیسری صدی قبل از مسیح تک یہ ایسی بڑی قوت بن گیا کہ اس نے اس وقت کی دوسری بڑی طاقت، قرطاج سے کمری اور اسے شکست دے کر روم مغربی بحیرہ روم کا بلاشرکت غیر مالک بن گیا۔ پھر 168 ق م تک مشرق سمت میں سلطنت کی توسیع ہوئی۔ مقدونیہ کے قلعہ جیم اور شام کے ایڈاکس سوم کی شکست اور مصر کو نیچا دکھانے کے واقعات پیش آئے بلاشبہ رومی اثر دور دور تک پھیل گیا۔ مگر اس سے صرف عوامدین سلطنت یعنی سینٹ کے ارکان اور عمارتیں کو فائدہ پہنچا۔ طبقاتی نزاع بڑھتی گئی۔ چنانچہ عوام کے اطمینان کی خاطر زرعی قوانین حصارف کرائے گئے اور غلاموں کی بغاوتوں کو بے دردی سے کچل دیا گیا۔ (مثلاً سسلی میں تقریباً 136 ق م - 131 ق م - 104 ق م - 101 ق م) بہر حال سلطنت روم اپنی جمہوری شکل یا شہنشاہت کی صورت میں دنیا کے قدیم کی ایک بڑی سلطنت تھی۔ اس کی 1300 سالہ تاریخ میں اس کی سرحدیں کئی بار تبدیل ہوئیں۔ اپنے عروج کے دور میں سلطنت روم تقریباً ایک چوتھائی یورپ، مشرق وسطیٰ کے ایک بڑے حصے اور براعظم افریقہ کے پورے شمال ساحل پر قابض رہی۔ اس کے زیر حکومت دنیا کا بہت بڑا علاقہ اپنے رنگ و نسل و مذاہب

کے اختلاف کے باوجود ایک سیاسی وحدت یا اکائی میں تبدیل ہو گیا اور رومی تہذیب ایک بین الاقوامی تہذیب میں تبدیل ہو گئی۔ خود روم وسطی اٹلی کے ایک گاؤں سے دنیا کے ایک بڑے بین الاقوامی شہر اور عظیم شہر اور عظیم الشان دار الحکومت میں بدل گیا۔

ماخذ

The Heritage Of The World. Civilization. World Civilization, their History and their Culture By Philip Lee Ralph. Ancient World By Richard Mansfield Haywood. Makers Of Rome By Plutarch. A History of World Civilization By J.E. Swain. The Epic Of man By Editors Of Life. In Search Of Ancient Rome.

انسائیکلو پیڈیا اتوام عالم۔

750 ق م۔۔۔ حضرت یونسؑ کا نیوا میں ظہور

آشور یہ Assyria میسوپوٹیمیا کا وہ علاقہ ہے جہاں دنیا کے اولین تہذیبیں پروان چڑھیں۔ اس علاقے میں بہت سی قدیم سلطنتیں بام عروج پر پہنچیں انہیں میں سے ایک آشوری سلطنت تھی۔ جس کا دار الحکومت نیوا تھا۔ اسی سلطنت کے آخری دور میں جب آشور یہ کے دار الحکومت میں بدکاری اور برائی پایہ کمال کو پہنچی۔ ایک بزدل بادشاہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ شہر میں بھی بدکاری کے وہ وہ سامان ہوئے کہ فرشتوں کا دل دہلنے لگا۔ یکا یک ایک روز ایک قہمت ناک آواز شہر میں گونجنے لگی۔ گھروں، محلوں، سراؤں اور بازاروں میں جہاں دیکھو وہی کانپتی آواز سنائی دیتی تھی۔ ”چالیس دن کے اندر خیرا بر باد ہو جائے گا“ ایک عجیب اور سادہ انسان چمڑے کے لباس میں ملیوں جگہ جگہ لوگوں کو ان کے انجام بد سے آگاہ کر رہا تھا۔ لوگ حیران اور انگشت بدندان تھے کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ ہزار پوچھتے مگر بجز اس کے اور جواب نہیں ملتا تھا۔ نام نا پوچھو میرا گناہ میں۔ کام نہ پوچھو میرا نام ہوں میں۔ زرد رو، پریشان حال اور تھکا ماندہ کھائی دینے والا یہ شخص ایک نہایت دل دوز اور وحشت انگیز تصویر کی طرح تمام اہل شہر کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا تھا۔ اس کے خشک ہونٹوں سے بار بار یہ صدا ابھرتی تھی۔ ”چالیس دن کے اندر شہر نیوا تباہ ہو جائے گا۔“ اس آواز نے شہر کے باسیوں کے دل ہلا دیئے۔ پھر یہ صدا شاہی محل تک جا پہنچی بادشاہ اپنے تخت مرصع پر بیٹھا اپنے درباریوں کی خوش آمد سننے میں مشغول تھا۔ ایک کانپتے ہوئے غلام نے بادشاہ کی خدمت میں اس اجنبی کے الفاظ پہنچائے۔ بادشاہ کلیجہ تھامے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے تاج و طلعت اتار کر پھینک دی اور گدڑی پہن کر راہ کے ڈھیر پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنے عیان سلطنت کو حکم دیا کہ پورے شہر میں مشتہر کرو کہ سب پر کھانا پینا حرام ہے۔ گدڑیاں چکن کر خدا کے حضور میں گر یہ زاری کرو تا کہ ہماری مصیبت دور ہو جائے۔ شہر میں ہونے والی عیش و عشرت گر یہ وزاری اور دل سوز نظاروں میں بدل گئی۔ وہ گناہ جن سے خدا نے لم بزل کو ناراہنگی پیدا ہوئی تھی بند ہو گئے۔ ادھر وہ سادہ انسان جو شہر کی تباہی کا پیغام دے رہا تھا۔ پیغمبر خدا حضرت یونسؑ تھا، خاموش ہو گیا کیونکہ خدا نے جو بہ نسبت انسان زیادہ مہربان تھا اس شہر پر رحم کھایا اور توبہ کرنے والوں کو کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔

حضرت یونسؑ بن مرقی کو اہل نیوا کی ارشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ حضرت یونسؑ کو پیغمبر بنی اسرائیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ مورخین نے ان کا زمانہ آٹھویں صدی قبل از مسیح کا وسط بتایا ہے۔ جب آشور یہ میں برائی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ حضرت یونسؑ شاہ اسرائیلی ربعام دوم اور حضرت حزقیل کے ہم عصر تھے۔

حضرت یونسؑ ایک مدت تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے مگر سرکش قوم کفر و شرک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ وہ بالاخر قوم سے مایوس ہو کر خشکی کے عالم میں قوم کو بحالت کفر چھوڑ کر شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک بحری جہاز یا کشتی میں سوار ہوئے۔ مسافروں سے بھری ہوئی یہ کشتی موجوں کی لپیٹ میں آ گئی اور قریب تھا کہ وہ لہروں کی نذر ہو جائے کہ

کشتی والوں اپنے عقیدے کے مطابق یہ نتیجہ نکالا کہ کشتی پر کوئی ایسا غلام سوار ہو گیا ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے اور اس کی وجہ سے کشتی کو بھی ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو گیا لہذا اہل کشتی کی سلامتی اس بات میں ہے اس بھاگے ہوئے غلام کو کشتی سے نکال کر باہر کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے قرعہ اندازی کے ذریعے ایسے شخص کا پتا لگایا جس کو پانی میں بھینکنے سے کشتی کے بقیہ لوگوں کی جان بچ سکے۔ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام نکلا۔ مگر ان کی پیغمبرانہ معصومیت اور راست بازی اور نیک صورت کو دیکھ کر اہل کشتی کو یہ گوارا نہ ہوا کہ انہیں طوفانی لہروں کے سپرد کیا جائے۔ مزید تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی ہر مرتبہ انہیں کا نام نکلا۔ بالآخر حضرت یونسؑ پانی میں کود پڑے کہ جب ان کے کودنے سے اتنے انسانوں کی جان بچ سکتی ہے تو پھر انہیں بھی انکار نہیں۔ سمندر میں انہیں ایک وہیل پھنکی نے نکل لیا مگر اللہ کی طرف سے اس پھنکی کو حکم تھا کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے اور نہ ہی وہ انہیں خوراک یا غذا بنا سکتی تھی۔ پھر وہ پھنکی انہیں اپنے پیٹ میں زندہ اٹھائے پھر قریبی قرآن مجید میں آیا ہے کہ ”یونسؑ نے اندھروں میں اپنے رب کو پکارا“ (اندھروں سے مراد پھنکی کے پیٹ یا پانی کے اندر کا اندھیرا ہے) ان اندھروں میں رہ کر انہیں اپنی اجتہادی غلطی کا احساس ہوا کہ انہیں اتنی جلدی اپنا فرائض منصبی نہیں چھوڑنا چاہیے تھا بلکہ منصب نبوت کا تقاضہ تھا کہ قوم سے مایوس ہونے کے بعد انہیں وحی الہی کا انتظار کرنا چاہیے تھا اور اذن الہی کے بغیر ان کا اپنی قوم کو چھوڑنا اپنی جان پر ظلم کرنے کے مترادف تھا۔ حضرت یونسؑ قرآن مجید کے مطابق احساس ندامت سے پکار اٹھے۔ ”لا الہ الا اللہ انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔“ اللہ نے پھنکی کو حکم دیا اس نے انہیں واپس اگل دیا۔

745 ق م۔ تلگت پلاسروسوم۔۔۔ آشور کا مرد جنگ

آشوری سلطنت نے اپنا آخری عروج تلگت پلاسروسوم (745-727 ق م) کے عہد میں حاصل کیا۔ اس نے اپنی قوم کو بہت سے فتوحات دلائیں۔ عہد نامہ تیلیق کی کتاب سلاطین میں اسے پول کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب کی سمت میں اضافی علاقے فتح کرنے کے بعد وہ ایک خاص حکمت پر عمل پیرا ہوا۔ وہ مفتوحہ علاقوں کو ماتحت صوبوں میں تقسیم کر دیتا یوں ان پر اس کی گرفت مضبوط رہتی تھی۔ ہو سکتا ہے ایسی پالیسی اس کے عہد سے پہلے کسی فاتح نے بھی اختیار کی ہو مگر وہ دیگر اقوام کو ہراساں اور پریشان کرنے میں سب سے زیادہ بدنام ہے۔ وہ مفتوحہ شہروں سے لوگوں کو گرفتار کر کے کسی دور دراز علاقہ میں آباد کر دیتا اور اس شہر میں کسی اور جگہ کے لوگوں کو آباد کر دیتا تھا۔ اس طرح بغاوت ہونے کا احتمال نہ رہتا تھا۔ اس کے اس عمل سے انسانی زبانوں پر بھی بڑا اثر ہوا۔ سلطنت کے بڑے حصے میں آرامی زبان نے کئی دوسری زبانوں کی جگہ لے لی۔ اپنے دواقتدار کے آغاز میں تلگت پلاسروسوم نے اسرائیل کے بادشاہ منام اور دمشق کے آرامی بادشاہ رشین سے خراج وصول کیا۔ چونکہ اس زمانے میں یہودہ کنعان کی سب سے طاقتور ریاست تھی اس لیے ممکن ہے اس کے بادشاہ عزیاہ نے بھی آشور کے خلاف کوئی اتحاد قائم کیا ہو۔ اس کے جانشین یوتام اور آخر اسرائیل اور شام کی طرف سے اتحاد قائم کرنے کا دباؤ برداشت کرتے رہے۔ آخر نے اتحاد کی یہ تجویز ٹھکرا کر پلاسروسوم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جس کے جواب میں آشوری افواج 732 ق م میں جیش قدی کرتے ہوئے فلسطین تک آ گئیں اور مخالفت اقوام کو شکست دے کر اس علاقہ پر قابض ہو گئیں۔ زبردست محاصرہ کے بعد دمشق کا شہر بھی شکست کھا گیا۔ رشین مارا گیا اور سامریہ نے فتح کی جگہ ہومسج کو بادشاہ بنا کر حملہ کا خطرہ ٹالا۔ اس کے بعد تلگت پلاسروسوم کے عہد میں آشوریہ کی سرحد کا کیشیا سے مصر تک پہنچ گئیں۔ اس نے بہت سے معبد اور محلات بھی تعمیر کروائے۔ تعمیری اور عسکری فتوحات کا سلسلہ اس کی موت تک جاری رہا۔ اس کی موت 727 ق م میں ہوئی۔

آشوریہ کے دو عظیم حکمران

سارگون دوم 722 ق م - 705 ق م سے آشوریہ کے آخری شاہی خاندان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے چار جانشینوں کے عہد میں آشوری سلطنت بے حد عروج کو پہنچی۔ انہیں دنوں بابل میں مردوک بلدان نامی ایک شخص نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اسے ہمسایہ عیلامیوں کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ اس لیے آغاز میں سارگون اس بغاوت کو دبانے میں ناکام رہا بارہ سال کی کوشش عیسیم کے بعد 710 ق م میں سارگون اسے شکست دینے میں کامیاب ہو سکا۔ مردوک شکست کھا کر عیلام کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد کلدانی قبائل کی آشوریوں کے انتقام کا نشانہ بننا پڑا۔ سارگون نے بابل فتح کرنے کے بعد نئے سال کی خوشی بابل میں منائی اور شاہ بابل کا لقب اختیار کیا۔ اس کے عہد میں آشور کج اور نینوا کو دار الحکومت کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مگر آخر کار اس نے خورس آباد کا عظیم شہر آباد کیا اور اسے اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اس شہر کی تعمیر کی وجہ سے سارگون دوم کو یاد کیا جاتا ہے۔ 711 ق م میں اس نے اشدود کے خلاف مہم جوئی کی۔ عہد نامہ تیلیق کی کتاب ”یسعیاہ میں شاید اس کا ذکر آیا ہے“ سارگون دوم ایک جنگ میں 705 ق م میں کام آیا اور اس کا عہد حکومت اچانک ختم ہو گیا۔

انسائیکلو پیڈیا معلمات سے، عہد عتیق کا آخری سفر، قاموس الکتاب

آٹھویں صدی قبل از مسیح کے پہلے نصف میں یربعام ثانی (782 ق م - 753 ق م) کے تحت اسرائیل اور عزیاء نے تخت یہوداہ میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب آشور یہ میں ٹکٹ پلاسروسم تخت نشین ہوا تو آشور نے ایک بار پھر اپنی سامراجیت کو مغربی ممالک خصوصاً یہوداہ، اسرائیل اور ارام کی طرف بڑھایا۔ ایسے میں شاہ ارام، روضن اور شاہ اسرائیل نے آشور کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد کر لیا اور یہوداہ کے بادشاہ آشورکو بھی اپنے اتحاد میں شامل ہونے پر مجبور کرنے لگے۔ جب اس نے انکار کیا تو وہ اسے دھمکی دینے لگے کہ وہ اسے معزول کر کے یہوداہ کے تخت پر کسی کھ پتلی حکمران کو بٹھادیں گے۔ اس دھمکی پر آشور نے اپنے آخری بادشاہ آشور کے نتیجے میں یہوداہ آشوری ایک فطیلی ریاست بن گیا۔ یہ آخر کا ایک بڑا گناہ تھا جس پر یسعیاہ نے احتجاج کیا۔ اس نے یہوداہ کو مصر کی امداد پر مجبور کرنے سے روکا اور آواز بلند کی۔

قاموس الكتاب صفحہ نمبر 1122۔ عہد عتیق کا تاریخی سفر صفحہ نمبر 316۔

722 ق م۔۔۔ سقوط اسرائیل

753 ق م میں یربعام دوم کی وفات کے بعد شمالی سلطنت میں کل پانچ بادشاہ اور تخت نشین ہوئے۔ یہ سلوم، منام، فقیہ، شح (739-731 ق م) اور ہوسع (731-722 ق م) تھے۔ ان پانچ بادشاہوں کے عہد میں سلطنت اسرائیل صرف تیس سال تک قائم رہی۔ ہوسع 731 ق م میں شمالی سلطنت کا بادشاہ بنا۔ ابتدائی پالیسی میں اس کا کوئی ہاتھ تھا نہ اختیار۔ وہ تلگت پلاسر کا باج گزار تھا جو بڑے فخر سے کہتا تھا کہ ہوسع کو میں نے تخت ساسر پر بٹھایا ہے ہوسع کا دائرہ حکومت زیادہ افرانیم کے پہاڑی علاقے تک محدود تھا۔ گلیل اور اردن کے علاقے 734 ق م کی آشوری ہم کے بعد آشوری تسلط میں تھے۔ شام مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے تلگت پلاسر نے مجدو کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور اسے گلیلی صوبوں کے انتظام و انصرام کے لیے صوبائی دارالحکومت بنادیا تھا۔ 727 ق م میں آشوریہ کا زبردست بادشاہ تلگت پلاسر مر گیا۔ وہ ایک مرد جنگ تھا۔ اس نے قوم کو بہت فتوحات دلائیں تھیں۔ اس کے بعد شلمنسر پنجم تخت نشین ہوا۔ اس نے اگرچہ اپنے باپ کی پالیسیوں کو جاری رکھا مگر ہوسع کا خیال تھا کہ وہ اتنی وسیع سلطنت کو اپنے باپ کی طرح سنبھال نہ سکے گا۔ اس لیے اس نے مصر کی شہ پاکر آشوریہ کو خراج دینا بند کر دیا۔ جو اس کی ایک بڑی سیاسی غلطی تھی۔ جواب شلمنسر پنجم نے اسرائیل پر حملہ کر دیا اور 725 ق م ساسرہ کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین سال تک ہوسع اس کی زبردست فوجوں کے سامنے ڈنبا رہا آخر 722 ق م میں اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح بنی اسرائیل کی شمالی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ آشوریہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ مفتوح اقوام کو گرفتار کر کے دور دراز کے علاقوں اور دوسری مملکتوں میں لے جا کر آباد کرتے تھے۔ یہی اسرائیل کے لوگوں کے ساتھ ہوا۔ انہیں فارس کے علاقوں میں لے جایا گیا۔ آشوریہ کے تاریخی وقائع کے مطابق کل 28000 افراد آشوریہ کی جلاوطن کر دیئے والی پالیسی کا شکار ہوئے۔ سارگون دوم جو شلمنسر کا جانشین تھا اس نے بابل کے لوگوں کو ساسرہ میں آباد کیا۔ اس طرح اب اس کی حیثیت فقط آشوری صوبے کی رہ گئی۔ دو سال تک شمالی سلطنت کے لوگ یربعام اول کی حکمت عملی پر گامزن رہے، جس نے اس مملکت کی بنیاد رکھی تھی۔ اگرچہ اس سلطنت کے حکمران خاندان بدلتے رہے مگر اسرائیل شریعت موسوی کے دس احکامات خداوندی کی صریح خلاف تھی۔ اس سارے عرصے میں خدا کے بہت سے پیغمبروں نے بنی اسرائیل کو خدا کو پیغام پہنچایا اور بت پرستی ترک کر دینے کا حکم دیا مگر اہل یہودیت پرستی کے دلدادہ ہوئے اور خدا کے نافرمان ہونے کی وجہ سے ان پیغامات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس قوم کی نافرمانیوں کی وجہ سے آخر خدا نے انہیں آشور کے بادشاہوں کے سپرد کر دیا جو انہیں اسیر کر کے اپنے ساتھ لے گئے مگر جنوبی سلطنت کے لوگ ان کا انجام دیکھ کر بھی نہ سنبھل سکے۔

مآخذ

عہد عتیق کا تاریخی سفر۔ عہد عتیق کی تاریخ جلد اول۔ قاموس الکتاب

716 ق م۔۔۔ حزقیہ۔۔۔ ایک راستباز بادشاہ

حزقیہ 716 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد حکومت یہوداہ کی تاریخ میں ایک ممتاز مذہبی دور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگرچہ آشوریوں نے یہوداہ پر زبردست دباؤ ڈالا اور ہمسایہ ریاست اسرائیل کا خاتمہ کر دیا مگر حزقیہ 701 ق م پر وٹلم پر ایک زبردست حملہ سے بچ نکلا حزقیہ کی سلطنت کی آخری دس سالوں میں منسی کو اس کے ساتھ نائب السلطنت بنادیا گیا۔

حزقیہ نے اپنی آنکھوں سے سقوط اسرائیل دیکھا اور اس کے اسباب پر غور کیا۔ اس کا باپ صریحاً بت پرستی کی سرپرستی کرتا تھا۔ حزقیہ نے اس کے خلاف رد عمل کا اظہار کیا۔ اس کے نزدیک اسرائیل کی اسیری خدا کی نافرمانی اور اس سے عہد توڑنے کی وجہ سے تھی اور اس نے اتنی وسیع مذہبی اصلاحات کیں کہ جنوبی سلطنت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے خدا پر بھروسہ کیا اور مذہبی اصلاحات کا نفاذ نہ صرف یہوداہ بلکہ اسرائیل میں بھی کیا۔ اس کی ریاست چونکہ پہلے ہی آشوریہ کی باج گزار تھی لہذا اس نے سارگون کی قیادت کو قبول کیا اور آشوری مداخلت سے محفوظ رہا۔

خدا کی عبادت کے احیاء کے سلسلے میں اس نے ہیکل کو دوبارہ کھول دیا۔ اور عبادت گاہ کی مرمت اور صفائی کرائی اور اسے بتوں سے پاک کر دیا۔ اس کاروائی میں کل سولہ لگے۔ ہیکل میں قربانیوں کا سلسلہ بھی دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ حضرت داؤد کے عہد کی طرح حمد و ستائش کے ساتھ سختی قربانی بھی چڑھائی گئی۔

حزقیہ نے اس کے علاوہ اہل یہود میں عہد سلیمان جیسا اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک قدم یہ اٹھایا کہ سارے ملک میں بمعہ بارہ شمالی قبیلوں کے خطوط بھیجے گئے اور سب کو یروٹلم مدعو کیا تاکہ سب مل کر عید فصح منائیں۔ اگرچہ بعض لوگوں نے حزقیہ کی اپیل پر وہیاں نہ دیا مگر آشور، منسی، افرانیم، اشکار اور یہوداہ کے قبیلوں میں سے بہت سے لوگوں نے یروٹلم میں عید منانا قبول کیا۔

بدعتوں کی روک تھام کے سلسلے میں حزقیہ تانبے کا وہ سانپ بھی توڑ دیا جو روایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے بنایا تھا۔

مآخذ

عہد عتیق۔ عہد عتیق کا تاریخی سفر۔ قاموس الکتاب۔

696 ق م - 598 ق م --- منسی، یوسیاہ اور یہو یقیم ---

آشوری مملکت بڑی کامیابی سے اپنی سلطنت کی سرحدیں وسیع کرتی آ رہی تھی۔ ایک صدی تک یہوداہ اس کی توسیع پسندانہ عزائم سے بچتا رہا۔ آخر نے تلگت پلاسر سوم سے معاہدہ کر کے یہوداہ کی آزادی گنوا دی۔ اس کے بعد اس چھوٹی سی ریاست پر بحران آتے رہے۔ وہ مزید پانچ آشوری حکمرانوں کی باج گزار رہی۔ اس نیم مختار ریاست میں کبھی راستباز بادشاہ اور کبھی گمراہ کن شریر بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ منسی (696 ق م۔ 642 ق م)، یوساہ (640 ق م۔ 609 ق م) اور یہوئقیم (609 ق م۔ 598 ق م) آخری حکمرانوں میں اہم حکمران تھے۔

یہود اور تاریخ میں منی کو عہد آخر میں طویل ترین دور حکومت نصیب ہوا۔ حزقیہ کے ساتھ چودہ سال شراکت کے شامل کر کے اس نے تقریباً چھپن برس (696 ق م تا 642 ق م) حکومت کی۔ مگر اس کا دور حکومت اس کے باپ حزقیہ سے بالکل مختلف اور متعا تھا۔ اس کے باپ کے عہد میں مذہبی جوش و جذبہ کی بلند یوں پر پہنچنے والی جنوبی سلطنت اس کے عہد میں قلابازی کھا کر بت پرستی کی پستیوں میں چلی گئی۔ اپنے کردار و عمل میں منی اپنے دادا آخز سے مشابہ تھا۔ حالانکہ آخز اس پوتے کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ اپنے باپ کی حکمت عملیوں کے الٹ چلنے کا سلسلہ منی نے اس کی موت کے بعد شروع کیا۔

اس نے اونچے مقامات پر مندر اور بعل دیوتا کے لیے قربان کا جس تعمیر کرائیں اور ایک بار پھر یہوداہ کو بت پرستی کی لعنت میں دھکیل دیا جیسے کرائی اب اور ایریل نے شمالی سلطنت کو دھکیلا تھا۔ مذہبی رسومات اور تقریبات کے وسیلہ سے ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو رواج دیا گیا۔ یہاں تک یہ عبرانی بادشاہ عمون کے دیوتا مولک کو بھی پوجنے لگا اور یہ وہ ظلم کے باہر وادی بنوم میں انسانی بچوں کی قربانیاں چڑھانے لگا۔ کنعان میں مذہبی رسومات میں انسانی قربانی کی رسم سب سے زیادہ مکر وہ تھی۔ ایک زبور نویس اس کی شیطانی پرستی سے منسوب کرتا ہے۔ ایسی کھاناؤں کی بت پرستی کے خلاف احتجاج میں بہت سی آوازیں بلند ہوئیں مگر احتجاج کرنے والوں کے خون کو اڑاں کر دیا گیا۔ اولاد داؤد میں منسی سب سے زیادہ بدکرداری کا حامل تھا۔

منشی کے بعد اس کا بیٹا امون یہوداہ کے تخت پر بیٹھا اس کے عہد میں برصغیر میں مزید بڑھ گئی۔ 640 ق م میں شای محل کے غلاموں نے امون کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کا آٹھ سالہ بیٹا یوساہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے کل اسی سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں قوم پرستانہ امیدیں پھر بندھیں مگر یوساہ کی قیادت اس کے جنگ مجدد میں ہارے جانے سے اچانک ٹوٹ گئیں۔

سارگون دوم کی وفات کے بعد ستر ب Sennacherib تخت نشین ہوا۔ اس نے نینوہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ اس نے اپنے اس عظیم دار الحکومت کے گرد کوئی 40 سے 50 فٹ بلند اور دریائے دجلہ کے ساتھ ساتھ کوئی اڑھائی میل طویل، دیوار تعمیر کرائی۔ وہ اپنا تاریخی احوال مٹی کی الواح پر رقم کرتا تھا۔ اس احوال میں اس نے یہ لکھا ہے کہ صیداء یا قافا اور یہوداہ کے چھالیس فیصل دار شہر اس نے فتح کیے۔ اس کے احوال میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس نے خزقیہ کے زمانے میں یروشلم پر چڑھائی کی جو خزقیہ کی بغاوت کے نتیجے میں تھی۔ ستر ب نے شہر کا محاصرہ کر لیا، ہیر وڈوٹس نے اپنی تاریخ میں اس محاصرے کا ذکر کیا ہے۔ محاصرے کی طوالت سے تنگ آ کر خزقیہ نے خراج کی ادائیگی پر ستر ب سے صلہ کی۔ یہ خراج اور تاوان جنگ اسے نیکل سلیمانی کے خزانوں سے ادا کرنا پڑا۔

اس کے بعد سنہ ۶۸۹ ق م میں بابل کے شہر کو برباد کر دیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۸۵ ق م میں پیش قدمی کر رہا تھا اسے خبر ملی کہ تریاقہ حملہ کرنے کو آرہا ہے۔ حزیقہ نے بھی مصر سے عسکری معاہدہ کر کے دوبارہ خود سری اختیار کر لی جب سنہ ۶۷۱ ق م میں لڑنے کے لیے آیا تو شب خون مار کر مقام پلوسیم پر آشوری لشکر کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ اس وجہ سے سنہ ۶۶۰ ق م میں چھپے ہٹا پڑا۔ ۶۵۹ ق م میں سنہ ۶۵۹ ق م میں اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھوں دورانِ عبادت قتل ہوا۔

لوٹ مار کی۔

کیا کسار نے اگرچہ سکیت قبائل سے صلح کر لی تھی مگر اس نے سیاست سے کام لیتے ہوئے سکیت سرداروں کو ایک دعوت پر بلا کر قتل کروا دیا اور پھر ان پر حملہ کر کے انہیں مملکت سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

626 ق م میں آشوری بنی پال کی وفات کے بعد جب آشوری کمزور پڑ گئے تو کیا کسار نے ایک بار پھر حملہ کر کے آخری نواح کر لیا۔ آشوری سلطنت کے فاتح سے آل ماد کو بے حد فائدہ پہنچا اور وجہ کے آس پاس علاقے ان کی مملکت میں شامل ہو گئے۔ ادھر کیا کسار نے نیوا کے نئے حکمران نیو پلاس کے بیٹے نیو کدھر سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے دونوں سلطنتوں میں اتحاد پیدا کر لیا۔ بخت نصر نے اپنی اس ملکہ کے لیے جس کا نام آمیتہ Amytis تھا کے لیے بابل کے مشہور زمانہ آویزاں باغات تعمیر کروائے تھے۔ آمیتہ چونکہ ہمدان کے پہاڑی علاقے کی رہنے والی تھی اس کی میدانی علاقوں میں اداس رہنے کی وجہ سے بخت نصر نے یہ آویزاں باغات بنوائے تھے۔ ان باغات میں ایشیاء بھر کے خوبصورت پودے لگائے گئے تھے۔ کیا کسار کی وفات پر اس کا بیٹا آستیاگس Astyages آل ماد کا حکمران بنا جو تاہل حکمران ثابت ہوا۔ آل ماد کی حکومت کا زمانہ اگرچہ مختصر ہے لیکن یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تاریخ عالم میں یہ مشرق کی پہلی قوم تھی جس نے اپنی آزاد سلطنت قائم کر کے سامیوں کو پچھاڑا۔ جو پہلے سے مغربی ایشیا کے حکمران چلے آتے تھے۔

مآخذ

تاریخ ایران

655 ق م۔۔۔ سلطنت ماد کی بنیاد

ایران کے قدیم باشندے آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ تقریباً 4 ہزار سال قبل از مسیح میں پامیر سے چل کر ایران آئے۔ یہ آریائی ایک عرصہ دراز تک آشوریوں کی رعایا رہے اور ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔ اپنی سلامتی کی خاطر یہ آریائی جو آل ماد کہلاتے تھے آشوریوں کو خراج ادا کرتے تھے۔ آخر ساتویں صدی قبل از مسیح میں آل مادہ کے ایک فرد دیوکس نامی کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے آریاؤں کو آشوری ہمسایوں کی باج گزاری سے نجات دلائی۔ مشہور یونانی مورخ ہیرودوٹس کے مطابق یہی دیوکس آل ماد کا وہ فرد ہے جس نے میڈیا میں آزاد حکومت قائم کی۔

دیوکس Diokes میڈیا کے ایک دہقان Phraortes کا بیٹا تھا۔ یہ شخص ابتدائی سے انقلاب پسند تھا۔ جب آل ماد کی حفاظت کے لیے کسی بادشاہ کا انتخاب کیا گیا تو قوم کے بڑے بوزھوں نے اسے منتخب کیا۔ اسے بادشاہ بنادیا گیا۔ پھر اس نے مختلف قبائل سے جن کر اپنی ایک فوج تیار کی۔ اس طرح اس نے آل ماد کے منتشر قبائل کو منظم کیا اور ہمدان کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہمدان کی سات فصیلیں تھیں۔ اور ہر دیوار کا رنگ جدا جدا تھا۔ ساتویں آخری دیوار کے اندر شاہی محل تھا۔ اہل بابل ان دیواروں کو سات سیارگان کا منظر سمجھتے تھے۔

دیوکس کی فراست نے ملک کو اس قدر مستحکم بنادیا کہ آشوری حملوں سے باز آ گئے۔ اس کا انتقال 655 ق م میں ہوا۔ تو آل ماد کی بادشاہت موروثی ہو گئی اور اس کا بڑا بیٹا فراورتش Fravartish تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ کے نقش قدم پر چل کر ملک کو مزید مستحکم کیا اور آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیں۔ بڑھتے بڑھتے اس نے پارس کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

645 ق م میں آشوری بادشاہ بنی پال بابل اور عیلام وغیرہ کو فتح کر کے عیش و طرف میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ایسے میں فراورتش نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور آشوریہ فتح کر کے اپنی مملکت میں توسیع کرنا چاہی مگر اس کی افواج ابھی اتنی طاقتور نہیں ہوئی تھیں کہ آشوریوں پر جنہوں نے ایشیا کی تمام قدیم اقوام کو روند ڈالا تھا۔ قابو پا سکیں مگر فراورتش نے آشوریوں پر حملہ کیا اور ان سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔

اس کا یہ خواب اس کے جانشین اور بیٹے کی کسار ہونڈشتر نے پورا کر دکھایا اور 633 ق م میں تخت نشین ہونے کے بعد اپنی افواج کو مزید منظم کر کے آشوری دارالحکومت نیوا کا محاصرہ کیا۔ قریب تھا کہ نیوا پر آل ماد کا قبضہ ہو جاتا اور آشوری مفتوح بن جاتے کہ سکیت یا سکائی قبائل Cythian نے کیا کسار اور اس کی فوج کو آشوریوں سے مصروف جنگ دیکھ کر آذر باغان اور ملحقہ علاقوں پر حملہ کر دیا۔ کیا کسار کو اس حملے کی خبر ملی تو اس نے نیوا کا محاصرہ اٹھا کر سکیت قبائل کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا مگر دشمنی قسمت سے اسے ان قبائل کے ہاتھوں شکست ہوئی اور انتہائی رسوا کن شرائط پر صلح کرنا پڑی۔ ادھر سکیت قبائل کے اتنے حوصلے بڑھے کہ انہوں نے آشوریہ پر حملہ کر دیا اور خوب جی بھر کر ان کی مملکت میں

بائبل میں آشور بنی پال کا دوسرا بھائی شمش شموکین پندرہ سال تک آشور یہ کا وفادار رہا۔ لیکن 652 ق م میں اس نے بھی بغاوت کر دی۔ اس کی پشت پناہی سلطنت عیلام کر رہی تھی لیکن وہ خود بھی داخلی مشکلات کا شکار تھی اس لئے آشور بنی پال نے 648 ق م میں بائبل پر قبضہ کر لیا۔ شمش شموکین نے خودکشی کر لی اور بائبل پر ایک کھ پتلی حکمران فائز کر دیا گیا۔

بائبل سے نکل کر آشور بنی پال نے سلطنت عیلام کو شمش شموکین کی جانبداری کا حرا چکھایا۔ کئی حملوں میں اس نے سلطنت عیلام کے بہت سے شہروں کو برباد کر دیا۔ آشور بنی پال کے عہد کے آخری سالوں میں خود آشوری سلطنت بھی زوال پذیر ہو گئی۔ اس کی اہم وجہ معاشی حالات کی خرابی تھی۔ مغرب میں کابھیہ والوں نے اور مشرق میں آریہ لوگوں نے اہم تجارتی راستے بند کر دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے آشور یہ معاشی بد حالی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ آشور بنی پال کی موت کے صرف پندرہ سال بعد 612 ق م میں نینوا تباہ ہو گیا آشور بنی پال ایک مذہبی رجحان رکھنے والا حکمران تھا۔ اس نے بائبل و نینوا میں بہت سے قدیم معبد دوبارہ تعمیر کروائے۔ نینوا میں عسکار کے معبد کی تعمیر پر اس نے خصوصاً توجہ دی۔ اس کی خودنوشت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی کام سے پہلے شگون لیا کرتا تھا یا فال نکلواتا تھا۔ اس کی کندہ کروائی ہوئی تصویروں سے شہادت ملتی ہے کہ وہ ایک مذہبی انسان تھا۔ ایک تصویر میں وہ جشن نوروز مناتے ہوئے اپنی ملکہ کے ہمراہ تاول کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے موسیقاروں کی ایک پوری فوج ہے اور ذرا پرے ایک لڑکی ساز بجارہی ہے۔ اس کے کئی چھوٹے بھائی آشور اور دیگر شہروں میں پرہوت تھے۔ اس لئے مذہب پر بھی حکومت کے ساتھ ساتھ ان کی اجارہ داری قائم تھی۔

آشور بنی پال کا عہد جنگ و جدل سے بھرپور ہونے کے باوجود یہ بات حیران کن ہے کہ آشور بنی پال کا سب سے اہم کارنامہ جنگ و جدل سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ادب و فنون سے اس کا گہرا لگاؤ ظاہر کرتا ہے۔ اس عظیم حکمران کا سب سے بڑا کارنامہ دنیا کی اولین منظم اور فہرست کتب رکھنے والی لائبریری کا قیام تھا۔ اس زمانے میں لائبریریاں موجودہ زمانے جیسی کتب پر مشتمل نہیں ہوتی۔ بلکہ ان لائبریریوں میں موجود کتب مٹی کی پختہ لوحوں پر خط مٹی سے رقم کر کے محفوظ کی جاتی تھیں۔ (آشور بنی پال کی لائبریری کی تقریباً 20720 لوحیں آج کل برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہیں) آشور بنی پال نے بہت سے کتب صرف کتابوں کی نقول تیار کرنے پر مہمور کر رکھے تھے جو مندرجہ بالا اور دیگر لائبریریوں سے ملنے والی کتب کی نقول تیار کرتے تھے۔

اس زمانے کی کتابیں کئی موضوعات کا احاطہ کرتی تھیں۔ ان میں ادبی فارمولے، منتر دعائیں اور جنگوں سے متعلق کہانیاں درج تھیں۔ بائبل اور نینوا کے عظیم ادبی شاہکار بھی موجود ہیں۔ جن میں ”مکھامش کی داستان، ایک مادہ اژدھا“ ”کیا مات کی کہانی“ اور دیوتا مردوک کی داستان بھی شامل ہے۔ شہر پار کے میز کے نام آشور بنی پال کا خط بھی محفوظ ہے۔ جس میں اسے حکم دیا ہے کہ وہ دیگر افسران کے ساتھ مل کر لوگوں کے گھروں یا قلعوں میں کھسی لوہیں تلاش کرے۔ بہت سی لوگوں پر ظلم نجوم کے نقشے بنے ہوئے ہیں۔

612 ق م میں جب نینوا پر نینو پال نے حملہ کیا تو لائبریری جلنے کے ڈھیر کے نیچے دب گئے اور تقریباً دو ہزار سال تک قعر گہائی میں پڑی رہی۔ پھر بیسویں صدی کے آغاز میں ایک انگریز آرکیالوجسٹ آسٹن لایارڈ Austen

627 ق م۔۔۔ آشور بنی پال اور دنیا کی پہلی لائبریری

دنیا کی قدیم اقوام میں آشوریوں Assyrians کو اہم مقام حاصل ہے۔ یہ قوم ماضی میں سینکڑوں سال تک مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر چھائی رہی۔ اس قوم کی تاریخ جنگ و جدل، محاصرہ آرائی، تباہی و بربادی اور نیست و ہشت پر مشتمل ہے۔ بائبل کے صفحات اس قوم کی سفاکی اور ظالمانہ اطوار کی گواہی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس قوم نے ایسے حکمران بھی پیدا کئے جو اعلیٰ کردار کے حامل تھے اور نہ صرف اچھے حکمران اور جنگجو یہ سالار ہونے کے باوجود امن سے محبت کرنے والے اور حکمرانی کے فرائض سے آشنا تھے۔ انہیں حکمرانوں میں آشوریوں کے آخری عظیم حکمران، آشور بنی پال کا نام بھی شامل ہے۔ آشور بنی پال نے 668 ق م۔ 627 ق م تک حکومت کی اور اس کا دارالحکومت نینوا تھا۔

آشوری قدیم زمانے سے دریائے دجلہ کے بالائی حصے میں آباد تھے شروع میں بھی کبھی ان کا تصادم بائبل کے حکمرانوں سے ہو جاتا تھا۔ بعد ازاں طوائف الملوکی کے دور میں انہیں اپنے ہمسایوں کو پال کرنے کا موقع مل گیا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی فوجی طاقت منظم اور مستحکم کر لی۔ آشوری بڑے جاہل حکمران اور ظالم فاتح تھے۔ انہوں نے جن ملکوں کو فتح کیا وہاں کے لوگوں کو طرح طرح کی عذوبتیں دے کر ان پر اپنی دھاک بٹھالی۔ جو لوگ مقبورہ مغضوب ہوتے ان کے اعضا کاٹ کاٹ کر انہیں دکھ دینے یا انہیں بچروں میں بند کر کے لٹکا دیئے اور طرح طرح کے عذاب دے کر مارتے تھے۔ مورخین کے مطابق دنیا میں منظم جنگی طاقت اور دہشت آفرینی کے بل بوتے پر حکومت قائم کرنے اور اپنی سلطنت کو وسیع دینے کی پالیسی کے اولین علمبردار آشوری ہی تھے۔ آشوریوں نے ساتویں صدی ق م میں الیر ہدون Esarhaddon کے عہد میں مصر کے شاہی حصے کو بھی تاراج کیا اور شاہ مصر سے خراج وصول کیا۔

اسی الیر ہدون نے 672 ق م میں اپنے ایک بیٹے آشور بنی پال Ashurbanipal کو سلطنت آشور یہ کا ولی عہد مقرر کیا جب کہ آئندہ کی باہمی محاذ آرائی سے بچانے کے لئے اپنے دوسرے بیٹے شمش شموکین Shamash Shamukin کو بائبل کی سلطنت کا ولی عہد مقرر کیا۔ دسمبر 669 ق م میں الیر ہدون کی وفات کے بعد آشوری بنی پال آشور یہ کے تخت پر بڑے ترک و احتشام کے ساتھ بیٹھا۔ آشور بنی پال کو برسر اقتدار آتے ہی مصر میں بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا۔ مصر کو اس کے باپ الیر ہدون نے اپنی موت کے کچھ عرصے قبل ہی فتح کیا تھا۔ مصری بادشاہ تارکو Tarku یا نکوہ اول (بائبل نے اس مصری بادشاہ ”کو تر ہاکا“ کہا ہے) آشوریوں کی آمد کا سن کر ملک سے فرار ہو گیا۔ آشور بنی پال نے وہاں کے امراء کو اپنے ساتھ ملایا اور کئی مصری شہزادوں کو اپنا وائسرائے مقرر کر کے وہاں کی حکومت ان کے سپرد کر دی۔ جلد ہی ان شہزادوں نے تارکو سے ساز باز شروع کر دی جو فاش ہو گئی۔ ان کو گرفتار کر کے آشور یہ بھیج دیا گیا۔ 665 ق م میں تارکو ایک اور جانشین نے آشوریوں کے خلاف بغاوت کی جس کے نتیجے میں آشوریوں نے مصری دارالحکومت تھبیس کو تباہ کر دیا۔ (یہ واقعہ ہمیں بائبل میں بھی ملتا ہے۔ ناحوم ۳۔۸)

Layard نے عراق میں موصل کے قریب ایک پہاڑی مقام کو یونجک Kunyunjik پر اشریاتی کھدائی کے دوران اسے دریافت کر لیا۔ دریافت کے چند سالوں بعد لائبریری سے ملنے والی بہت سی لوحوں کا ترجمہ ہو گیا۔ اس لائبریری سے ملنے والی اکثر تختیوں پر یہ تحریر ملی ہے کہ ”یہ شاہ آشور بنی پال کی ملکیت ہے“ جو شاہوں کا شاہ، میزبانوں کا بادشاہ اور آشور یہ کا حکمران ہے۔ بہر حال آشوریات میں جو چیز تحقیق کی بنیاد بنی ہے وہ یہ لائبریری ہے۔

626 ق م۔۔۔ حضرت یرمیاہ نبی کی بعثت کا زمانہ

شاہ یہوداہ، یوسیاہ کے عہد حکومت کے تیرہویں برس، تقریباً 626 ق م میں حضرت یرمیاہ نبی مبعوث ہوئے۔ ان کی بعثت سے 586 ق م میں یروشلم کی بربادی کا درمیانی عرصہ چالیس سال پر محیط ہے۔ ان چالیس سالوں میں یرمیاہ نبی کے پانچ آخری بادشاہوں یوسیاہ، یہوآخز، یہوئقیم، یہویاکین اور صدقیہ کا زمانہ پایا۔ جس زمانے میں یہوداہ میں وہ نبوت کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مصروف تھے، یہوداہ کی سرحدوں کے پار شخصیات اور واقعات تاریخ کی تشکیل نو میں مصروف تھیں۔ یہ قدیم مشرق قریب کی تاریخ کا نازک ترین دور تھا۔ جس نے یہوداہ کی تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

آشوری سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی اور ابل اور مصر مشرق میں بالادستی قائم کرنے کے لیے باہم دست بہ گریبان تھے۔ اسی اہم دور میں حضرت یرمیاہ کو نبوت ملی اور ان کی زندگی کے بارے میں دیگر انبیاء بنی اسرائیل کی نسبت ٹھوس دستاویزی نبوت میسر ہیں۔

یہوداہ اس وقت کی دو عالمی طاقتوں بابل اور مصر کے درمیان فاصلہ ریاست کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس عالمی سیاسی اور یہوداہ کی اندرونی دینی کشش کی فضا میں یرمیاہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ یرمیاہ کے متنی عبرانی میں ”یہوداہ سرفراز کرتا ہے“ جتنے ہیں یا ”یہوداہ پامال کرتا ہے“ جتنے ہیں۔ یوسیاہ نے اپنے عہد کے اٹھارہویں برس (621 ق م) میں مذہبی اصلاحات کا آغاز کیا۔ اصلاح کی اسی تحریک کے دوران خلیقاہ کو ”شریعت موسیٰ کی کتاب“ کا نسخہ ملنے سے جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مگر یوسیاہ کی موت سے یہ کام ٹھنڈا پڑ گیا۔

ان دنوں مصر پر فرعون نیکوہ دوم کی حکومت تھی۔ اس سے یوسیاہ نے بھی ایک ناکام معرکہ لڑا تھا۔ نیکوہ نے یہوداہ کے معاملات میں دخل اندازی جاری رکھی۔ یہوآخز یوسیاہ کا جانشین بنا لیکن تیسرے ہی مہینے نیکوہ نے اسے برطرف کر کے اس کے بھائی یہوئقیم کو تخت پر بیٹھا دیا۔ یرمیاہ کو اس نا حق برطرفی کا بڑا دکھ ہوا۔ یہوئقیم کے عہد میں فرعون نیکوہ کو بابل کے حکمران نبوکدنصر نے شکست فاش دی جس سے سیاست کی بساط پر وہ چھا گیا اور مشرق وسطیٰ میں سیاست کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ نبوکدنصر تمام مشرق وسطیٰ کی سیاست کا نگران بن گیا یرمیاہ نے بدلتے حالات دیکھ کر یہوداہ کی قیادت کو بابل کی سرپرستی قبول کرنے کا کہا انہیں دنوں نبوکدنصر نے اہلقلون کا شہر زمین بوس کر دیا۔ یرمیاہ نے ہر خاص و عام کو آگاہ کیا کہ نبوکدنصر اہلقلون کے بعد یہوداہ کا رخ کرے گا۔ یہوئقیم اس کی پیشن گوئی سے تالاں ہوا اور اس نے اسے زندان میں ڈال دیا اور قتل کے لائق قرار دیا۔ اس کی نبوتوں کے طومار نذر آتش کر دیئے گئے لیکن ان حالات میں بھی حضرت یرمیاہ نے نبوت کے فرائض کی ادائیگی جاری رکھی۔ 598 ق م میں حضرت یرمیاہ کی پیش گوئی پوری ہو گئی اور نبوکدنصر نے یروشلم پر حملہ کر کے یہوئقیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ 597 ق م میں یہویاکین تخت پر بیٹھا مگر یہ بھی صرف تین ماہ

مآخذ

1. World Civilization, Philiplee.
2. A History Of World Civilization.
3. Encyclopaedia Britannica.
4. 100 Great Kings.
5. Queens and Rulers Of The World John Canning.
6. The Times World History, Toynbee.
7. A Study Of History.
8. The Heritage Of World Civilization.

- 9- تاریخ اقوام عالم۔ مرتضیٰ احمد خان۔
- 10- انسائیکلو پیڈیا معلومات از سید قائم محمود۔
- 11- انسائیکلو پیڈیا تاریخ اقوام عالم، مترجم مولانا غلام رسول مہر۔
- 12- تاریخ انقلابات عالم بڑی۔

حکومت کر سکا۔ اب صدقیاہ کو نیبو کدنصر نے یہوداہ کے تخت پر بٹھایا اس کے عہد میں یہوداہ کا عبرتناک انجام ہوا۔ صدقیاہ سے یرمیاہ کا اختلاف نیبو کدنصر کے خلاف بغاوت کرنے کے سوال پر پیدا ہوا۔ صدقیاہ کے عہد کے آٹھویں سال بابلیوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ یرمیاہ نے صدقیاہ کو مشورہ دیا اپنے آپ کو بابلیوں کے حوالے کر دو کیونکہ تقدیر ان کے ہاتھ میں ہے مگر صدقیاہ نہ مانا اور 587 ق م میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

621 ق م۔۔۔ اتینتزر کے قوانین

ساتویں صدی ق م کا آخر اور پچھٹی صدی ق م کا آغاز اتینتزر کے لئے مشکلات کا دور تھا۔ اس زمانے میں اتینتزر کے شہریوں کو ایک ایسی صورتحال کا سامنا تھا جس میں طبقہ امراء نے آزاد شہریوں کو غلام بنانا شروع کر دیا تھا۔ جب سے تجارت اور کاروبار کے لئے مسکوک روپیہ جاری کیا گیا تھا عوام میں قرض لینے دینے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ لیکن بڑھی ہوئی شرع سود کی وجہ سے لوگوں کو مالی حالت تشویناک ہوتی چلی گئی۔ اسی وجہ سے لوگوں کو اس امر کا احساس ہونے لگا کہ قانون ریاست میں ایسی کوئی صراحت موجود نہیں جو اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں عمدہ معاون ثابت ہو سکے۔ بالآخر 621 ق م میں آرخن ڈریکو Draco کو ایک ضابطہ قوانین مرتب کرنے کو کہا گیا جو قرضداروں کو قرض خواہوں کے بڑھتے ہوئے سود اور دیگر مظالم سے بچا سکے۔ آرخن ڈریکو نے جو ضابطہ مرتب کیا اگرچہ اس میں غیر جانبداری سے کام لیا گیا تھا۔ لیکن یہ نہایت سخت تھا۔ اس میں ایسی سخت سزاؤں کی سفارش کی گئی جن کا نفاذ ناممکن تھا۔ ان سزاؤں کی سختی اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ضابطہ قوانین کسی روشنائی کی بجائے خون سے لکھا گیا تھا۔ یہ قوانین ملک کی عام تشویش کا انسداد کرنے کے لئے نافذ کیے گئے۔ ان قوانین کے نفاذ سے لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آئندہ جو شخص کسی دوسرے کی صرف جان ہی نہیں بلکہ مال کی طرف بھی محض نظر بد سے دیکھے گا وہ سزائے موت کا مستوجب ٹھہرے گا۔ لہذا ان قوانین کی تدوین و نفاذ سے تشویش پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اس کا اصل سبب اہل اتینتزر کی حد سے بڑھی ہوئی غربت تھی جو انہیں قرض کے کاروبار میں ملوث ہونے پر مجبور کرتی تھی۔ ریاست کا قانون قرضہ نئے ضابطے کے تحت بھی نہایت سخت تھا اور ملک کے اعیان و کبار اس کا نفاذ بھی ہلارو رعایت کرتے تھے۔ غریب کسانوں کے پاس بعض مرتبہ ختم ریزی کے لئے بیچ نہ ہوتا تو انہیں روپے کی ضرورت پڑتی۔ جس کے لئے وہ اپنی اراضی کو ساہوکاروں کے پاس رہن رکھ دیتے تھے۔ اس قرضے کی ادائیگی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کہ اول تو سود کی مقدار دس فی صد سے کم نہ تھی۔ پھر ابھی تک بھی حساب سود بالائے سود ہی لگایا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ساہوکار جلد ہی اراضی کے مالک بن جاتے۔ اس کے بعد بے دخل کا شکار ہی کو اس اراضی کا انتظام سپرد کر دیا جاتا لیکن نہایت سخت شرائط پر۔ انہیں قواعد و ضوابط پر اکتفا نہیں تھا۔ دیگر قوانین کی سختی اس سے بھی بڑھی ہوئی تھی مثلاً اگر کسی دیوالیے کا جسم اس کے قرضہ کی ضمانت ہوتا تو قرض خواہ اسے غلام کے طور پر استعمال کر سکتا یا کسی غیر ملک میں فروخت بھی کر سکتا تھا۔ ڈریکو کے ضابطہ قوانین مرتب ہونے کے تقریباً چھپیس سال بعد 595 ق م میں ایک نرم خوشحالوں نے اتینتزر کے اس بحران کے لئے کچھ اقتصادی و سیاسی اصلاحات مرتب کیں جو ڈریکو کے مرتب کردہ قوانین سے کہیں بہتر تھیں۔

حکیم سولن Solon (630 ق م۔ 560 ق م) اتینتزر قدیم کا ایک عظیم مدبر اور قدیم یونان کے سات بڑے دانشمندوں میں سے ایک تھا۔ اس نے نہ صرف مندرجہ بالا صورتحال میں اتینتزر کی ریاست سے طبقہ امراء کا اثر کم کر کے

حکومت کا ایک نظام متعارف کرایا بلکہ قوانین کا ایک نیا ضابطہ بھی مرتب کیا۔

سولن کے عہد تک ابھی یونان میں تاریخ نویسی یا سوانحری مرتب کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ پانچویں صدی ق م میں اس کی زندگی کے بارے میں جو لکھا گیا تھا وہ زیادہ تر اس کی نظموں سے حاصل کی گئی معلومات پر مبنی ہے۔ (اس کی نظموں میں سے تقریباً 300 آج بھی محفوظ ہیں) سولن کا تعلق اتھینز کے ایک معزز گھرانے سے تھا جو نہایت زیادہ امیر تھا اور نہ ہی غریب اس کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک تاجر تھا۔

سولن کو شہرت اس وقت ملی جب تقریباً 600 ق م میں اہل اتھینز کے جزیرہ سلامس پر قبضہ کے سلسلے میں اپنی بحالیہ ریاست میکارا سے شکست کھائی۔ اپنے اہل وطن کی اس شکست پر سولن نے ایک نظم لکھی جو ان الفاظ سے شروع ہوتی تھی۔

میں اپنا بیایا آپ بن کر حسین سالامس سے آیا ہوں تقریر کی بجائے میں نے لفظوں کی سجادت سے ایک نغمہ ترتیب دیا ہے۔

سولن نے یہ نظم اور عوام کے سامنے سر بازار پڑھی۔ اس نظم میں اس معاملے کو ایک قومی مسئلہ قرار دے کر سولن نے اہل وطن کو غیرت دلائی اور انہیں اس خوبصورت جزیرے کو دشمن سے دوبارہ حاصل کرنے اور اس بے عزتی کا ازالہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔

حکیم سولن 595 ق م میں آخرن (بجسٹریٹ) منتخب کیا گیا اور اسے مختلف گروہوں میں مفاہمت اور ڈریکونائی قوانین (جن میں قرضہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں غلامی کو سبھا قرار دیا گیا اور جن میں تقریباً ہر جرم کی سزا موت تھی) کی اصلاح کے لئے کہا گیا۔ سولن نے ایک نیا ضابطہ مرتب کیا اور برقرار رکھا جو اس کے دوبارہ ترتیب دی۔ سولن کے ضابطہ قوانین میں قرضہ داروں سے خصوصی رعایت سے کام لیا گیا لیکن اس کی اصلاحات کے بارے میں قدیم مورخین متفق نہیں ہیں بعض کے مطابق جملہ قرضہ جات منسوخ کر دیئے گئے۔ بعض کے نزدیک صرف سود میں کمی کی گئی اور ساتھ ہی زراعت الوقت کی قیمت میں بھی تبدیلی کر دی گئی اس طرح کہ ایک مینا (قدیم یونانی سکہ) میں بجائے ایک سو درہم کے صرف 73 درہم مقرر کر دیئے گئے جس کی وجہ سے ہر ساہوکار کو 27 فی صد نقصان اٹھانا پڑا اور اتنے ہی فی صد قرضہ دار کو فائدہ پہنچا۔

قوانین سولن کی بنیاد اس زمانے کے ایک سیاسی نظریے پر رکھی گئی تھی کہ بہترین طرز حکومت وہ اعیانیت ہے جس کے اختیارات محدود ہوں اور گوان قوانین میں عالمگیر سیاسی مساوات کا اصول تسلیم نہیں کیا گیا مگر یہ بات تسلیم کی گئی کہ محض طبقہ ادنیٰ کا فرد ہونے سے سیاسی حقوق کا فقدان لازم نہیں آتا۔ یہی بات آئندہ زمانے میں جمہوریت کی بنیاد بنی۔

سولن کا ضابطہ قوانین میں مرتب ہونے پر ہر طرف سے شکایات موصول ہونا شروع ہو گئیں۔ اگرچہ اپنے ضابطہ میں سولن نے سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں وہ کسی کو بھی مطمئن نہ کر سکا۔ امراء اس سے یہ امید رکھتے تھے کہ اس کی اصلاحات سابقہ قوانین میں تھوڑی بہت تبدیلی کریں گی جب کہ غریب امید رکھتے تھے کہ وہ تمام ملکی زمینیں مساوی تقسیم کر دے گا یا ایسا کرنے کے لئے خود انھرام مملکت سنبھالنے کا لیکن سولن جو اگرچہ آزادی، انسان نوازی،

جمہوریت اور انصاف کا دلدادہ تھا مگر مساوات انسانی کا خواباں نہ تھا۔ نہ ہی وہ مطلق العنانی پسند کرتا تھا اسی وجہ سے اس نے زمینیں مساوی طور پر تقسیم کرنے کا کوئی قانون نہ بنایا اور اس طرح غریب کو فائدہ پہنچنے کے باوجود بھی غریب اس سے مطمئن نہیں ہوئے۔

اہل اتھینز اگرچہ سولن کے مرتب کردہ ضابطہ قوانین سے مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوئے تھے مگر انہوں نے اس ضابطہ قوانین کو اگلے سو سال تک اپنائے رکھا اور لکڑیوں کی گھونٹنے والی تختیوں پر نصب کر دیا۔

نظام حکومت کے ضمن میں سولن کا اہم کارنامہ اتھینز کی مجلس چہار صد کا قیام تھا جس میں آبادی کے چاروں طبقوں سے ایک ایک سوارا کین منتخب کئے جاتے تھے۔ یہ چار سوارا کین مجلس ایک سال کے لئے حکومت کے داخلی، خارجی، مالیاتی اور انتظامی امور کو سنبھالتے تھے۔ اتھینز میں زمانہ طوکیوت اور اعیانیت کے دوران ہمیشہ ہی کسی نہ کسی قسم کی مجلس قائم رہتی تھی۔ لیکن سولن کی قائم کردہ مجلس پہلی مرتبہ منتخب ارکان پر مشتمل تھی۔ سولن نے اس کے علاوہ تمام حکومتی عہدوں کو بھی انتخابی بنادیا اور عوام کو عہدہ داروں کا محاسبہ کرنے کا حق بھی دیا اس کے علاوہ تمام شہریوں پر مشتمل عدالت ہائے جیوری قائم کیں اور ان کے مجسٹریٹوں کا بھی محاسبہ بھی عوام کے اختیار میں رکھا۔ اس طرح دوسرے لفظوں میں سولن نے اتھینز میں جمہوریت کے لئے راہ ہموار کر دی۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سولن کا زمانہ دراصل جمہوریت کی طرف ایک اہم قدم تھا اس کے بعد فاقیلز Pericles کے عہد میں جمہوریت اپنے عروج پر پہنچی۔

مآخذ

Encyclopaedia Britannica, Encyclopaedia Americana. World History, The Time, World History, Hamlyn.

تاریخ یونان قدیم۔ ایڈولف ہولم۔ مشاہیر ادب۔ محمد سلیم الراہٹن۔

تاریخ اقوام عالم۔ مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم۔ سیفی نوگا نوئی۔

تاریخ جمہوریت از مشاہد حسین رزاقی۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم از ولیم ایل لینگر مختصر تاریخ فلسفہ یونان

از ڈاکٹر ولہم یسئل۔ تاریخ انقلابات عالم از سید ابوسعید بزی ایم اے۔

1000 اہم واقعات۔ تاریخ تہذیب، مولانا غلام رسول مہر۔

میر نہیں آئی۔

یورپ میں یہ تمثیلات نشاۃ ثانیہ کے آغاز، چودھویں صدی عیسوی میں پہنچیں۔ پھر انہیں ایک بازنطینی عالم میکسیس پلانڈس Maximus Planudes نے کتابی شکل میں جمع کیا۔ ان حکایات کا پہلا ایڈیشن 1513ء میں شائع ہوا جو زیادہ تر اسکولوں کے لئے تھا۔ 1697ء میں رچرڈ بینٹلے Richard Bente نے حکایات لقمان کے اصل اور قدیم ہونے پر تنقید شائع کی۔ اسی تنازع کو سوئفٹ Swift نے اپنی کتاب ”کتابوں کی جنگ“ Batle of Books میں طنزیہ طور پر پیش کیا ہے۔

اب تک لیسپ کی حکایات کا ترجمہ لاتعداد بار دنیا کی تقریباً ہر قابل ذکر زبان میں ہو چکا ہے۔ ان حکایات نے عالمی ادب پر گہرے اور اہم اثرات چھوڑے ہیں اور پوری انسانیت کو صدیوں سے متاثر کیا ہے۔ تیسری صدی قبل از مسیح میں ویٹرینس نے پہلی بار ایک مجموعہ کو حکایت لقمان کی شکل دی۔ لاطینی میں ان کا ایک قابل ذکر ترجمہ مقدونیہ کے ایک غلام فیدریس Phaedrus کے نام سے بھی منسوب ہے۔

تیسری صدی عیسوی میں ان میں کچھ کو بے بریس Babruis نے لاطینی میں نظم کیا اور بقیہ کو چوتھی صدی عیسوی میں ایک اور رومی عالم ایوی انیس Avianus نے لاطینی نثر میں منتقل کر دیا۔

الیسپ کی حکایات کا تین چوتھائی حصہ جانوروں، حیوانوں اور پرندوں کے حوالے سے کہانیاں بیان کرتا ہے۔ ایک چوتھائی کہانیاں انسانوں اور دیوتاؤں کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔ ان حکایات میں سے جو بذلہ سنجی کی بہترین مثال ہیں۔ ان کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک ”بھیریا، بھیر کی کھال میں“۔ ”مینڈک اپنا بادشاہ چاہتے ہیں“۔ ”ایک سبق احمقوں کے لئے“۔ ”طاقت“۔ ”ایک ہی کافی ہے“۔ نمونے کے لئے ایک حکایت درج ہے۔

طاقت:

خرگوشوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ مقرر خرگوش نے اس بات پر بہت زور دیا کہ سب کو شکار سے مساوی حصہ ملنا چاہیے۔ جلسے میں ایک شیر بھی موجود تھا۔ وہ بولا ”خرگوشو!“ تم نے خطابت کے جوہر تو خوب دکھائے۔ لیکن ان بچوں اور دانتوں کی کتنی جو صرف ہمارے پاس ہیں۔“

مآخذ

1000 اہم واقعات۔ دنیا کی سو عظیم کتابیں از ستار طاہر۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی۔

620 ق م۔۔۔۔ حکایات و تمثیلات لقمان

عربوں کی ایک قدیم روایت کے مطابق حضرت لقمان ایک حبشی النسل غلام تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف ”تاریخ ارض القرآن“ میں انہیں لقمان بن ارم میں قوم عاد سے بتایا ہے۔ یہ بہت نیک شخص تھے۔ ان کی حکمانہ تمثیلات و حکایات کی بنا پر لوگ انہیں حکیم لقمان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے نام سے منسوب قرآن پاک میں ایک سورہ بھی ہے۔ جس میں ان کی نیکی اور دانائی کے اقوال ملتے ہیں۔ امام بیضاوی نے انہیں حضرت ایوب کا بھانجا بتایا ہے۔ علمائے یورپ حکیم لقمان اور حکیم لیسپ Aesop (619 ق م۔ 564 ق م) کو ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ بعض محققین اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لقمان اور لیسپ کو ایک ایسی افسانوی شخصیت قرار دیتا ہے جس کا کوئی تاریخی وجود نہیں تھا۔ لیکن دور جاہلیت کی عربی شاعری میں حضرت لقمان کے ذکر اور صفحہ لقمان کی قدیم عربوں میں موجودگی کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم لقمان یا لیسپ چاہے ایک ہی شخصیت ہوں یا نا ہوں مگر کوئی افسانوی شخصیت نہیں ہو سکتے۔ سب سے بڑھ کر یہ قرآن میں انکا ذکر موجود ہے۔

مشہور رومی مورخ پلوتارک (جس کا تعلق پہلی صدی عیسوی سے) کے بیان کے مطابق لقمان کی جوانی میں غلام بنا کر ایجنٹر لایا گیا تھا جس اس کے کئی آقا تبدیل ہونے کے بعد اس کے آخری آقا آڈامون ladmon نے اس کی حکمت اور دانائی کی قدر کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا (پلوتارک اور ہیروڈوٹس میں یہاں تک اختلاف پایا جاتا ہے) ایجنٹر کے عاصب حکمران پسترس اتوس کے زمانے میں حضرت لقمان نے عوام کی تعلیم و اصلاح کے لئے ”شاہ لاگ Kinglog“ والی تمثیل لکھی تھی۔ لیڈیا Lydia کے بادشاہ کروئسوس Croesus کے دربار میں حضرت لقمان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ (شاہ کروئسوس کو یونانی دولت کی علامت قرار دیتے ہیں)۔

شاہ کروئسوس نے لقمان کو اپنا ایلچی بنا کر ڈیلپی Delphi بھیجا تھا تاکہ وہاں کے لوگوں میں دولت تقسیم کی جائے۔ لیکن لقمان نے جب انہیں آپس میں جھگڑتے دیکھا تو دولت کی تقسیم کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس وجہ سے ڈیلپی کے لوگوں نے ایک چٹان سے گرا کر ہلاک کر دیا۔ (یہاں ہیروڈوٹس اور پلوتارک کے بیان ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں)۔

بہر حال اس کی زندگی اور حالات کے قطع نظر لقمان یا لیسپ کی وجہ شہرت حکایات یا تمثیلات کا وہ مجموعہ ہے جس کا زمانہ تصنیف 620 ق م ہے اور جس میں جانوروں کے قصص تمثیلات و حکایات جو حکیم لقمان سے منسوب کی جاتی ہیں اس نے اپنی زندگی میں پر قلم نہیں کی تھیں۔ وہ یہ حکایات تہواروں اور ضیافتوں کے مواقع پر اپنے سامعین کو محفوظ کرنے اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے سنایا کرتے تھے۔ یہ حکایات صدیوں تک زبانی طور پر آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتی رہیں۔ یا پھر ان کو قدیم یونانی علماء زینوفون اور ارسطو نے اپنی تصانیف میں جگہ دی۔ تیسری صدی قبل از مسیح تک انہیں کبجا کتابی شکل

609 ق م۔۔۔ نیکوہ دوم سریر آرائے سلطنت مصر

609 ق م میں مصر کے چھبیسویں شاہی خاندان میں سامنک اول کا بیٹا نیکوہ دوم Nicho II تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے عہد میں بحری مہمات پر خصوصی توجہ دی۔ وہ پہلا مصری بادشاہ تھا جس نے براعظم افریقہ کے گرد مطالعاتی دورہ کیا۔ اس نے بحیرہ احمر کو دریائے نیل کے ساتھ ملا کر بحیرہ اوقیانوس تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں بے شمار انسانی جانیں اور سرمایہ ضائع ہوا مگر یہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس طرح کی کوشش اس سے پہلے سیتی اول اور رامیسس دوم نے بھی کی تھی۔ اس منصوبے کی ناکامی سے مصر میں معاشی بد حالی میں اضافہ ہوا۔ جس سے بچنے کے لئے نیکوہ دوم نے 608 ق م میں فونیقیا اور شام پر حملہ کر دیا۔ یہوداہ کے حکمران یوساہ Josiah نے اس کا راستہ روکا مگر ناکام رہا۔ نیکوہ دوم نے ایلیاکیم Eliakum کو بادشاہ بنادیا مگر عوام نے اس کے بھائی یہوآخز Jehudhaz کو بادشاہ بنادیا۔ نیکوہ نے دوبارہ یہوداہ پر حملہ کیا اور ایلیاکیم کا نام تبدیل کر کے یہوئقیم کے نام سے اسے دوبارہ تخت نشین کر دیا۔

بابل میں بخت نصر یا نبو کد نصر 605 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی فلسطین کے ساحلی شہروں پر حملہ کر دیا۔ نیکوہ دوم ان شہروں کی بروقت مدد نہ کر سکا۔ یہ شہر مصر کے اتحادی تھے۔ آخر 601 ق م میں مصری اور آشوری افواج کا مقابلہ ہوا۔ دونوں اطراف کے بھاری نقصان کے بعد مصری کامیاب رہے جس کی وجہ سے یرمیاہ کی انتباہ کے باوجود یروشلم کے حاکم نے بخت نصر کو خراج دینا بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے یروشلم پر تباہی آئی اور نیکوہ دوم مداخلت نہ کر سکا۔

594 ق م میں نیکوہ دوم کے بعد اس کا بیٹا سامنک دوم (588 ق م - 594 ق م) تخت نشین ہوا۔ اس نے جنگ کے بجائے امن کو اپنی پالیسی کے طور پر اپنایا۔

مآخذ

مصر کے عروج و زوال کی داستان۔ از ڈاکٹر ریاض احمد۔ A History Of Ancient Egypt.

604 ق م۔۔۔ لاوڑے اور اس کے افکار

مشرق بعید کے تین بڑے مذہبی راہنماؤں میں سے ایک لاوڑے تھا۔ تاؤمت کا بانی اور چین کا ایک عظیم فلسفی۔ (دوسرے دور راہنما کنفیوشس اور مہاتما بدھ ہیں جو لاوڑے کے بعد پیدا ہوئے)۔

لاوڑے کا اصل نام لی پیہ لنگ Lipehyang تھا۔ وہ کنفیوشس کا ایک معمر ہم عصر تھا اور کئی مواقع پر ان دونوں کی مختصر ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ روایات کے مطابق کنفیوشس لاوڑے سے ہمیشہ مودہ بانہ طور پر ملتا تھا۔

لاوڑے قدیم چینی ریاست chu میں 604 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک چینی غریب گھرانے سے تھا۔ غربت نے اسے کم سن ہی شائی کتب خانے میں محافظ کے طور پر ملازمت پر مجبور کر دیا۔ دوران ملازمت اسے مطالعہ کتب کا نادر موقعہ ہاتھ آیا۔ ایک عمر کے مطالعے کے بعد جب اس نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کی تو لوگوں نے اسے لاوڑے یعنی بوڑھے فلسفی کا لقب دیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

سیاسی حالت نے اسے ترک ملازمت مجبور کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ نوے سال کی عمر میں اسے وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ جب وہ مغرب کی سمت میں سفر کرتے ہوئے چینی سرحد پر پہنچا تو اسے سرحد کے محافظوں میں سے ایک افسر نے پہچان لیا اور اس وقت تک اسے سرحد پار نہ کرنے دیا جب تک اس نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ ایک کتاب کی شکل میں لکھ کر اس کے حوالے نہ کر دیا۔ یہ کتاب صرف پچیس صفحات پر مشتمل تھی جس میں پانچ ہزار سے زائد چینی حروف تھے۔ اس کتاب کا اس نے نام Tao Teking رکھا جس کا معنی عقل اور نیکی سکھانے والی کتاب۔

کتاب کا مسودہ محافظ کے حوالے کرتے ہوئے وہ ایک سائڈ پر سوار ہو کر مغرب کی سمت میں غائب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ لاوڑے کو موت نہیں آئی۔ اسی وجہ سے چین میں اسے ایک لافانی عارف کا مقام حاصل ہے۔ سارے مشرق ایشیا میں لاوڑے کی وہ تصاویر اور مجسمے آج بھی بہت مشہور ہیں جن میں اسے ایک سائڈ پر سوار دکھایا گیا ہے۔

سرحد عبور کرنے کے بعد وہ کسی نامعلوم ملک میں چلا گیا۔ اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ تاریخ اور مقام وفات کا بھی کوئی علم نہیں۔ لاوڑے کے متعلق محققین کے ایک گروہ کی رائے یہ بھی ہے کہ تاریخ میں اس نام کی کوئی شخصیت نہیں گزری اور یہ ایک فرضی نام ہے مگر تاؤمت کی چین اور مشرقی ایشیا میں موجودگی اس کے برعکس ثبوت فراہم کرتی ہے۔

لاوڑے نے اپنی مختصر کتاب ”تاؤ تہہ لنگ“ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ خوش حال زندگی بسر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ”تاؤ“ کی پیروی کی جائے لیکن کسی جگہ اس کی تشریح نہیں کی کہ تاؤ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حقیقت اور ماہیت کے تعین میں ماہرین مختلف اخیال ہیں۔ تاؤ کے متعدد معنی بتائے گئے ہیں۔ ایک معنی ”امن کے راستے اور طریقے“ کے ہیں۔ دوسرے معنی ”بولنے اور گفتگو کرنے“ کے ہیں۔ اس کا ایک اور مفہوم ”اصول و

قانون“ بھی بتایا گیا ہے۔ کچھ یورپی ماہرین تاؤ کے معنی ”عقل“ بھی بتاتے ہیں۔ تاؤ ازم میں تاؤ ہی ہستی اعلیٰ کا نام ہے۔ مگر شارمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ لاؤزے کسی اور ہستی اعلیٰ کا عقیدہ رکھتا تھا جس کا تاؤ سے کوئی تعلق نہیں۔ لاؤزے کے نزدیک انسان کائنات کا ایک جز ہے۔ وہ تحقیق کی ایک شاخ اور کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح عالمگیر تاؤ کا مظہر ہے۔

تاؤی مذہب میں موت کو ایک خوشگوار چیز بتایا گیا ہے اس سے ڈرنا شدید غلطی ہے۔ کیونکہ موت ایک لازمی مگر خوشگوار تبدیلی کا نام ہے جو نیچے میں تبدیلی کا لوازمہ ہے۔

لاؤزے کا مذہب بالکل فلسفیانہ تھا جس کے سمجھنے سے عوام قاصر تھے۔ اس کے بعد اس کے پیروں نے اس کی کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ پھر اس کا مقابلہ کنفیوشس کے مذہب سے تھا کہ جس کی تعلیمات نہایت عام فہم تھیں۔ اس لئے اس کے فلسفیانہ افکار کی جگہ ادنیٰ قسم کے نظریات کو دینا پڑی۔ لاؤزے کے افکار کی عجیب و غریب طریقے پر تشریح کی جانے لگی۔ لاؤزے نے کہا تھا کہ انسان فطرت کے ساتھ متوہلانا اتحاد کے ذریعے لافانیات حاصل کر سکتا ہے۔

لاؤزے قیام امن کو مقصد اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک لوگوں کو قتل کرنا یا جنگ میں فتح حاصل کرنا کوئی قابل فخر بات نہیں۔ وہ قیدیوں کو قتل کرنے کو بلکہ ان کو سزا دینے تک کو بھی جائز قرار نہیں دیتا۔ اس کے خیال کے مطابق اصلاح کے سلسلے میں سزا اور تعذیب مفید نتائج کے حاصل نہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ نرمی کے ذریعے بڑے سے بڑے سیاہ کار اور سرکش لوگوں کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔

لاؤزے اپنے ہم عصر مفکر کنفیوشس سے اس بات میں اختلاف رکھتا ہے کہ بروں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھنا چاہیے کنفیوشس کا خیال ہے کہ بروں کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہیے لیکن لاؤزے کسی حالت میں بھی کسی کے ساتھ برا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اس عقیدے کو لاؤزے کے بعد عملی صورت کے طور پر اختیار کر لیا گیا اور مذہبی راہنماؤں کی تمام تر کوشش اس بات پر صرف ہونے لگی کہ حیات جادوئی کے حصول کا نسخہ ہاتھ لگ جائے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لاؤزے کے چھین سے چلے جانے کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد ایک شخص چنگ تاؤ لنگ نے دعویٰ کیا کہ اس نے ایسا شربت تیار کر لیا ہے کہ جس کے پینے سے انسان کو ابدی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ جلد ہی یہ شخص تاؤ مت کے پیروؤں کا معبود بن گیا اور اس کے بعد اس کی اولاد بھی پوجی جانے لگی۔

فلسفیانہ خیالات کے غلبہ کی وجہ سے محروفسون اس مذہب کا اہم عنصر بن گئے۔ محروفسونیت کا عنصر شامل ہو جانے کی وجہ سے جلد ہی تاؤ مت میں بہت سے دیوتا پیدا ہوئے اور چوہے، سانپ اور نیولے تک کی پرستش کی جانے لگی۔ لاؤزے کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا اور ان کے خلاف کام کرنے کو یمن اتباع قرار دے دیا گیا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی اور مذہب ہو جس کے بانی کی تعلیمات و افکار کو اس قدر متعنا و معنی پہنائے گئے جتنے لاؤزے کے افکار و تعلیمات کو پہنائے گئے۔ اس کی وجہ اس کی تعلیمات تاؤ تہہ نگ کا اختصار ہے۔ جس کے ہر جملے کے بعد میں آنے والے شارمین نے ایک نیا رنگ دیا۔ لاؤزے کے شارمین میں سے تین شارع قابل ذکر ہیں۔ ہوشانگ کنگ (پہلی صدی عیسوی)،

وانگ پی (226ء-249ء) اور بن تے چینگ (1546ء-1623ء)۔

مآخذ

The Wrold Religions, Ninian Smart.

تاریخ مذاہب از رشید احمد۔ مذاہب عالم۔

بھی الگ الگ قرار دے کر وہ خداؤں اور مڑا اور اینگر و مینوں کا تصور پیش کیا۔ اس کے نزدیک دنیا کی تمام مفید اور کار آمد چیزیں اور مڑا (یزدان) نے پیدا کیں جب کہ تمام مضر اور تکلیف دہ اشیاء کی تخلیق کا ذمہ دار اینگر و مینو (اہرمن) ہے۔ اس طرح وہ دوئی کا شکار ہو گیا۔

زرتشت نے اپنے افکار و تعلیمات کی اشاعت میں ان تھک کوشش کی۔ لوگوں کو بت پرستی سے باز رکھنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ لیکن محسوسات کی پرستش کرنے والے ایرانی ان دیکھے خدا کو کیسے مان لیتے؟ اس طرح کی کوششیں بھی بے ثمر ثابت ہو گئیں اور صرف ایک ہی آدمی جو زرتشت کو پیچھا رہا تھا اس کا ہم خیال بن سکا۔ اس کے کہنے پر وہ عوام سے مایوس ہو کر گلیچ گیا جہاں اسی نے شاہ ایران، گشتاپ (یادداشت) سے ملاقات کرنا چاہی مگر شای دربان نے اسے اندر نہیں جانے دیا۔ آخر زرتشت نے اسے مرعوب کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر جہن ہوا انگارہ رکھ لیا اس معجزے یا مافوق الفطرت واقعہ کو دیکھ کر دربان نے اسے شای محل میں جانے کی اجازت دے دی۔ بادشاہ نے اس کی دعوت کا جواب دینے کے لیے شای کاہنوں کو متعین کیا جنہیں زرتشت نے اپنے دلائل سے لا جواب کر دیا۔ نتیجتاً بادشاہ نے زرتشتی مذہب کو قبول کر لیا لیکن حاسدین نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ زرتشت جادوگر ہے۔ بادشاہ نے بے یقینی کا شکار ہو کر زرتشت کو قید خانے میں ڈلوادیا۔ انہیں دنوں بادشاہ کا محبوب گھوڑا بیمار ہو گیا۔ علاج سے تمام معالجین کے انکار پر بادشاہ نے زرتشت سے رجوع کیا جس نے اس شرط پر گھوڑے کو تندرست کر دیا کہ بادشاہ دوبارہ زرتشتی مذہب پر لوٹ آئے۔ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اسی موڑ کے بعد زرتشتی مذہب کی ترقی کا آغاز ہوا اس کی ترقی و اشاعت کے لئے بادشاہ نے دور دراز کے ممالک اور توران میں دفور بھیجے۔ نتیجتاً ایران اور توران میں جنگ چھڑ گئی۔ اسی جنگ کے دوران ایک تورانی سپاہی نے زرتشت کے پیچھے پر خنجر مار کر اسے شہید کر دیا۔

زرتشت کی تعلیمات کتاب ”اوستا“ میں رقم ہیں۔ یہ کتاب دارا اوستا شپ کے عہد میں لکھی گئی بعد کے ادوار میں بھی وقتاً فوقتاً اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ پہلے حصے ”یاستا“ میں مذہبی قربانی اور اس کی دعائیں درج ہیں۔ دوسرا حصہ ”کاتھا“ ہے جس میں مذہبی قصائد بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حصہ اسی وجہ سے دوسرے حصوں سے ممتاز ہے۔ تیسرا حصہ ”ویسپرد“ ہے اس میں خدا کی حمد و ثنائیاں ہوئی ہیں۔ چوتھے حصے ”وہڈیڈاؤ“ میں ارواحِ خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ پانچواں حصہ ”اوست“ آئیں سمجھوں پر مبنی ہے۔ اس میں فرشتوں کی مدح بھی بیان کی گئی ہے۔ ”اوستا“ میں قدیم روایات کے ساتھ ساتھ قدیم ایران کے اخلاق اور سماجی قوانین مہارت اور پاکیزگی کے اصول بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کے الفاظ الہامی بتائے جاتے ہیں۔ زرتشتیوں کا دعویٰ ہے کہ اوستا کی تخلیق تمام مخلوقات سے پہلے مکمل میں آئی تھی۔

زرتشت کے مرنے کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد سکندر اعظم نے ایران کو فتح (330 ق م) کیا اور زرتشتی مذہب کی ختم کئی کی۔ اس نے اوستا کے تمام قدیم نسخے جلوا دیے اور زرتشت کی بجائے یونانی مذہب کو پھیلاتا چلا۔ یونانی حکومت کے بعد پارٹیا والوں نے ایران پر حکومت قائم کی مگر یونانی حکومت کی طرح اہل پارٹیا نے بھی زرتشت پر توجہ نہ دی۔ زرتشتی مذہب کو بعد ازاں ساسانی عہد میں فروغ حاصل ہوا۔ جو ساتویں صدی تک قائم رہا مسلمانوں کے ہاتھوں

600 ق م۔۔۔۔۔ زرتشت اس کا عہد اور اس کی تعلیمات

ایران میں قدیم زمانے سے بت پرستی کا دور دورہ تھا اور کثرت پرستی یہاں کے لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ ایسے میں ایک مصلح ہوا جسے دنیا زرتشت Zoroaster کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کے زمانے کے تعین میں مورخین کا زبردست اختلاف ہے۔ فارسی روایات میں اس کا عہد چھٹی صدی قبل از مسیح (660 ق م۔ 550 ق م) لیکن قدیم یونانی تصانیف میں زرتشت کا زمانہ حضرت مسیح سے چھ ہزار سال قبل بتایا گیا ہے۔ بہر حال فارس کے اس قدیم پیغمبر اور قانون عطا کرنے والے کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ خصوصاً اس کے بچپن کے بارے میں کہتے ہیں کہ زرتشت بھی حضرت عیسیٰ کی طرح کنواری ماں کے لپٹن سے پیدا ہوا تھا۔ اور انتہائی حیرت انگیز روحانی علامتوں اور شگونوں کے ستارے کا نقیب تھا۔ زرتشت بحرِ حرز کے مغرب میں صوبہ آذر بائجان میں پیدا ہوا۔ مورخین اس کے والد کا نام پورشاپ استہما اور والدہ کا نام وگلد اور اسات بتاتے ہیں۔ اس کے ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ البتہ شیر خوارگی کے زمانے کے متعلق کچھ روایات ملتی ہیں۔ ان میں زرتشت کی ولادت کے وقت فارس کے کاہن اعلیٰ کے لڑکھ بڑا نام ہونے کی داستان اور کاہنوں کی ان کوششوں کے قصے ہیں جن میں وہ زرتشت کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ بچپن میں زرتشت کو بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن وہ جلنے کی بجائے آگ کے شعلوں سے کھیلنا پایا گیا۔

زرتشت کے حصولِ تعلیم کے متعلق اتنی معلومات ملتی ہیں کہ اس کے اپنے زمانے کے مشہور استاد حکیم بڑا کرزا کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ایک سال کے قلیل عرصے میں وہ متعدد علوم، مذہب، زراعت، نگہ بانی اور جراحی کا ماہر بن گیا۔

زرتشت کی جوانی کے حالات میں اس کی خدمتِ خلق کے کارنامے اور اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ زرتشت کو خدمتِ خلق کی ایسی لگن تھی کہ اس نے تمام کاموں پر خدمتِ خلق کو ترجیح دی۔ اسی دوران اسے جس مسئلے نے متفکر کیا وہ یہ تھا کہ انسان آئے دن طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے یہ مصیبتیں کہاں سے آتی ہیں؟ اس عقدہ کے حل کی تلاش میں اس نے بلاِ غرہ بار کو خیر باد کہا اور سیلان پہاڑ پر سکونت اختیار کی۔ برسوں اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے باوجود اسے کامیابی نہ ہوئی آخر مایوس ہو کر پہاڑ بھی چھوڑ دیا۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور تاریکی چاروں طرف پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ یہ سال دیکھ کر زرتشت اچھل پڑا۔ اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں منقسم ہے۔ اسی طرح دنیا بھی نیک اور بد میں منقسم ہوئی ہے۔ جس طرح دن اور رات میں تبدیلی ممکن نہیں۔ دن دن ہوتا ہے اور رات رات ہوتی ہے۔ اسی طرح نیک اور بدی سے اور بدی کا نیک سے بدل جانا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے بدی اور نیک اہل چیزیں ہیں۔ اس نتیجے سے زرتشت نے مہویت کی بنیاد رکھی، یعنی اس نے نیک اور بدی کے خالق

سارانیوں کی شکست کے بعد زرتشتی مذہب اپنی سرکاری حیثیت کھو بیٹھا۔ اسی زمانے میں بہت سے زرتشتیوں نے ایران سے ہجرت کی اور خلیج فارس میں جزیرہ ہومز پہنچے یہاں سے نقل مکانی کر کے بہت سے زرتشتی نويس صدی میں ہندوستان کے صوبہ گجرات کے ساحل پر آباد ہوئے۔ اور سورت اور بمبئی تک پھیل گئے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ یہ ایران میں صرف 10 ہزار زرتشتی آباد ہیں جب کہ ہندوستان میں 90 ہزار سے زائد پارسی یا زرتشتی آباد ہیں۔

ایک عربی مقولہ ”ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے“ کہ مطابق فطرت میں اجتماع ضدیں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی لئے زرتشت کی تعلیمات یہ تھیں کہ دنیا میں دو قوتیں پائی جاتیں ہیں۔ ایک نور و نیکی ہے اور دوسری تاریکی و بدی۔ قوت خیر سے یہ امید کرنا کہ وہ کئی برا کام انجام دے ناممکن ہے اسی طرح قوت شر سے کسی بھلائی کی توقع کرنا عبث ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہمیشہ سے باہم نبرد آزما ہے۔

مآخذ

World Relegion, Cambridge, Incyclopeadia Britannica,
Encyclopeadia Americana. The 100, Michaelhart-people in
History-1000 Great Events By Lynne Sabel.

- ۱: انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم۔ ولیم ایل لینگر۔ ۲: تاریخ مذاہب۔ رشید احمد
- ۳: مشرق کے عظیم مفکر۔ ایوان پلگ گریل۔ ۴: مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔ چوہدری غلام رسول
- ۵: مذاہب عالم۔ کارل کلین 1000 اہم واقعات۔

600 ق م۔۔۔ کیلٹی لوگوں کا ترک وطن

لفظ کیلٹی یا Celts ایک یونانی اصلاح Keltoi (جس کے معنی وحشی نسل ہیں) سے نکلا ہے۔ اس یونانی اصطلاح کا اطلاق ان تمام وحشی اقوام میں ہوتا تھا جو قدیم زمانے میں شمالی یورپ میں آباد تھیں۔ دراصل کیلٹی آریاؤں کی ایک شاخ تھی جو شمالی یورپ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ ہندو یورپی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبائل نو بحری عہد اور کانسی کے دور میں یورپ آئے تھے۔ ابتداء میں انہوں نے جنوبی جرمنی، سویٹزر لینڈ، پولینڈ اور ہنگری میں سکونت اختیار کی۔ تقریباً ساتویں صدی قبل از مسیح میں شمالی جرمانی Northern Jermanic قبائل کی جارحیت کی وجہ سے کیلٹیوں کو ترک وطن کر کے جنوب کی سمت میں یونان اور اٹلی تک اور مغربی سمت میں اسپین، فرانس اور انگلینڈ تک ہجرت کرنا پڑی۔ جزائر برطانیہ میں انہیں لوگوں کی آمد سے لوہے کے دور کا آغاز ہوا یہ لوگ یہاں رومنوں کے آنے تک سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ 43 ق م میں جب رومنوں نے برطانیہ کو فتح کیا تو کیلٹی اقتدار سے محروم ہوئے۔ برطانیہ اور فرانس میں آج تک کیلٹی زبان بولنے والے لوگ آباد ہیں۔

کیلٹی لوگ مظاہر پرست تھے۔ تقریباً تمام ہی مظاہر فطرت ان کے معبود تھے۔ چٹھے، دریا، پہاڑ، جھیل اور سمندر غرض کہ یہ لوگ تمام چیزوں کو پوجتے تھے۔ ان لوگوں کے مذہبی راہنمایا پروہت ڈروئیڈ Druid تھے۔ ان کا کام پیش گوئیاں کرنا اور فال نکالنا تھا۔ بعد کے زمانے میں یہ مذہبی راہنما اکثر فلسفے اور شاعری کے مطالعے میں گم رہتے تھے یہ کیلٹیوں کی ذہنی ترقی کی معراج تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ لوگ جہالت کی انتہائی پستی میں گرے ہوئے تھے اور ان میں انسانی قربانی کا رواج تھا۔ جنگجو اور لڑاکا ہونے کے ساتھ ساتھ کیلٹی لوگ اچھے کاشتکار اور بہترین ہنرمند بھی تھے۔ نہ صرف انہوں نے بڑے پیچیدہ اور خوبصورت ڈیزائنوں کے زیورات تخلیق کیے۔ بلکہ ہر قسم کی فصلیں بھی کاشت کھن شرع کردی تھیں۔

مآخذ

Encyclopeadi Birtanica

تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان۔ جامع اردو انسائیکلو پیڈیا یا شیخ غلام علی۔ 1000 اہم واقعات، انسانی تمدن کی داستان باری علیگ۔ انسائیکلو پیڈیا یا تاریخ اقوام عالم از ولیم ایل لینگر۔

600 ق م۔۔۔ لائی کرگس اور سپارٹا کی دستور سازی

ابتدائی کرگس اور سپارٹا یونان قدیم کی ایک اہم ریاست تھی۔ اس کے نظام حکومت میں بنیادی طور پر عسکریت اور حکومت کے ہمہ گیر اقتدار کے تصورات کا فرما تھے۔ اس کے باوجود سپارٹا میں جمہوری اداروں کا وجود عقائد میں تھا جو مملکت کی اجتماعی خصوصیت تھے۔ سپارٹا بنیادی طور پر ایک فوجی مملکت تھا۔ ایسی مملکت اگرچہ بحث و مباحثہ کرنے والے اداروں سے نہیں چلا کرتی۔ اس کے باوجود سپارٹا میں بھی اصل قوت ایک با اقتدار ادارہ ایفریہ کو حاصل تھی جو مجلس شوریٰ کے نگران تھے۔ یہ پانچ اراکین پر مشتمل ہوتا تھا جو ایفریہ کہلاتے تھے۔ سپارٹا کے نظام حکومت میں بادشاہوں کے بعد ممتاز شہریوں کی مجلس کا مقام، مرتبہ تھا۔ جس کو مجلس بزرگان کہتے تھے۔ یہ مجلس ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے اٹھائیس ارکان پر مشتمل تھی۔ جن کا انتخاب سپارٹا کے شہری کرتے تھے۔ حکومتی اداروں کی تشکیل اور سپارٹا کے دستور کی تیاری مورخین کے مطابق تقریباً 600 ق م میں ایک شخص لائی کرگس Lykurgus کے ہاتھوں ہوئی۔ لائی کرگس کی سوانحی میں اقتصاد پایا جاتا ہے۔ بعض مورخین کے مطابق وہ کوئی افسانوی شخص تھا۔ لیکن ایک بات جس پر محققین متفق ہیں وہ یہ ہے کہ وہ سپارٹا کے ایک کسں بادشاہ خاری لاؤس Chari Laus کا بزرگ اور متولی تھا۔ وہ ایک زمانے تک مصر، بابل کریت اور نخوس مباحث میں مشغول رہا اور وہاں کے مشہور لوگوں سے اس نے ملاقات کی۔ پھر جب وہ سپارٹا واپس آیا تو اس نے یہاں کا دستور ترتیب دیا جس میں سیاسی و عمرانی نظام سلطنت کا عکس موجود تھا۔ ہیرودوٹس نے لکھا ہے کہ اس نے یہ دستور جزیر کبریٹ کے دستور پر ترتیب دیا تھا۔ تھیوسی ڈیڈیز کے مطابق لائی کرگس سپارٹا کے دستور کی تقریباً جملہ خصوصیات کا بانی تھا۔ ارسطو نے اس سے اختلاف کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایفریہ یا سپارٹا کی مجلس منجگانہ کی ابتداء کا سہرا شاہ تھیوپومپوس King The Opompus کے سر ہے۔ اس بات سے سپارٹا کے دستور میں تدریجی ترقی کا تحلل اور پیدا ہو جاتا ہے۔ محققین کے نزدیک اس بات کا پتہ چلتا بہت مشکل ہے کہ ڈورین رسم وروان کیا تھے۔ اور لائی کرگس نے سپارٹا کے کون کون سے ادارے کی ابتداء کی تھی؟ یہی محققین کہتے ہیں کہ لائی کرگس کے بارے میں ایک بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس نے اعیانی جنگجو فرقہ کو ضرور مستحکم کیا ہوگا۔ بہر حال لائی کرگس کے وضع کردہ دستور کے نفاذ سے ریاست میں بہت سی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں۔ اور یہ کہ اس کا دستور بادشاہ، امراء اور جمہوریہ تینوں عناصر کا لحاظ اختیارات ایک شاندار مجموعہ تھا۔

مآخذ

تاریخ یونان قدیم حصہ اول۔ ایڈولف ہولم۔ تاریخ جمہوریت از شاہد رزاقی

600 ق م۔۔۔ منوسرتی یا منوکا ضابطہ قوانین

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ہر 43 لاکھ سال کے زمانے میں ایک منو ہوتا ہے جو اس زمانے کے انسانوں کے لئے ایک ضابطہ قوانین ترتیب دیتا ہے۔ ان انسانوں کی زندگی بسر کرنے کے لئے اس ضابطہ کی پیروی ان پر لازم ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے عقائد کے مطابق کل چودہ منو ہیں جن میں سے چھ ماضی میں گزر چکے ہیں اور اب ساتویں منوکا زمانہ ہے۔ اس کے بعد سات منو اور آئیں گے موجودہ منو کی تصنیف ”منوسرتی“ ہے جو ہندوؤں کے مذہبی اور معاشرتی قوانین کا ایک جامع مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا زمانہ تصنیف مورخین نے تقریباً ساتویں صدی مسیح بتایا ہے۔

منوسرتی یا منو کے اس دھرم شاستر میں ہندو معاشرے کو چار درجوں (طبقات) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ان سب کے فرائض مقرر کر کے ضابطہ اور قوانین ترتیب دیئے گئے ہیں۔ منوسرتی میں معاشرے کے مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور ہر بات پوری شرح اور تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ معاشرے کے چار طبقے برہمن، کشتری، ویش اور شودر مقرر کئے گئے ہیں۔ برہمنوں کا کام علم و فکر کی زندگی بسر کرنا اور رسوم مذہبی کی ادائیگی ہے۔ کشتری طبقہ کے لوگ راجہ، سپاہی پیشہ ور اور حاکم ہیں۔ ویش تجارت اور صنعت اور دوسرے پیشوں کو سنبھالنے والے لوگ ہیں۔ جن کو سماج سے کسی جرم کی بنا پر سوسائٹی سے خارج کر دیا گیا اور راجوں کے فرائض میں ملک کی حفاظت، امن کا قیام، عدل گستری ایسے کام کرنے والوں کو انعام دینا اور مجرموں کو سزا دینا۔ ملکی انتظام اور جنگ وغیرہ داخل کئے گئے ہیں۔ اور راجاؤں کے روزانہ معمول اور ان کے درباری کاموں کے لئے طریقے معین کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر طبقہ شادی، بیاہ، مذہبی رسوم اور سماجی فرائض کی ادائیگی کے قانون اور خطا کاروں کے لئے مقرر کی گئیں ہیں۔ جو سماج کے مختلف طبقات کے لئے مختلف ہیں۔ برہمنوں کے لئے خاص رعایتیں اور اختیارات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ برہمنوں کو معاشرے کا دماغ قرار دے کر سب پر فائق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انسان کی زندگی کے چار دور مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی رو سے ہر انسان کے لئے ابتدائی دور میں برہمن چاری بن کر تعلیم حاصل کرنا لازم ہے۔ دوسرے میں شادی کر کے خانہ داری (گرہست آشرم) کی زندگی گزارنا ہے۔ تیسرے دور میں دینی کاروبار سے الگ ہو کر جنگل میں گیان دھیان کی زندگی بسر کرنا ہے اور چوتھے دور میں سنیاہی بن کر لذت دنیا کا تارک بن جاتا ہے۔ غرض منو نے اپنی اس تصنیف میں ہندو سماج کے لئے ایک جامع و مانع ضابطہ مرتب کیا جس پر ہندو معاشرہ کم و بیش آج تک عمل کر رہا ہے۔

مآخذ

تاریخ اقوام عالم از مرتضیٰ احمد خان، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، شیخ غلام علی۔ رگ وید ترجمہ نہال سنگھ۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ اقوام عالم۔ ولیم ایل لیگنر و تہذیب عالم از اے مانفرد، قدیم ہندوستان، ڈی ڈی کوکبی۔ ہندوستانی تہذیب کی داستان۔ اے ایل ہاشم، تمدن ہند از بکرامی، سید علی۔

بہت جلد بابل کی فوجوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ شہری بھی اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ اطاعت کے سوا چارہ نہیں۔ صدقیاہ نے یرمیاہ سے ایک اور خفیہ ملاقات کی۔ یرمیاہ نے بادشاہ سے اپیل کی کہ اب بھی نبوکدنصر کی اطاعت سے بات بن سکتی ہے۔ دوسری صورت میں قوم کی قسمت میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ مگر دیگر اسرائیلی راہنما اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ کچھ بھی ہو ہم آخر تک ڈٹے رہیں گے۔ ان کے خوف کی وجہ سے صدقیاہ کچھ نہ کر سکا۔

586 ق م میں بابل کی افواج فسیل میں ایک رخنہ کے راستے یروشلم میں داخل ہو گئیں۔ صدقیاہ نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر یرمیاہ کے مقام پر گرفتار ہو گیا۔ اس کے بیٹوں کو اس کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ پھر یہوداہ کے اس آخری بادشاہ کی آنکھیں نکال دی گئیں اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر بابل پہنچا دیا گیا۔ ہیکل سلیمانی جو چار صدیوں سے بنی اسرائیل کا سرمایہ افتخار تھا۔ اب خاک اور راکھ کا ڈھیر بن گیا اور یروشلم ٹکڑرات میں بدل گیا۔

مآخذ

عہد نامہ عتیق، عہد عتیق کا تاریخی سفر از سیوسٹیل جے ہلٹن۔

597 ق م۔۔۔ صدقیاہ یہوداہ کا آخری حکمران

صدقیاہ یوسیاہ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ چونکہ یہوایکین تخت داؤدی کا جائز وارث تھا مگر اس نے صرف تین ماہ حکمرانی کی اور جب یروشلم کو بابل کی فوجوں نے گھیر لیا تو اس نے نبوکدنصر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ نبوکدنصر نے اس مرتبہ صرف کچھ امیروں کو ساتھ لے جانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ہیکل کے خزانوں کو لوٹ کر یہوایہ یکین اور اس کی مادر ملکہ کو بھی قید کر لیا۔ یہوداہ کے بہت سے اعلیٰ افسروں، کاریگروں اور دستکاروں کو اسیر بنالیا گیا اور بابل لے جایا گیا۔ ان اسیروں میں حزن الہی بھی شامل تھے۔ جانے ہوئے نبوکدنصر نے ستیاہ کا نام صدقیاہ رکھا اور اسے یہوداہ کا کھ پتلی حکمران بنادیا جو مکمل طور پر بابل کے شہنشاہ کے اشاروں پر چلتا تھا۔ اس نے دس سال حکومت کی۔ یہ دس سال کمزور حکومت کی متزلزل پالیسیوں کے تھے۔ یہوداہ کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید بابل جلد ان کے اسیروں کے رہا کر دے گا۔ حنیاہ نامی ایک شخص نے یرمیاہ بنی کے کندھے سے جوا تار کر توڑ دیا اور کہنے لگا کہ دو سال کے اندر اندر اسی طرح بابل کی سیادت کا جو ابھی ٹوٹ جائے گا۔ یرمیاہ بنی اس کے اس طرز عمل پر ہکا بکا رہ گئے مگر پھر اپنی راہ پر چل دیئے۔ راستے میں ان پر وحی نازل ہوئی جس میں خدا نے فرمایا اب نلوی کو جو انہیں بلکہ لوہے کا جو بنی اسرائیل کے کندھوں پر رکھا جائے گا اور اس سے کوئی بہتج سکے گا۔ جہاں تک حنیاہ کا تعلق ہے وہ ایک سال کے اندر اندر مر جائے گا۔ ان کی یہ پیشن گوئی جلد پوری ہو گئی۔ صدقیاہ پہلے بحران سے توجہ نکالا لیکن 588 ق م میں بابل کے جارحانہ عزائم کے آگے جھک گیا۔ اس وقت کے فرعون مصر نے ایشیا کے خلاف ایک زبردست مہم منظم کی۔ جس کی وجہ سے عمون اور یہوداہ نے بابل کے خلاف بغاوت کردی۔ اس وقت نبوکدنصر آرام میں مصروف تھا اس نے بہت جلد یروشلم کا محاصرہ کرایا۔ یرمیاہ بنی نے ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا مگر صدقیاہ آمادہ نہ ہوا۔ وہ کسی اور قابل قبول حل کی تلاش میں تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ قحط کے دن تھے۔ غلاموں کے مالکوں کے لیے یہ اعلان قابل قبول تھا کیونکہ اس طرح انہیں غلاموں کو خوراک مہیا نہیں کرنا پڑتی تھی۔ مگر جب نبوکدنصر محاصرہ اٹھا کر فرعون مصر کی طرف متوجہ ہوا تو غلاموں کے مالکوں نے غلاموں پر دوبارہ ملکیت جمائی۔ اس پر یرمیاہ نے خبردار کیا کہ بابل بہت جلد دوبارہ محاصرہ کر لے گا۔

ایک دن یرمیاہ کہیں جا رہے تھے کہ سرکاری کارندوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور زدوکب کر کے اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس پر بابل کے حامی ہونے کا الزام تھا۔ صدقیاہ نے اس سے خفیہ ملاقات کی۔ یرمیاہ نے پھر ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ ان لوگوں کی بات ہرگز نہ مانو جو شاہ بابل سے لڑنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یرمیاہ کے کہنے پر انہیں قید خانے نہ بھیجا گیا بلکہ محافظوں کے صحن میں محل میں رکھا گیا۔ مگر محل کے عہدہ داروں نے اس پر اعتراض کیا اور صدقیاہ نے ان کے دباؤ میں آ کر یرمیاہ بنی کے قتل پر راضی ہو گیا۔ انہوں نے یرمیاہ کو ایک حوض میں ڈال دیا۔ انہیں امید تھی کہ وہ کچھڑ میں دھنس کر ڈوب جائیں گے۔ مگر ایک جھٹی خوبیر سرائے انہیں بچا لیا۔

نشین کر گیا۔ کئی سال امن و امان قائم رہا اسی دوران بابل کے مطابق نبو کدنصر نے مشہور فونیقی شہر صور کا محاصرہ کیا جو 13 سال جاری رہا۔ دوسری طرف اہل یہود کہاں چین سے بیٹھے والے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو ایک بار پھر بغاوت پر اکساتا شروع کر دیا۔ نتیجتاً صدقیہ نے بھی نبو کدنصر کے خلاف بغاوت کر دی۔ مختصر عرصہ میں یہ تیسری بدعہدی اور بغاوت تھی۔ شاہ بابل یہودیوں کی بیان کھلیوں سے تنگ آ گیا۔ اس نے بحیثیت قوم یہودیوں کے مکمل استیصال کا عزم کیا اور تیسری بار یروشلیم پر حملہ آور ہوا۔ 18 ماہ کے محاصرے کے بعد جب یروشلیم فتح ہوا۔ تو نبو کدنصر نے پہلا حکم یہودیوں کے قتل عام کا جاری کیا امن و سلامتی کے شہر یروشلیم کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ دوسرے حکم پر ہیکل سلیمانی کو نذر آتش کر دیا گیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے زمین بوس کر دیا گیا۔ جاتے ہوئے فاتح یہودیوں کا قومی جذبہ ختم کرنے کے لیے باقیماندہ یہودیوں کو اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ اس تباہی میں تابوت سلیمان ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ نبو کدنصر نے جاتے ہوئے یہودیوں کے تمام صحیفوں کو بھی نذر آتش کر دیا۔ ایک لاکھ مرد و زن کو قیدی بنا کر کئی میل لمبے جلوس کی صورت میں بابل لے جایا گیا۔ بعض مورخ یہودیوں کی جلاوطن ہونے والی تعداد کو پچاس ہزار بتاتے ہیں بہر حال تعداد جو بھی ہو غریب الوطنی اور اسیری ان کا مقدر بن گئی۔

یہ اہل یہودی کی پہلی مکمل قومی تباہی تھی۔ اس تباہی و بربادی میں نہ صرف ہیکل سلیمانی اور تابوت سلیمان کا نام و نشان تک مٹ گیا بلکہ دیگر یہودی صحائف کے ساتھ تواریت بھی غائب ہو گئی کہتے ہیں کہ اسیری بابل کے زمانہ میں یہودی تواریت کو یاد کر کے روایا کرتے تھے۔ آج بھی اس تباہی کی یاد میں اہل یہود حضرت سلیمان کے نام کے روزے رکھتے ہیں۔ بابل میں یہودیوں کو دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا۔ انہوں نے اپنی اس بستی کا نام ”تل اییب“ رکھا آج کا تل اییب اس پرانے تل اییب سے معنون ہے۔

اس اسیری کے دوران اہل یہود کو دیار غیر میں بہت صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن وہ اس زمانہ ابتلا میں بھی اپنی قومی اور مذہبی شناخت کو نہیں بھولے۔ اسیری بابل کے دور میں حضرت حزقیل، حضرت دانیال اور حضرت عزیر بنی ان کی راہنمائی کرتے رہے ان پیغمبران کرام نے اپنی تبلیغ و سعی کے ذریعے ان میں وطن واپسی کی آرزو زندہ رکھی۔ یہاں تک کہ زرد بابل بن سالتی ایل نے پہلی تحریک صہیونیت کا آغاز کیا۔ اس تحریک کا مقصد یروشلیم کی بازیافت اور ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر تھا کہتے ہیں کہ اسیری بابل ہی کے زمانے میں ہیکل موجود نہ ہونے کی صورت میں یہودی عبادت گاہیں Synagogue وجود میں آئیں۔

جب اسرائیلی اپنی بدعہدیوں کی کافی سزا بھگت چکے تو 539 ق م کے قریب ایران کے پہلے کسری اور کیانی خاندان کے بانی سائرس اعظم یا خروے جسے بابل خورس کے نام سے یاد کرتی ہے۔ بابل کو فتح کیا۔ یہودیوں کی غریب الوطنی دیکھتے ہوئے سائرس اعظم نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کی رو سے یہودیوں کو وطن واپسی کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن قفس میں رہ کر یہودیوں کی دوسری نسل یہ بھول چکی تھی کہ یروشلیم بھی کوئی مقام تھا۔ اس وجہ سے سارے یہودی واپس نہیں گئے۔ صرف 42360 افراد واپس لوٹے۔ خورس اعظم نے جاتے ہوئے ان کو خدا کے گھر کا وہ سامان آرائش بھی واپس کر دیا جو نبو کدنصر لوٹ کر ساتھ لایا تھا۔ واپسی پر جس شخص نے ان کی قیادت کی اس نام شمس بھر تھا۔

586 ق م۔۔۔۔۔ یروشلیم کی تباہی اور اسیری بابل

حضرت سلیمان کے عہد کے بعد اسرائیلی انتشار کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت دو حصوں میں منقسم ہو گئی تھی شمالی حکومت اسرائیلی کہلاتی تھی اور اس کا دارالسلطنت ساریہ تھا۔ دوسری حکومت جس کا پایہ تخت یروشلیم بنا، یہوداہ کے نام سے معرض وجود میں آ گئی اول الذکر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ 722 ق م میں آشوریوں نے اسے اس طرح ختم کیا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس ریاست کے مفتوح باشندوں کو ان کے وطن سے جلاوطن کر دیا گیا کیونکہ آشوری نہیں چاہتے تھے کہ یہودی ان کے خلاف پھر کوئی سازش اپنے قومی جذبے کے تحت عمل میں لائیں اسی قومی جذبہ کو کمزور کرنے کے لئے ساریہ کے بعد اس کے باشندوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ کچھ ایسا ہی واقعہ 586 ق م میں اہل بابلان یہوداہ کو بھی پیش آیا۔ یہ واقعہ تاریخ یہود میں ”اسیری بابل یا جلاوطنی بابل“ کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔

”اسیری بابل“ کی اصطلاح عہد نامہ عیش کی کئی کتابوں جر میاہ، حزقیل، دانیال، عزرا، ملوک دوم میں استعمال کی گئی ہے۔ اس سے مراد یروشلیم کے باشندوں کی وہ ملک بدری ہے جو بابل کے کلدانی حکمران بخت نصر یا نبو کدنصر کے ہاتھوں چھٹی صدی ق م کے اوائل میں عمل میں آئی۔ اس اسیری اور جلاوطنی کا سراغ کھنڈرات بابل سے ملنے والی تحریروں سے بھی ملا ہے۔ جرمن ماہرین آثار عتیقہ کدنصر کو ملنے والی مٹی رسم الخط کی لوحوں پر ایسے افراد کے ناموں کی فہرست ملی ہے جنہیں نبو کدنصر کے زمانے میں راشن بندی کے ذریعے خوراک بہم پہنچائی جاتی تھی۔ ان ناموں میں ایک نام یواکین Yaukin شاہ یہوداہ کا ہے جس کے ساتھ پانچ اور شہزادوں کے نام بھی ہیں۔

605 ق م میں کدنصر یا بخت نصر اپنی ولی عہدی کے زمانے میں ایک لشکر لے کر فلسطین کی طرف بڑھا۔ کارٹھیس کے مقام پر اس نے یہودیوں کی مدد کے لئے آئے میسویں خاندان کے فرعون نکوہ دوم Necho II کو شکست دی۔ لیکن اپنے باپ کی وفات کی وجہ سے اسے یہیں سے واپس لوٹنا پڑا۔

598 ق م میں اپنی تخت نشینی کے چند سال بعد یروشلیم پر حملہ آور ہوا اور یروشلیم کے حکمران یہویاکیم Jehorkin کو جو فرعون نکوہ کا باجگوار تھا شکست کے بعد گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ اس کے بیٹے یا کین Jehoiaicin کو اپنے باجگوار کے طور پر یہودیہ کا حکمران بنایا گیا لیکن مصریوں کی ساز باز اور کانہوں کے کہنے پر یہویاکین نے فرعون مصر کے اشارے پر جلد ہی نبو کدنصر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ جب یہ خبر نبو کدنصر کو پہنچی تو بڑے طش میں بابل سے نکلا۔ پہلے اس نے یہودیوں کی مدد کو آنے والی مصری افواج کو شکست دی۔ پھر یروشلیم کا محاصرہ کر لیا۔ جنگ کے نتیجے میں بے شمار یہودیوں کو قتل کر کے اس نے یہویاہ کین، شاہ یہودیہ کو گرفتار کر لیا پھر وہ دیگر دس ہزار پایہ زنجیر یہودی اسیروں کے ساتھ بابل لے جایا گیا۔ جاتے ہوئے کدنصر ہیکل سلیمانی کی تمام بیش قیمت اشیاء اور زرو جواہر لوٹ کر ساتھ لے گیا۔ اس مرتبہ یہویاہ کین کے بھائی صدقیہ Zedekiahs سے حلف و فاداری لے کر اسے تخت

کے مقام پر اپنا پہلا وعظ کیا۔ یہ وعظ بدھ مت کی تاریخ میں ”دھرم کے پیچھے کا موز“ کہلاتا ہے۔ اس وعظ میں مہاتما بدھ نے کھن ریاخت اور لذت اندوزی کی انتہاؤں کو یکسر مسترد کر دیا اور درمیانی راستے کا انتخاب کرتے ہوئے ہندو دھرم سے الگ ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد مہاتما نے مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے اپنی تعلیمات کی اشاعت کی۔ بے شمار لوگ ان کے ہم خیال بن گئے گوتم کا انتقال 80 سال کی عمر میں پیروا کے مقام پر 450 ق م میں ہوا۔ بدھ مت فی الحقیقت ماوراء اور اخلاقی رجحانات کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو اس میں اپنشد کے بتائے گئے اصولوں کو منطقی طور پر بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری طرف ہندو دھرم کی کثرت پرستی کے باعث پیدا ہونے والی اخلاقی الجھنوں کے خلاف ایک موثر رد عمل ظاہر کیا ہے کثرت پرستی کی مخالفت بدھ مت نے اس شدت سے کی کہ اس میں خدا کے لئے بھی کوئی نجائش ہی باقی نہ رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مذہب میں ارواح، فرشتے، آسمانی کتابیں وغیرہ بے معنی الفاظ بن گئے۔ مہاتما کے خیال میں اگر خدا ہے تو وہ بھی قوانین کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ جیسے دوسرے انسان جکڑے ہوئے ہیں۔ اس طرح بدھ مت میں ہستی اعلیٰ کا تصور مفقود ہے۔ اسی وجہ سے دنیا کے اس بڑے مذہب میں عبادات بھی معدوم ہیں۔ ابتداء میں بدھ مت کی تعلیمات صرف زبانی رہیں جو سینہ بہ سینہ لوگوں کو منتقل ہوتی تھیں۔ ان تعلیمات کو دائرہ تحریر میں لانے کی کوشش نہ کی گئی۔ گوتم بدھ کے انتقال کے دو برس بعد اس کی تعلیمات کو قلم بند کیا گیا۔ بدھ مت کو اصل عروج اشوک اعظم کے عہد میں حاصل ہوا۔ (دیکھئے اشوک اعظم اور اس کا عہد)

مآخذ

The World Religion Cambridge History Of World. The Times,

The Hundred By Michie Hart. People In History.

تاریخ مذاہب رشید احمد، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ از چودھری غلام رسول مشرق کے عظیم مفکر، ایوان پی مک گرہل۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد دوم۔ تاریخ مذاہب۔

553 ق م۔۔۔ فیثا غورث اور اس کا مکتبہ فکر

مشاہیر عالم کی سوانحریوں کے بارے میں کسی شخص کا قول ہے کہ جتنا کسی مشاہیر کا اقتدار ہوتا ہے اتنا ہی روایات اور افسانوں کے ذریعے اس کی زندگی کے حالات میں اضافہ اور تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ یہ قول صدی ق م کے مشہور یونانی فلسفی فیثا غورث پر صادق آتا ہے۔ فیثا غورث یونان کے اولین فلسفیوں میں سے ایک تھا۔ علم الاعداد اور کئی دوسرے شعبوں میں اس کی دریافتیں آج بھی مشہور ہیں مگر اس کی زندگی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ زمانہ بعد کے سوانح نگاروں نے اس کے افعال کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے کہ ان پر مبالغہ کا گمان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فیثا غورث نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی جس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ بلکہ اس کی تعلیمات کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ عوام الناس سے بعض خاص قسم کے علوم مخفی رکھے جائیں پھر فیثا غورث کے زمانے تک یونان میں ایسے مورخ پیدا نہیں ہوئے تھے جو اس کے حالات کو ضابطہ تحریر میں لاتے۔ بہر حال جہاں تک فیثا غورث کا تعلق ہے ہم صرف انہیں اثرات کو بیان کر سکتے ہیں جو اس عجیب و غریب انسان نے اپنی صفات کے ذریعے اپنے ہم عصروں پر مرتب کئے تھے۔

فیثا غورث کے بارے میں یہ قطعی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کس سال پیدا ہوا تھا۔ لیکن قدیم یونانی روایات کے بل بوتے پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کم و بیش پچاسویں اور بانویں اولیپیا (اولپک کھیلوں کا درمیانی وقفہ اولیپیا کہلاتا تھا۔ اس سے اہل یونان وقت کی پیمائش کرتے تھے) کے درمیان یعنی 582 ق م سے 568 ق م تک کسی سال ساموس میں پیدا ہوا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ فیریڈس آف سیروس کا شاگرد تھا جو نثر نگاری میں یونانیوں کے اساتذہ میں انا کسی میندر، تالیس اور ہیاس جیسے جید یونانی علما کے نام بھی شامل ہیں۔ اس زمانے میں یونانی بالخصوص ساموسی، مصر، ایتین اور بابل تک جایا آیا کرتے تھے۔ فیثا غورث کے بارے میں بھی ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس نے مصر، ایتین اور بابل کے کئی سفر کئے اکثر مورخین نے یہ لکھا ہے کہ وہ چالیس برس کی عمر میں اطالیہ میں واقع یونانی نوآبادی کروٹونا Crotona منتقل ہو گیا۔ لیکن اس کے اس نقل وطن کے اسباب کا پتہ نہیں چلتا۔ بہر حال ہم مختلف امور سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس طرح ایشیائی یونانیوں نے اپنا وطن چھوڑ کر اٹلی کا راستہ صرف اس لئے اختیار کیا کہ ان کے میدان عمل میں توسیع ہو، اسی مقصد کے حصول کے لئے فیثا غورث نے بھی اپنا وطن چھوڑ کر دیار مغرب کی راہ لی ہوگی کروٹونا کا انتخاب اس لئے کیا کہ اس کا لوئی اور ساموس کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم تھے اور یہاں اشراف و اعیان برسر اقتدار تھے جن میں جسمانی قوت اور قابلیت کے ذریعے سے ممتاز ہونا قابل فخر و مباہات سمجھا جاتا تھا اور یہ سب فیثا غورث کا بھی پسندیدہ تھا فیثا غورث نے کروٹونا پہنچ کر کوشش کی کہ ان لوگوں میں اس سے بھی بلند تر مقام یعنی ذہنی ترقی حاصل کرنے کی خواہش پیدا کی جائے اس مقصد میں وہ کامیاب رہا۔ اس نے اس اطالوی ریاست میں اپنا ایک خاص مکتبہ فکر قائم کیا۔ جس کے ارکان اسی

550 ق م۔۔۔۔ کنفیوشس اور کنفیوشس ازم

تاؤمت اور بدھ مت کے بعد مشرق بعد کا تیسرا بڑا مذہب کنفیوشس ازم ہے۔ اس ازم یا مت کا نام اس کے بانی کے نام پر ہے۔ جو کنفیوشس کہلاتا تھا۔

چھٹی صدی ق م میں چین میں مذہبی عقائد کا انقلاب برپا کرنے والا یہ شخص چینی زبان نگ فو زے Kung Fuze کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا مطلب نگ یا فلسفی بنتا ہے جو لاطینی زبان میں کنفیوشس بن گیا۔ کنفیوشس 550 ق م میں چین کی ایک قدیم ریاست لو Lu کے مقام سو میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندانی نام نگ رکھا گیا۔ اس کے باپ کا تعلق فوج سے تھا اور وہ اتنا بہادر تھا کہ اس زمانے میں اس کی بہادری کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔ نہایت ضعیف میں اس کے ہاں دعاؤں سے کنفیوشس پیدا ہوا۔ ابھی وہ تین سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں نے سخت غربت میں اس کی پرورش کی۔ اسی وجہ سے وہ بچپن میں تعلیم سے محروم رہا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی۔ جس کے بعد اس نے سرکاری ملازمت کا آغاز تو شہر خانہ کے محافظ کے طور پر کیا ایک سال کی عہدہ کارکردگی کی بناء پر اس کو زراعت کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ اس نے ملازمت کے دوران مطالعہ جاری رکھا۔ شاعری، ادب، آثار قدیمہ کی تاریخ اور سیاسیات اس کے پسندیدہ مضامین تھے۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ ملازمت سے الگ ہو کر صرف ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف رہے لیکن اس کے ہاں اولاد کی پیدائش کے باعث وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ جب اس کی عمر 23 برس ہوئی تو اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ماں کے سوگ میں اس نے تین سال کی ملازمت چھوڑے رکھی۔ اس کے بعد اس نے تعلیم و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ دور دراز سے لوگ حصول تعلیم کے لئے اس کے پاس پہنچنے لگے۔ بطور معلم اس کی شہرت اس حد تک بڑھی کہ 34 سال کی عمر میں اس کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار سے تجاوز کر گئی۔ ریاست لو کے وزیر اعظم نے مرتے ہوئے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ کنفیوشس سے تعلیم حاصل کرے۔ کنفیوشس کو اس وزیر اعظم کے بیٹے سے انیت ہو گئی جو اتنی بڑھی کہ جب ایک خانہ جنگی کے سلسلے میں اسے ملک چھوڑنا پڑا تو کنفیوشس اس کے ہمراہ تھا۔ جلد ہی یہ فتنہ فرو ہو گیا کہ اور دونوں وطن واپس آ گئے۔

52 سال کی عمر میں کنفیوشس کو چین کے ایک اور شہر چنگ ٹو کے باشندوں نے اعزازی طور پر قاضی القضاہ کا عہدہ پیش کیا۔ جو اس نے قبول کر لیا۔ کنفیوشس کی اصلاحات کے باعث یہ شہر جلد ہی اس کے ہمسایوں سے زیادہ خوشحال ہو گیا۔ ارد گرد کی ریاستیں یہ برداشت نہ کر سکیں اور انہوں نے اپنی ریشہ وراثتوں کے کنفیوشس کو یہ عہدہ اور شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اس ملازمت کو ترک کرنے کے بعد کنفیوشس نے کئی سال تک چین کے طول و عرض کی سیاست کی۔ اس سفر میں اس کے شاگرد بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس سیاحت کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی ریاست مل جائے جو اس کے تجویز کردہ آئین

کے نام فیثا غورٹین کہلاتے تھے۔ اس مکتبہ فکر میں اس نے ایک طرف تو ریاضی کا بھرپور مطالعہ کیا جس میں اسے بہت کچھ کامیابی ہوئی دوسری طرف اس نے آواگون یا تناخ ارواح کا نظریہ پیش کیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ جو روح پاک نہیں ہوتی وہ موت کے بعد کسی اور جسم میں داخل ہونے پر مجبور ہو جاتی ہیں اس ضمن میں زمانہ بعد کے مصنفین نے یہ قصہ بھی بیان کیا ہے کہ فیثا غورٹ کا خود اپنے بارے میں یہ خیال تھا کہ اس نے پانچویں مرتبہ انسان کے قالب میں جنم لیا ہے۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق اس کا یہ دعویٰ بھی اس کے مخالفوں نے اس پر استہزا کی تھی کہ ایک مرتبہ ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر وہ بول اٹھا تھا کہ یہ آواز میرے ایک مردہ دوست کی ہے۔ اس کے نظریہ آواگون کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال یہ ہے کہ حکیم موصوف پر مشرقی فلسفہ کا اثر پڑا تھا۔ بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ فیثا غورٹ کا کروٹو نا کے اشراف پر بہت اثر پڑا جس کی وجہ سے اس شہر کی قوت و اقتدار میں اضافہ ہو گیا اسی قوت کی وجہ سے سیارہ اس اور کروٹو نا میں جب جنگ چھڑی تو فتح کروٹو نا کی ہوئی بار بار جنم لینے سے غلطی حاصل کرنے کے لئے فیثا غورٹ مکتبہ فکر میں رسم تطہیر ملتی ہے جس کی ادائیگی کے بعد ان کا خیال تھا کہ وہ صرف اسی بار کے جنم تک محدود ہو جائیں گے۔

فیثا غورٹ کا ایک نظریہ یا اعتقاد یہ بھی تھا کہ تمام اشیا کی اصل حقیقت عدد ہے اور یہ کہ تمام نسبتیں عددی لحاظ سے بیان ہو سکتی ہیں۔ اسی نظریے کی مدد سے فیثا غورٹ نے موسیقی میں سروں کی عددی نسبت کو دریافت کیا۔ زمین کے ایک سیارہ ہونے اور ایک مقررہ نقطے کے گرد گھومنے کا تصور بھی پہلی مرتبہ فیثا غورٹ نے پیش کیا۔ اس کے علاوہ فیثا غورٹ کا نظریہ وتری زاویہ قائمہ Squar On The Hypotenus بھی بہت مشہور ہے۔ ایک صحیح زاویہ قائم کرنے کے لئے اس نے مصری حساب دانوں کے طرز پر ایک مثلث تشکیل دی تھی جس کے ضلعوں میں اس 3:5:5 کا عددی نسبت قائم کی تھی۔ بہر حال ریاضی کے شعبے میں آج بھی اس کا نام زندہ ہے۔ فیثا غورٹ کا انتقال 507 ق م کے لگ بھگ ہوا۔ علم ریاضی اور دینیات کا امتزاج جو فیثا غورٹ سے شروع ہوا۔ یونان میں مذہبی فلسفہ اور قرون وسطیٰ میں کائنات تک جدید فلسفے میں ایک نمایاں خصوصیت کے طور پر شامل رہا۔

مآخذ

تاریخ فلسفہ اسلام از ج دو بوز۔ سرگزشت از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ تاریخ یونان قدیم۔ ایڈولف ہولم۔ فلسفہ یونان، مختصر تاریخ۔ ڈاکٹر ویلیلم ہنسل، مشاہیر ادب یونانی، محمد سلیم الرحمان۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا۔ شیخ غلام علی۔ فلسفہ مغرب کی تاریخ از برٹینڈرسل، پورب اکا دی۔

یا حکومتی کاروبار کے لئے عالمگیر نمونہ کے مطابق سلطنت کا کاروبار چلائے۔ اس تلاش میں وہ تیرہ سال تک مارا مارا پھرا اور دوران سفر بے انتہا مصیبتیں جھیلیں، مگر ایسی کوئی مثالی ریاست نہ مل سکی جو اس کے تجویز کردہ نئے عالمگیر نمونہ حکومت پر جو اعتدال پسندی کے فلسفے پر مبنی تھی، عمل کر سکے۔ اپنی اس ناکامی پر کنفیوشس سیاسیات سے بددل ہو گیا۔ لیکن اس کی یہ ناکامی اور سیاسیات سے کنارہ کشی بھی بنی نوع انسان کے لئے عمومی اور اہل چین کے لئے خصوصی برکت کا باعث بنی۔

سیاسیات میں ناکامی کے بعد کنفیوشس ایک بار پھر عوام الناس کی تعلیم اخلاق پر کمر بستہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے فلسفہ و حکمت اور تاریخ و ادب کی پیش بہا کتابیں تصنیف کیں اور سب سے بڑھ کر انسانیت کی فلاح کے لئے کنفیوشس ازم کی بنیاد رکھی یہ مذہب اس کی موت کے بعد بہت جلد پورے چین کا سرکاری مذہب بن گیا۔ کنفیوشس نے 478 ق م میں وفات پائی۔

کنفیوشس نے بہت کتابیں تصنیف کیں جن میں سے صرف ایک کتاب ہم تک پہنچی ہے وہ تاریخ چین کا خلاصہ ہے۔ البتہ اس کی تدوین کردہ کتابوں کی تعداد کافی ہے جن میں تاریخ، شعر و فنون، شعر و شاعری اور رسم و رواج کی کتابیں شامل ہیں۔ کنفیوشس کی ان کتابوں کو جی یا الہام سے دور کا بھی تعلق نہیں، نہ ہی اس نے کبھی فوق البشر ہونے کا دعویٰ کیا وہ خود کو ماضی میں علم تلاش کرنے والا کہتا تھا۔

کنفیوشس کی تعلیمات کسی نہ کسی شکل میں 1912ء تک چین کے آئین میں شامل رہی ہیں۔ اس کی تعلیمات کو اس کے پوتے کیہ Kiagh نے جمع کیا تھا۔ اس نے اپنی کتاب ”درمیانے راستے کے اصول“ میں کنفیوشس کی تعلیمات اور اقوال کو سمودیا تھا۔

کنفیوشس کی تعلیمات میں اگرچہ ہستی اعلیٰ کا تصور پایا جاتا ہے۔ وہ خدا کی اطاعت پر زور بھی دیتا ہے۔ لیکن اس کے ہاں خدائے اعلیٰ کا تصور نہایت مبہم ہے۔ اس کی تعلیمات میں باہمی مراعات اور ہمدردی کی پانچ بنیادی باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی بادشاہ اور رعایا کا باہمی سلوک باپ اور بیٹے میں ہمدردی، بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی میں، میاں بیوی اور دوست دوست میں باہمی ہمدردی۔

کنفیوشس کی قدر اگرچہ اس کی زندگی میں نہ ہو سکی لیکن اس کی وفات کے بعد لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی وفات پر پورے چین میں نہایت اہتمام کے ساتھ سوگ منایا گیا۔ ان ریاستوں اور حکمرانوں نے جنہوں نے اس کی باتوں پر کان نہیں دھرا تھا اسے خراج تحسین پیش کیا۔ بے شمار لوگ اس کی قبر کے پاس جھونپڑیاں ڈال کر اس کے مجاور بن گئے، ریاست لو کے بادشاہ نے اس کی یاد میں ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا جس کے ذریعے کنفیوشس کی پرستش کا رواج ہو گیا۔ چوتھی صدی ق م میں جب ریاست لو کے اس حکمران خاندان کا خاتمہ ہوا تو کنفیوشس ازم پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوئے اور اس میں نئے عقیدے پیدا ہو گئے۔ اس بات کا شدید احتمال پیدا ہو گیا کہ یہ مذہب بہت جلد صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ لیکن اسی عہد میں ایک مصلح منیشش Menckus نے اپنی اصلاح کے ذریعے اس مذہب کو نئی زندگی دے دی۔

کنفیوشس ازم کے پانچ صحائف ہیں۔

- ۱: شوکنگ، کتاب تاریخی دستاویزات۔
- ۲: شی کنگ، قدیم نظمیں۔
- ۳: لی کی Liki، قدیم رسومات کی کتاب۔
- ۴: ڈی کنگ، انقلابات کی کتاب۔
- ۵: چون کنگ، خزاں اور بہار کی تاریخ۔

یہ کتاب ریاست لو 732 ق م سے 481 ق م تک کے واقعات، حادثات اور حالات کی تاریخی ہے۔

ان صحائف سے چینوں نے کائنات، سیاسی حکومت، معاشرتی اداروں اور انفرادی تعلقات کے بارے میں علم اخذ کیا ہے۔

خدا کے بارے میں کنفیوشس کا نظریہ یہ ہے کہ خدا ایسے قانون وضع اور نافذ کرتا ہے جن کے ذریعے کائنات وجود میں آئی اور اپنے مقرر وقت تک قائم رہے گی۔ وہ اپنی شریعت انسان پر عیاں کرتا ہے جس پر عمل کر کے انسان مقصد حیات اور سعادت ابدی حاصل کر سکتا ہے۔

مآخذ

The Dorling Kindersley History Of The World. People in History, The World Religions Cambridge.

مشرق کے عظیم مفکر۔ ایوان پی۔ ک۔ گرل، تاریخ مذاہب از رشید احمد، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ انسائیکلو پیڈیا امریکا ابتدائی اقوام کے مذاہب۔ 1000 اہم واقعات۔

کر لیا اور یہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ ایک مقام سے جہاں قلعہ کی فصیل غیر محفوظ تھی ایک دن لیڈیا کے ایک سپاہی کا جنگی خود فصیل سے نیچے گر گیا۔ وہ سپاہی دیوار سے نیچے کودا اور اپنا خود اٹھا کر واپس فصیل پر چڑھ گیا۔ ایرانی یہ سب دیکھ رہے تھے۔ دوسرے روز کوروش نے اپنے لشکر میں اعلان کر دیا تھا کہ جو سپاہی سب سے پہلے قلعہ میں داخل ہوگا اسے زرکثیر انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ ایک ایرانی سپاہی لیڈیا کے سپاہی کے چڑھنے کے مقام سے فصیل پر چڑھا اور اس کے پیچھے کچھ اور ایرانی بھی فصیل پر چڑھ گئے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح پورا ایرانی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا اور محصورین کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

کوروش شکست کی ذلت نہ برداشت کر سکا اور ایک جلتی ہوئی چتا میں کود گیا۔ کوروش کو معلوم ہوا تو اس نے آگ بجھا کر کوروش کو نذر آتش ہونے سے بچایا سارو کے مسخر ہو جانے کے بعد ایشیائے کوچک کے یونانی مقبوضات بھی ایرانی قبضے میں آ گئے۔ سارو کی حکومت کوروش نے اپنے ایک معتمد خاص تابال Tabal کو سونپی اور خود ہمدان واپس چلا گیا۔

ماخذ

تاریخ ایران حصہ اول از مقبول بیک بدخستانی۔ دنیا کی سب سے قدیم تاریخ، ہیروڈوٹس۔

547 ق م۔۔۔ سلطنت لیڈیا کا خاتمہ

لیڈیا مشرق قریب کا ایک قدیم ملک تھا۔ جس پر چھٹی صدی قبل از مسیح میں کروزش Croesus کی حکومت تھی۔ اس نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے لیے ایشیائے کوچک کے یونانی مقبوضات کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ سارداس کا پایہ تخت تھا۔ لیڈیا اور میڈیا (آل ماو) ایک دوسرے کے حلیف تھے جب کوروش اعظم نے میڈیا فتح کیا تو کروزش کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے سپارٹا، مصر اور بابل کے حکمرانوں کے پاس سفارشی بھیجی کہ وہ کوروش کے خلاف متحد ہو جائیں۔ ان ملکوں کے بادشاہوں نے اس کی تجویز منظور کی۔ کروزش نے یونان سے کرائے کے سپاہی بھی حاصل کیے تاکہ کوروش کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کیا جاسکے۔ مگر بد قسمتی سے اس کا وہ ایجنٹ جسے اس نے یونان سے کرائے کے گوریلے بھرتی کرنے کے لیے بھیجا تھا ایران پہنچ گیا اور اس نے لیڈیا کے فوجی راز کروش اعظم کو بتا دیئے۔

کوروش اعظم نے پیشتر اس کے لیڈیا کے اتحادی ممالک کوئی مددگار فوج بھیجے، لیڈیا کی طرف پیش قدمی کی۔ اور خود کوروش نے بھی ایران پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں بڑھائیں۔ دونوں بادشاہوں کی افواج کا آمناسامنا پتہ یا Patria کے صحرا میں ہوا۔ کروزش اس نازک لمحے میں اپنے اتحادیوں سے آس لگائے بیٹھا تھا کہ وہ کمک بھیجیں مگر یہ کمک نہ پہنچ سکی۔ کروزش اور کوروش کی فوجوں میں دن بھر جنگ ہوتی رہی جس میں دونوں اطراف کا شدید جانی نقصان ہوا لیکن فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ کروزش نے یہ دیکھ کر کہ اس کی فوج ایرانیوں سے کم ہے، پسپا ہو جانا مناسب سمجھا۔ اس کا خیال تھا کہ کوروش موسم سرما کی شدت کی وجہ سے ساردی طرف پیش قدمی کرے گا اور اسے پیچھے سے بابل کی جانب سے حملہ کا خطرہ بھی ہوگا۔ اس عرصہ میں سفریوں اور اہل سپارٹا سے کمک بھی پہنچ جائے گی۔

سارد پہنچ کر کروزش نے اپنے اتحادیوں کو پیغام بھیجا کہ پانچ ماہ کے عرصے میں ملک لازماً بھیجی جائے۔ دوسری طرف کوروش نے بابل کے حکمران نیبونیدس سے مذاکرات کر کے معاہدہ صلح کر لیا جس سے اس کے عقب پر حملہ کا خطرہ ٹل گیا۔ کروزش نے اسی خیال سے کہ کوروش موسم سرما میں بر فباری کی وجہ سے پیش قدمی نہ کر کے خود بھی جنگی تیاریوں میں غفلت کی ضرورت کو محسوس نہ کر سکا اور اس نے یونان کے کرائے کے سپاہی بھی واپس بھیج دیئے اور خلاف توقع کوروش نے نہ راہ میں حائل برفانی طوفانوں کی پرواہ کی نہ وہ موسم سرما کی شدت کو خاطر میں لایا۔ وہ راستے کی مشکلات کو عبور کرتا ہوا سارد کی طرف بڑھنے لگا۔ ان حالات میں جب موسم بہار سے پہلے کسی اتحادی فوج کی آمد متوقع نہ تھی۔ کروزش نے بہادری سے ہرموس کے میدان میں دشمن سے مقابلے کا ارادہ کیا اور اپنی سوار فوج میدان میں لایا۔ اور کوروش جانتا تھا کہ لیڈیا کی سوار فوج کو ایرانی سواروں پر برتری حاصل ہے۔ اس نے اپنے ایک جرنیل سے مشورہ کر کے بار برداری کے اونٹوں کو اگلی صفوں میں لاکر کھڑا کیا۔ اونٹوں کو دیکھ کر کروزش کی سوار فوج کے گھوڑے بد کے اور انہیں گھوڑوں سے اترنا پڑا۔ دست بدست لڑائی میں لیڈیا کی فوج ایرانیوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گئی ایرانیوں نے شہر کا محاصرہ

ہوا تو اس نے فوراً آگ بجھا کر کرزوش کو نذر آتش ہونے سے بچالیا۔ کرزوش کے دار الحکومت سارو کی تخیر کے بعد ایشیائے کوچک میں واقع دیگر یونانی نوآبادیاں بھی کوروش کے تسلط میں آ گئیں۔ اس فتح کے بعد کوروش اعظم نے مشرق کا رخ کیا اور بلخ، مرو، سغد اور سیستان سے قندھار تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

اب اس کے سامنے صرف بابل کی قدیم سلطنت تھی جسے کچھ عرصہ پہلے نبو کدنصر نے ایک عظیم سلطنت بنادیا تھا۔ اب وہاں نبو کدنصر کا داماد نبو نیدس Nabonides حکمران تھا۔ نبو نیدس بابل کے کاہنوں کے زیر اثر تھا۔ اس کی زیادہ تر توجہ آثار قدیمہ کی طرف تھی۔ اس نے کھدائی کر کے کئی قدیم معبدوں کے آثار نکلائے اور یہ معلوم کیا کہ ان معبدوں کو کن بادشاہوں نے تعمیر کرایا تھا۔ پھر ان معبدوں کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اس طرح اسے یہ شوق مہلت نہ دیتا تھا کہ امور سلطنت کی طرف توجہ دے۔ اس لئے اس نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے بیٹے بالشزر Balshazzar کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔ آثار قدیمہ سے لگاؤ رکھنے کی وجہ سے نبو نیدس نے قدیم کیمری شہروں اور دک Uruk، اریدو اور ار Ur کے مشہور دیوتاؤں کو بابل میں منگوا لیا تھا جس کی وجہ سے بابل کے کاہن جو مردوک دیوتا کے پجاری تھے اس سے سخت ناراض تھے اور نبو نیدس کی تباہی کی پیشین گوئیاں کر رہے تھے۔

کوروش اعظم جیسا فاتح اپنی ناک کے نیچے بابل کی طاقت و اور خود مختار سلطنت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ اس نے 539 ق م میں تیاریاں مکمل کر کے بابل پر حملہ کر دیا۔ کوروش اعظم کو اس بات کا مکمل احساس تھا کہ بابل دفاعی اعتبار سے بہت زیادہ مستحکم ہے کیوں کہ اس کے گرد نبو کدنصر کی تعمیر کردہ ناقابل تخیر فصیل تھی یہ فصیل ایران اور بابل کے درمیان باہمی سرحد کا کام دیتی تھی۔ اگر کوروش اس فصیل کے راستے سے حملہ آور ہوتا تو اسے ایک لمبے عرصہ کے لئے انتظار کرنا پڑتا۔ دوسری طرف دریائے جلدہ حائل تھا جیسے عبور کرنا بھی آسان نہ تھا۔ آخر جب جلدہ کا پانی کچھ اترا تو کوروش اعظم کے حکم پر دریا کا رخ موڑ دیا گیا۔ اور اسی طرف سے ایرانی لشکر سرزمین بابل میں داخل ہو گیا۔ پھر شمالی طرف سے کوروش نے بابل پر حملہ کر دیا۔ جنوبی طرف سے کوروش کا سپہ سالار گبریاں Gobryas حملہ آور ہوا۔ اس طرف اگرچہ نبو نیدس اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ گبریاں بابل کے لشکر کو پسپا کر کے بلا حراست شہر میں داخل ہو گیا۔ اور فتح یاب کوروش اعظم کی بادشاہت کا اعلان کر دیا کوروش جب خود بابل میں داخل ہوا تو اہالیان شہر نے کاہنوں کی تاکید پر اپنے مذہب کا نہایت دہندہ سمجھ کر اس کے قدموں میں آنکھیں بچھائیں۔ کوروش نے فرمان صادر کیا کہ شہر میں کسی قسم کی لوٹ مار اور غارتگری نہ کی جائے۔ معبدوں کا پورا پورا احترام کیا جائے۔

بائبل کی کتاب دانیال میں کوروش کی فتح بابل کے متعلق ایک روایت درج ہے جس کے واقعات انوکھے اور ناگہانی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بابل کے بادشاہ بالشزر کے محل میں ایک بڑی ضیافت کا اہتمام تھا جو اس نے اپنے ایک ہزار امراء کے اعزاز میں دی تھی۔ دوران ضیافت اس کا ایک خادم شای خزانے سے وہ ظروف اٹھائے گیا جو خالص سونے کے تھے اور یروشلیم کے یہشل سلیمانی سے نبو کدنصر نے فتح کے موقع پر بھیجے تھے۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ آج ان برتنوں میں سے نوشی کی جائے۔ ظروف لائے گئے اور سب حاضرین ان میں شراب پینے لگے ساتھ ہی اپنے معبودوں کی جوسونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے پرستش کرنے لگے۔ ایسے میں اچانک ہال میں ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور شمع دان کے سامنے

539 ق م۔۔۔ کوروش سائرس اعظم کا بابل پر حملہ

طویل عرصہ تک مورخین سائرس اعظم Cyrus The Great یا کوروش اعظم (بائبل نے کوروش کے نام سے یاد کیا) کو ایران کی ہخامنشی سلطنت کا بانی قرار دیتے رہے ہیں لیکن بابل کے حکمران نبو نیدس اور کوروش کے زمانے کے کچھ ستون اشریاتی کھدائی سے برآمد ہوئے ہیں جن پر خط میخی میں بعض تحریریں کندہ ہیں۔ ان تحریروں کی روشنی میں صورت بدل گئی۔ A History Of Persia کے مصنف سائیکس ان تحریروں سے ثابت کرتے ہیں کہ ہخامنشی عہد کی تائیس فارس میں ہخامنشی نامی امیر زادے نے کی تھی جس کا تعلق بازار گد قبیلے سے تھا۔ اس کے بعد جوش پیش Theispes، کمبوجیہ اول Cambyses اور کوروش اعظم حکمران ہوئے۔

اس کوروش اعظم (550-529 ق م) کا شمار دنیا کے ان عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پورے عہد کو تابناک بنادیا۔ گو اس نے ہخامنشی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھی مگر اس کو اتنا مستحکم بنادیا کہ یہ سلطنت دو سو بیس سال تک بڑے جاہ و جلال سے قائم رہی۔ بلا آخر سکندر اعظم جیسا عظیم فاتح ہی اسے ختم کر سکا۔ کوروش اعظم کے بچپن پر اگرچہ تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ مگر مشہور زمانہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس ایک روایت بیان کرتا ہے کہ آل ماد کے آخری بادشاہ استیا گیس Astyages نے ایک خواب دیکھا تھا کہ اس کی بیٹی کی بطن سے ایسا درخت پیدا ہوا جس نے پورے ایشیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جب کاہنوں سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ تمہارا پیدا ہونے والا نواسہ خاندان ماد Medes کی سلطنت کو ختم کر دے گا مگر پورے ایشیا پر اپنا تسلط قائم کرے گا۔ جب کچھ عرصہ بعد استیا گیس کی بیٹی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے خواب کی تعبیر کو یاد کرتے ہوئے اس نومود کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اس کے ایک مصاحب نے اس معصوم کے خون میں ہاتھ رکھنے کی بجائے اسے ایک گڈرینے کے سپرد کر دیا۔ اسی گڈرینے نے اس کا نام کوروش رکھا اور اس کی پرورش کی۔ جوان ہو کر کوروش نے سچ مچ اپنے باپ کمبوجیہ کے حکم پر اپنے نانا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور 549 ق م میں ماد خاندان کی بجائے پورے ایران پر پارسیوں کی حکومت قائم کی۔

اپنی فتوحات سے کوروش نے اس زمانے کی تین عظیم سلطنتوں کو تہہ و بالا کر کے ایک عظیم تر سلطنت قائم کی۔ (ان تین سلطنتوں میں سے ایک ایران کی آل ماد سلطنت، دوسری ایشیائے کوچک میں واقع یونان نوآبادی لیڈیا کے حکمران کرزوش Croesus کی سلطنت اور تیسری بابل کی کلدانی سلطنت تھی)۔

آل ماد کی سلطنت پر قبضہ کے بعد کوروش اعظم ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) میں واقع سلطنت لیڈیا کی طرف متوجہ ہوا۔ لیڈیا کا حکمران کرزوش اور آل ماد کا حکمران استیا گیس آپس میں قربت دار تھے آل ماد کی تباہی کے بعد سے وہ مصر اور سبارتا کے حکمرانوں سے ساز باز میں مصروف تھا۔ تقریباً 546 ق م کوروش اعظم نے لیڈیا کو فتح کر کے کرزوش کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ کرزوش شکست کی ذلت برداشت نہ کرتے ہوئے ایک جلتی ہوئی چٹا میں کود پڑا۔ کوروش کو معلوم

دیوار پر کچھ تحریر کرنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر بادشاہ کارنگ فتح ہو گیا۔ اس نے چلا کر اپنے مصاحبین کو حکم دیا کہ کوئی ہے جو اس تحریر کو پڑھ کر سنائے۔ بابل میں موجود یہودی اسیرین میں سے حضرت دانیال کو بلایا گیا۔ انہوں نے اس تحریر کا مطلب یہ بتایا کہ بہت جلد پارسیوں کا لشکر سلطنت بابل کا خاتمہ کر دے گا۔ ایسا ہی ہوا اسی رات کوروش اعظم کا لشکر بابل میں داخل ہو گیا اور بالشرر قتل کر دیا گیا۔

529 ق م۔۔۔ کمبوجیہ بادشاہ بنا

کوروش اعظم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کمبوجیہ دوم 529 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اسے کوروش اعظم نے اپنی زندگی میں بابل کی حکومت دی تھی۔ ہیرودوٹس کے قول کے مطابق کمبوجیہ کو اپنے بچپن سے مرگی کا مرض لاحق تھا۔ جس کو مورخین نے اس کی سنگ دلی پر محسوس کیا ہے۔

کمبوجیہ کے تخت نشین ہوتے ہی ملک میں کچھ بغاوتیں رونما ہوئیں جسے کمبوجیہ Cambyse نے سختی سے کچل دیا۔ جب ملک میں کچھ امن و امان قائم ہوا تو اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مملکت کی توسیع کے لیے مصر پر حملہ کیا۔ ابھی ملک بھی اس کے بھائی بردیا کی وجہ سے تشویش موجود تھی لہذا کمبوجیہ نے پہلے بردیا کا کاٹنا نکال کر اپنی حکومت کو محفوظ کر لیا۔

مصر پر ان دنوں آمازیس Amasis نامی فرعون کی حکومت تھی وہ کوروش اعظم کے زمانے سے سلطنت پارس سے خائف تھا اور عسکری تیاریوں میں مصروف تھا مگر جب کمبوجیہ نے مصر پر حملہ کرنے کی نیت سے دشت کو پرکھوڑا تو آمازیس نے وفات پائی اور اس کی جگہ پسیامکت Pasammetie اس کا جانشین ہوا لیکن اس میں آمازیس جیسی فراست نہ تھی۔

پلازیم Pelusium کے مقام پر مصریوں نے ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ مصری بڑی بہادری سے لڑے مگر ایرانیوں کی برتری کی وجہ سے انہیں شکست ہوئی۔ مصری فرار ہو کر دارالسلطنت ممفس Memphis میں پناہ گزیں ہوئے۔ کمبوجیہ نے ممفس اپنا اچھی بھیج کر اطاعت اختیار کرنے کا پیغام بھیجا مگر فرعون پسیامکت نے اچھی کو قتل کر دیا۔ کمبوجیہ نے ممفس کا محاصرہ کر لیا اور جلد ہی مصریوں نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح مصر کی شکست کے ساتھ ہی دنیا کی تیسری بڑی مملکت کا خاتمہ ہو گیا اور کمبوجیہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا مالک بن گیا۔

مصر کی فتح کے بعد کمبوجیہ نے قرطاجہ کو فتح کرنے اور عمان اور حبشہ کی تسخیر کے خواب دیکھے۔ عمان کی مہم پر اس نے پچاس ہزار جانبازوں کا لشکر بھیجا جس میں ایک شخص بھی زندہ نہ بچا اور تمام لوگ عمان کے صحرا کی ریت کی نذر ہو گئے۔ فوج کی اس طرح خبر سے کمبوجیہ کا دماغی توازن بگڑ گیا۔

کمبوجیہ مصر سے ایران کے لیے چلا تھا کہ شام میں کسی شخص نے نقلی بردیا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس شخص کا نام گاؤماتا تھا۔ کمبوجیہ اس کی بغاوت دور کرنے کے لیے آگے بڑھا مگر بردیا کے نام سے خود اس کے لشکر میں پھیل چکے تھے۔ جس سے کمبوجیہ کو سخت ذہنی صدمہ پہنچا۔ اس صدمے سے اس نے بالآخر خودکشی کر لی۔

مآخذ

تاریخ ایران جلد اول۔ A History Of Persia.

فتح کے بعد کوروش اعظم نے بے خانما یہودی اسیرین بابل کی خصوصی تالیف کی اور حکم دیا کہ جو یہودی اسیرین یروشلم واپس جانا چاہیں انہیں اجازت ہے۔ ساتھ ہی ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کے لئے شاہی خزانہ سے ایک خلیفہ رقم انہیں عطا کی اور ہیکل کے سونے چاندی کے جو ظروف نیوکد نصر مال غنیمت کے طور پر بابل لے آیا تھا وہ بھی یہودیوں کو لوٹا دیئے۔ کوروش کا فرمان سن کر یہودیوں کی ایک بڑی تعداد نے یروشلم کا رخ کیا۔ دوسری طرف جب کوروش اعظم کو یقین ہو گیا کہ اہل بابل اب حکومت ایران کے وفادار رہیں گے تو گمبزیاس کو وہاں کی حکومت سپرد کر کے وہ خود ایران واپس آ گیا۔

کوروش کی زندگی کی آخری مہم کے متعلق کوئی مستند بات معلوم نہیں ہو سکی اس کی وفات کے متعلق بھی متعدد روایات مشہور ہیں۔ ہیرودوٹس لکھتا ہے کہ کوروش نے ماساثرات Massasetee قبائل کی ملکہ تو میرس Tomyris کو اپنی ملکہ بنانا چاہا لیکن اس نے اس عظیم فاتح کی اس خواہش کو تحارت سے ٹھکرا دیا۔ جب کوروش نے اس کی اس حرکت پر برا فروختہ ہو کر تو میرس کے علاقے پر فوج کشی کی تو ملکہ نے اپنے لشکر کی پسپائی اور اپنے ولی عہد بیٹے کی موت کے باوجود ہمت نہ ہاری اور اس کے لشکر نے ایک دوسرے میدان میں بڑی بے جگری سے کوروش کا مقابلہ کیا۔ جس میں یہ عظیم فاتح خود 529 ق م میں ہلاک ہو گیا کہتے ہیں کہ ملکہ نے اس کا سر کٹوا کر اس سے انتقام لیا۔ بہر حال اس کی لاش بازار گد کے مقام پر دفن کی گئی۔ آج بھی اس کا مقبرہ بازار گد کے قریب موجود اور قائم ہے۔ کوروش اعظم زمانہ قبل از مسیح کی تاریخ کے ان بادشاہوں میں سے ایک تھا جنہوں نے بربریت کی بجائے مفتوحین سے مہر و محبت کا سلوک کیا۔

مآخذ

History Of World. The Dorling Kindersley. A History Of Persia.

Ancient World.

تاریخ ایران از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی۔ انسائیکلو پیڈیا اقوام عالم از ولیم ایل لینگر، 100 عظیم بادشاہ از جان کیٹنگ، تاریخ اقوام عالم از مرتضیٰ احمد خان، تاریخ عالم از سیفی نو کاٹوی۔ 1000 اہم واقعات۔

520 ق م۔۔۔ شیوی ڈیگون پیکو ڈا کی تعمیر

مشرق بعید میں خاص طور پر ایسے مندروں کو پیکو ڈا Pagoda کہا جاتا ہے جو مخروطی مینار کی شکل رکھتے ہوں اور ان کی ہر منزل کے آگے بڑھی ہوئی خمدار سروں والی چھت ہو۔ لفظ پیکو ڈا پر نکیزی زبان کے لفظ Pagode سے نکلا ہے جو فارسی زبان کے لفظ ”بت کدہ“ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

1755ء میں برما کے شہر ڈیگون Dagon کا نام رنگون رکھا گیا تھا۔ رنگون میں قدیم زمانے سے ایک پیکو ڈا واقع ہے۔ جس کا نام شوی ڈیگون Shwedagon Pagoda ہے۔ یہ شہر کے قدیم نام کی یاد دلاتا ہے اور نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں تقریباً ایک ہزار سال سے اس کی تعمیر و توسیع ہوتی آرہی ہے۔ موجودہ تعمیر 1768-1773ء میں ہوئی تھی اس پیکو ڈا کی بلندی تقریباً 299 فٹ ہے مگر کلس کے ساتھ یہ تقریباً 351 فٹ بلند ہے اس کی بیرونی سطح پر سونے کا پترا چڑھا ہوا ہے۔ اس پیکو ڈے کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی خانقاہیں اور سٹوپے واقع ہیں جن سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پیکو ڈے کا اوپر کی کھنی نما حصہ خوبصورت نقش و نگار اور قیمتی پتھر سے سجایا گیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق اس پیکو ڈے میں مہاتما بدھ کے سر کے آٹھ بال محفوظ ہیں۔ ان تبرکات کے علاوہ یہ پیکو ڈا کہا جاتا ہے کہ مہاتما بدھ سے پہلے کے تین اور بدھوں کی یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کے بارے میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ 520 ق م میں دو بری تاجروں کا گذر مہاتما بدھ کی جائے قیام کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے مہاتما کو نذرانہ پیش کیا۔ جسے مہاتما نے قبول کر لیا اور ان دونوں کو تبرکاً اپنے سر کے کچھ بال عنایت کئے وطن واپسی پر ان دونوں تاجروں نے ان مقدس بالوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایک مندر یا پیکو ڈا تعمیر کیا۔ یہ پیکو ڈا بعد ازاں شوی ڈیگون پیکو ڈا کہلایا۔

یہ پیکو ڈا ہندو چینی کے علاقے میں سب سے مقدس اور دنیا کے تمام پیکو ڈوں سے خوبصورت خیال کیا جاتا ہے۔ یہ پیکو ڈا ہندوستان اور جاوا کے فن تعمیر کا حسین امتزاج ہے اس کا امبریل نما اوپر کا حصہ ہندوستان میں واقع سانچی کے سٹوپے کی یاد دلاتا ہے۔ جب کہ اس کے دیگر حصوں کے فن تعمیر میں انڈونیشیا میں واقع باروڈور کے سٹوپے کی جھلک نظر آتی ہے۔

مآخذ

Wonders Of The World By Lionel Grigson, Encycloepadia
Brittanica.

521 ق م۔۔۔ داریوش کبیر اور اس کا عہد

مغربی مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دارا اعظم یا داریوش کبیر ایران قدیم کا عظیم ترین بادشاہ تھا۔ سائیکس اپنی کتاب A History Of Persia میں لکھتا ہے کہ یہ بات ایران قدیم کے لئے خوش قسمتی کا باعث تھی کہ اسے تھاشی عہد میں یکے بعد دیگرے دو عظیم بادشاہ ملے۔ کوروش اعظم جیسا فاتح جس نے تھاشی کی عہد کی تشکیل کی اور دار یوش اعظم جیسا عظیم تختہ جس نے سلطنت کو یکسرے ہوئے پایا اور اسے اپنی خدا داد انتظامی قابلیت سے اس وقت کی دنیا کی بڑی مستحکم سلطنت بنادیا۔ داریوش اعظم نے سلطنت ایران کو جو استحکام بخشا وہ نسلۂ برقرار رہا یہاں تک کہ تقریباً دو سو سال بعد سکندر اعظم نے تھاشی سلطنت کا چراغ گل کیا۔ بہر حال ایران کی آریہ تاریخ میں داریوش اعظم کو ایک بلند مقام حاصل ہے اور اس کا شمار ایران کے ان نام ور بادشاہوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی سیاسی بصیرت انتظامی فراست اور ذاتی بہادری کی وجہ سے ایران کو عظیم ایران بنا کر جاوداں شہرت حاصل کی۔

داریوش اعظم نے 521 ق م میں تاج و تخت سنبالا اس کا تعلق تھاشی کے قدیم خاندان سے تھا۔ اس کے عہد کے ایک کتبے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کتبہ میں لکھا ہے کہ ”میرا باپ ویستا شپ ہے“ اس کا باپ ارسام تھا اور ارسام کا باپ اریارمنا تھا اریارمنا کا باپ چش پیش اور چش پیش کا باپ تھاشی تھا۔

تھاشی حکمران کبوجیہ دوم کی خودکشی کے بعد اس کی سلطنت کے چھ امراء نے اس کے لاولد ہونے کی وجہ سے اور ایک باغی گاؤ ماتا Gaumata کے فتنہ بغاوت کی وجہ سے داریوش کے سر پر تاج شاہی رکھا جب کہ داریوش کا باپ وشتاسپ پارس کا ایک چھوٹا حکمران تھا۔

گاؤ ماتا اس وقت میڈیا میں تھا جہاں کچھ امراء نے اس کے محل میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا اور داریوش کے لئے راہ ہموار کر دی۔ اگرچہ داریوش میں حکمرانی کی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں مگر جب وہ تخت نشین ہوا تو متعدد عناصر نے اس کی مخالفت کی۔ گاؤ ماتا عوام میں مقبول حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے ٹکس تین سال کے لئے معاف کر چکا تھا۔ نئے حکمران کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ ٹکس دوبارہ عائد کر دے اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ٹکس نہ دینے کی رعایت برقرار رکھی جائے کیونکہ کوئی ذمہ دار حکومت بغیر ٹکس کے امور حکومت نہیں چلا سکتی۔ تخت نشینی کے فوراً بعد گاؤ ماتا کے بیٹے اترین نے خودستان میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ ادھر مختلف علاقوں کے حاکموں نے حکومت کی تبدیلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اسی وجہ سے داریوش کو اپنے عہد کے ابتدائی سالوں میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سات سال کی جہد مسلسل کے بعد وہ ان فتنوں اور بغاوتوں پر قابو پا سکا۔ ان بغاوتوں کا ذکر اس کے عہد کے مشہور کتبات بے ستون میں ملتا ہے۔ ایک کتبہ کی تحریر کچھ یوں ہے ”داریوش یوں کہتا ہے“ اس کے بعد کہ میں نے گاؤ ماتا کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بیٹے اترین نے خودستان میں بغاوت کی۔ اہلیان خوزستان نے میری اطاعت سے روگردانی

Mardonius کو تھریس اور مقدونیہ پر حملے کی غرض سے بھیجا۔ لیکن سمندر میں طوفان آنے کی وجہ سے اس کا بحری بیڑا تباہ ہو گیا۔ 490 ق م میں داریوش نے اہل یونان کے خلاف ایک اور مہم روانہ کی جو بالخصوص ایجنٹر کے خلاف تھی اس مرتبہ ایرانی لشکر ایجنٹر کے شہر میراتھن تک پہنچا۔ وادی واران میں فریقین میں خوفناک جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ دوسری طرف مصر میں داریوش کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ ان ناموافق حالات میں بھی داریوش نے حوصلہ نہ ہارا اور یونان پر وسیع پیمانے پر حملہ کرنے اور مصر کی بغاوت کو فرو کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن موت نے اسے ان منصوبوں پر عمل کرنے کی مہلت نہ دی اور وہ 485 ق م میں راہی ملک عدم ہوا۔

داریوش اعظم پہلا ایرانی بادشاہ تھا جس نے سونے چاندی کے سکے ڈھلوئے۔ ان سکوں پر خاص خاص شہنشاہیں کندہ ہوتی تھیں۔ دوسرے عظیم بادشاہوں کی طرح دار اعظم نے بھی ذرائع نقل و حمل کو بہتر بنانے کے لئے سڑکیں تعمیر کروائیں۔ ان میں ایک سڑک سارد سے شوش تک آتی تھی۔ یہ سڑک چندہ سومیل لمبی تھی۔ یونانی جغرافیہ دانوں نے اس سڑک کو بڑی اہمیت دی تھی۔ مصر میں اسی مقصد کے لئے ایک نہر کھودوا کر دریائے نیل کو بحیرہ احمر سے ملا دیا۔ اس نہر کے کنارے جا بجا کتبے نصب کئے گئے جس میں سے بعض کے ٹکڑے ماہرین اثریات کو ملے ہیں۔

داریوش اعظم کو فن تعمیر سے بھی دلچسپی تھی۔ اس نے اپنے پیٹروں یعنی کوروش اعظم اور کوجیہ سے زیادہ بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ ان عمارتوں میں سے بڑی عمارت، تخت جمشید کا محل تھا۔ جو شیراز سے 37 میل شمال میں واقع ہے۔ یہ محل ایک بہت بڑے سنگین چبوترے پر ہے۔ اس کی لمبائی 1523 فٹ اور چوڑائی 920 فٹ ہے۔ محل کی دیواریں پتھر کی سلولوں کی تھیں جن کے اندر سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تھا۔ ہموار سطح پر سیڑھیاں ہیں جو اتنی چوڑی ہیں کہ دس سوار ان پر کھڑے ہو کر چڑھ سکتے ہیں۔ شاہی محل کے دروازے پر ایک کتبہ ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ داریوش بادشاہ اعظم، بادشاہوں کا بادشاہ، ملکوں کا بادشاہ، دیستاب ہتھافشی کا بیٹا جس نے یہ محل بنوایا۔

شاہی محل کے ساتھ داریوش نے ایک دیوان عام بنوایا تھا۔ یہ ہم وارسط پر سب سے بڑی عمارت تھی۔ اس کے ایک سو ستون تھے۔ اس کے بڑے برآمدے کی چھت سولہ ستونوں پر قائم تھی۔ اب یہ عظیم عمارتیں باقی نہیں لیکن کچھ آثار ان کے ابھی باقی ہیں۔ محل کے بیشتر ستون گر چکے ہیں۔ کچھ ابھی کھڑے ہیں جیسے ان کھنڈرات کی نگہانی کے فرائض ادا کر رہے ہوں۔ محل کا شاہی دروازہ ابھی باقی ہے۔ جو محل کی عظمت کی گواہی دیتا ہے۔ اس محل سے پانچ چھ میل پرے ایک چٹان میں داریوش اعظم کا مقبرہ واقع ہے جس کی دیواروں پر اس کی فتوحات کا حال درج ہے۔

مآخذ

A History Of Persia. Ancient World By Richard Mansfield

Heywood. The Times, History Of The World.

تاریخ ایران از مقبول بیگ، بدخشانی۔ تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان۔

کی اور اترین کا ساتھ دیا اور خوزستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد ندی تھریس نے بابل میں بغاوت کی اور دعویٰ کیا کہ نبیو نیدس کا بیٹا بخت نصر ہوں۔ اہل بابل نے اس کی حمایت کی اور میری نافرمانی کی۔ اس نے بابل کی سلطنت سنبالی۔

کتبات داریوش میں ان بغاوتوں کو فرو کرنے کی سرگذشت بھی مختصر آدی گئی ہے۔ ان بغاوتوں کو کچلنے کے بعد داریوش نے 517 ق م میں مصر کا رخ کیا جہاں فرعون اریاندس نے اس کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔ داریوش نے مصر فتح کر کے اریاندس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ فتح مصر کے بعد داریوش نے مصر کے قدیم تمدن کا احترام کرتے ہوئے اسے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ اور مصریوں کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں۔

مشرق وسطیٰ میں اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد داریوش کی نظریں برصغیر پاک و ہند پر پڑیں۔ 512 ق م میں اس نے سندھ اور پنجاب کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ داریوش کے حکم پر مکران سے ساحل عرب تک ایک نیا بحری راستہ دریافت کیا گیا۔

512 ق م ہی میں داریوش نے وسط ایشیاء کے سکیت قبائل کو مطیع کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں داریوش نے ایشیائے کوچک میں بازنط کے قریب سے ایک کشتیوں کے پل کے ذریعے آبنائے باسفورس کو عبور کیا۔ بحیرہ اسور کے ساحل کے قریب پہنچا Thrace کو لوگوں نے اطاعت قبول کی۔

داریوش نے دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے مقدونیہ کو بھی زیر کر لیا۔ اس طرح داریوش کی سلطنت کی حدود مشرق میں پنجاب اور سندھ سے لے کر مغرب مقدونیہ اور تراکیا Thrace تک اور ادھر افریقہ کے پتے صحراؤں سے چین کی برف پوش سرحد تک پھیل گئی۔ یہی اس زمانے کی معلوم دنیا تھی جس میں اب ہر طرف شہنشاہ ایران کا علم لہراتا تھا اس عظیم سلطنت کی وجہ سے تاریخ نے اسے ”اعظم“ کا لقب دیا جس کا وہ لحاظ سے مستحق تھا۔

اتنی وسیع و عریض مملکت میں پائیدار حکومت قائم کرنا انتہائی مشکل کام تھا مگر داریوش نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اس وسیع و عریض سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر صوبہ ”ساتراپی Satarape“ کہلاتا تھا۔ ہر صوبے میں صوبے کے حکمران کے علاوہ ایک سپہ سالار اور ایک وزیر خصوصی (سیکرٹری آف اسٹینٹ) مقرر کیا تاکہ صوبیدار خود مختار نہ ہو سکے۔ صوبوں کے حکمران عموماً شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر صوبے کے لئے ٹیکس تشخیص کیا جاتا تھا جس میں سے کچھ بطور جزیں لیا جاتا اور کچھ بطور نقد سب سے زیادہ ٹیکس بابل پر عائد تھا اس سے کم مصر اور سب سے کم مکران پر۔

مشرق اور مغرب میں ایران و یونان میں جنگوں کے سلسلے کا آغاز بھی داریوش اعظم کے عہد میں ہوا۔ ایران و یونان کے اس باہمی منافیہ کا اصل باعث بغاوت ایونیہ تھی۔ ارستا غورٹ حاکم ملط Miletus (ایونیہ کا دارالحکومت) نے غیر ملکی حکمرانوں (ایرانی) کا جواہ اطاعت اتارنے کے لئے ایک ملکی تحریک چلائی۔ ارستا غورٹ نے اس سلسلے میں ایجنٹر اور سپارٹا سے امداد حاصل کی اور لیڈیا کے دارالحکومت سارد پر حملہ کر دیا۔ اس بغاوت سے داریوش اعظم سخت برہم ہوا۔ اور اس نے یونانیوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ ایرانیوں اور یونانیوں میں فیصلہ کن جنگ ساحل بحر پر لادی کے مقام پر ہوئی۔

یونانیوں کو اس بغاوت کا مزا چکھانے کے لئے داریوش اعظم نے اس کے بعد اپنے پیچھے مردو نیا

517 ق م۔۔۔ دنیا کا اولین نقشہ

ہیکاتیس ملطی (Hacataes) (چھٹی اور پانچویں صدی ق م) وہ اولین یونانی مورخ ہے جس نے علم تاریخ پر دنیا کی اولین کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے اولین تحریری سفر نامے کا سہرا بھی اسی یونانی عالم کے سر بندھتا ہے۔ اس نے ایونیا کے برسر اقتدار طبقے کو ایرانیوں کے خلاف بغاوت کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ 494 ق م میں وہ اس وفد میں شامل تھا جو ایرانی شہنشاہ کے پاس صلح کی شرائط طے کرنے گیا تھا۔ ہیکاتیس ملطی ہی نے شہنشاہ ایران کو ایونیا کی شہروں کا آئین بحال کرنے پر رضامند کیا تھا۔

ہیکاتیس کی زندگی کا بڑا حصہ اس وقت کی معلوم دنیا کے سفروں میں بسر ہوا۔ اپنے سفری تجربات کو اس نے دنیا کے پہلے سفر نامے کی شکل دی۔ یہ سفر نامہ جس کا عنوان ”دنيا کے گردش Tour Round The World“ ہے اس کی دونوں مندرجہ بالا ذکر کی گئی کتابوں میں بہتر ہے۔ یہ معلوماتی کتاب دو حصوں میں لکھی گئی ہے۔ ایک حصہ براعظم یورپ کے متعلق تھا جب کہ دوسرا براعظم ایشیاء کے اسی حصے میں مصر اور براعظم افریقہ کے شمالی حصے کے بارے میں بھی معلومات دی گئیں تھیں۔ اپنے اسی سفر نامے کی وجہ سے ہیکاتیس کا شمار علم جغرافیہ اور علم بشریات یا علم نسلیات Ethnography کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ اپنے اسی سفر نامے میں ہیکاتیس نے دنیا کا ایک نقشہ بھی بنایا تھا۔ یہ نقشہ دنیا کا اولین تحریری نقشہ تھا۔ اس نقشے میں دنیا کو ایک قرص کی شکل میں دکھایا گیا تھا جو دو برابر یا مساوی حصوں میں منقسم تھی۔ اس قرص کا ایک حصہ براعظم یورپ کو ظاہر کرتا تھا جب کہ دوسرا براعظم ایشیاء کو۔

اس کی دوسری کتاب Historial ہے۔ جو اگرچہ عنوان کے لحاظ سے دنیا کی اولین مرقوم تاریخ ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ دیومالائی روایات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے بہت کم جز زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ سکے ہیں۔ بعد میں آنے والے یونانی مورخوں اور عالموں نے اپنی تصانیف میں ہیکاتیس کی ان اولین کتابوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے اور اس کے حوالے دیئے ہیں۔ پہلی صدی عیسوی کے رومی نقاد ڈیونیسیس آف ہیلی کارنیسکس Dionysius Of Halicarnas نے اس کے کام کو سراہا ہے۔

مآخذ

Encyclopaedia Britannica. 1000 Great Event By Lynnesabel.
Asimov's Biographical Encyclopaedia Of Science & Technology.

تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم۔

509 ق م۔۔۔ روم میں جمہوریت کا قیام

جزیرہ نما اٹلی کے وسط میں دریائے ٹائبر کے کنارے آٹھویں صدی قبل میں آباد ہونے والا گاؤں روم، بتدریج ترقی کر کے سات پہاڑیوں پر پھیل گیا اور متمدن الکھیری کے نام سے مشہور ہوا۔ 509 ق م تک روم میں سلطنت قائم رہی۔ یہ زمانہ روم کی تاریخ میں دور ملوکیت کہلاتا ہے۔ اس دور میں طاقتور بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ لیکن اس ملوکیت میں جمہوری عناصر بھی موجود تھے۔ چنانچہ یہ بادشاہیت بھی انتخابی نوعیت کی تھی۔ اس دور میں رومی شہریوں کی ایک مجلس قائم تھی۔ جس کے اراکین کو منتخب کرنے کا اختیار براہ راست ایسے شہریوں کو تھا جو کسی قطعہ اراضی کے مالک ہوتے۔ زمانہ قدیم میں مدت دراز تک زمین کی ملکیت ہی شہری اور سیاسی حقوق کی بنیاد قرار دی جاتی تھی۔ یہی منتخب کردہ شہری نمائندوں کی مجلس بادشاہ کو عمر بھر کے لئے منتخب کرتی تھی۔ بادشاہ طبقہ امراء سے جو اعیان کہلاتے، سینٹ کے اراکین کو منتخب کرتا۔ یہ سینٹ بادشاہ کو امور سلطنت میں مشورہ دیتی جسے ایک حد تک قبول کرنا بادشاہ کی ذمہ داری تھی۔

روم میں طبقہ اعیان نے بتدریج طاقت حاصل کی اور پھر ان کی حکمران سے آویزش میں ہونے لگیں۔ اسی دوران روم میں ایک اور طبقہ بھی ابھرا۔ یہ زمین کے مالک کاشتکاروں کا طبقہ تھا۔ اس طبقے نے اعیان کی قیادت میں 510 ق م میں بغاوت کردی۔ روم کے آخری بادشاہ ”طارقین مغرور Tarquin The Proud“ کو اس کے شرمناک کارناموں کی وجہ سے جلادین کر دیا گیا جس کا مکمل لاطینی نام Tarquin Super Bus تھا۔ (534 ق م۔ 509 ق م سپر بس لاطینی میں Proud یا مغرور کے لئے مستعمل ہے) اسی وجہ سے اسے طارقین مغرور کہا جاتا ہے۔ روایات کے مطابق وہ روم قدیم کا ساتواں اور آخری بادشاہ تھا۔ طارقین مغرور روم کے چوتھے بادشاہ طارقین پرسکس Tarquin Piscus کے پوتے کا بیٹا اور روم کے چھٹے بادشاہ سروکیس تو لویس Servius Trlluius کا داماد تھا۔ طارقین اپنے سرکول کر کے برسر اقتدار آیا تھا۔ اس کے مظالم سے بھرپور عہد میں بے شمار سینئروں کو محض اختلاف رائے رکھنے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ آخر کار سینئروں کے ایک گروہ نے جونیس بروٹس Junius Brutus کی سرکردگی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس بغاوت کا فوری سبب مورخین نے ایک رومی امیر طارقیس کولٹینیس Tarquinius Collatus کی بیوی لوکریشیا Lucretia سے طارقین مغرور کے بیٹے سیکسٹس Sextus کا زنا بالجبر بتایا ہے۔ اس واقعے کے بعد طارقین مغرور اور اس کے خاندان کو روم سے جلادین کر دیا گیا اور جمہوریت قائم کر دی گئی۔ بادشاہ کی جگہ دو قصلوں کو اقتدار دے دیا گیا۔ روم کے پہلے دو قصل جونیس بروٹس اور طارقیس کولٹینیس تھے۔ طارقین کے مظالم اور اس کے اپنے آپ کو ساری قوم سے اعلیٰ سمجھنے سے رومن لفظ ”بادشاہ“ سے نفرت کرنے لگے۔ یہ نفرت تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی اور جب صدیوں بعد حالات نے دوبارہ بادشاہت قائم کی تب بھی بادشاہ کو بادشاہ کا لقب نہیں دیا گیا۔

طارقین کے بعد روم میں جمہوریت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور حکومت کے اختیارات کو ایک آدمی کے ہاتھ سے

500 ق م۔۔۔ ہاتف کدہ ڈیلیفی کے اسرار

چھٹی صدی قبل از مسیح میں جب کروش اعظم کا اقبال بلند تھا تو لیزیا کے حکمران کرزوش یا کروئیس Croesus نے سلطنت ایران پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حملہ سے پہلے اس نے اپنا ایک اچھی ڈیلیفی روانہ کیا تاکہ وہاں کے مشہور زمانہ ہاتف کدہ سے معلوم کیا جاسکے کہ وہ ایران فتح کر سکے گا یا نہیں۔ فتح کے متعلق سوالات کا جواب معلوم کرنے سے پہلے اس نے ہاتف کدہ میں مستقبل کے بارے میں اسرار بتانے والی پانچھیا کی سچائی کی آزمائش کے طور پر اپنے اچھی کو پہلے یہ سوال پوچھنے کی تاکید کی اچھی روانہ کرنے کے دس دن بعد بادشاہ نے کونسا عمل کیا تھا۔ پانچھیا نے اس سوال کے جواب میں اچھی کو بتایا کہ بادشاہ نے ایک بھیڑ اور کچھ کے گوشت کو ایک پتیل کے برتن میں بھون کر اسے ریت سے ڈھانپ دیا تھا۔ چونکہ بادشاہ نے یہی عمل کیا تھا اس لئے پانچھیا کو اس جواب سے کروئیس کی تسلی ہو گئی اور اس نے دوبارہ بہت سے بیش قیمت نذرانوں کے ساتھ اچھی کو دوبارہ ڈیلیفی بھیجا۔ ایران پر حملہ کرنے کے متعلق پانچھیا نے مندرجہ ذیل پیش گوئیاں کیں۔

۱: اگر بادشاہ دریائے ہیلز River Helois کو عبور کیا تو ایک بڑی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔

۲: بادشاہ کے اس سوال کے جواب میں وہ کب تک حکومت کرے گا اور اس کا جانشین کون ہوگا اور کیا

گوٹکا شہزادہ بول سکے گا کے جواب میں پانچھیا نے پیشین گوئی کی کہ وہ اس وقت تک حکومت کرے گا جب ایک خنجر (دوغلا) تخت نشین نہیں ہوتا۔ گوٹکا شہزادہ اس وقت بولے گا جب تاج و تخت اس سے چھین جائیں گے۔

۳: جنگ میں کسی سے اتحاد کے لئے پانچھیا نے ہدایت دی کہ بادشاہ کو چاہیے وہ یونان کے کسی بڑے حکمران سے اتحاد کر لے۔ مزید یہ پیشین گوئی کی کہ کروئیس آگ سے زندہ بچ نکلے گا۔

کروئیس نے مندرجہ بالا تمام پیشین گوئیاں ایران پر حملہ کرنے کے حق میں تصور کیں۔ اور سپارٹا سے جنگی اتحاد قائم کر کے ایران پر حملہ کر دیا۔ جب وہ اپنی افواج کے ساتھ دریائے ہیلز عبور کر کے ایران میں داخل ہوا تو ایرانیوں نے اس کی افواج کا تہس نہس کر دیا اور واپس لیزیا کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن ایرانیوں نے لیزیا پر جوابی حملہ کر کے اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ جب ایرانی فاتحین کروئیس کے محل میں داخل ہوئے تو گوٹکا شہزادہ خوفزدہ ہو کر چنچ اٹھا۔ کیا کروئیس مارا گیا؟

چونکہ کروش اعظم کا باپ ایرانی تھا اور ماں مصری تھی اس لئے غائبانہ طور پر دوغلا (خنجر) کہلاتا تھا۔ ڈیلیفی سے کی جانے والی تمام پیشین گوئیاں چونکہ ایران پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں تھیں لیکن کروئیس نے انہیں سمجھنے میں غلطی کی اس لئے کروش اعظم نے لیزیا پر قبضہ کرنے کے بعد اسے قید کر لیا اور پھر حکم دیا کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ آگ میں ڈالے جانے کے وقت کروئیس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ”اے سولون تم نے بالکل صحیح کہا تھا۔“ جب کروئیس

سے پوچھا گیا کہ اس کے بدلے کا کیا مطلب ہے تو اس نے بتایا کہ حکیم سولون نے اسے بتایا تھا کہ موت سے زیادہ راحت کسی چیز میں نہیں۔ آج مجھے اس کا احساس ہوا کہ کروش اعظم موت کے متعلق اس سچائی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے کروئیس کی سزا منسوخ کر دی۔ قریب تھا کہ آگ کے شعلے کروئیس کو جلا دیں کہ اچانک بارش نے آگ بجھا دی اور کروئیس آگ سے زندہ سلامت نکل آیا۔ اس طرح ہاتف کدہ ڈیلیفی کی تمام پیشین گوئیاں صحیح نکلیں۔

یونان قدیم کے شہر ڈیلیفی میں یہ ہاتف کدہ اپالودیتا کے مندر میں واقع تھا۔ اس ہاتف کدے میں کروئیس، سکندر اعظم اور نیروجیس عظیم حکمران اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کے لئے حاضر ہوئے۔ چوتھی صدی قبل میں سکندر اعظم بنفس نفیس اس ہاتف کدہ پر حاضر ہوا۔ اس وقت وہ ذرہ بکتر میں ملیوں سر تا پا لوہے غرق تھا۔ چونکہ سکندر اعظم کی آمد کے وقت پیشین گوئی کرنے کا مقررہ وقت نہیں تھا اس لئے پانچھیا نے پیشین گوئی کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ سکندر اعظم انکار سننے کا عادی نہیں تھا۔ اس لئے پانچھیا کے انکار پر وہ خنچ اٹھا۔

”مجھے اس وقت بتاؤ کہ میرا مستقبل کیا ہوگا۔ انکار کی صورت میں تم اپنا سر دکھنے کے لئے زندہ نہیں رہو گی۔“ پانچھیا نے سکندر اعظم کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ ”میں کسی کی غلام نہیں۔ آپ اس وقت اپنے شاہی محل میں نہیں بلکہ اپالودیتا کے مندر میں کھڑے ہیں۔ یہاں آپ ایک سال سے زیادہ حیات نہیں رکھتے۔ چونکہ یہ وقت پیشین گوئی کرنے کا نہیں اس لئے آپ اس وقت واپس چلے جائیں۔“

دوبارہ انکار پر سکندر اعظم آگ بگولا ہو گیا اور اس نے پانچھیا کو شانوں سے پکڑ کر کھینچا اور کہا کہ اس کے سوال کا صحیح جواب دے ورنہ وہ مندر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔

اس بات سے پانچھیا خوفزدہ ہو گئی اور اس نے سکندر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ اصرار کرتا ہے تو پھر سے ”تم فاتح عالم کہلاؤ گے مگر تمہاری عمر زیادہ نہ ہوگی لیکن تمہارے دشمن بھی تمہارے معترف ہوں گے۔“ سکندر اعظم نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور پھر کہا۔ ”اے مقدس دیوتا میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں فاتح علم کہلاؤں گا اور دشمن بھی میرا ذکر احترام سے کیا کریں۔“

سکندر نے صرف تینتیس برس عمر پائی اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ فاتح عالم کہلایا اور ہاتف کدہ ڈیلیفی کی پیشین گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیلیفی کا ہاتف کدہ ماضی میں کس حد تک مستقبل کے بارے میں صحیح پیشین گوئی کرتا تھا اور کتنی دور دور تک اس کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ گوکہ اب یہ مندر موجود نہیں لیکن اس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ یونان کے اس سرسبز پہاڑی علاقے میں قدیم زمانے سے اپالودیتا کا یہ مندر موجود نہ تھا۔ اس مندر میں مینے کے کچھ ایام پیشین گوئیوں کے لئے مخصوص تھے جن میں تقریباً چوبیس گھنٹے پیشین گوئیاں کیں جاتیں تھیں۔

دیودورس Diodorussiculus نامی ایک یونانی مورخ نے لکھا ہے کہ ڈیلیفی میں مندر کے اس مقام کو ایک گڈرے کی بکریوں نے اتفاقی طور پر دریافت کیا تھا۔ ایک دن جب وہ اس مقام پر بکریاں چرا رہا تھا تو اس کی بکریوں نے گھاٹی کے اس مقام پر چرے ہوئے عجیب و غریب حرکات کرنا شروع کر دیں۔ بکریوں کے اس عجیب و

غریب رویے کی وضاحت کے لئے جب گذر گیا گھاٹی میں اترا تو وہ اپنے ساتھیوں کو ان کے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتانے لگا۔ اس طرح لوگوں کے علم میں یہ بات آگئی کہ جیسے ہی کوئی اس مقام پر آتا ہے وہ مستقبل میں جھانکنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ بعض تجسّس حضرت اس گھاٹی کا اسرار جاننے کے لئے گھاٹی میں اترے مگر واپس نہ لوٹ سکے۔ ایسے ناخوشگوار واقعات کے روک تھام کے لئے یہاں ایک خاتون مقرر کر دی گئی جو خواہشمند حضرات کو یہاں آنے پر ان کے مستقبل کے بارے میں بتانے لگی۔ پھر اس مقام پر باقاعدہ ایک مندر تعمیر ہو گیا اور اس کی نسبت اپالودیوتا سے ٹھہرا دی گئی ایک افسانوی روایت کے مطابق کہتے ہیں کہ اس مقام پر اپالودیوتا اور ایک اژدھے میں جنگ ہوئی تھی۔ اسی مناسبت سے اس خاتون پر وہت کا نام پانچھیا Pythia رکھا گیا کیونکہ اس کہانی میں اژدھے کو پانچھن بتایا گیا تھا۔

مورخ دیودورس ہی کے مطابق شروع میں صرف کنواری خواتین پانچھیا مقرر کی جاتیں تھیں۔ پہلی پانچھیا کا نام دیودورس نے Phemonoe بتایا ہے۔ دیگر مورخین کا خیال ہے کہ یہ لڑکی تقریباً 700 ق م میں پانچھیا مقرر کی گئی تھی۔ پھر کنواری خواتین کے تقرر کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا لیکن ایک ناخوشگوار واقعے کے رونما ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ صرف ایسی خواتین کو پانچھیا مقرر کیا جائے گا جو پچاس سال سے زائد عمر کی ہوں گی۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک کرینس نامی نوجوان اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کے لئے ڈیلفی آیا جب اسے اس وقت کی خوبرو پانچھیا نے بتایا کہ وہ ایک جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد مارا جائے گا تو اس نوجوان نے اکیلی پانچھیا سے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا جس کے بعد چشمن گوئی کے مطابق اسے لوگوں نے مار دیا۔ اس وقت سے صرف معمر خواتین ہی پانچھیا کے منصب پر فائز کی جانے لگیں۔ سکندر اعظم کی آمد کے وقت معمر خواتین کے تقرر کو تقریباً دو سو سال گزر چکے تھے۔ مشہور زمانہ رومی مورخ پلوٹارک لکھتا ہے کہ جب وہ ہائف کدہ ڈیلفی آیا تو اس وقت ایک نہایت معزز یونانی خاتون کی ایک معمر خاتون پانچھیا کے فرائض انجام دیتی تھی۔ پلوٹارک کے مطابق مستقبل کے بارے میں وہ خاتون اس قدر صحیح پیشین گوئیاں کر رہی تھی کہ اس پر یقین کرنا مشکل تھا۔ اس زمانے میں کسی پانچھیا کی سچائی پر کھنے کے لئے اس پر بیعت مقدس پانی چھڑکا جاتا تھا۔ اگر پانچھیا مقدس پانی کے چھینٹوں سے لرزتی تو اسے برطرف کر دیا جاتا۔

پلوٹارک کے ڈیلفی میں قیام (تقریباً 100 ق م) کے وقت ہائف کدہ میں صرف ایک خاتون پانچھیا کے طور پر کام کر رہی تھی لیکن 350 ق م میں جب یہ ہائف کدہ پورے عروج پر تھا تین خواتین یکے بعد دیگرے پانچھیا کے طور پر کام کرتی تھیں۔ ایک تھک جاتی تو دوسری اس کی جگہ لے لیتی۔

رومی مورخ فلویٹریس Flavius Philostratus کے مطابق ڈیلفی میں اپالودیوتا کا مندر 548 ق م میں آگ لگ جانے سے تباہ ہو گیا تھا۔ 530 ق م سے 515 ق م تک اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی جس میں شاہ مصر Amasis نے دل کھول کر مالی امداد فراہم کی۔

رومن شہنشاہ نیرو 65-63ء میں ڈیلفی آنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنی حکومتی مصروفیات کی وجہ سے 67ء سے پہلے نہ آ سکا۔ جب 67ء میں وہ ایک تھکا دینے والے سفر کے بعد یہاں پہنچا تو اس کے مندر میں داخل ہوتے ہی پانچھیا نے چیخ

کر کہا۔ ”اپنی ماں کے قاتل فوراً یہاں سے نکل جا اور 73 کے ہند سے خبردار رہ۔“ نیرو اس طرز تکلم پر برا بھیتہ ہو گیا اور اس نے پانچھیا اور اس کے ساتھی پر دھتوں کو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر زندہ دفن کرنے کا حکم دے گیا۔ جب یہ بد نصیب لوگ زندہ درگور کئے جا رہے تھے تو نیرو جلتے ہوئے روم پر پشی بجانے کی مثال پر عمل کرتے ہوئے ہائف کدہ ڈیلفی کی بربادی کی نگرانی کر رہا تھا بعد ازاں نیرو نے بھی پانچھیا کے 73 کے ہند سے خبردار کرنے سے غلط اندازہ لگایا اس کے خیال سے 73 ق م اس کا سن وفات تھا مگر پانچھیا کی 73 سے کچھ اور مراد تھی۔ اگلے ہی سال شہنشاہ نیرو مارا گیا اور اس کی جگہ کیلیا تخت نشین ہوا جو 73 سال کا تھا۔ رومن فلسفی سرود Cicero جو خدا کے وجود کا منکر اور قسمت پر یقین نہیں رکھتا تھا اس کے نزدیک ہائف کدہ میں کوئی اسرار یہاں نہیں تھا بلکہ صرف اس کے پیشین گوئی کرنے والوں کی ذہانت ان کی پیشین گوئیوں کا اصل تھی۔

ہائف کدہ ڈیلفی سے آخری پیشین گوئی نے 362ء میں کی گئی۔ اس وقت مندر رکھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا اور مندر میں بیٹے والا مقدس چشمہ خشک ہو گیا تھا۔ اس چشمے کو رومی شہنشاہ ہیڈرین کے حکم پر بند کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہیڈرین کو پانچھیا نے شہنشاہ بننے کی خوشخبری دی تھی۔ جب وہ شہنشاہ بنا تو اسے خیال آیا کہ کوئی اور ڈیلفی سے استفادہ کرنے کے بعد اس کی طرح اسے تخت سے اتار کر شہنشاہ نہ بن جائے اس خیال سے شہنشاہ ہیڈرین نے شای طیب بھیج کر اس وقت پانچھیا کا جو تخت علیل تھی علاج کروایا۔ پانچھیا نے طیب کو مندر کی حالت دکھاتے ہوئے آخری پیشین گوئی کی تھی کہ ”یاد رکھو لوگ ڈیلفی اور پانچھیا کو ہمیشہ یاد رکھیں گے مگر سلطنت روم ایک دن خاک میں مل جائے گی۔“ یہ آخری پیشین گوئی بھی بہت جلد پوری ہوئی اور سلطنت روم تقریباً 400ء کے قریب ختم ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ اپنے زمانے میں اندھا یونانی شاعر ہومر بھی ڈیلفی آیا تھا۔ جب اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں پوچھا تو اسے جواب ملا تھا کہ ”دنیا تمہیں کبھی بھلا نہ سکے گی۔“ آج 2700 سال گزرنے کے باوجود ہومر کو دنیا بھلا نہیں سکی۔ اس کی طویل رزمیہ نظمیں لیلیڈ اور اوڈیسی ہمیشہ کے لئے امر قرار پائیں اور اس طرح اس کے متعلق ہونے والی پیشین گوئی سچ نکلی۔

مآخذ

Encycloepadia Britanica. World Famous Prophesie and Prediction. Encycloepadia Americana. 1000 Great Events.

لشکر کے پاس نہ سوار ہوں نہ تیر انداز ہوں اور وہ اپنی قلیل تعداد کے باوجود حملے میں پہل کرے۔ ادھر اس قلیل تعداد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے۔ ایرانی سپہ سالار نے جب یہ دیکھا کہ اس کے سوار فوج کو اس پہاڑی راستے ایتھنز پہنچنا دشوار ہوگا تو وہ میں ہزار سپاہ کو میراتھن میں چھوڑ کر باقی کو جہاز پر سوار کر کے ایک اور بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا جو ایتھنز کے بالکل قریب تھی۔ اس طرح ایرانیوں کی تعداد ایک حد تک کم ہو گئی۔ ملتیائیز نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے یونانی فوج کے دائیں اور بائیں بازو پر کو خوب مضبوط رکھا جب کہ قلب کو خصوصاً نرم رکھ دیا۔ دوران جنگ جب ایرانیوں نے قلب پر حملہ کیا تو وہ پیچھے ہٹا اور ایرانی آگے بڑھے۔ اس اثنا میں یونانی فوج کے دونوں بازوؤں نے پوری ایرانی فوج کو نرغے میں لے لیا۔ اس طرح قلب میں یونانیوں کو اور بازوؤں میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ فتح مند یونانیوں نے دشمن کے بہت سے دستوں کو دلدلی علاقے اور ساحل کی طرف پسپا کر دیا۔ اور وہ خود گھوم کر قلب میں آگئے اور ایرانی قلب کو بھی شکست دی۔ چھ ہزار چار سو ایرانیوں کے میدان جنگ میں کام آنے کے بعد بالآخر ایرانیوں کو اپنے جہازوں پر پناہ لینا پڑی۔ یونانیوں نے ان کا تعاقب کرنے کی بجائے تیزی سے کوچ کیا اور ایتھنز کے قریب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے ایرانیوں کے سپہ سالار نے حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایرانی سپہ سالار نے ان کی یہ مستعدی دیکھی تو واپسی کی راہ اختیار کی۔ جنگ میراتھن میں یونانیوں نے بہادری کے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ایڈولف ہولم اپنی تاریخ یونان ”قدیم“ میں لکھتے ہیں کہ یونانیوں کے بیٹے کیونے گیروس نے ایک ایرانی کشتی کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ جب تک اس کا ہاتھ نہ کاٹ ڈالا گیا اس وقت تک اس نے کشتی کو نہ چھوڑا۔ ایرانیوں کے 6400 اور یونانیوں کے کل 192 سپاہی اس جنگ میں کام آئے۔ جن بہادر یونانیوں نے معرکہ میراتھن میں حصہ لیا انہیں ”میراتھونو مائیس“ (نبرد آزمائے میراتھن) کا معزز خطاب دیا گیا۔

اس جنگ میں ایک چھوٹی سی ریاست کا ایک بڑی سلطنت کے مقابلے میں ایک بڑی کامیابی حاصل کرنا تاریخ عالم کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جنگ میراتھن کے ساتھ اہل یونان کی بہت سی دلولہ انگیز یادیں بھی وابستہ ہیں۔ جنگ میراتھن میں ایرانیوں کی شکست کے بعد ایک یونانی بہادر اہل ایتھنز کو فتح کی خوشخبری دینے کے لئے دوڑا اور 24 میل کے فاصلے کو بغیر کہیں رکے طے کر کے ایتھنز تک پہنچا۔ کہتے ہیں کہ وہ بے چارہ شہر کے دروازے تک گر پڑا اور دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ اپنے اہل وطن کو وہ صرف یہ پیغام دے سکا کہ ”جشن منائو۔ ہمیں فتح حاصل ہوئی۔“ اس کے بعد اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی۔

یونانیوں نے اس بہادر سپاہی کی یاد میں اولیمپائی کھیلوں میں اس کی آخری دوڑ کو شامل کر لیا۔ آج بھی لمبی دوڑ کے مقابلے کو میراتھن دوڑ کہا جاتا ہے اور یہ دوڑ 1896ء میں اولیمپائی کھیلوں کے دوبارہ احیاء کے موقع پر ایک یونانی کسان ہی نے جیتی تھی۔

مآخذ

490 ق م۔۔۔۔۔ جنگ میراتھن

دار یوش اعظم کے عہد اور پانچویں صدی قبل کے آغاز میں بحیرہ ایجیہ Aegean Sea کے کنارے واقع یونانی نو آباد ریاستوں خصوصاً ایونیا نے سلطنت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ ریاستیں پہلے سے سلطنت فارس کی جگہ پانچگزار تھیں۔ دار یوش اعظم نے ان باغی ریاستوں کے خلاف فوجی کارروائی کی جس میں یونانی نوآبادیوں کی نا اتفاقی کی وجہ سے پانچ ایرانیوں کے موافق رہا۔ ایشیائے کوچک کی یونانی ریاستوں کی تیسرے کے بعد دار یوش اعظم نے سرزمین یونان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور تھیریس اور مقدونیا کے خلاف اپنے پیچھے مردو دنیا مہر نوش کی قیادت میں ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ جب یہ بحری بیڑا اس کوہ آتھوس کا چکر لگا رہا تھا تو اسے ایک طوفان نے آگھیرا جس میں اس کے تین سو جہاز غرقاب ہو گئے اور بے شمار جانی نقصان ہوا۔

490 ق م میں دار یوش اعظم نے چھ سو بحری جہازوں کا ایک اور بیڑا جس پر ساٹھ ہزار پیادہ اور بے شمار فوج سوار تھی، اقلیم یونان خصوصاً ایتھنز اور ایریٹریا پر حملے کی غرض سے بھیجا۔ اس مرتبہ کوہ آتھوس والے راستے کی بجائے ایرانی لشکر نے ایک نیا راستہ اختیار کیا اور آبنائے کو عبور کر کے ریاست ایتیکا (ایتھنز) میں داخل ہوئے۔ ہسپاماس کے کہنے پر وہ میراتھن کے مقام پر لشکر انداز ہوئے۔

میراتھن یونان کے پہاڑی علاقے میں ایک چھوٹا سا میدان ہے جو صرف پانچ میل لمبا اور دو میل چوڑا ہے۔ اس کے ایک طرف سمندر ہے اور باقی تین اطراف میں پہاڑ یہاں سے ایتھنز صرف چوبیس میل دور ہے جب اہل ایتھنز نے سنا کہ ایک بڑی ایرانی فوج میراتھن میں لشکر انداز ہوئی ہے تو انہوں نے اس ایرانی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے دس سپہ سالار (جن میں ملتیائیز Miltiades بھی تھا) کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی جو ایرانی لشکر سے تعداد میں کم تھی۔ ساتھ ہی اہل ایتھنز نے سپارٹا اور دیگر یونان کی ریاستوں سے امداد طلب کی تاکہ اہل یونان کے مشترکہ دشمن سے مقابلہ کیا جاسکے۔ سپارٹا نے اگرچہ مدد بھیجنے کا وعدہ کیا مگر ساتھ ہی یہ معذوری بھی ظاہر کی کہ وہ چودھویں رات کے چاند سے پیشتر کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک ایسی سمت سے ملک وقت پر پہنچ گئی جہاں سے قطعی امید نہیں تھی یہ کمک ایک اور چھوٹی ریاست پلاٹیا Plataea نے بھیجی تھی۔ بہر حال جو یونانی فوج مقابلے کے لئے آئی مجموعی طور پر اس کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی ایرانی میراتھن کے میدان میں خیمہ زن تھے جب کہ یونانی مختلف پہاڑیوں میں مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔ ایرانیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے یونانی سپہ سالاروں میں اختلاف رائے ہو گیا۔ پانچ سپہ سالار ایرانی پر حملہ کرنے کے موافق تھے جب کہ پانچ اس کے خلاف تھے۔ ملتیائیز کی رائے میں ایسا حملہ ناگزیر تھا۔ اس نے اپنی رائے کا اظہار سپہ سالار اعلیٰ پولیمارخ کے سامنے کیا اہل ایتھنز کی فلاح اس میں ہے کہ جنگ میں پہل کی جائے۔ بہر حال یونانیوں نے اپنا لشکر ترتیب دے کر حملے میں پہل کی۔ ایرانی اسے یونانیوں کا غلط دماغ سمجھ کر جس

History, A Chronological Dictionary Of Dates. 1000 Great Events
Hamlyn Books. Warthorough The Ages By Lynn Montross. Haper &
Row. Publishers Newyork. Peteconnolly Greece And Rome At War.

تاریخ یونان قدیم ایڈولف ہولم ترجمہ نفیس اکیڈمی، تاریخ ایران جلد اول از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، مجلس ترقی
ادب۔ سوتاریخی واقعات مرتبہ، مولانا غلام رسول مہر فیروز سنز لاہور تاریخ و تہذیب عالم۔ ادما نغریڈ۔ ترجمہ امیرالدین تقی حیدر۔

485 ق م۔۔۔۔۔ خشیارشا Xerxes اور اس کا عہد

دار یوش کے آخری ایام میں اس نے اپنے دوسرے بیٹے خشیار جو کوروش اعظم کی بیٹی آتوسا کے لطن سے تھا کہ اپنا
جانشین مقرر کیا۔ 485 ق م میں جب دار یوش فوت ہوا تو اس نے تاج شاهی سر پر رکھا اور فارس کی عظیم سلطنت کا فرمانروا
بن گیا۔ تاجپوشی کے وقت اس کی عمر 35 برس تھی۔

تخت نشینی کے بعد جو پہلی مہم اس نے سر کی وہ مصر کے خلاف تھی مصریوں کے خلاف جنگ میں اسے فتح حاصل
ہوئی اور خشیار نامی فرعون نے راہ فرار اختیار کی۔ خشیارشا نے وہاں کی حکومت اپنے بھائی تھامشی کے سپرد کی اور خود واپس
آ گیا۔

483 ق م میں بابل میں ایک گمنا م شخص خرب نامی نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور بابل کی حکومت سنبال لی۔
خشیارشا نے بابل کا محاصرہ کر لیا اور چند ماہ کے محاصرے کے بعد جب اہل بابل نے ہتھیار ڈال دیے اور وہاں اپنا حاکم
مقرر کر دیا۔ لیکن جلد ہی اہل بابل نے اس ایرانی کو قتل کر دیا جس پر خشیارشا نے اہل بابل سے اس بد عہدی کا سخت انتقام لیا
اور بابل میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ مصر اور بابل کی مہم سے فارغ ہو کر خشیارشا نے یونان کی طرف توجہ کی
جو مہم دار یوش کے عہد میں ادھوری رہ گئی تھی۔ 481 ق م میں ایک بڑی فوج کے ساتھ جو ہیرودوٹس کے نزدیک دار یوش
اعظم کے لشکر سے بھی بڑا تھا، خشیارشا نے یونان کا رخ کیا۔ ایرانی لشکر کا اصل نشانہ ایتھنز تھا جس کے ساتھ سپارٹا بھی
شامل تھا۔

یونانی بحری بیڑے کو شکست دے کر ایرانی جب آگے بڑھے تو سوائے اتفاق سے سمندر میں اتنا شدید طوفان آیا
کہ ایرانی بحری بیڑے کے چار سو سے زائد جہاز تباہ ہو گئے۔ اس نقصان کے بعد جب ایرانی بیڑہ ایتھنز کی طرف بڑھا تو
ایک بار پھر یونانیوں سے ٹکرائی ہوئی۔ اس جنگ سے ایرانیوں کو بھی شدید نقصان پہنچا مگر یونانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ یونانی
بحری بیڑے کی پسپائی کے بعد ایرانی تھرمپولی کا دشوار گزار درہ عبور کر کے ایتھنز کی طرف بڑھے اور انہوں نے ایتھنز فتح
کر لیا۔ یونانیوں کے اس عظیم شہر سے دار یوش کے زمانے میں یونانیوں کے سارے کو آگ لگانے والے اہل ایتھنز کا انتقام
یہاں کے معبودوں کو نذر آتش کر کے لیا۔ فتح ایتھنز کے بعد جب بحری جنگ کے لیے ایرانی بیڑہ سلاسل کی طرف روانہ ہوا
تو یونانیوں نے ایک تنگ مقام پر گھیر کر ایرانیوں کو جنگ سلاسل میں شکست دی اور ان کے جہاز تباہ کر دیے۔ اس شکست
کے بعد خشیارشا نے فوج کی کمان اپنے ایک سردار مردونیا کو سونپی اور خود ایشیا کی راہ لی۔ یورپ سے واپسی کے سفر میں
ایان سلطنت نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اسے اس کی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا خشیارشا کے قتل کے بعد فوجی
جرنیل اردوان نے جو اس کے قتل میں پیش پیش تھا اس کے چھوٹے بیٹے اردشیر Rtaxerxes کو تخت نشین کر دیا۔

480 ق م۔۔۔۔۔ زینوفینز اور ایلیاتی فلسفہ

ایلیاتی Eleaties اسکول فلسفہ کا بانی بھی ایک آئیونی تھا جو ہجرت کر کے جنوبی اطالیہ میں بس گیا تھا۔ یہ تھا زینوفینز Xenophanes جو تقریباً 572 ق م میں پیدا ہوا اور اس نے 480 ق م میں وفات پائی۔ وہ شاعر اور مطرب کی حیثیت میں کئی سال تک یونان کے شہروں میں پھرتا رہا اور آخر میں ایلیا میں سکونت پذیر ہوا جہاں اس نے 92 برس کی عمر میں وفات پائی۔ ہیراقلیتوس بھی اس کے جامع العلوم ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ تھیوفراستس اس کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ انگلیوینڈر کا شاگرد تھا۔

زینوفینز کی تعلیم کا نقطہ آغاز کچھ یوں ہوتا ہے کہ وہ یونانیوں کے عقائد پر تنقید کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے تاریخ مذہب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ دیوتاؤں کو انسانوں پر قیاس کرنے کو وہ تنقید اور تحقیر سے دیکھتا ہے اور ان کی نسبت ہومر اور ہسیاؤ کی داستانوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ دیوتاؤں کی کثرت بھی اس کو خدا کے خالص تصور کے منافی معلوم دیتی تھی۔ اس وجہ سے وہ کہتا ہے کہ اعلیٰ ترین ہستی فقط ایک ہو سکتی ہے۔ دیوتاؤں میں سے کوئی ایک دوسرے پر حکومت نہیں کر سکتا۔ اس کے نزدیک دیوتاؤں کی نسبت یہ خیال کرنا بھی عبث ہے کہ وہ ازل سے ہیں یا یہ کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ صحیح بات فقط یہی معلوم ہوتی ہے کہ خدا ایک ہے، جو نہ صورت انسانوں سے مشابہ ہے اور نہ خیالات میں وہ ہمہ تن چشم، ہمہ تن گوش اور ہمہ تن فکر ہے جو بغیر وقت اپنی عقل سے تمام اشیاء پر حکمرانی کرتا ہے۔ لیکن خدا کے متعلق اتنا صحیح تصور رکھنے والا زینوفینز کائنات اور خدا کو ہم وجود سمجھتا تھا۔ جب وہ کائنات کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ سب کچھ ایک ہے اور یہ تمام وجود خدا ہے۔ ”افلاطون کہتا ہے کہ سب چیزوں میں وحدت کے فلسفہ کی تعلیم سب سے پہلے زینوفینز ہی نے دی تھی۔“ اس طرح زینوفینز ہی وہ پہلا یونانی فلسفی تھا جس نے خدا اور کائنات کی وحدت اور سرمدیت کو پیش کیا تھا۔

مآخذ

مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ صفحہ نمبر 46۔

475 ق م۔۔۔۔۔ ہیراقلیتوس۔ پانچویں صدی ق م کا طبعی فلسفی

ہیراقلیتس یا ہیراقلیتوس Heracleitus (535 ق م۔ 475 ق م) زینوفینز اور پارمینائڈز کے بعد فلاسفہ میں جس فلسفی نے سب سے زیادہ فطرت پر غور کیا وہ ہیراقلیتوس ہے اور اسے ایک یکساں کلیت سمجھتا ہے جو نہ پیدا ہوئی اور نہ فنا ہو سکتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ دونوں جوہر کائنات کی وحدت اور اس کے تسلسل پر زور دیتے ہیں اور مظاہر فطرت کی کثرت اور ان کے تغیر کو محض نمونہ سمجھ کر منسوخ کر دیتے ہیں۔ ان کے برعکس ہیراقلیتوس اشیاء کی بے ثباتی اور ان کے تغیر سے اس قدر متاثر ہے کہ وہ اس تغیر کو عالم کا قانون کلی قرار دیتا ہے۔ تمام چیزیں مسلسل تغیر میں ہیں اور کسی کو ثبات نہیں۔ کوئی شخص بہت ہی ندی کے پانی میں دو مرتبہ غوطہ نہیں لگا سکتا۔ ہر شے بدل کر کسی دوسری شے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فطرت کی نہایت تضاد صورتیں بھی حقیقت میں ایک ہی جوہر کی مختلف شکلیں ہیں۔ احد سب کچھ اور سب کچھ احد ہے۔ دن، رات، گرما اور سرما، صلح، جنگ، سیری اور بھوک سب خدا ہی ہے۔

ہیراقلیتوس کے اس فلسفے کے پیروں کی جماعت چوتھی صدی کے آغاز تک نہ صرف اس کے اپنے وطن میں جاری رہی بلکہ ایتھنز میں بھی اس کی ہمت افزائی ہوتی رہی۔ افلاطون کا معلم کرائٹاکس بھی اس جماعت کا رکن تھا۔ لیکن یہ بعد کے ہیراقلیتوس اور خاص کر کرائٹاکس ایسے بے اسلوب اور متعصب اور مبالغوں میں جتنا ہو گئے تھے کہ افلاطون اور ارسطو ان کی نسبت نہایت تحقیر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

مآخذ

مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ صفحہ نمبر 56۔ تاریخ یونان قدیم، یونان۔

ایرانی لشکر کا یونان میں اصل ہدف صرف ایتھنز تھا۔ اس کے اتحادیوں میں سپارٹا سب سے آگے تھا۔ اہل ایتھنز نے اس قومی اتلاء کے موقع پر دیگر یونانی ریاستوں کو بھی باہمی اختلافات ختم کر کے ایران کے خلاف اتحاد قائم کرنے کی دعوت دی مگر اس تحریک میں اسے زیادہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

جب ایرانی لشکر نے آبنائے باسفورس کو (ہیلز پونٹ Helues Pont) درہ وانیال سے عبور کر کے سرزمین یورپ میں قدم رکھا تو اہل تھسالی Thessaly نے یونانیوں سے مدد چاہی تاکہ الپس پہاڑ کے درے میں ایرانی لشکر کو روکا جاسکے۔ یونانیوں نے دس ہزار سپاہ کی ایک فوج درے کی حفاظت کے لئے بھیج دی۔ لیکن جب ایران کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ ہوا تو یہ فوج واپس بلا لی گئی۔ اور اہل تھسالی کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔ اہل تھسالی نے ایرانیوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اہل تھسالی کی دیکھا دیکھی یونان کی شمالی اور وسطی ریاستوں نے بھی اطاعت ایران کا جواہر کندھوں پر رکھ لیا۔ اس طرح ایرانی لشکر تھسالی اور مقدونیا سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ ایتھنز اور اس کے اتحادیوں نے درہ قمر پاولی میں ایران کے لشکر کا مقابلہ اور سرزمین یونان کا دفاع کرنے کا عزم کیا۔ لیونیدس Leonidus نامی ایک یونانی جنرل کی سرکردگی میں سات ہزار سپاہیوں کا ایک مختصر لشکر قمر پاولی کے درے کے دفاع کے لئے بھیج گیا۔ ہیلز اس درے کا سب سے اہم مقام تھا یہاں راستہ بہت تنگ تھا اس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف سمندر تھا یونانی اس درے کی حفاظت کر رہے تھے۔ تین سو بڑی جہازوں کا ایک بیڑہ بھی قریبی بحری مقام پر آئے میزم Artemiseum پر موجود تھا۔ مورخین کا خیال ہے کہ اگر اہل یونان اپنی پوری طاقت پر صرف کرتے تو شاید خشیارشا کی پیش قدمی رک جاتی۔ قمر پاولی کے مقام پر چار دن اور غور حوص کے بعد خشیارشا نے یونانی فوج پر حملے کا حکم دیا لیکن ایرانی ہراول دست اپنے چھوٹے بیڑوں سے ہماری اسلحہ والے یونانیوں کو پسپا نہ کر سکا اور ایرانیوں کو آگے بڑھنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایک گرفتار شدہ یونانی نے لالچ میں آ کر ایرانیوں کو پہاڑ کے اوپر جانے کا راستہ دکھایا۔ جہاں فوسیا Phocia کے فوجی دستے متعین تھے انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور ایرانیوں کا مقابلہ کئے بغیر پسپا ہو گئے۔ جس کے بعد دیگر یونانی سپاہی بھی میدان چھوڑ گئے البتہ سپارٹا والے صرف تین سو سپاہی لیونیدس کی قیادت میں جو انمردی سے میدان میں جتے رہے اور سب کے سب ایرانیوں کے ہاتھوں مارے گئے میدان جنگ میں ان کا یہ استقلال یا پامردی یونانیوں کے لئے حب الوطنی کی ایک جاویاں مثال بن گئی۔ یہ معرکہ 19 اگست 480 ق م کو پیش آیا۔ دوسری طرف ایک بحری بیڑہ میں بھی ایرانیوں کو کامیابی حاصل ہوئی جس کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر ایتھنز پر قبضہ کر لیا۔ اہل ایتھنز نے اپنی عورتیں اور بچے سلاسل اور دیگر مقامات پر بھیج دیئے واریوش کے زمانے میں سارد کی فتح کے موقع پر سارد کو آگ لگانے میں اہل ایتھنز بھی شامل تھے۔ اس لئے اس کا انتقام ایتھنز کے معبودوں کو نذر آتش کر کے لیا گیا۔

جنگ سلاسل:

فتح ایتھنز کے بعد ایرانی بحری بیڑہ سلاسل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ ایٹکا کے قریب ایک جزیرہ ہے جہاں کے باشندے عہد قدیم سے اثرینی کہلاتے تھے۔ اس قوم کا قدیمی شہر اس جزیرے کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ جزیرہ سلاسل

480 ق م۔۔۔۔۔ معرکہ قمر پاولی اور جنگ سلاسل

ایران میں واریوش اعظم کے بعد اس کا دوسرا بیٹا خشیارشا (یونانی یادگیر مغربی زبانوں میں اسے زکسیور Xerxes کا نام دیا جاتا ہے) (485 ق م۔ 466 ق م) تخت نشین ہوا۔ وہ کوروش اعظم کی بیٹی اتوسہ کے بطن سے تھا۔ یہی بات اس کے ہتھنشی تاج و تخت کا وارث بننے کا سبب بنی تھی۔ واریوش اعظم کا بڑا بیٹا آرتوبازان اگرچہ تخت کا دعویدار تھا مگر چونکہ وہ واریوش کی تخت نشینی سے پہلے پیدا ہوا تھا اس لئے واریوش نے خشیارشا کو اس کی ماں کی وجہ سے ترجیح دی۔ شروع میں خشیارشا نے امور سلطنت پر توجہ نہ دی مگر جب گبریاں کے بیٹے مروودونیا (مہروش) نے اسے احساس دلایا کہ اگر اس کی تخت نشینی کے وقت ہونے والی مصری بغاوت کو فرو اور اہل یونان کو اطاعت پر مجبور نہ کیا گیا تو سلطنت ایران کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ اس پر خشیارشا نے مصر و بابل کی بغاوتوں کو کچلنے کے بعد یونان کو ہمیشہ کے لئے اطاعت گزار بنانے کے لئے یونان کے خلاف ایک بڑی جنگی مہم کی تیاریاں شروع کر دی۔ جنگی تیاریوں میں مکمل تین سال صرف کئے گئے۔ یونان پر حملے کے لئے بڑی افواج کے ساتھ بحری افواج کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے دونوں قسم کی افواج منظم کی گئیں۔ تقریباً دو لاکھ سے زائد افراد کا لشکر ترتیب دیا گیا۔ ہیرودوٹس جیسا قدیم یونانی مورخ لکھتا ہے کہ اتنے وسیع لشکر کی بیاس بھانے کے لئے غدی بھی کافی نہیں تھی۔ ایرانی بیڑے کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں بھی وہ 1207 بحری جہازوں پر مشتمل تھا۔

چونکہ اس سے پہلے واریوش کے عہد میں ایرانیوں کے بحری بیڑے کو کوہ آتھوس کے قریب ایک طوفان سے شدید نقصان پہنچا تھا اس لئے اب مروودونیا نے اس کوہ آتھوس کے گرد چکر لگانے کی بجائے کوہ آتھوس اور تھریس Thrace کے درمیان ایک نہر کھدائی جس میں سے بحری جہاز با آسانی گذر سکتے تھے۔ یہ نہر کہتے ہیں کہ تقریباً ڈیڑھ میل لمبی اور ایک سو فٹ چوڑی تھی۔ اس کے علاوہ دریائے ستریمون پر ایک پل بھی تعمیر کرایا گیا۔ تمام سلطنت ایران کے صوبوں کو حکم دیا گیا کہ یونان تغیر کے لئے جانے والی اس فوجی مہم کے لئے وسیع مقدار میں غلہ فراہم کریں۔

481 ق م کے موسم خزاں میں خشیارشا نے ایک عظیم لشکر جس کی تعداد ہیرودوٹس نے 170000 پیادہ فوج 100000 سوار اور 51000 بحری افواج بتائی ہے کے ساتھ یونان کا رخ کیا۔

راستے میں خشیارشا نے موسم سرما گزارنے کے لئے لیڈیا کے دارالحکومت سارد میں قیام کیا۔ یہاں اہل ایتھنز کے بھیجے ہوئے ایسے چند جاسوس گرفتار ہوئے جو ایرانی فوج کی تیاریوں کا حال جاننا چاہتے تھے۔ ایرانی سپہ سالار نے ان کی گردن زنی کا حکم صادر کیا۔ مگر جب خشیارشا کو پتہ چلا تو اس نے ان کو صاف گوئی پر نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ حکم دیا کہ انہیں ایران کی پیادہ اور سوار دکھادی جائے اپنی فوجوں کے معائنے کے بعد خشیارشا نے انہیں یونان واپس بھیج دیا تاکہ وہ اپنی قوم کو ایرانی افواج کی وسعت بتا سکیں۔

پر ایرانی بیڑا سورج کے غروب ہونے کے وقت پہنچا چونکہ تاریکی پھیل رہی تھی۔ اس لئے جنگ کو اگلے دن پر موخر کر دیا گیا۔ اگلے دن 23 ستمبر کو یونانیوں نے ایرانی بیڑے کو ایک ٹھک آبنائے میں آگھیرا۔ ٹھک جگہ کی وجہ سے ایرانی موٹر اقدامات نہ کر سکے۔ نتیجے کے طور پر ایرانی بیڑے کو شکست ہوئی اور ان کے 1000 سے زائد جہاز تباہ ہو گئے۔ اس بحری جنگ میں صرف 400 یونانی بحری جہازوں نے حصہ لیا۔ اس فتح کا سہرا ثمستاکلیس Themistociese کے سر بندھتا ہے کیونکہ اس کی کوششوں سے ایجنٹز ایک بحری طاقت بنا تھا اور اس نے ایرانی بیڑے کو طنج میں تنگ کرنے کی طرف جانے کے لئے راغب کیا تھا۔ اس شکست کے بعد خیارشانی نے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ ایشیاء کا رخ کیا اور اپنے پیچھے مارودنیا (مہر نوش) کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر گیا۔ اسی دوران 2 اکتوبر 480 ق م کو دن کے دو بجے مکمل سورج گرہن لگا جس کو بدشگون قرار دیتے ہوئے یونانیوں نے پسپا ہوتے ہوئے ایرانیوں کا تعاقب نہ کیا۔ مارودنیا اگلے سال موسم بہار تک یونانیوں کے خلاف نیر آزار رہا۔ 479 ق م میں مارودنیا جنگ پلاٹیا Battle Of Plataea میں مارا گیا۔ اس واقعہ کے بعد یونانی ریاستوں کے سر سے ایرانی خطرہ مٹ گیا اور یونانیوں نے مکمل آزادی سے اپنی اپنی ریاستوں میں مستحکم حکومتیں قائم کر لیں۔

یونان سے واپسی پر خیارشا اپنی شکست خوردہ ذہنیت کی وجہ سے عیش و عشرت میں ڈوب گیا جس کی وجہ سے ایمان سلطنت اس سے نفرت کرنے لگے۔ اسی اثنا میں اسے اس کے محافظ دستے کے ایک افسر اعلیٰ نے ایک خوبہ سرا، مہرودا کی مدد سے اس کی خواب گاہ میں گھس کر قتل کر دیا۔

مآخذ

Warthrough The Ages By Lynnmontross. World History, A Chronological Dictionary Of Dates.

انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم۔ ترجمہ مولانا غلام رسول مہر شیخ غلام علی پبلشرز لاہور۔ تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم ترجمہ محمد ہارون خان شیردانی، نفیس اکیڈمی کراچی۔ تاریخ اقوام عالم از سیٹھی نوگا نوٹی مکتبہ شاہکار لاہور۔

478 ق م۔۔۔۔ ڈیلیں لیگ کا قیام

ایرانیوں کے آئے دن کے حملوں اور سپارٹا سے ٹھک آ کر یونان کی بیشتر ریاستوں نے ایجنٹز کے طاقتور دفاعی بحری بیڑے سے متاثر ہو کر ایجنٹز کے ساتھ ایک اتحادی لیگ قائم کی۔ جو جزیرہ ڈیلاس کی نسبت سے ڈیلیں لیگ Delian League یا کنفیڈریسی آف ڈیلاس Confedracy Of Delous کہلائی۔ اس لیگ کے قیام کا اولین مقصد تمام ایونانی ریاستوں کا ایران کی بڑھتی ہوئی استعماریت کے خلاف دفاع کرنا تھا۔ یہ لیگ 478 ق م سے 404 ق م تک قائم رہی۔ اسی لیگ کی سربراہی اہل ایجنٹز کی ذمہ داری تھی۔ اس کا صدر دفتر اور خزانہ ڈیلاس میں واقع اپالودینا اور آرتمیس Artemis کے مندر میں رکھا گیا۔

ڈیلیں لیگ کے قیام سے پہلے ساحل ایشیاء پر آبادان یونانی ریاستوں میں ترتیب و تنظیم کا فقدان تھا اور ان کی جنگی قابلیت بالکل مفقود تھی۔ اس لئے انہوں نے دفاعی مقاصد کے لئے روپیہ اور بوقت ضرورت سپاہیوں اور جہازوں کی ایجنٹز کو فراہمی کو قبول کیا اس کے بدلے میں ایجنٹز نے انہیں ایرانیوں کے حملے سے محفوظ رکھنا قبول کیا۔ اسی سلسلے میں ایجنٹز کے مدبر ارسطیدس Artistides نے لیگ کو منظم کیا اور ہر حلیف ریاست کے لئے چندے کی مقدار مقرر کی۔ ارسطیدس کا قائم کردہ یہ چندہ یا خراج اس کی موت کے بعد بھی بہترین تخمینہ کے طور پر یاد کیا جاتا رہا۔

ڈیلیں لیگ کا سپہ سالار کیمون Cimon پر ملتیا ڈیز کو مقرر کیا گیا۔ کیمون کے جنگی کارناموں میں ایرانیوں کو اس بڑی تجارتی شاہراہ سے ہٹانا شامل تھا جو بحر اسود تک پہنچتی تھی۔ کیمون نے تھریس کی بندرگاہ بھی خالی کرالی۔ اس کی کاروائیوں سے بحیرہ ائجین میں یونانیوں کی حیثیت پولیس جیسی ہو گئی۔ کیمون بحیرہ ائجین کو ایرانیوں سے پاک کرنے کی مہم کے سلسلے میں ایک بڑا بحری بیڑا لے کر دریائے یوری میدون Eurymedon (468 ق م) کی طرف بڑھا اور ایرانیوں کو بحر و بردوں جگہ پر شکست دی۔ اس سے اہل ایجنٹز کی مشرق سے تجارت بحال ہو گئی اور ایجنٹز کی مارکیٹ مشرقی غلاموں سے بھر گئی اب یونانیوں کی ہمت بڑھی اور انہوں نے ایک منظم بیڑا مصر بھیجا جو نیل کے راستے مصر میں دور تک چلا گیا۔ شروع میں چند کامیابیوں کی وجہ سے اور ہمت بندھی اور یونانی مصر میں نیل کے ڈیلٹا تک پہنچ گئے یہاں ان کو مصری اور ایرانی فوجیوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اور متحدہ یونان کے 30 ہزار سے زائد افراد قتل ہو گئے اس میں صرف ایجنٹز کے چھ ہزار افراد تھے۔ یہ یونانی تاریخ کی سب سے بڑی تباہی تھی۔ لیکن یونانیوں نے آنسو اس طرح پونچھ لیے کہ ایجنٹز کے بحری بیڑے نے جزیرہ قبرص کے پاس ایک ایرانی بیڑے کو شکست دی۔ اس کے بعد شاہ ایران نے یونانیوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور امن قائم ہو گیا۔

کے صرف 45 دن بعد اسے اس کے بھائی نے قتل کر دیا۔ جس کے بعد ملک میں طوائف الملا کی پھیل گئی۔ بلخ کے حکمران اکس نے خشیارشا دوم کے قاتل سغد یا نو کو شکست دے کر قتل کر دیا اور خوددار پوش دوم کے نام سے تخت نشین ہو گیا۔ دار پوش دوم کوئی اچھا حکمران ثابت نہ ہوا اور مضبوط قوت ارادی سے محروم تھا۔ اس لیے زمام حکومت اس کی بیوی پری ستی اور تین خولجہ سراؤں کے ہاتھ آ گئی۔ دار پوش دوم کے عہد میں پے در پے شورشیں پیا ہوئیں اور ان باغیوں کو یونانیوں نے امداد فراہم کی مگر دار پوش اپنے پیٹروؤں کی طرح کبھی مردانگی سے یہ شورشیں فرو نہ کر سکا بلکہ اس نے روپے پیسے کے لالچ سے انہیں فرو کو ناجا جا جس میں ناکام رہا۔

مآخذ

تاریخ ایران جلد اول صفحہ نمبر 122 از مقبول بیگ بدخشاہی۔

465 ق م۔۔۔ اردشیر دراز دست، شہنشاہ ایران

خشیارشا کو قتل کرانے کے بعد ایرانی سپہ سالار اردوان نے اس کے کسن بیٹے اردشیر کو تخت نشین کر دیا اور خود اس کا متوالی بن کر عمان حکومت سنبھالنا چاہی۔ اردشیر کا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے لبا تھا۔ اور اس نے تخت نشینی سے پہلے اپنے بڑے بھائی دار پوش کو اردوان کے کہنے پر قتل کر دیا تھا اس لیے وہ دراز دست کہلایا۔

اردوان نے اب اردشیر کو بھی راستے سے ہٹانا چاہا مگر اس کی سازش کی بھٹک اردشیر کو بڑ گئی۔ اس سے قبل اس کے کہ اردوان کوئی وار کرے اسے گرفتار کر دیا کہ قتل کر دیا۔ انہیں دونوں اردشیر کے ایک اور بھائی دھسپ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اردشیر نے اس کے خلاف لشکر بھیجا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اردشیر خود فوج لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلا اور 464 میں اسے شکست دی۔

ایرانی اور یونانیوں کی جنگ میں ایتھنز کو جو نقصان پہنچا تھا۔ ایتھنز کے حکمران نے اس کا ازالہ کیا اور شہر کے معبدوں کی تعمیر و مرمت کے علاوہ شہر کے گرو فیصل بھی تعمیر کی۔ بحری قوت میں اضافہ کیا تاکہ ایرانیوں کو دوبارہ حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔ دار پوش اعظم کے زمانے سے مصر ایرانی انتداب میں تھا۔ مگر مصری غیر ملکی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے جب انہیں پتہ چلا کہ ایرانی تخت پر ایک کم سن حکمران بیٹھا ہے تو اہل مصر نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ایرانی حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور ایک شخص اناروس کو فرعون سائیک کا بیٹا ظاہر کر کے اپنا راہنما بنالیا۔ اہل ایتھنز نے باغی مصریوں کی مدد کی جس سے مصر میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور ان سپہ سالار ہتھامشی مارا گیا۔ اردشیر نے آشوریہ کے حکمران میگابیز کو بغاوت مصر ختم کرنے پر مامور کیا۔ میگابیز نے 455 ق م میں یونانیوں کو شکست دی۔ مصر کی مدد کرتے ہوئے اہل ایتھنز کو بھی نہایت کاری ضرب لگی۔ اس کے بعد اہل ایران نے قبرص کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر قبرص کے حصول کی جنگ میں ایرانیوں کو ناکامی ہوئی۔

قبرص کی جنگ میں فتح کے باوجود اہل ایتھنز نے ایران سے صلح کر لی میگابیز جس نے بغاوت مصر فرو کی تھی خشیارشا کا دام تھا۔ اس نے مصر میں حکومت کے دعویدار اناروس اور دیگر یونانی قیدیوں سے دوران جنگ جان بخشی کا وعدہ کیا مگر جب وہ قیدیوں کو لے کر شوش (ایرانی دارالحکومت) پہنچا تو ان جنگی قیدیوں کو ہتھامشی کے قتل کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ میگابیز اس بدعہدی سے سخت برا فروختہ ہوا اور اس نے واپس آشوریہ پہنچ کر ایران کے خلاف بغاوت کردی۔ اردشیر نے یکے بعد دیگرے دو لشکر اس کی سرکوبی کے لیے بھیجے مگر وہ میگابیز کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میگابیز کی بیوی نے جو اردشیر کی بہن تھی مداخلت کر کے میگابیز کی خطا سے درگزر کر لیا اور میگابیز اردشیر کا دوبارہ وفادار بن گیا۔ اردشیر کے عہد میں یونان سے مزید کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی کیونکہ سپارٹا اور ایتھنز میں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے جنگ ہو گئی۔ 425 ق م میں اردشیر نے وفات پائی اور اس کا بیٹا خشیارشا دوم تخت نشین ہوا مگر تخت نشینی

تھے۔ مشرقی سرمثلت میں ایتھینا دیوی کی پیدائش کا واقعہ دکھایا گیا تھا اور مغربی سرمثلت میں ایتھینا اور پوسیدون کے درمیان ہونے والی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر جسے آج کل برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہیں۔ عمارت کی وسطی عبادت گاہ میں ایتھینا دیوی کا 40 فٹ بلند مجسمہ تھا۔ عمارت کے چاروں طرف سنگ تراشی کی ایک مسلسل پٹی تھی جس میں وہ جلوس دکھائے گئے جو ایتھینا کے اعزاز میں ہر سال باقاعدگی سے نکالے جاتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ مندر ایک مسکی کلیسا میں تبدیل کر دیا گیا بعد ازاں اس میں ایک مینار کے اضافے کے ساتھ ترکوں نے اسے مسجد کے طور پر استعمال کیا۔ 1687ء میں ایتھنز ہر اہل و نسب نے حملہ کیا جس میں پارٹی نون کے وسطی حصے کو سخت نقصان پہنچا۔ تیس سال سے چونکہ صرف ایک ہی شخص مسلسل برسرِ اقتدار چلا آ رہا تھا اس لئے ایتھنز کے عوام اب تبدیلی کے خواہشمند تھے۔ قدامت پسند تو ہمیشہ سے اس کی مخالفت کرتے چلے آ رہے تھے اس کی اپنی پارٹی کے افراد بھی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس کے دشمنوں نے اس کو اقتدار سے ہٹانے کی مہم کا آغاز اس کے دوستوں پر حملے سے کیا۔ اسپاشیا پر بدکرداری کا الزام لگایا گیا جس کی مدافعت خود پیر یٹلیز نے کی اور اسے آزاد کر لیا۔ اس کے استاد اور مشہور فلسفی انکسا غورث پر کفر کا الزام لگایا گیا اور اسے سزائے موت پر جلاوطن کر دیا گیا۔ فیڈیاس پر دیوی ایتھینا کے خزانے چوری کرنے کا الزام لگایا گیا۔ جس کی پاداش میں اسے قید کر دیا گیا۔ جہاں اس نے وفات پائی۔

یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ پیر یٹلیز جیسے کامیاب جمہوری حکمران کی ازدواجی زندگی بالکل ناکام رہی۔ اس نے اپنی بیوی کو جو اس کی قریبی عزیزہ بھی تھی۔ 445 ق م میں طلاق دے دی۔ اس کی بیوی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی، یہاں تک کہ مورخین کو اس کا نام بھی نہیں مل سکا۔ البتہ پیر یٹلیز کی محبوبہ اسپاشیا آف ملیطس Aspasia Of Miletus کا نام تاریخ میں محفوظ رکھا ہے۔ شاید اس لئے کہ پیر یٹلیز کو اس سے بے حد محبت تھی جو ساری زندگی قائم رہی۔

جنگِ ییلو پونیز یہ میں پیر یٹلیز کی جنگی حکمت عملی سے اس کے اہل وطن مطمئن نہ ہوئے اور 430 ق م میں اس پر فراڈ کا الزام لگا کر اسے برطرف کر دیا گیا۔ لیکن جلد ہی ایتھنز کے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے پیر یٹلیز کو دوبارہ 429 ق م میں اس کے عہدے پر بحال کر دیا۔ انہیں دنوں ایتھنز میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس کا شکار خود پیر یٹلیز بھی ہو گیا۔ اس طرح دوسری بار اسے موت نے مہلت نہ دی کہ وہ اپنے وطن کی مزید خدمت کر سکے۔ اس کی موت کے ساتھ ہی ایتھنز کی تاریخ کا سہرا باب ختم ہو گیا۔

461-429 ق م۔۔۔ عہد پیر یٹلیز میں یونانی ادبیات و فنون سے متعلقہ اہم شخصیات

پیر یٹلیز نے ایتھنز کو نہ صرف تعمیراتی حسن بخشا بلکہ اس کے شہریوں کی دماغی و فکری تعمیر میں بھی اس کا بڑا ہاتھ ہے۔ باہرین تعمیرات اور سنگتراشوں کے علاوہ اس نے اپنے گروایے انسان جمع کئے جن کا اثر آج کے انسانی معاشرے پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ سوفوکلیس Sophocles (496 ق م۔ 406 ق م)، اسکائی لس Aeschylus (525 ق م۔ 456 ق م) اور یوری پیڈیز Euripedes (484 ق م۔ 407 ق م) جیسے عظیم ڈرامہ نگار جن کی تحریروں سے شکسپیئر جیسے ڈرامہ نگاروں نے سیکھا، انکسا غورث Anaxagoras جیسے فلسفی، جس نے دنیا کو پہلی مرتبہ نظام شمسی کے متعلق بتایا۔ ہیرودوٹس جیسا مورخ جس نے تاریخ کو تحریری لبادہ عطا کیا۔ وہ اپنے سفروں پر درس ایتھنز میں پیر یٹلیز ہی کے عہد میں دیا کرتا تھا آج بھی اسے دنیا بابائے تاریخ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

انکسا غورث اناطولیہ کے مقام کلارومینا Clazomene میں تقریباً 500 ق م میں پیدا ہوا۔ 480 ق م میں ہجرت کر کے ایتھنز آ گیا جو اس وقت کی یونانی دنیا میں علم و فنون کا مرکز تھا۔ ایتھنز میں اس نے پیر یٹلیز سے بہت قریبی تعلقات استوار کئے اور اسے فلسفے کی تعلیم دی۔ ایتھنز میں 30 سال قیام کے بعد پیر یٹلیز سے تعلقات ہی اس کے ایتھنز چھوڑنے کا باعث بنے۔ اس پر مملکت کے دیوتاؤں کا سکر ہونے اور سورج کو ایک ایسا حرارت افزا پتھر کہنے پر جو ییلو پونیز علاقے سے کچھ ہی بڑا ہے، الحاد کا الزام لگایا گیا۔ اس پر یہ حملہ دراصل پیر یٹلیز کے مخالفوں نے کیا تھا جو پیر یٹلیز کے دوستوں پر حملے کو خود پیر یٹلیز پر حملے کے مترادف سمجھتے تھے۔ پیر یٹلیز نے اس کے دفاع کی کوشش کی مگر ناکام رہا مجبوراً انکسا غورث کو ایتھنز (437 ق م) سے فرار ہونا پڑا۔ اس نے زندگی کے بقیہ دن لمپسا کوس Lampasacus میں بسر کئے اور 428 ق م میں وفات پائی۔ انکسا غورث کی تصنیفات کے بعض اجزاء ابھی تک محفوظ ہیں جن سے ہمیں اس کے نظریات اور اس کی تعلیمات سے آگاہی ہوئی ہے۔ کائنات کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ زمین ایک طشت کی مانند ہے جو ہوا کے دوش پر قائم ہے۔ اجرام فلکی پتھروں کے ڈھیر ہیں جو گردش زمین کی وجہ سے زمین سے الگ ہو کر دور دور اور پھر محترک ہو گئے۔ چاند کی نسبت انکسا غورث کا خیال تھا کہ وہ زمین کی طرح ہے اور آباد ہے۔ چاند گرہن کے متعلق انکسا غورث نے حقائق پر مبنی مفروضہ پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔

سوفوکلیز Sophocles (494 ق م۔ 406 ق م) پیر یٹلیز کے عہد کا سب سے بڑا المیہ نگار تھا۔ وہ ایتھنز کے قریب ایک ہستی کولونوس میں پیدا ہوا۔ اس کا والد ایتھنز کا ایک امیر آدمی تھا اس نے سوفوکلیز کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کہتے ہیں کہ موسیقی کی تعلیم اس نے لیپر وں Lamprus سے حاصل کی جو اس زمانے کا ایک بہت اہم موسیقار تھا۔

460 ق م میں جب سلاطین کے معرکے میں ایرانیوں پر یونانیوں کو فتح حاصل ہوئی تو اس خوشی میں ایک عظیم جشن

فتح منایا گیا تو اس موقع پر ہونے والے رقص و سرور میں سوفوکلز نے بھی حصہ لیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یونان کے تین بڑے المیہ نگاروں کا کوئی نہ کوئی تعلق جنگ سلاط سے ہے۔ کہتے ہیں کہ اسکائی لس نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا جب کہ سوفوکلز نے اس جشن فتح میں شمولیت اختیار کی اور پوری پیڈیز میں اس دن پیدا ہوا جس دن یہ جنگ لڑی گئی تھی۔ پیریکلیز کا منظور نظر ہونے کی وجہ سے سوفوکلز کئی اہم فوجی اور سرکاری عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے جنگ ساموس میں اتینتزر کی افواج کی قیادت کی مگر میدان جنگ میں بھی اس نے پیش و عشرت کے سامان کو خیر آباد نہ کہا جس کی وجہ سے پیریکلیز کو اس کی فہمائش کرنا پڑی۔

420 ق م میں جب اہل اتینتزر نے طب کے دیوتا اسکلی پیوس کی شان میں ایک جشن کا اہتمام کیا تو سوفوکلز کو اس کا ہتھ چٹا گیا۔ اس نے دیوتا کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا جواب ناپید ہے۔ مشہور مورخ ہیرودوٹس سے اس کی دوستی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے یونانی المیہ میں کورس کے کردار کی اہمیت پر ایک نثری تصنیف بھی کی تھی یہ کتاب بھی اب ناپید ہے۔

ایک روایت کے مطابق بڑھاپے میں سوفوکلز اور اس کے بیٹے یونون میں جھگڑا ہو گیا۔ یونون نے اپنے بوڑھے باپ پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرنا چاہیں اور اسے محبوظ الحواس قرار دینا چاہا۔ سوفوکلز نے اپنا ڈرامہ ”شاہ ایڈیپس کولونوس میں“ اپنے مقدمے کے ججوں کو سنایا اور اپنے ذی شعور ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا اس طرح عدالت اس کے بیٹے کے دلائل سے قائل نہ ہوئی۔ اور وہ اپنے مقاصد میں ناکام ہو گیا۔

468 ق م میں عید ڈیونی سیہ Dionysia کے موقع پر منعقد ڈرامائی مقابلوں میں سوفوکلز نے مشہور زمانہ ڈرامہ نگار اسکائی لس کو ہرا کر اہل اتینتزر کو حیران کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق سوفوکلز نے ایک سو سے زائد المیہ ڈرامے تصنیف کئے جس میں سے صرف سات ہم تک پہنچے ہیں۔ تقریباً چوبیس بار اس نے عید ڈیونی سیہ کے موقع پر اول انعام حاصل کیا۔ وہ ہمیشہ اول آتا یا دوم وہ کبھی تیسرے نمبر پر نہیں آیا۔

المیہ ڈرامے کے ضمن میں سوفوکلز نے کچھ نئی اختراعات بھی کیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے کورس کے ارکان میں 3 کا اضافہ کر کے ان کی تعداد پندرہ کر دی اور المیہ میں تیسرے اداکار کا اضافہ بھی کیا۔ ارسطو نے اپنی تنقید میں لکھا ہے کہ سوفوکلز نے اسٹیج کو مناظر کی تصاویر سے آراستہ کرنے کی بنیاد ڈالی تھی۔

- ۱: آجکس Ajax، ٹرائے کی جنگ میں شرکت کرنے والے ایک جرنیل کے پاگل پن اور موت کی کہانی ہے۔
 - ۲: ٹریکینا Trachinia، یہ ڈرامہ ایک عورت کے انتقام اور دوسری عورت کی قربانی کی داستان ہے۔
 - ۳: الیکٹر Electra، شکیہ کا ڈرامہ ہملٹ سوفوکلز کے اسی ڈرامے کے پلاٹ پر تیار کیا گیا تھا۔
 - ۴: شاہ ایڈیپس کولونوس میں، سوفوکلز نے Orestia ہے۔
 - ۵: انٹی گوئے کی صورت میں ان تین ڈراموں کو پیش کیا ہے۔
 - ۶: شاہ ایڈیپس، جھپیس کے شاہی گھرانے کی تباہی کی کہانی۔
- بلاشبہ انٹی گوئے کو یہ مقام حاصل ہے کہ ہم اس ڈرامے کو سوفوکلز کا بہترین ڈرامہ کہہ سکتے ہیں۔

اسکائی لس Eschylus (525 ق م - 456 ق م)

اتینتزر میں ایک نوجوان ایک انکور کے باغ میں ملازم تھا۔ ایک رات اس کے خواب میں یونان کا دیوتا زرخیزی و شراب اور گانے اور ڈرامے کا سرپرست ڈیونی سیہ Dionysus آیا۔ اس نے حکم دیا کہ انکوروں کے باغ کی ملازمت چھوڑ کر وہ ڈرامہ نگاری شروع کرے۔ دوسرے دن صبح اس نوجوان نے ڈرامے لکھنے شروع کر دیے اور المیہ نگاری کی حقیقی معنوں میں ایک فن بنادیا۔ اس نوجوان کا نام اسکائی لس تھا۔ اسے اہل یونان پیغمبرانہ صفات کا المیہ نگار تسلیم کرتے تھے۔

اسکائی لس اتینتزر کے ایک شریک خاندان کے رکن یفور یون Euphorion کا بیٹا تھا۔ اگرچہ وہ یونان کے کلاسیکل عہد کے المیہ نگاروں میں مقبول نام ہے مگر پیریکلیز سے قربت کی وجہ سے پہلے سوفوکلز کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسکائی لس نے جوانی میں میراتھن، ارقی میزیم، سلاط اور پلائیہ کی جنگوں میں شریک ہو کر وطن پرستی کا ثبوت دیا۔ وہ اس شرکت پر ہمیشہ فخر کرتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس کی لوح مزار پر تو درج تھا کہ وہ ایرانیوں کے خلاف بڑی بہادری سے لڑا تھا مگر اس کے شاعر ہونے یا ڈراما نگار ہونے کا ذکر تک نہیں تھا۔

ڈیونی سیہ کے حکم کے مطابق اس نے 25 سال کی عمر میں ڈرامہ نویسی کا آغاز کیا اور تقریباً نوے ڈرامے لکھے جن میں صرف 7 زمانے کی دست برو سے محفوظ رہ سکے ہیں اس کے جس ڈرامے کو عید ڈیونی سیہ پر پہلی بار انعام ملا وہ Persians تھا۔ اسے 472 ق م میں یہ پہلا انعام ملا تھا جبکہ 462 ق م تک وہ کوئی انعام بھی نہ لے سکا تھا۔ پھر جب اس کی شہرت سارے یونان میں پھیلی تو اتینتزر کی تمام ہمسایہ ریاستوں میں اس کے فن کی قدر کی گئی انہی دنوں وہ سسلی میں سیراکیوز کے بادشاہ ہیرودن Hieron کے دربار میں گیا۔ شاید بادشاہ نے خود اسے مدعو کیا تھا۔ ہیرودن نے کوہ ایٹا کے دامن میں ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔ اس حوالے سے اسکائی لس نے ایک ڈرامہ بھی لکھا تھا۔ سیراکیوز میں کچھ عرصہ گزار کر وہ اتینتزر لوٹ آیا۔ واپسی کے اگلے دس برس (480 ق م تا 450 ق م) اس کی کامیابیوں کے سال تھے انہیں سالوں میں اس نے سہنا ٹکا Theban Trilogy پیش کیا۔ اس کا صرف ایک ڈرامہ Seven Against Thebes ہم تک پہنچا ہے۔ اسکائی لس کی دوسری اہم Trilogy (جس کے تینوں ڈرامے محفوظ ہیں) Oresteia ہے۔ اس سہنا ٹکا کا پہلا ڈرامہ آگامین Agamemnon ہے۔ دس سال بعد ایک بار پھر سسلی چلا گیا۔ ارسطو فیث کے مطابق وہ اہل اتینتزر سے متفرق ہو گیا تھا۔ اس نے سسلی میں گیلہ کے مقام پر وفات پائی اور وہیں دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی وفات ایک عقاب کے بچوں سے ایک کچھوا اس کے سر پر گرنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ بعض مورخین اور نقاد اسے صحیح تسلیم نہیں کرتے مگر سسلی کے مقام گیلہ پر اس کا مزار مدتوں ڈرامہ اور شاعری کا ذوق رکھنے والوں کا مرکز بنا رہا۔ اسکائی لس کے دو بیٹے بھی ڈرامہ نگار تھے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے ایک بیٹے نے 431 ق م میں منعقد ہونے

یوری پیڈیز Euripides (484 ق م - 406 ق م)

عہد حیرانگی کا تیسرا اہم المیہ نگار جو سوفوکلز اور اسکائی لس سے مزاجاً بہت مختلف تھا۔ اسے ہنگامہ آرائی پسند نہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ اتھنز سے دور جزیرہ سلاس کے ایک غار میں رہتا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ اسی غار میں بیٹھ کر سمندر پر نظریں جمالیتا اور زندگی کے اسرار و رموز پر غور کرتا رہتا تھا۔ جہاں اس کے ہم عصر سوفوکلز اور اسکائی لس معاشرے میں رہے بے اور اہم فوجی عہدوں پر فائز انسان تھے۔ وہیں یوری پیڈیز بہت تنہائی پسند اور معاشرے میں گھل مل جانے سے انکاری تھا۔

اگرچہ اس کا تعلق ایک آسودہ حال یونانی گھرانے سے تھا مگر اس کے مختلف ہم عصر طرہ نگار جن میں ارسٹوفیمیز جیوش جیوش تھا اس پر کچھ اچھالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے انہوں نے اس کی ماں کو بھی نہیں بخشا اور مشہور کر دیا کہ وہ ایک جڑی بوٹیاں بیچنے والی کجروی تھی۔ اگرچہ دماغی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی گئی تھی پر اسے کھیلوں اور کھلاڑیوں سے چڑھو گئی تھی۔ یہی اس کی انفرادیت اور ذاتی المیہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

خیالات نزاع انگیز، پیش کش کا انداز ندرت لئے ہوئے مگر پریشان کن۔ چنانچہ یوری پیڈیز کے ڈرامے چونکا دینے والے ضرور تھے۔ لیکن اس کے اکثر ناظرین کو وحشت ہونے لگتی تھی کہ انہیں کیا دکھایا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے بڑی حد تک اسے ناپسندیدہ شخصیت قرار دیا جاتا تھا۔ اپنے آخری دور کے ڈراموں میں یوری پیڈیز نے ہیرو پوزیزین جنگ کی بے معنویت اور بے ہیبت پر جو بالواسطہ لعن طعن کی وہ اہل اتھنز کو بہت چھبی جوہر قیمت پر جنگ جاری رکھنے کے خواہاں تھے۔

408 ق م یا 407 ق م میں یوری پیڈیز دل برداشتہ ہو کر اتھنز چھوڑ گیا اور مقدونیہ کے بادشاہ آرکیلس کے دربار میں چلا گیا۔ مقدونیہ کا یہ بادشاہ بڑا شاعرانہ نواز تھا۔ اس نے یوری پیڈیز کی بڑی قدر کی۔ ایک وقت آیا کہ وہ اہل اتھنز کے سارے جوہر و ستم بھول گیا۔ لیکن یہ اچھا ڈرامہ زیادہ دیر قائم نہ رہا۔ وہ ایک رات کسی دغوت سے واپس آ رہا تھا کہ اس کے محسن بادشاہ کے خونخوار کتوں نے اسے اجنبی جانتے ہوئے پھاڑ کھایا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ بعد ازاں اس کی قبر پر آسمانی بجلی گری۔ جب اس کی موت کی افسوس ناک خبر اتھنز پہنچی تو اس کے رقیب سوفوکلز نے بھی اس کی موت کا سوگ منایا اور اس رات کھیلے جانے والے ڈرامے میں اپنے سب کرداروں کو سیاہ لباس پہنا دیئے۔

یوری پیڈیز نے کل 92 ڈرامے لکھے جن میں سے انیس دستیاب ہیں۔ اسے صرف چار بار اول انعام مل سکا۔ اگرچہ اس کے ڈراموں میں سے صرف چند ہی ایسے ہیں جن پر کنزرو پلٹ اور شاعرانہ لاپرواہی کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔ باقی ڈرامے اس کی انقلابی سوچ اور اس کی قادر الکلامی کی مثال ہیں۔ گواہی اتھنز نے یوری پیڈیز کی قدر نہ کی، باقی یونان

والے مقابلوں میں سوفوکلز اور یوری پیڈیز دونوں کو ہرا دیا تھا۔ خود اسکائی لس نے اٹھائیس بار یہ مقابلے جیتے تھے۔ اس تعداد میں بعد از مرگ اس کے ڈراموں کو حاصل ہونے والے فتوحات بھی شامل ہیں۔ اسکائی لس کی وفات پر اتھنز میں حکومت کی طرف سے یہ فرمان جاری کیا گیا کہ جو شخص بھی ڈرامائی مقابلوں میں اس کے ڈرامے پیش کرنا چاہے گا اسے حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگی۔ اس طرح مرنے کے بعد بھی اسکائی لس اول انعام جیتتا رہا۔ اسکائی لس کے اہم شاہکار یہ ہیں۔

- 1: Persian اس ڈرامے کا شمار لس کے جنگی ڈراموں میں ہوتا ہے۔
- 2: Prometheus Bound یہ ناقابل فراموش المیہ فکر، خوبصورتی اور کرداروں کے لحاظ سے ایک عظیم ترین ڈرامہ ہے۔
- 3: The Libation Bearers
- 4: The Furies
- 5: Seven Against Thebes
- 6: Suppliants

میں اس شہرہ تھا۔ وہ بڑا غضب کا موسیقار تھا۔ اس کی ترتیب دی گئیں جنس بھی اہل یونان مدتوں نہیں بھلا سکے۔

اس کے اہم ڈراموں میں میڈیا Media (431)، الیکٹر Electra (416-420 ق م)،

فونیقی عورتیں Phoenician Women (409 ق م)، ٹروجن عورتیں Trojan Women (415 ق م)،

اندرومیکے Andromache (425 ق م)، ہیپولیس Hippolytus (438 ق م)، اورسٹس Orestes (408 ق م)

اور ہیلن Helen (412 ق م) شامل ہیں۔

470 ق م۔۔۔۔۔ ہیرودوٹس اور اس کی "تاریخ"

رومی مفکر سر د Cicero نے یونانی مورخ ہیرودوٹس Herodotus (485 ق م۔ 425 ق م) کو "بابائے

تاریخ" کے نام سے یاد کیا تھا۔ پیری کلیس کے عہد کے اس مورخ کو بابائے تاریخ کہنا ہرگز غلط نہیں کیونکہ اس سے پہلے کی دنیا میں تاریخ نگاری کے میدان میں کوئی دوسرا نام مشکل ہی سے ملتا ہے اور اگر کوئی نام مل بھی جائے تو اس کا کام ہیرودوٹس کے کام کا ہم پلہ نہیں۔

ہیرودوٹس نے ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادی ہیلی کارنوسوس Halicarnasus میں آنکھ کھولی۔ ان دنوں اس ریاست پر ایرانیوں کا قبضہ تھا اور ارسے میزیانی عورت وہاں کی ملکہ تھی۔ جب یونانیوں نے ایرانی حملہ آوروں پر فتح حاصل کی تو ہیلی کارنوسوس کے لوگوں نے بھی اپنی ریاست سے غیر ملکی حکمرانوں کو نکالنے کا عزم کیا اور ملکہ کے خلاف بغاوت علم بلند کیا مگر ان کی بغاوت چلی دی گئی اور ہیرودوٹس کو بھی کہ جس نے باغیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس دوران کچھ عرصہ تک وہ جزیرہ ساموس پر قیام پذیر رہا۔

چند برس بعد جب ہیلی کارنوسوس میں باغیوں نے دوبارہ سر اٹھایا تو ہیرودوٹس بھی ان سے آملہ۔ اس بار بغاوت کامیاب رہی۔ لیکن اس کا دل اب اپنے وطن سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ اس نے وہاں رہنا پسند نہ کیا۔ اور ایتھنز چلا آیا جہاں اسے پیری کلیس جیسا مرہی اور دوست مل گیا۔ ایتھنز میں قیام کے دوران اس کی شخصیت پر خوشگوار اثر مرتب ہوا اور اس کا ادبی ذوق نکھر گیا۔ اگرچہ ایتھنز اسے بہت پسند تھا مگر وہ اسے بھی چھوڑ کر جنوبی اٹلی میں واقع یونانی نوآبادی تھیور آئی Thuril چلا گیا۔

ان دنوں سوفسطائی فلاسفہ ایتھنز کی ذہنی فضا پر انقلابی اثرات مرتب کر رہے تھے لیکن یہ فسطائی تصورات ہیرودوٹس کے دل و دماغ میں بچل نہ چا سکے۔ قیام ایتھنز کے دوران ہی اس نے اپنی شہرہ آفاق "تاریخ" کا کچھ حصہ تصنیف کیا۔ اسی دوران اس نے ایک جہاں گرد سیاح کا روپ دھارا اور اس وقت کی معلوم دنیا کے سب ملکوں اور خطوں، مثلاً مصر، شام، فلسطین، اسکاکی تھیا (جنوبی روس) ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ کی ساحلی نوآبادیوں کی خاک چھانی۔ وہ خود یونان کے قریب قریبے میں گھوما۔ ان شہروں سے واپسی پر وہ ایتھنز میں درس دیا کرتا تھا۔ پھر اس کا تعلق تھیور آئی سے قائم ہو گیا اور اس نے وہیں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ تھیور آئی کے ایک چوک میں اس کی قبر موجود تھی۔

ہیرودوٹس کی واحد تصنیف "تاریخ" ہے جو اس زمانے کی نثر نگاری کا بھی شاہکار ہے۔ ہیرودوٹس کے زمانے سے پہلے یونان میں نثر نگاری بھی خال خال ہی تھی۔ اس وجہ سے اس دور میں نظم یا شاعری کا استعمال ایسے شعبوں میں جاری تھا جہاں آج ہم اس کے استعمال کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً یونانی ڈرامے کی ایک لائن بھی نثر میں نہیں لکھی جاتی تھی۔ یہاں کہ سائنس، تاریخ اور فلسفے کے شعبوں میں بھی۔ ابتدائی کام نظم Verse ہی میں ہوا تھا بعد ازاں ان شعبوں

میں نثر نے شعر کی جگہ لے لی۔ چھٹی صدی قبل کے آخر اور پانچویں صدی قبل کے آغاز میں ایشیائے کوچک کے آئینیائی شہروں میں تاریخ اور اساطیری داستانیں نثر میں لکھنے کا رواج ہوا۔ مگر دنیائے تاریخ میں ہیروڈوٹس کا کام ہی پہلا مبسوط کام ہے اس لئے شعبہ تاریخ کے ساتھ ساتھ اس نے نثر میں بھی بہا خدمت انجام دی۔ جو آج کے نقاد بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہیروڈوٹس کی ”تواریخ“ کو حصوں میں منقسم ہے ہر حصہ شاعری کی کسی دیوی کے نام سے معنون ہے۔ پہلے حصے یا پہلی کتاب میں لیڈیا کے بادشاہ کروئس Croesus کا قصہ بیان کیا گیا جس نے شہنشاہ ایران کو روٹس اعظم سے جنگ کر کے اپنی تاجی کا سامان آپ پیدا کیا۔ اسی حصے میں کوروش اعظم کی قیادت میں ایران کے ایک عظیم قوت بن کر اُبھرنے کا حال بھی دیا گیا۔ دوسرے حصے میں مصر کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ تیسرا حصہ ایرانی شہنشاہیت کی تاریخ ہے اور اس میں کمبوجیہ اور داریوش کی فتوحات کا حال درج ہے۔ چوتھا حصہ سکاتھیا اور شمالی افریقہ کے بارے میں ہے۔ اس میں اسکاٹھی قبائل پر داریوش کے حملے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ پانچواں حصہ آئونیائی بغاوت کے حال پر مشتمل ہے اس حصے میں ایرانی حاکموں کی ان چہرہ دستیوں کا حال بھی دیا گیا جن سے تنگ آ کر یونانیوں نے ایران کے خلاف بغاوت کی تھی۔ چھٹا حصہ جنگ میراتھن کے متعلق ہے۔ ساتویں حصے میں شہنشاہ ایران خشایارشا Xerxes کے یونان پر حملے اور سالامس اور تھرمپلی کے معرکوں کا حال درج ہے۔ آٹھواں حصہ ارتھمی سیون اور سالارمس کی جنگوں کے بارے میں ہے۔ نویں حصے میں جنگ پلائیہ اور جنگ موکالے کا حال درج ہے ان جنگوں میں یونانیوں نے ایرانیوں کو مکمل شکست دی تھی۔

طرز تحریر، خاکے، ترتیب، مضامین اور خیالات کے لحاظ سے ہیروڈوٹس کی ”تواریخ“ اپنی قسم کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور اس میں نفس مضمون اور خارجی شکل کی یکسانیت، بیکار پیچیدگیوں اور نامناسب اختصار سے گریز اور فنی تصانیف کی دیگر خوبیاں موجود ہیں۔ نقادوں کی رائے کے مطابق یہ کتاب ہیروڈوٹس کے بیشتر واقعہ نگاروں اور اس کے بعد کے مورخین کی تصانیف سے ممتاز ہے۔

بہر حال بہت سی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ”تواریخ“ تاریخ کی پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔ یہ ہمیں انسانی تاریخ کے ماضی بعید تک لے جاتی ہے اور ہمارے بہت سے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ یہ اعزاز بھی تاریخ کی اسی کتاب کو حاصل ہے کہ اتنی صدیوں کی گردش کے باوجود یہ زندہ ہے اور اپنے خالق کو ”بابائے تاریخ“ کا، شاید ربوبی دنیا تک اعزاز دلائے ہوئے ہے۔ (حال ہی میں نگارشات لاہور نے ہیروڈوٹس کی ”تواریخ“ کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے جو یاسر جواد صاحب نے کیا ہے۔)

ماخذ

- ۱: مختصر تاریخ فلسفہ یونان از ڈاکٹر ولیم نفیس اکیڈمی کراچی۔
- ۲: تاریخ جمہوریت از شاہد حسین رزاقی۔
- ۳: تاریخ ایران از مقبول بیگ بدخشانی۔
- ۴: تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم نفیس اکیڈمی کراچی۔

- ۵: مشاہیر ادب (یونانی) از محمد سلیم الرحمن قوسین 15 سرکلر روڈ لاہور۔
- ۶: یونان کا ادبی ورثہ از احمد عقیل رونی الوتار پبلیکیشنز۔
- ۷: دنیا کی سوعظیم کتابیں از ستار طاہر کارواں ادب ملتان۔
- ۸: بھولی بھری کہانیاں (یونان) از بین حنیف بیکن کس ملتان۔
- ۹: Piutrach's "Lives"
- ۱۰: Devambez, A Dictionary Of Ancient Greec.
- ۱۱: Ancient World By Richardmans Field.
- ۱۲: An Encyclopedia Of World History.
- ۱۳: Lynnsable, 1000 Great Events.
- ۱۴: The Time History Of The World.
- ۱۵: دنیا کی قدیم تاریخ، ہیروڈوٹس، یاسر جواد۔

450 ق م۔۔۔۔ پارمینائڈز کی سقراط سے ملاقات

زینوفیئر نے خدا اور کائنات کی وحدت اور سرمدیت کو پیش کیا تھا۔ لیکن پارمینائڈز Parmenides نے ان صفات کو بطور لازم تمام حقیقتوں پر عائد کیا اور اشیا کی کثرت اور ان کی تغیر کی نسبت کہا کہ یہ محض نمونہ ہے بود ہے۔ پارمینائڈز زمانہ قدیم کے مفکروں میں سے افلاطون کے نزدیک بڑا محترم تھا۔ وہ جنوبی اٹلی کے شہر ایلیا کا رہنے والا تھا اور پانچویں صدی کے نصف اول میں گزرا ہے۔ افلاطون کے مطابق اس کے استاد سقراط نے اپنی جوانی (تقریباً 450 ق م) میں پارمینائڈز سے ملاقات کی تھی اور مورخین کے خیال کے مطابق اکتساب فیض بھی کیا تھا۔ اگرچہ اس وقت پارمینائڈز بوڑھا ہو چکا تھا مگر سقراط نے اس سے بہت کچھ سیکھا۔ افلاطون بذات خود مفکر عظیم کے نظریات سے متاثر تھا اسی وجہ سے اس نے اپنے ”مکالمات“ میں جگہ دی۔

مورخین میں اختلاف ہے کہ پارمینائڈز کا سن پیدائش 520-515 ق م ہے یا 544 ق م بہر حال اس کی تعلیم تربیت دو فیثا غورٹوں کا بڑا اثر پڑا ہے۔ کہتے ہیں وہ خود بھی فیثا غورٹی طرز کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن اپنے فلسفیانہ نظریات میں وہ زینوفیئر سے مماثلت رکھتا تھا۔ وہ اپنا نظریہ ایک نظم ”فطرت پر On Nature“ میں پیش کرتا ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ حواس ہمیں دھوکا دیتے ہیں اور اس نے حواس پر مبنی کثرت اشیا کو فریب محض قرار دیے کر رد کر دیا۔ اس کے نزدیک قطعی حقیقت سے ”ذات واحد“ جو لا انتہا اور غیر منقسم ہے۔ وہ ہر قلیطس کی طرح وحدت کا تضادات کا اتعال نہیں سمجھتا کیونکہ تضادات کا وجود ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وہ بظاہر یہ سمجھتا تھا کہ ”سرد“ کا مفہوم ”غیر گرم“ اور تاریکی کے معنی ”غیر روش“ کے ہیں۔ پارمینائڈز کا ”ذات واحد“ کا تصور وہ نہیں جو ہمارا تصور خدا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اسے مادیت اور وسعت پذیر سمجھتا ہے کیونکہ اس کا ذکر وہ ایک کرے جیسا کرتا ہے۔ لیکن یہ غیر منقسم ہے کیونکہ یہ کل ہے اور ہر جگہ موجود۔

پارمینائڈز اپنی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے جسے وہ سچائی کا راستہ اور قیاس کا راستہ کہتا ہے۔ سچائی کے راستے کے چند نکات یہ ہیں۔ جو نہیں ہے۔ آپ نہیں جان سکتے۔ ایسا ناممکن ہے۔ جو ہے اس کا مستقبل میں بھی ہونا کیسے ممکن ہے؟ یا یہ کس طرح وجود میں آسکتا ہے؟ جس شے کو سوچا جاسکتا ہے وہ موجود ہے کیونکہ وجود کے بغیر اس کے متعلق سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

440 ق م۔۔۔۔ سوفسطائیت کی ابتدا

پانچویں صدی کے آغاز سے بعض ایسے خیالات پھیلنا شروع ہوئے۔ جن کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد مہذب ملتوں کے انداز فکر اور علمی زندگی کے میدان میں ایک نمایاں تغیر رونما ہوا۔ فلسفیانہ نظریات کی باہمی پیکار اور عام انداز ادراک سے ان کی کھلی مخالفت سے کائنات کی علمی توجہات کے خلاف بدگمانی پیدا ہو چکی تھی۔ پارمینائڈز، ہیراکلیٹوس اور دیگر اطلیس جیسے لوگوں نے حسی ادراک کی صداقت کو تسلیم نہ کیا۔ اس لئے علم حقیقی کے لیے انسان کی عام قابلیت میں آسانی سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کیونکہ ان فلاسفہ کی مادیت نے ان کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ عقلی علم کی اعلیٰ صحت، صداقت کو علمی طور پر ثابت کر سکیں۔ انکا گوراس نے اپنے نظریہ نفس کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس سے زیادہ یونانیوں کی قومی زندگی کے عام نشوونما نے بھی امر کا تقاضا کیا کہ ہر علمی جدوجہد کوئی نئی سمت اختیار کرے۔ جنگ ایران کے زمانے سے یونان کی عام تہذیب و تمدن میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ خاص کر ایتھنز میں جو علمی اور سیاسی زندگی کا مرکز تھا، جو لوگ سیاسی زندگی میں امتیاز حاصل کرنا چاہتے تھے وہ خاص طور پر اس کے لیے علمی طور پر تیار ہونے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ علاوہ ازیں جب جمہوریت کی فتح نے ان موافعات کو رفع کر دیا جو اقتدار جمہور کے راستے میں رسم و قانون نے حائل کر رکھے تھے تو پھر عروج کی راہیں ہر ایسے شخص کے لیے کھل گئیں جو لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکتا تھا۔ ایسی تعلیم جس کے ذریعے سے کوئی شخص خطیب اور راہنمائے جمہور یہ بن سکے۔ بہت قیمتی اور لائق حصول معلوم ہونے لگیں۔ اس ضرورت کو ایسے لوگوں سے پورا کرنا شروع کیا جنہیں ان کے معاصرین سوفسطائی یعنی عقلاً کہتے تھے۔ ان لوگوں نے خود بھی اپنے آپ کو اسی لقب سے مشہور کیا۔ سوفسطائی کی اصطلاح سب سے پہلے جس شخص نے اپنے آپ کو سوفسطائی کہا اور وہ قوم کے سامنے معلم فضیلت کی حیثیت سے آیا افلاطون کے نزدیک پروتاگوراس تھا۔ جو ابڈیرا کا رہنے والا تھا۔ اس کا سن ولادت 480 ق م ہے۔ وہ چالیس سال تک یونان میں پھرتا رہا اور کامیابی سے معلم کے فرائض انجام دیتا رہا۔

435 ق م۔۔۔۔۔ امپڈ وکلیز اور عناصر اربعہ کا تصور

دینا کا پہلا فلسفی جس نے عناصر کا تصور قائم کیا بلکہ عنصر کی اصلاح تو یقیناً بعد کی ہے۔ امپیڈو کلیز Empedocles (495 ق م - 435 ق م) نے ان کو تمام چیزوں کی جڑیں یا بنیاد کہا تھا۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی چار عناصر امپیڈو کلیز کا نتیجہ طبع ہیں۔ ان میں سے کوئی عنصر دوسرے عنصر میں تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ کسی دوسرے عنصر کے ساتھ مل کر کوئی تیسری چیز مرکب بنا سکتا ہے۔ ان عناصر کے جوہروں کا ملاپ اس طرح ہوتا ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے ذرات یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اجسام جو ایک دوسرے پر عمل کرتے ہیں وہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک جسم کے ذرات الگ ہو کر دوسرے جسم کے مسامات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جسے دو جسموں کے اخراجات اور مسامات ایک دوسرے کے مطابق ہو جاتے ہیں تو باہم جذبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تھا آج کی ایسی نظریات کا ابتدائی تصور جو امپیڈو کلیز نے پیش کیا۔

امید و کلیر اگر تکلم کار بنے والا تھا۔ اس کا سن پیدائش مورخین نے 495 ق م کے قریب بتایا ہے۔ اس نے ساٹھ سال عمر پائی اور 435 ق م میں فوت ہوا۔ پر جوش فصاحت و بلاغت اور عملی قوت کی وجہ سے وہ بھی اپنے باپ کی طرح اپنے شہر کا جمہوری رہنما تھا۔ لیکن وہ مذہبی معلم، طبیب اور اپنے صاحب کرامت ہونے کو زیادہ اہم سمجھتا تھا۔ قیام غوث کے انداز کی حیرت انگیز شخصیت ہونے کی وجہ سے لوگوں پر اس کا اس قسم کا اثر تھا۔ اس کی موت کی نسبت بھی بہت سی حیرت انگیز داستانیں مشہور تھیں۔ بعض لوگوں نے انہیں بڑھا کر اسے دیوتا بنادیا اور بعض لوگوں نے اس کے متعلق بہت سی گھٹیا باتیں پھیلا دیں۔ سب سے زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قبولیت عامہ کھونے کے بعد ترک وطن کر کے یونیس چلا گیا اور وہیں اس نے وفات پائی۔ جس تصانیف پر اس کا نام درج ہے ان میں سے صرف دو تاحسانہ نظمیں یقیناً اس کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ ان دونوں نظموں کے بہت سے اجزا محفوظ رہ گئے ہیں۔

مآخذ

مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ از ڈاکٹر ویلیہلم یینسل۔

432 ق م۔۔۔۔۔ اینکسا غورث اور اس کا فلسفہ

لینسکا غورث Anaxagoras اگرچہ ہرقلیطس، پارمینائڈز اور فیثاغورث جیسی اہمیت کے حامل نہیں مگر تاریخی اہمیت ضرور رکھتا ہے۔ وہ ایونی تھا اور اس نے ایونیا کی سائنسی اور عقلی روایت کو برقرار رکھا۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اہل اتھنز کو فلسفہ سے متعارف کرایا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ قدامت یونان میں بھی وہ پہلا شخص ہے جس نے ذہن کو مادی تعمیرات کا بنیادی سبب قرار دیا۔ وہ ایونیا کے شہر کلئز وینا میں تقریباً 500 ق م میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی کے بہترین سال یعنی 462 ق م سے 432 ق م تک کا زمانہ اتھنز میں گزارا۔ اسے شاید پیریکلیز نے اتھنز آنے کی دعوت دی تھی۔ کیونکہ پیریکلیز اتھنز کے شہریوں کو مہذب بنانا چاہتا تھا۔ اسپاسیا Aspasia نے مولیطس سے آئی تھی اس کا تعارف پیریکلیز سے کرایا تھا۔ افلاطون نے اپنے مکالمات میں لکھا ہے کہ ”یوں لگتا ہے کہ پیریکلیز لینسکا غورث سے ملا تھا۔ وہ ایک سائنسی ذہن کا مالک تھا۔ اس نے اس سے بلند موضوعات پر برسرِ حاصل بحث کی اور وہ اس کے فلسفے سے متاثر ہوا۔ کہتے ہیں کہ لینسکا غورث نے یوری پیڈیز کو بھی متاثر کیا لیکن بعض مورخین اسے مصدقہ تسلیم نہیں کرتے۔ لینسکا غورث نے اپنی آبائی گائیکر کچھوڑ کر اپنی زندگی سائنس کے لیے وقف کردی اور ریاضی میں بہت نام پیدا کیا۔ اس کو مورخین نے ”ہر یوئیس“ کا شاگرد قرار دیا ہے۔ اتھنز میں اس کو پیراکلیز سے بہت قریبی تعلقات قائم کرنے کا موقع ملا۔ اس کے سیاسی کے دشمنوں نے اس پر الزام لگایا تھا کہ وہ مملکت کے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بڑھاپے میں اتھنز چھوڑنے (434 ق م - 433 ق م) پر مجبور ہوا۔ اس کے بعد وہ لمبسا کوس چلا گیا جہاں اس نے 428 ق م میں وفات پائی۔ اس کی ایک کتاب کے بعض اہم اجزاء اب تک محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پارمینائڈز اور لیبیڈو کلیز کی تعلیمات سے بہت متاثر تھا۔ سائنس کے حوالہ سے وہ پہلا شخص تھا جس نے وضاحت کی تھی کہ چاند منعکس روشنی سے چمکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے گرہوں کے لگنے کا صحیح نظریہ بھی پیش کیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چاند سورج سے کم بلندی پر ہے۔

429 ق م میں ایتھنز کا قابل راہنما پیریکلیز طاعون کا شاہکار ہو کر وفات پا گیا طاعون کی وبا کے باوجود ایتھنز ثابت قدم رہا اور اس نے جنگ جاری رکھی۔

427 ق م میں ایتھنز والوں نے متی لنہ Mytilene پر قبضہ کر لیا۔ سپارٹا اور تھیبز والے پلائیہ پر قابض ہو گئے۔ ان دونوں مفتوح شہروں میں بہت سے افراد قتل کر دیے گئے۔ 425 ق م میں اہل ایتھنز کا پلہ بھاری ہو گیا اور انہوں نے کورکائیروں میں رونما ہونے والے ایک انقلاب کی پشت پناہی کی۔ اس انقلاب کے دوران سپارٹا سے ہمدردی رکھنے والے بہت سے امراء ہلاک کر دیے گئے اور جزیرہ کورکائیروں پر متعین سپارٹا کی ایک بڑی فوج کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جس سے سپارٹا کو شدید دھچکا لگا اور اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس نے امن کی اپیل کی جسے ایتھنز کے جمہوری راہنما کلیون Cleon اور دوسرے سیاستدانوں نے ٹھکرادیا۔

امن کی پیشکش ٹھکرانے کے جواب میں سپارٹا کے ایک قابل جرنیل بریسیڈس Brasidas نے ایتھنز پر ایک کامیاب حملہ کیا اور ایسٹری پولیس Amphipolis کے مقام پر فتح حاصل کی (422 ق م) لیکن اس دوران بریسیڈس اور کلیون دونوں مارے گئے ایتھنز میں کلیون کی جگہ اس کا مخالف نکلیاس Nicias نامی ایک شخص برسر اقتدار آیا جس نے ایتھنز یوں کو سپارٹا والوں کی پیشکش امن قبول کرنے پر راغب کیا۔ سپارٹا اور ایتھنز کے درمیان طے پانے والا متارکہ جنگ اسی نسبت سے ”امن نکلیاس“ کہلایا۔ اس متارکہ جنگ پر عمل درآمد 421 ق م میں شروع ہوا مگر صرف چھ سال جاری رہ سکا۔ 415 ق م میں ایتھنز نے سپارٹا کے حلیفوں کی بغاوت کو ہوا دی۔ اس کے کہنے پر ایک مہم سلی کے خلاف روانہ کی گئی مگر ناکام رہی اور اہل سپارٹا کی مدد سے سیراکیوز Syracuse اہل ایتھنز کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجتاً اہل ایتھنز کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ 411 ق م میں ایتھنز میں جمہوریت کی جگہ چندسری حکومت قائم ہو گئی۔ دوسری طرف ایلیمی بایا ڈیز کو سلی کی مہم میں ناکامی کی وجہ سے فوج سے برطرف کر دیا گیا اور وہ دشمنوں سے جاملے۔ اس نے ایتھنز کی بحری برتری کو سخت نقصان پہنچا اور جنگ تقریباً عملی طور پر ختم ہو گئی۔

411 ق م میں ایلیمی بایا وطن واپس آ گیا اور اس نے 410 ق م میں سیزی کیوز Cyzicus کے میدان میں فتح حاصل کر کے بازنطیس پر قبضہ کر لیا جس سے بحیرہ اسود کے راستے غلے کی سپلائی بحال ہو گئی۔ 408 ق م میں تقریباً 7 سال بعد ایلیمی بایا ڈیز ایک فاتح کی حیثیت سے وطن واپس لوٹا۔ یہ وہ سال تھا جب سپارٹا کو بھی ایک اچھا امیر البحر لیساندر Lysander کی شکل میں میسر آ گیا۔ اہل سپارٹا نے اس کی سرکردگی میں ایک طاقتور بحری بیڑا تیار کیا۔ اس بحری بیڑے کی تیاری کے لئے مالی امداد شہنشاہ ایران دارپوش دوم کے دوسرے بیٹے کو روٹ دوم نے فراہم کی۔ وہ ان دنوں ایشیائے کوچک میں بطور صوبیدار تعینات تھا۔

اس پر ایلیمی بایا ڈیز بھی غیر ملکی امداد کے لئے نکلا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے نائب انٹیوکس Antiochus نے ناعاقبت اندیشہ طور پر لیڈر کو مبارزت کی دعوت بھیجی۔ لیڈر نے 407 ق م میں اسے شکست دی۔ اس کی شکست اچھا لٹے ہوئے ایلیمی بایا ڈیز کے مخالفوں نے اس شکست کی پاداش میں ایک بار پھر اسے برطرف کر دیا۔ عوام کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے وہ خاموشی سے جلاوطن ہو گیا۔

431 ق م۔۔۔۔۔ جنگ پیلوپونیس

یونان کی دو بڑی شہری ریاستوں سپارٹا اور ایتھنز کے مابین پانچویں صدی قبل میں پورے یونان پر بلا دستی قائم کرنے کی کشمکش کی جنگ کا آغاز 460 ق م میں ہوا تھا۔ پھر 445 ق م میں دونوں فریقوں میں ”تیس سالہ صلح“ ہو گئی۔ 432 ق م میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ 431 میں جنگ کے شعلے ایک بار پھر بھڑک اٹھے۔ یہ جنگ تقریباً 27 سال جاری رہی۔ تاریخ یونان میں یہ قدیم جنگ، جنگ پیلوپونیز کہلاتی ہے۔

480 ق م میں جب یونان پر اہل فارس نے دوسرا بڑا حملہ کیا تو یونان کے متحدہ دفاع کے لئے ایتھنز امراء خصوصاً ارسطیدس Aristides اور کیمون Cimon نے سپارٹا اور دیگر ریاستوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا۔ اسی اتحاد نے بعد ازاں ڈیلین لیگ کی شکل اختیار کی۔ پھر جب ایتھنز میں عوامی حکومت قائم ہوئی تو ایتھنز کی خارجہ پالیسی میں تبدیلی آ گئی۔ دوسری طرف سپارٹا نے ابھی ایتھنز کی سیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دونوں ریاستوں کے مفادات میں تضاد نمایاں ہو گیا جس سے جھگڑے کا آغاز ہوا۔ ایتھنز نے اپنے مفادات کے پیش نظر اپنے اتحادیوں سے مل کر ایک طاقتور بحری تفہیل دی جس کے بل بوتے پر ایتھنز کی مملکت نے ایک سلطنت کی شکل اختیار کر لی۔ اور بہت سی یونانی ریاستیں اس کی لیگ کی رکن بن گئیں یا دوسرے لفظوں میں اسے خراج ادا کرنے لگیں۔ دوسری طرف سپارٹا نے بھی وسطی یونان کی ریاستوں سے اتحاد قائم کر کے پیلوپونیز لیگ Peloponnesian League بنائی۔ اس طرح یونان میں دو متحارب گروہ وجود میں آ گئے۔

435 ق م میں ایتھنز نے ایونائی شہر اپیداموس Epidamnus میں ریاست کورکائیروں Corcyra کے اتحادی کے طور پر کاروائی کی جو کارنتھ کے مفادات کے خلاف تھی۔ اس کے جواب میں کارنتھ نے جو سپارٹا کی لیگ کا رکن تھا سپارٹا سے مدد طلب کر لی۔ سپارٹا اور اس کے اتحادیوں نے ایتھنز کے اپیداموس میں ملوث ہونے کو ”30 سالہ صلح“ نامے کے خلاف قرار دیا۔ 431 ق م میں وسطی یونان کی ریاست تھیبز Thebes نے جو ایتھنز سے شدید خصامت رکھتی تھی اس کی حلیف ریاست پلائیہ پر حملہ کر دیا۔ یہی حملہ جنگ پیلوپونیز کا فوری سبب بنا۔

ایتھنز کو بحری افواج میں برتری حاصل تھی جب کہ سپارٹا کی بری افواج بہت منظم تھی جغرافیائی لحاظ سے سپارٹا اور اس کے پیلوپونیس اتحادیوں کو استحکام حاصل تھا ان کے مقابلے میں ایتھنز اور اس کی اتحادی سلطنت غیر مربوط اور کھڑے ہوئے جزائر پر مشتمل تھی۔ چونکہ ایتھنز میں ایوانائی جمہوریت قائم تھی اس وجہ سے جنگ پیلوپونیز کے دوران صورتحال نے خانہ جنگی کی شکل بھی اختیار کر لی۔ سپارٹا کی لیگ میں شامل ریاستوں کے جمہوریت پسندوں کی ہمدردیاں ایتھنز کے ساتھ تھیں۔ جب کہ ایتھنز کی اتحادی ریاستوں میں چندسری حکومت سے ہمدردی رکھنے والا طبقہ امراء سپارٹا کے حق میں تھا۔ اس لئے تمام یونان میں عوام اور امراء ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔

ایلیسی بابا ڈیز جیسے قاتل جرنیل کی جلاوطنی کے بعد 406 ق م میں اتھنز کے جنگ آرگینوسائے Battle Of Arginusea میں خوش قسمتی سے فتح حاصل کی اس جنگ میں اہل سپارٹا کی قیادت لیڈر کا ایک نائب کیلی کرینی ڈس Crallicratidas کر رہا تھا۔ اس موقع پر اہل سپارٹا نے اپنے امن قائم کرنے کی پیش کش پھر دہرائی مگر اس بار پھر اتھنز کے ایک سیاست دان نے یہ پیشکش پاگلا نہ طور پر ٹھکرا دی۔ 405 ق م میں ایلیسی بابا ڈیز کے مخالف جرنیل اتھنز کے پورے بحری بیڑے کو ہیٹس پونٹ کے مقام پر کھلے سمندر میں اس طرف لے گیا جہاں لیڈر اپنی دوبارہ بحالی کے بعد سپارٹا کے بحری بیڑے سمیت موجود تھا۔ اس موقع پر ایلیسی بابا ڈیز نے اپنی جلاوطنی کے باوجود اپنے ہم وطن جرنیلوں کو ان کی خطرناک پوزیشن سے آگاہ کیا۔ مگر اس کے انتخاب پر کسی نے کان نہ دھرے۔ نتیجتاً ستمبر 405 ق م میں لیڈر نے ایک جنگی چال سے کام لیتے ہوئے اتھنز کے پورے بحری بیڑے پر قبضہ کر لیا اور وہ اتھنز کی طرف چلا۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد فائدہ زدگی سے مجبور ہو کر بالآخر اہل اتھنز نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح یونان کا سب سے ترقی یافتہ شہر گھنا تا چلا گیا اور کچھ عرصے کے لئے سپارٹا نے پورے یونان پر بالادستی قائم کر لی۔

اس جنگ کی کہانی انیسویں سال تک مشہور یونانی مورخ تھیوسی ڈیڈیز نے اپنی تاریخ میں پیش کی ہے۔ جب کہ اس مقام سے نقطہ انجام تک اسے مورخ زینوفون نے اپنی کتاب ہیلینیکا Hellenica میں بیان کیا ہے۔

مآخذ

تاریخ جنگ یونان قدیم از تھیوسی ڈیڈیز مترجم میر حسن۔ تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم مترجم محمد ہارون خان شیروانی۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا شیخ غلام علی لاہور۔

Encyclopedia Britannica Vol=9, Encylopedia Americans Vol=2,
Plutarch's Lives. Greece and Rome at War. Peter Connolly.
Greenhill Books London.

425 ق م۔۔۔۔ بقرات اور فن طب

آج بھی دنیا کی مختلف یونیورسٹیاں اپنے فارغ التحصیل طلبہ سے حلف بقرات یا عہد نامہ بقرات Oath Of Hipporates لیتی ہیں۔ اس حلف کے بغیر کوئی بھی طبیب اپنے پیشے کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اس حلف کے بعد کوئی بھی طبابت پیشہ شخص کوئی غیر اخلاقی کام نہ کرنے کا پابند ہو جاتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی قبل سے تعلق رکھنے والا مشہور یونانی طبیب بقرات Hippocrates (460 ق م)۔ 370 ق م) جو آج بھی اپنے نام سے منسوب عہد نامے یا حلف کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ”بابائے طب“ کہلاتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اس سے پہلے بھی کئی طبیب اور حکیم ہو گزرے تھے مگر مورخین اسے دنیا کا پہلا طبیب کامل تسلیم کرتے ہیں۔

وہ بحیرہ ایجی Aegean Sea کے ایک جزیرے کوس Cos کے ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا کہ جس کا تعلق طب کے یونانی دیوتا ایسکلپوس Asklepios سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اس کا باپ غالباً جزیرہ کوس کے عظیم الشان معبد کے طبیوں کی تنظیم کا رکن تھا۔ اگرچہ تاریخ بقرات کے بچپن اور زندگی کے متعلق خصوصاً خاموش ہے پھر بھی مورخین نے لکھا ہے کہ بچپن میں اس زمانے کے رواج کے مطابق اس کے باپ نے اسکوفن طب کی ابتدائی تعلیم خود دی۔ بعد ازاں اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اس کو اس زمانے کے بہترین اساتذہ سے طب کی تعلیم دلائی۔ ان اساتذہ میں مشہور یونانی فلسفی دیمقراطیس Democritus کا نام سرفہرست ہے۔ اس یونانی فلسفی نے حصول علم کے لئے اس زمانے کی تمام معلوم دنیا کا سفر کیا تھا اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بقرات نے بھی اس زمانے کے قدیم مراکز علوم کا سفر کیا اور بابل، نینوا کے ساتھ ساتھ مصر بھی پہنچا جہاں بعض مورخین کے مطابق اس نے مصر کے قدیم حکیم ام ہوتپ کی تعلیمات سے استفادہ کیا۔ وہ اتھنز بھی گیا جہاں اس نے کئی سال تک لوگوں کو طب کی تعلیم دی اور علاج کیا۔ امراض کے برسر بالیں مشاہدے اور دور دراز کے سفروں کے بعد تجربے کی بنیاد پر بقرات نے فن طب کو اوہام پرستی سے نکال کر عملی اساس فراہم کی۔ شاید اس کے اور اس زمانے کے عظیم فلسفی افلاطون میں بھی دوستانہ مراسم تھے افلاطون نے اپنی تحریروں میں اس کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ ”مکمل نظام کی ماہیت کو سمجھنے بغیر انسانی جسم کے مختلف حصوں کی ماہیت کو نہیں سمجھا جاسکتا۔“ بقرات نے اس زمانے میں پیش کئے جانے والے ایسے بیشتر نظریے جن میں انسانی رویے اور فلاح کے متعلق توجیہات پیش کی گئی تھیں۔ رو کر دیئے لیکن اس نے نظریہ اخلاط Humoral Doctrine کو تسلیم کیا۔ اس نظریے کے مطابق انسان کا مزاج بلغمی،

کثیر الدم، صفراوی اور سوداوی ہوتا ہے۔ اور اس کا انحصار جسم میں سرد، گرم، خشک اور مرطوب مزاج کے سیالوں کے اخلاط پر ہے۔ اخلاط کا یہ نظریہ دوسری صدی عیسوی میں جالینوس نے اپنی طبی عقائد کی بنیاد قرار دیا اور سولہویں صدی عیسوی تک کے طبیب اسی نظریے پر قائم رہے۔ سولہویں صدی میں جبرائیلس Paracelsus نے اس نظریے کو تسلیم نہ کیا اور جالینوس کی تصنیفات کو برسر عام نذر آتش کیا۔ لیکن اٹھارہویں صدی میں ایک فرانسیسی ماہر حیات نے اس نظریے کو صحیح

ہونے کی تصدیق کی۔ جس سے بقراط کے علم کی دور رس کی بھی تصدیق ہو گئی۔

50 سے زائد کتابیں بقرط سے منسوب کی جاتیں ہیں لیکن زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ کتابیں اس کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ اس کے شاگردوں کی تالیف ہیں۔

یہ کتب تیسری صدی قبل از مسیح میں سکندریہ میں ترتیب دی گئیں اور لفظ مجموعی Hippocratic Collection کہلاتی ہیں۔ اس مجموعے میں طب کے موضوع پر تقریباً ساسی تحریریں ہیں جو فن طب کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ ان تحریروں کا ماحصل یہ ہے کہ بیماری کی تہہ تک پہنچنے کے لئے صحیح اصولوں کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ طب کے پیشے میں شرافت اور ایمان داری پر زور دیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں بعض ایسے اقوال ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثلاً شدید بیماری کا علاج بھی شدید ہوگا۔

”ایک آدمی کی غذا دوسرے کے لئے زہر ثابت ہو سکتی ہے۔“

بقراط کے زمانے تک ہر بیماری کو پالو دیوتا کے تیریا آسیب کا اثر قرار دیا جاتا تھا ان توہمات کو یکسر نظر انداز کر کے بقراط نے بیماری کو طبی قرار دیا۔ مثال کے طور پر مرگی کو ”مقدس بیماری“ قرار دیا جاتا تھا۔ جس کے دورے کے دوران انسان کو کسی دیوتا یا آسیب کے قبضے میں بتایا جاتا تھا۔ بقراط نے مرگی اور دوسرے کئی امراض کو صحیح عقل موضع پیش کی جس سے فن طب کو صحیح علمی اساس فراہم ہوئی اور اس طرح فن طب کو دیو مالا اور توہم پرستی سے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر لایا گیا۔

حلف بقراط

میں اپنا لطیف کی قسم لھاتا ہوں اور دیتا ایس کپڑوں کی اور صحت کی اور (زخموں کے) منڈل ہو جانے کی، کہ میں اس حلف اور عہد نامے کی اپنی قابلیت اور مشاہدے کے مطابق پابندی کروں گا اور اس شخص کے ساتھ کہ جس نے مجھے طبابت کا فن سکھایا جو مجھے اور میرے والدین کو یکساں عزیز ہے، اچھا سلوک کروں گا اور اسے اپنے مال و متاع میں شریک رکھوں گا اور اگر ضرورت پیش آئی تو اس کی ضرورتوں کی کفالت کروں گا۔ اس کی اولاد کے ساتھ بہن بھائیوں جیسا سلوک کروں گا اور اگر وہ چاہیں تو انہیں بغیر کسی شرط اور اجرت کے فن طبابت کی تعلیم دوں گا اور یہ کہ میں بیکھر اور تمام دیگر زرائع سے طب کی تعلیم اپنے شاگردوں کو، اپنی اولاد کو اپنے استاد کی اولاد کو دوں گا، اور اس عہد نامے کی رو سے اور علم الادویہ کے قوانین کے مطابق اس بات کا پابند ہوں گا کہ میں ہمیشہ وہ طریقہ علاج اختیار کروں گا کہ جس سے مریض کو فائدہ پہنچے۔ ہر اس طریقہ علاج سے اجتناب کروں گا۔ جو مصرتحت اور مسند ہوگا۔ اور کسی کے کہنے سے کسی کو خطر نہ آئے کہ یہ نہیں دوں گا نہ ہی کسی کو ضرر رساں مشورہ دوں گا۔ اسی طریق پر چلتے ہوئے کسی خاتون کو ایسی ادویہ فراہم نہیں کروں گا جو اسقاط حمل کا موجب ہوں۔ میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ ہمیشہ سادہ اور پاکیزہ زندگی گزاروں گا۔ کسی گھر میں داخل ہوں گا تو صرف مریض کی بہتری کے لئے بد عنوانی اور بے ایمانی پر مبنی ہر کاروائی سے اجتناب کروں گا۔ نہ کسی مرد یا کسی خاتون کو ورغلاؤں گا اور نہ کسی کو بدقتشی کی ترغیب دوں گا بشمول آزاد اور غلام انسانوں کے اور نہ ہی جس بات سے کسی کا راز افشاں ہوتا ہو۔ وہ کسی پر ظاہر کروں گا۔ اور جب تک میں اس حلف کا پابند رہوں گا۔

420 ق م۔۔۔۔۔ دنیا کے اولین ایٹمی ماہرین یا مفکرین

قدیم یونان میں نظریہ اتم یا جوہریت کے دو بنی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیویس پس اور ڈیموقریٹس Leucippus & Democritus۔ ان دونوں کے کارنامے اور شخصیت اتنی جڑواں ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ میں ان دونوں کا ذکر ہمیشہ ایک ساتھ آتا ہے۔

لیوسی پس کا زمانہ مورخین 440 ق م کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔ وہ ملیطس سے آیا اور اس نے اس شہر سے وابستہ عقلی فلسفہ سائنس کو آگے بڑھایا۔ وہ پازرینڈا نڈ اور زینو سے متاثر تھا۔ اگرچہ اپنی کیورس کے خیال میں جو ڈیما قریطلس کا شاگرد تھا اس کی شخصیت خیالی ہے مگر ارسطو کے ہاں اس کے بہت سے فکری حوالے ملتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تاریخی وجود تھا وگرنہ ارسطو جیسا اول درجہ کا مفکر اس کے فکری حوالے کیوں دیتا۔ ڈیما قریطلس زمانہ قدیم کی ایک زیادہ واضح شخصیت ہے۔ وہ یونانی ریاست تحرلیس کا رہنے والا تھا۔ جہاں تک اس کے عہد کا تعلق ہے مورخین نے 432 ق م قرار دیا ہے اس نے 420 ق م میں شہرت پائی کہتے ہیں کہ اس نے علم کی تلاش میں جنوبی اور مغربی علاقوں میں بہت سے سفر کیے۔ شاید وہ مصر میں بھی رہا اور اس نے بابل اور ایران کی سیاحت بھی کی۔ پھر واپسی یونان آ گیا اور لیڈرا Abdra، تحرلیس میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ وہ اپنے ہم عصر فلاسفر میں علمی اعتبار سے ممتاز اور اپنی ذکاوت اور راست فکری میں سب پر حاوی تھا۔ وہ سقراط اور سوفسطائی فلاسفر کا ہم عصر تھا ڈیما قریطلس خود لکھتا ہے کہ جب وہ التجنجر آیا تو اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس کے فلسفے کو ایک عرصہ تک نظر انداز کیا جاتا رہا۔ دیوجانس لائرٹس Diogenese Laertius اسے اتنا ناپسند کرتا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی تمام کتابیں جلادی جائیں۔ لیوس پس اور ڈیما قریطلس کے مشترک فلسفے کی بنیادی تصورات اول الذکر کے مرہون ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کی وضاحت کا تعلق ہے ان دونوں کو علیحدہ کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ان کا ایسی نقطہ نظر جدید زمانے کی سائنس کے ایسی نظریہ کے مطابق تھا۔ ان کا خیال تھا کہ (آج کے سائنس کے مطابق) ہر شے ایٹموں سے بنی ہے۔ اور ایٹم یا جوہر از روئے ہندسہ نہیں بلکہ مادی طور پر ناقابل تقسیم ہیں اور وہ ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں۔ ان کی تعداد لامحدود ہے اور تمام اقسام کے جوہر کی نوعیت ایک ہی ہے۔ وزن کے بارے میں ارسطو نے ڈیما قریطلس کا قول نقل کیا کہ ”کوئی ایٹم جتنا ناقابل تقسیم ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ اتنے قدیم زمانے میں انتہائی ایٹمی نظریہ پیش کرنا ان دونوں مفکرین کا خاصہ تھا انہیں ہم بجا طور پر ”اولین ایٹمی مفکر کہتے ہیں“۔

اس سورج گرہن کا بھی ذکر کرتا ہے جو 3 اگست 431 ق م کو ایتھنز میں نظر آیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی تاریخ دان نے اپنی کتاب میں سورج گرہن کا مکمل حال بیان کیا ہوا اس کشف میں سورج 718 حصہ گہنا گیا تھا۔ اس لئے وہ بیان کرتا ہے کہ دن کے وقت بعض ستارے نظر آنے لگے تھے۔ اسی طرح اس نے بری اور بحری جنگوں کا حال خوب طریقے سے بیان کیا ہے۔ اس کے نزدیک اس جنگ کا سبب خوف تھا جو ایتھنز کی توسیع پسندی سے سپارٹا پر طاری ہوا اور جس نے آخر جنگ کی شکل اختیار کر لی۔

تھیوسی ڈیڈیز نے اپنی اس تصنیف کے بارے میں دعویٰ کیا تھا کہ یہ امر ہو جائے گی آج پچیس سو سال ہو گزرنے کے بعد اس کا یہ دعویٰ بالکل درست ثابت ہوا کیوں کہ اسی تصنیف کی وجہ سے جنگ پیلو پونسیا آج بھی پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی تمدن کی عقلیت پسندی کی ایک غیر متزلزل یادگار کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔

410 ق م۔۔۔۔۔ تھیوسی ڈیڈیز اس کی تاریخ

تھیوسی ڈیڈیز Thucydides، قدیم یونان کے اکابر مورخین میں ایک اہم نام ہے، اس کے متعلق یہ کہا بالکل صحیح ہے کہ وہ عملی اور فلسفیانہ تاریخیات کا بانی ہے۔ 460 ق م کے لگ بھگ ایتھنز میں پیدا ہوا اور 395 ق م یا 400 ق م میں وفات پائی۔ آبائی وطن تھراکيا تھا جہاں اس کی موروثی جاگیر موجود تھی۔ اس کی جاگیر میں اس کی ذاتی سونے کی کانیں بھی شامل تھیں۔

431 ق م میں ایتھنز اور سپارٹا میں جنگ چھڑ گئی جسے تاریخ میں جنگ پیلو پونسیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تھیوسی ڈیڈیز نے اس جنگ میں ایتھنز کی طرف سے حصہ لیا۔ اس دوران 429 ق م میں جب ایتھنز میں طاعون یا خسرہ کی وبا پھیلی تو تھیوسی ڈیڈیز بھی اس کا شکار ہوا مگر وہ ان چند خوش نصیبوں میں شامل تھا جو کچھ دن صاحب فراش رہ کر مصیبت بھاگے۔ اسی جنگ کے دوران تقریباً 424 ق م میں وہ تھراکيا کے ساحل کے قریب ایک بحری دستہ کے سالار کے طور پر متعین تھا کہ اسے خبر ملی کہ تھراکيا کے اہم شہر، اٹلی پولیس پر سپارٹا کا ایک جنرل حملہ کرنے والا ہے۔ تھیوسی ڈیڈیز نے فوراً اس طرف کا رخ کیا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس شہر کا سقوط عمل میں آچکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ایتھنز کے حکمران اس کی اس ناکامی کو کبھی معاف نہ کریں گے بلکہ اسے سزا دی جائے گی جو سزائے موت یا جلاوطنی سے کم نہ ہوگی۔ اس خیال سے اس مہم میں ناکامی کے بعد اس نے رضا کارانہ طور پر خود جلاوطن ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس جلاوطنی کے دوران وہ کہاں کہاں گیا اس کا سراغ نہیں ملتا مگر یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اپنی اس جلاوطنی کے دوران اس نے اپنی تواریخ کے لئے مواد اکٹھا کیا۔ بیس سال کے بعد وہ تقریباً 404 ق م میں ایتھنز واپس لوٹا لیکن واپسی کے بعد اسے موت نے زیادہ مہلت نہ دی اور تقریباً پانچ سال بعد اس کا انتقال ہو گیا جنگ پیلو پونسیا پر اس کی تاریخ کا شمار دنیا کی بلند ترین ادبی بلکہ علمی کتب عالیہ میں ہوتا ہے۔

چونکہ تھیوسی ڈیڈیز خود پیلو پونسیا جنگ میں شریک تھا۔ اس لئے اپنی فراست علمی سے اس نے آغاز ہی میں یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یہ ایک عظیم جنگ ہوگی جس کی ماضی میں کوئی مثال نہ مل سکے گی۔ اس لئے وہ خود کہتا ہے کہ اس خیال سے اس نے جنگ چھڑے ہی اس کا احوال قلم بند کرنے پر توجہ دی۔ اور یوں مواد جمع ہونے لگا۔

اس کا عزم تھا کہ وہ اپنی اس تاریخ میں جنگ کے اختتام 404 ق م تک کے واقعات کا اندراج کرے گا مگر وہ صرف 411 ق م تک کے واقعات کا حال لکھ پایا۔ ابتدائے کتاب میں اس نے قدیم ترین ایام سے لے کر خود اپنے زمانے تک کے یونانی معاشرے کے ارتقا پر مختصر بحث کی ہے۔ اس کے بعد واقعات کو اس نے سال بہ سال کی ترتیب دی ہے۔ وہ سال کو موسم گرما اور موسم سرما میں تقسیم کرتا۔ اس کی وجہ وہ بڑے بڑے فوجی اقدامات تھے جن کے لئے موسم گرما ہی سازگار ہو سکتا تھا۔ اس کی تاریخ میں طاعون ایتھنز (430 تا 425) کا بیان بھی نہایت خوب ہے۔ یہاں تک کہ وہ

401 ق م۔۔۔۔ اردشیر دوم اور کوروش اصغر میں پھٹلش

دار یوش دوم کی ملکہ پری سی چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا کوروش اصغر ولی عہد نامزد کیا جائے مگر دار یوش دوم نے ملکہ کی خواہش کو رد کرتے ہوئے اپنے دوسرے بیٹے ارشک Arsaces - کو ولی عہد نامزد کیا وہ اس کی وفات پر 404 ق م میں اردشیر دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔

اردشیر دوم کی رسم تاجپوشی بازار گد میں ادا ہوئی۔ کوروش اصغر کو یہ کب گوارا تھا کہ اردشیر دوم تاج پہنے اور وہ محروم رہ جائے چنانچہ اس نے مین تاجپوشی کے دن اردشیر پر حملے کی ٹھانی۔ ایک درباری امیر تسافرن نے اس کے فاسد ارادے سے اردشیر دوم کو آگاہ کر دیا اس پر کوروش کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے قتل کا حکم جاری ہو گیا مگر مادر ملکہ پری سی آڑے آئی اور کوروش کی جان بخشی کروا کر اسے ایشیائے کوچک کا حکمران بنا کر بھیج دیا گیا۔ کوروش وہاں جا کر بھی خاموش نہیں بیٹھا۔ اس نے اپنے تجربہ کار یونانی جرنیل کلاچس کو ایک بڑا لشکر تیار کرنے پر مامور کیا اور یونانی کرائے کے گوریلے بھرتی کرنے کا حکم دیا۔

کوروش اصغر کی غیر معمولی فوجی تیاریوں کو دیکھ کر اس مرتبہ بھی تسافرن نے بادشاہ کو خبردار کیا۔ ادھر کوروش اپنے لشکر کے ساتھ شام کے حکمران ایر کو مار حملہ کرنے کے بہانے نکلا۔ جب اس کی فوج کو پتہ چلا کہ اس کا ارادہ شہنشاہ ایران سے لڑنے کا ہے تو فوج میں بددی بھیل گئی مگر کوروش زرو مال کی ترغیب سے انہیں آگے بڑھنے پر آمادہ کیا۔

401 ق م میں کوروش بابل کی حدود میں میسو پوٹیمیا (عراق) میں داخل ہو گیا اور کوناسا Cunaxa کے مقام پر اس کے لشکر کا مقابلہ شہنشاہ کی افواج سے ہوا۔ یونانی اجیر بڑی بہادری سے لڑے قریب تھا کہ قسمت کا پانسہ پلٹ جائے اور یونانی ایرانیوں پر غالب آجائیں کہ لڑتے لڑتے کوروش ایک نیزہ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ کوروش کے مرنے کی خبر نے اس کے لشکر کی کمر توڑ دی۔

مزید براں ایرانیوں نے یونانی لشکر کے سپہ سالاروں کو صلح کی بات چیت کے بہانے ہلاک کر دیا۔ یونانی سپہ نے انتہائی مایوسی اور نامرادی کی حالت میں راہ فرار اختیار کی۔

دس ہزار یونانی اجیر زینفون کی قیادت میں ایشیائے کوچک کی یونانی ریاستوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی جان بچی۔ زینفون ایک یونانی مورخ تھا۔ اس نے بعد ازاں جو تاریخ مرتب کی اس میں اس واقعہ کو خاص اہمیت دی۔ اس داخلی ایرانی جنگ میں سپارٹا نے معاہدہ صلح کو بالائے طاق رکھ کر باغی شہزادے کی مدد کی جس کی وجہ سے سپارٹا اور ایران کے درمیان معاہدہ صلح ٹوٹ گیا۔ اس پر سپارٹا کے حریف ایتھنز نے ایرانیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنا بحریہ ایرانی بحریہ میں شامل کر دیا۔ اہل سپارٹا کوئی چار کار نظر نہ آیا تو انہوں نے ایران سے پھر مصالحت کر لی۔

399 ق م۔۔۔۔ دنیا کا پہلا شہید علم و حکمت

399 ق م کے موسم بہار کی ایک رات کا آخری پہر ہے۔ ایتھنز کے قید خانہ کے داروغہ سے ایک شخص سرگوشی میں ایک قیدی کی رہائی کا سودا کر رہا ہے۔ جب یہ معاملہ طے ہو جاتا ہے کہ وہ شخص اس قیدی کے پاس آ کر اسے قید خانے سے فرار ہو چلنے کا کہتا ہے۔ جواب میں وہ قیدی کہتا ہے۔ ”کراسٹو کیا جیل سے بھاگنا قانون شکنی نہ ہوگا۔ یاد رکھو مجھے ایتھنز نے سزائیں دی ایتھنز کے حکمرانوں نے دی ہے۔ کیا میرے فرار کے بعد وہ اس فیصلے میں حق بجانب نہ ہونگے کہ میں واقعی مجرم تھا۔ کیا ان کا وہ فیصلہ جو میری سزائے موت کا فیصلہ ہے پھر ایک بے گناہ کی بجائے ایک مجرم کی سزائے موت کا فیصلہ نہ بن جائے گا۔ قید خانے سے فرار نہ ہونے کا فیصلہ کرنے والا یہ بہادر قیدی مشہور زمانہ یونانی فلسفی سقراط تھا۔ اور قید خانے سے فرار کا انتقام کرنے والا اس کا شاگرد کراسٹو۔ پھر اس دن سورج ڈھلنے کے بعد سقراط نے دروغہ جیل کو خود وہ زہر کا پیالہ لانے کا کہا جو اس کا مقدر تھا۔

حکامات افلاطون میں فیدو کے حوالے سے افلاطون لکھتا ہے کہ جب سقراط کو زہر کا پیالہ پکڑا گیا تو اس نے استراط کے ہاتھوں کی طرف دیکھا کہ کہیں کانپ تو نہیں رہے لیکن یہ دیکھ کر فیدو کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سقراط نے اپنے شاگردوں سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ بے خوف و خطر بڑھا کر جیل کے دروغہ سے وہ جام زہر بلا بلل لے لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی بے نوش ساقی سے جام شراب لے رہا ہو۔ اس کے ہاتھ میں ذرا بھی جھنجھٹ نہ ہوئی نہ اس پر کسی قسم کا کوئی خوف طاری ہوا۔ پھر سقراط نے دروغہ جیل سے پوچھا کہ تم اس زہر سے سینکڑوں افراد کو سزائے موت دے چکے ہو۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ اس کے پینے سے جلد از جلد موت کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔ دروغہ نے بتایا کہ اگر اس ساغر موت کو پی کر کوئی شخص ٹھلنا شروع کر دے تو جلد ہی یہ زہر اس کی نس نس میں سرایت کر جائے گا اور وہ شخص راہی عدم ہو جائے گا۔

سقراط نے مسکراتے ہوئے خدا سے مغفرت طلب کی اور پھر پیالے کو منہ سے لگا لیا۔ جیسے ہی پیالہ خالی ہوا اسے زمین پر رکھ کر سقراط ٹھلنے لگا۔ جب اسے اپنی ٹانگیں بوجھل ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں تو وہ زمین پر لیٹ گیا اور اس نے اپنے چہرے پر کھل ڈال لیا۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ایک شاگرد اپالوڈورس کی چیخیں نکل گئیں۔ سقراط نے لیٹے لیٹے اس کو رونے سے منع کیا اور کہا کہ اسی وجہ سے میں نے زینی تھپی (سقراط کی بیوی) کو جیل سے باہر بھجوا دیا تھا کہ وہ رورو کر میری موت کو خراب کر دے گی مگر تم جوان ہوتم کیوں میری موت کو بد صورت بنانا چاہتے ہو۔ صبر کرو مردوں کو خاموشی سے مرنا چاہیے۔ پھر سقراط نے اپنے چہرے سے کھل ہٹا کر اپنے شاگرد کراسٹو کو اپنی آخری وصیت کی جو اسی کھلو پس دیوتا کو ایک مرغ نذر کر دینے کے بارے میں تھی۔ جیسے ہی کراسٹو نے یقین دلایا کہ اس کی وصیت پوری ہوگی دنیا کا یہ پہلا شہید علم و حکمت اطمینان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا مگر سچائی اور علم و حکمت کی شمع ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔

دنیا کا عظیم فلسفی اور اتھینز کے معاشرے کی ممتاز عدنی شخصیت سقراط 469 ق م میں اتھینز کے محلہ ایلوپیک میں ایک سنگتراش سوفرونیکس Sophroniscus کے ہاں پیدا ہوا۔ سقراط کی والدہ کا نام فارینی Phaenarete تھا۔ وہ اتھینز میں دایہ گیری کا کام کرتی تھی۔

سقراط نے اپنے مستقبل کا آغاز اپنے آبائی پیشے سنگتراشی سے کیا۔ لیکن جلد ہی وہ فلسفے کی طرف مائل ہو گیا۔ ابتداء میں اسے طبعی فلسفے سے لگاؤ تھا۔ بعد ازاں وہ ایک ایسے ضابطہ حیات کی تشکیل میں کھو گیا جو اس کے نزدیک انسانوں کے لئے سب سے مستحسن قرار دیا جاسکے۔

سقراط کی ازدواجی زندگی کچھ زیادہ کامیاب اور آسودہ حال نہیں تھی۔ جوانی میں سقراط نے ایک میرٹو Mgrto نامی ایک خاتون سے شادی کی تھی جو جلد ہی طاعون کا شکار ہو کر داغ مفارقت دے گئی۔ خاصی عمر کا ہو جانے کے بعد سقراط نے اتھینز کی ایک مشہور خاتون زینی تھپے Xamnthipe سے دوسری شادی کی۔ زینی تھپے کی بد مزاجی اور زبان درازی کے افسانے پورے اتھینز میں مشہور تھے۔ اس کی زبان درازی کی وجہ سے پورے شہر میں اس سے کوئی شادی کے لئے تیار نہ تھا۔ سقراط جیسے صابر اور فقیر منش انسان کو گھر گریستی کے لئے ایک خاتون کی ضرورت تھی اس لئے اس نے زینی تھپے کی بد مزاجی کے باوجود اسے قبول کیا۔

ایام جوانی میں سقراط نے اتھینز کے لئے فوجی خدمات بھی انجام دیں۔ کئی جنگوں میں اس نے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ایک فوجی ہم کے دوران وہ برف پر نچنے پاؤں ہی سفر کرتا رہا۔ لیکن فوجی مہمات کے علاوہ وہ کبھی اتھینز سے باہر نہ گیا۔ بس اتھینز ہی میں رہتے ہوئے وہ گھوم پھر کر لوگوں سے اعلیٰ اور ادنیٰ کی تخصیص کے بغیر، ان کے عقائد اور اخلاقی تصورات کے بارے میں سوال جواب کرتا۔ یہی اس کا مخصوص انداز تھا جس سے وہ لوگوں کے علم میں اضافہ کرتا تھا۔ مگر اس کا یہ طریقہ کار لوگوں کو ناگوار گزرتا تھا۔ یہی طریقہ سقراطی استہزایا طنز سقراط کہلاتا ہے۔ اس میں سقراط کا مخاطب اپنی جہالت کا خود اقرار کر لیتا تھا۔ شاید سقراط کے اسی طریقہ کار سے زنج ہو کر ارسٹوفینیز کی اس دشمنی پر کمر بستہ ہوا تھا۔ اتھینز کے نوجوانوں کو سقراط کا یہ طریق کار بہت پسند تھا۔ مگر اس طریقہ کار سے جن لوگوں کو نمود نمائش، جھوٹی شان و شوکت اور سطحی پن کی قلعی کھلی وہ سب جلد ہی اس کے دشمن بن گئے۔ ان لوگوں میں اتھینز کی بہت سی اعلیٰ شخصیات شامل تھیں۔

انہیں دنوں ڈیلمی کے ہاتھ کدہ سے کسی نے استفسار کیا کہ کیا کوئی آدمی سقراط سے زیادہ دانش مند بھی ہے۔ جواب ملا کوئی نہیں اس جواب نے سقراط کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ دیوتا غلط بیانی نہیں کرتے مگر انکساری سے کام لیتے ہوئے وہ خود کو ہمیشہ ایسا شخص سمجھتا تھا جو دانش کی الف، ب سے بھی واقف نہیں۔ اس لئے اس نے اس بات سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہاتھ ان کے اس کا نام محض اس لئے لیا ہے کہ وہی شخص سب سے زیادہ دانشمند ہے جو سقراط کی طرح اپنی کم مائیگی اور کم علمی کا ادراک رکھتا ہو یا دوسرے لفظوں میں خود کو پہچانتا ہو۔

399 ق م میں ریاست کے اہم عہدہ داروں نے اپنی جھوٹی شان و شوکت کی قلعی کھولنے پر ہلا خ سقراط پر یہ فرد جرم عائد کیا کہ وہ نوجوانوں کا اخلاق بگاڑ رہا ہے اور اتھینز کے دیوتاؤں کی بجائے اپنے خود ساختہ خداؤں پر ایمان رکھتا

ہے۔ سقراط کے خلاف اس معاملے میں عدالتی کارروائی کے لئے پانسو ایک 501 شہریوں کا قرعہ اندازی کے ذریعے انتخاب کر کے انہیں جیوری قرار دے دیا گیا۔ اس جیوری میں سے بیس ارکان کو جج منتخب کر لیا گیا۔ ان بیس ججوں میں سے 12 نے سقراط کے لئے سزائے موت تجویز کی جب کہ باقی آٹھ ارکان نے سقراط کے حق میں فیصلہ دیا اکثریت کے فیصلے کے سامنے صدا صحرا ثابت ہوا۔

اپنے خلاف مقدمے میں صفائی خود سقراط نے پیش کی اور مدلل دلائل سے ثابت کیا کہ وہ لوگوں کا اخلاق بگاڑنے والا نہیں بلکہ ایک مصلح ہے کہ وہ ملحد نہیں بلکہ اتھینز کے دیوتاؤں پر ایمان رکھتا ہے۔

مگر جب رائے شماری ہوئی تو جیوری کے 281 ارکان نے اسے مجرم قرار دیا۔ اور 220 ارکان نے اپنے ووٹ کے ذریعے اس کی بریت کا اعلان کیا۔ پھر جب اس کی سزا کے لئے رائے لی گئی تو پانسو ایک ارکان میں سے تین سوائے سزائے موت کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور یوں اتھینز کی ان اعلیٰ شخصیات نے اسے اپنی جاہلیت بے نقاب کرنے کا انتقام لے لیا۔

اکثریت کے اسی فیصلے کی اطاعت کرتے ہوئے سقراط نے جیل سے فرار ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کیا میں قوانین کی اطاعت نہ کروں جنہوں نے اب تک مجھے تحفظ فراہم کیا ہے؟

اتھینز کے قوانین کے مطابق مجرم کو 24 گھنٹے کے اندر اندر زہر کا پیالہ پلا کر سزائے موت دے دی جاتی تھی مگر سقراط کو سزائے موت عدالتی فیصلے کے ایک ماہ بعد دی گئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عین سقراط کو سزائے موت دیے جانے والے دن اس متبرک جہاز کی روانگی عمل میں آئی جسے اہل اتھینز سالہا سال سے ہر سال جزیرہ ڈیلوس کی طرف بھیجا کرتے تھے۔ اس جہاز کی واپسی تک مجرموں کی سزائیں موقوف کر دی جاتی تھیں۔ اسی جہاز کی واپسی تک سقراط کی سزائے موت پر عملدرآمد بھی موقوف کر دیا گیا۔ سقراط اس دوران قید خانے میں رہا جہاں اس کے دوست اور شاگرد اکثر اس سے ملنے آتے اور سقراط ان سے بالکل اس طرح گفتگو کرتا جیسے عدالتی فیصلے سے پہلے کیا کرتا تھا۔ پھر وہ دن آپہنچا جس دن جہاز کی آمد متوقع تھی۔ سقراط کے دوستوں نے جن میں کراسٹوس فرست تھا اس کو قید خانے سے فرار کرانا چاہا مگر سقراط جیسے با اصول شخص کو یہ بے اصولی بھلا کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ اس نے سچائی، علم اور اصول پسندی کے نام پر موت کو ترجیح دی۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ سقراط جیسے عظیم فلسفی نے پوری زندگی میں کوئی کتاب تصنیف نہ کی اور نہ ہی کوئی تحریر چھوڑی۔ افلاطون کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے ”مکالمات افلاطون“ لکھ کر حق شاگردی ادا کرتے ہوئے سقراط اور اس کے فلسفے کو ہمیشہ کے لئے امر کر دیا۔

زینوفون Xenophone نے بھی اپنی کتاب Memorablelia میں سقراط کے افکار کو بیان کیا ہے مگر اس سلسلے میں جو مقام افلاطون کو حاصل ہوا وہ زینوفون کو نڈل سکا۔

سقراط کی زندگی کا نصب العین جاہل اور گمراہ لوگوں کو جو اس معاشرے میں بزم خود عالم و حکیم تو بنے بیٹھے تھے مگر علم و حکمت سے نا آشنا تھے۔ انکی جہالت اور گمراہی سے آشنا کرنا تھا۔ کیونکہ جب تک انسان کو اپنی جہالت اور گمراہی کا احساس و شعور نہیں ہوتا۔ اس میں علم و حکمت اور رشد ہدایت کی آرزو بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی سقراط کے فلسفہ کا نچوڑ اور

ماصل ہے۔ سقراط مغربی دنیا کا وہ پہلا عظیم المرتبت فلسفی تھا۔ جس کو عالمگیر شہرت کو بقاء کے دوام نصیب ہوئی۔ ایک مفکر و فلسفی کی حیثیت سے اس کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حقیقت تک پہنچنے کے لئے یونانی فکر کو سب سے پہلے جدلیاتی طریقے Dialectical سے روشناس کرایا اور فلسفہ یونان کی جہت درست کردی۔

ماخذ

سرگزشت فلسفہ جلد دوم، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فیروز سنز لاہور۔ داستان فلسفہ دل ذیورانت ترجمہ سید عابد علی گلشن ہاؤس لاہور۔ مشاہیر ادب، محمد سلیم الرحمن، قوسین لاہور۔ پیہر عقل و خرد، سقراط، محمد اسلم گورداسپوری دستاویز لاہور۔ یونان کا ادبی ورثہ احمد عقیل روہی الوقار پبلیکیشنز لاہور۔

Encyclopeadia Britannica Vol=27

Encyclopedia Amricana Vol=25

سقراط نے اس سے پہلے درودغہ جبل سے زہر کا پیالہ لینے کے بعد چند قطرے کسی دیوتا کے نام پر گرانے کی اجازت چاہی مگر درودغہ نے اسے بتایا کہ زہر صرف اتنا تیار کیا جاتا ہے۔ جتنے کی ضرورت ہو۔ لہذا وہ اس مرکب کا زیاں نہ کرے۔

387 ق م۔۔۔ افلاطون اور اس کی اکیڈمی کا قیام

جنگ پیلوپونیز کے دوسرے یا تیسرے سال، 428/27 ق م اتھنز میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جو اپنے فلسفہ کی اہمیت کی وجہ سے آج 2500 سال بعد بھی زندہ ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں جو فاسٹ اور کیونٹ سیاسی فلسفے منظر عام پر آئے تھے وہ اسی کے فلسفہ سے متاثر تھے۔ اتھنز کے اس عظیم سپوت کو افلاطون Plato کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس کا پیدائشی نام ارطوقلیس Aristocles تھا۔ فلاسفہ مغرب میں اسے سقراط کے بعد اور ارطوطو سے پہلے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے باپ کا نام ارشٹن Ariston تھا۔ جو یونان کے طبقہ امراء سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی طرح اس کی ماں، پرکشنے Perictione کا تعلق بھی اتھنز کے ایک اہم خاندان سے تھا۔ افلاطون ابھی چند سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔ اس کا سوتیلہ باپ، پیری لیمپس Perylampes ایک مشہور سیاسی راہنما اور پیری کلیر کا قریبی دوست تھا۔

امیرانہ ماحول میں پرورش پانے کے بعد ارطوقلیس جب جوان ہوا تو اپنے چوڑے چکلے شانوں کی وجہ سے عرف عام میں ”افلاطون“ کہلایا۔ اس نے ایام جوانی میں کھیلوں اور جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کی جوانی کا سب سے اہم واقعہ جنگ پیلوپونیز تھی۔ اس جنگ میں اس نے سپارٹا کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور گھڑ سوار فوج میں شاندار خدمات انجام دیں۔

خاندانی طور پر وہ اتھنز کی سیاسیات میں عملی حصہ لینے کا خواہاں تھا مگر لگا تار کئی ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے وہ سیاست اور جمہوریت سے متنفر ہو گیا۔ 404 ق م میں جنگ پیلوپونیز کے اختتام پر جب ”تیس قاتلوں“ کا ٹولہ برسر اقتدار آیا تو اس میں اس کے نزدیکی عزیز چچا اور ماموں بھی شامل تھے۔ عین ممکن تھا کہ افلاطون بھی رجعت پسندوں کے اس ٹولے میں شامل ہو جاتا مگر ان لوگوں کے ظلم اور دہشت نے افلاطون کو اقتدار سے دور رکھا۔ کچھ مدت بعد جب جمہوریت بحالی ہوئی تو جمہوریت کے دعویداروں نے ان کے چہرے سے اچھائی کے مصنوعی خول اتارنے کے جرم میں اس کے استاد اور قریبی دوست سقراط کو سزائے موت دے دی۔ اس سانحہ کے نتیجے میں افلاطون کے دل میں جمہوریت کے خلاف نفرت اور حقارت کا ایسا طوفان اٹھا کہ وہ جمہوری حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگا۔

افلاطون کے مزاج کی تشکیل میں سقراط کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے سقراط کو استاد بھی مانا اور دوست بھی سمجھا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے جوانی میں چند المیہ ڈرامے بھی لکھے تھے مگر سقراط کے زیر اثر آنے کے بعد انہیں ضائع کر دیا۔ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو کر افلاطون فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سقراط کی موت کے بعد اتھنز کی جمہوری حکومت اسے شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگی اور قریب تھا کہ سقراط کی طرح اسے بھی کسی جھوٹے الزام میں گرفتار کر لے کہ اس کے یہی خواہوں نے اسے اتھنز کو چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ افلاطون نے دوستوں کی رائے قبول کرتے ہوئے میگاراکارخ کیا جہاں

وہ کچھ عرصہ اپنے دوست اقلیدس Euclides کے ساتھ رہا اور اس نے اپنے مشہور زمانہ مکالمات لکھنے کا آغاز کیا بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کے بعد اس نے مصر میں شخصی حکومت کی شان و شوکت اور اس کی ثقافتی اور تمدنی زینت و نظر افزائی دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا اور ایک مثالی حکومت کے خواب دیکھنے لگا۔ جس کی تعبیر اس کی ”جمہوریہ“ میں ملتی ہے۔ مصر جیسے قدیم تہذیب کے حامل ملک کی سیاحت سے اس کی فکر و نظر میں خاصی وسعت پیدا ہوئی۔

338 ق م میں افلاطون نے شمالی اطالیہ کا سفر کیا جہاں وہ تارنٹم Tarentum کے میز آرکیٹاس Archytas سے ملا جو فیثا غورث کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی سفر میں وہ اطالیہ سے سسلی پہنچا جہاں اسے سیرا کیوز کے آمر دیونیسیوس کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی۔ وہاں اس کی ملاقات دیونیسیوس کے برادر بستی دیون Dion سے ہوئی۔ دیون نے افلاطون کے فلسفیانہ خیالات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جب کہ خود دیونیسیوس اسے خاطر میں نہ لایا۔ کہتے ہیں کہ افلاطون کی تنقید و اصلاح سے دیونیسیوس اس قدر تنگ آ گیا کہ اس نے اسے سسلی سے نکال کر ایتھنز جانے والے ایک بحری جہاز پر سوار کر دیا۔ اس جہاز پر سپارٹا کا سفیر بھی سوار تھا۔ اس سفیر نے افلاطون کو راستے میں آئی گینا Aegina کے جزیرے پر اتار کر غلاموں کی منڈی تک پہنچا دیا۔ وہاں اتفاقاً ایک دوست نے اسے پہچان لیا اور خرید کر آزاد کر دیا۔ 387 ق م میں تقریباً 12 سال کی سیاحت کے بعد وہ واپس ایتھنز پہنچا۔ بعض مؤرخین کے مطابق اس نے اپنے اس سیاحتی دورے میں ہندوستان میں دریائے گنگا تک کا سفر کیا اور ویدانت کا علم بھی حاصل کیا۔ اپنے اسی مشاہدے و تجربے کی بنیاد پر اس نے اب ملک کی سیاست سے عملی طور پر دور رہ کر ایتھنز کے شہریوں میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اس نے اپنی اکادمی (387 ق م) کی بنیاد رکھی۔ یہ دنیا کا پہلا مستقل علمی ادارہ تھا جو تعلیم اور تحقیق کے لئے وقف تھا۔ اسے تمام مغربی یونیورسٹیوں کا نقش اول قرار دیا جاسکتا ہے۔ اکادمی میں فلسفہ کے علاوہ ریاضی، قانون اور سیاسی نظریات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسی ہی ایک تربیت گاہ معروف یونانی خطیب ایسوکراتیس نے بھی قائم کی تھی مگر اس کی اکادمی میں صرف فن خطابت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ افلاطون کی اکادمی ایتھنز کے شمال مغرب میں واقع ایک باغ میں قائم کی گئی جہاں پہلے سقراط اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتا تھا۔ یہ ادارہ تقریباً نو سو سال تک قائم رہا۔ اور رومی شہنشاہ جہشٹین کے حکم پر تقریباً 529ء میں اس پر قدغن لگادی گئی۔

367 ق م میں سیرا کیوز کا حکمران دیونیسیوس اول فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا دیونیسیوس دوم کے نام سے حکمران ہوا۔ دیون کے اصرار پر ایک بار پھر افلاطون نے اپنے یونیویائی خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دیونیسیوس کی تربیت کے لئے سسلی کا سفر کیا لیکن دیونیسیوس دوم بھی اپنے مزاج کی وجہ سے افلاطون کی شاگردی نہ کر سکا۔ وہ افلاطون اور دیون دونوں کی میت پر شہ پہنچتا تھا۔ ثبوت یہاں تک پہنچی کہ آخر کار ان دونوں کو سیرا کیوز سے فرار ہوتے بنی۔ چند سال بعد دیون نے بغاوت کا علم بلند کر کے سیرا کیوز پر قبضہ کر لیا اور دیونیسیوس دوم کو جلا وطن کر دیا لیکن وہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا اور صرف تین سال بعد اس کے دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی افلاطون کی یہ سوچ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی کہ سیرا کیوز کے حکمران کو تربیت دے کر ایک مثالی فلسفی حکمران بنایا جاسکتا ہے جو اس کی ”جمہوریہ“ کے مطابق حکمرانی کر سکے۔

افلاطون نے ساری عمر شادی نہیں کی اور اپنی جملہ توانائیاں اکادمی کے لئے وقف کر دیں اس کی زندگی کے آخری سال مکمل طور پر تصنیف و تالیف اور پڑھنے پڑھانے میں بسر ہوئے۔ اس کے شاگردوں کی تعداد اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ وہ جہاں جاتا لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ افلاطون نے اسی برس کی میں انتقال کیا۔ اس کی موت کچھ یوں واقع ہوئی کہ ایک رات وہ اپنے شاگرد کی شادی پر مدعو تھا تمام رات جشن شادی بپا رہا۔

صبح کے قریب وہ کچھ آرام کرنے کے لئے ایک علیحدہ کمرے میں چلا گیا اور جب دیر تک واپس نہ آیا تو لوگ اسے جگانے کے لئے اس کے کمرے میں گئے۔ مگر وہ ابھی نیند سوچکا تھا۔ اس کی موت پر پورا ایتھنز اس کے سوگواران میں شامل تھا۔ اس کے جنازے میں شہریوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

افلاطون نے اپنی پوری زندگی صرف اس جستجو میں بسر کی کہ کسی نہ کسی طرح کچھ ایسا ناقابل شکست اخلاقی نظام پر مبنی کوئی مستحکم اور دیرپا سیاسی ضابطہ تشکیل دیا جاسکے جو اس دنیا کو جنت نظیر بنا دے۔ یہی اس کی تصنیف ”جمہوریہ“ کا مرکزی خیال ہے۔ افلاطون نے اپنے ان افکار کو عملی شکل دینے کے لئے بار بار سسلی کے چکر لگائے مگر ناکام رہا۔ افلاطون کی تصنیفات میں ”مکالمات“ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ”اعتذار“ Apology کو ملا کر ان کی تعداد چھپیس ہے۔ اس کا ہر مکالمہ اور مکالمے کا ہر حصہ اس کے عالمانہ طرز فکر پر دلالت کرتا ہے۔

افلاطون کو اپنے وطن اور اپنے استاد سے والہانہ محبت تھی۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس بارے میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”اللہ کا شکر ہے کہ میں وحشی نہیں، یونانی پیدا ہوا۔ غلام نہیں آزاد پیدا ہوا۔ عورت نہیں، مرد پیدا ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں سقراط کے عہد میں پیدا ہوا۔“

ازمات تک کہ اہم انسانی معاملات کا ذکر افلاطون نے کسی نہ کسی صورت میں ”جمہوریہ“ میں کیا ہے۔ انسانی تاریخ میں افلاطون ہی پہلا مفکر ہے جس نے عورت کو برابری کا درجہ دیتے ہوئے اس کو زندگی کے ہر شعبے میں جگہ (سوائے فوج) دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس سے پہلے کے معاشروں میں خواتین کو کم ترین سمجھا جاتا تھا۔

بہر حال ”جمہوریہ“ میں جہاں جہاں تعلیم اور اخلاقیات کو موضوع بنایا گیا ہے، اس حصے کی افادیت آج 2500 سال گزرنے کے باوجود مسلم چلی آ رہی ہے۔

”جمہوریہ“ پر ان گزشتہ صدیوں میں تنقید بھی ہوئی ہے بلکہ اتنی تکتہ چینی ہو چکی ہے کہ بعض اوقات اس کے حق میں دلائل دینا بڑا مشکل ہو جاتا ہے جمہوریہ میں پیش کئے گئے مثالی معاشرے کے متعلق تنقید نگاروں نے یہاں تک کہا ہے کہ افلاطون کا استاد سقراط بھی ایک دن کے لئے بھی اس میں قیام نہ کرتا بلکہ اگر وہ از خود رہنا بھی چاہتا تو اسے دھکے مار کر نکال دیا جاتا۔ لیکن ان تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ”جمہوریہ“ دنیا کی پہلی مثالی کتاب ہے جس میں فلسفہ زندگی اور فلسفہ حکومت کو پیش کیا گیا ہے۔

ماخذ

Plato. Republic, Penguin Books.

A Hart Michael, The Hunderd.

Devambez. A Dictionary Of Ancient Greek Civilization.

Durant, Will The Story Of Philosophy.

Asimov's Biographical Encyclopedia of Science Technology.

Encyclopedia Britannica Vol = 25

Encyclopedia Americana Vol =22

An Encyclopedia Of Wrold History, William L.Langer.

1000 Great Event.

سرگزشت فلسفہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فیروز سنز لاہور۔ مشاہیر ادب محمد سلیم الرحمن، قوسین سرکل روڈ لاہور۔ تاریخ جمالیات، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فیروز سنز لاہور۔ داستان فلسفہ از دل ڈیورانت مترجم سید عابد علی فنکشن ہاؤس۔ یونان کا ادبی ورثہ۔ عقل احمد روبی۔ مختصر تاریخ فلاسفہ یونان، ڈاکٹر ولیم نیسل ترجمہ نفیس اکیڈمی۔ تاریخ یونان قدیم، ایڈولف ہولم نفیس اکیڈمی کراچی۔ موسیٰ سے مارکس تک از سیط حسن، مکتبہ دانیال۔ تاریخ جمہوریت از شاہد حسن رزاقی۔ تاریخ انقلاب عالم از سید ابوسعید بزی۔

367 ق م۔۔۔۔۔ ارسطو، اکیڈمی سے رواں درگاہ تک

مشہور زمانہ یونانی فلسفی ارسطو Aristotle کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر موضوع پر رائے دے سکتا تھا۔ ارسطو دنیا کا وہ پہلا دانشور تھا جس نے اخلاقیات، حیاتیات، سیاسیات، طبیعیات، نفسیات، منطق اور جمالیات جیسے موضوعات پر لکھا اور ان علوم پر ابتدائی کام کیا۔

ارسطو، ایتھنز سے دو سو میل دور ریاست مقدونیہ کے ایک شہر ستاگیرا Stagira میں 384 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ نکومیکس Nicomachus طبیوں کی ایک تنظیم Asclepiadae کا رکن اور ریاست مقدونیہ کے حکمران امطاس Amyntas (جو سکندر اعظم کا دادا تھا) کا درباری طبیب اور دوست تھا۔ ارسطو ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ ارسطو کی زندگی کا پہلا اہم موڑ سترہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے جب وہ 367 ق م میں ایتھنز چلا آیا جہاں اس نے تحصیل علم کی غرض سے افلاطون کی اکیڈمی میں داخلہ لیا اور افلاطون کی شاگردی اختیار کی۔ اگلے بیس سال تک وہ اکیڈمی سے وابستہ رہا پہلے ایک شاگرد کی حیثیت سے پھر ایک معلم کے طور پر۔ افلاطون اس کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے اسے اپنی اکیڈمی کا روح رواں کہا کرتا تھا۔ لیکن کہتے ہیں کہ علمی سطح پر استاد شاگرد کے خیالات میں مکمل ہم آہنگی موجود نہ تھی۔ اکیڈمی کے نصاب میں ریاضی کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی تھی۔

سکندر اعظم کے باپ فیلیپس نے اسے سکندر کا استاد مقرر کیا تھا سکندر کو ارسطو نے ہومر پڑھایا سیاسیات کی تعلیم دی اور ایران دشمن رویہ اپنانے پر اکسایا۔ اگرچہ سکندر کی تخت نشینی کے بعد وہ شاید ہی اس سے ملا ہو مگر سکندر نے ایشیا بھر سے اس کے لئے علمی افادیت کی ایشیا مسلسل یونان بھیجوائیں جن کی مدد سے ارسطو نے دنیا کی پہلی حیاتیاتی اور نباتاتی تجربہ گاہ قائم کی۔ ارسطو اپنی تحقیق و تدبیر میں مصروف تھا کہ 323 ق م میں سکندر اعظم کی اچانک وفات کی اطلاع ملی ساتھ ہی اس کے دوستوں نے اسے مطلع کیا اب ایتھنز میں تمہارے لئے خطرہ ہے۔ سکندر اور مقدونیہ سے تمہارے تعلقات عوام کو تمہارے خلاف ابھارنے کے لئے کافی ہیں۔ یاد کرو کہ سقراط کو کس طرح جھوٹے الزام کی پاداش میں زہر کا پیالہ پینا پڑا تھا۔ اب اگر تمہیں جان عزیز ہے تو فوراً ایتھنز چھوڑ دو۔ باسٹھ سال کی عمر میں (323 ق م) ارسطو پر کفر و الحاد کا الزام لگایا گیا۔ لیکن دوستوں کی بروقت اطلاع اور سقراط کے انجام کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے ایتھنز کی آئینی رعایت سے فائدہ اٹھایا اور جلاوطنی کو موت پر ترجیح دیتے ہوئے جزیرہ ایوبوینا Euboea کے شہر کالکس میں رہنے لگا۔ پھر بھی موت سے دستگیری حاصل نہ کر سکا اور کالکس میں صرف ایک سال بعد (322 ق م) حوادث زمانہ سے دل برداشتہ ہو کر مایوسی کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

ہمدانی، تجربہ علمی اور خدمات کے لحاظ سے ارسطو تاریخ انسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کوئی ایک ہزار کتب تصنیف کیں جن میں سے بیشتر زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ارسطو کا ایک

طرح پیش کی ہے کہ گھر ہو یا گاؤں یا شہری ریاست سب کے قیام میں انسان کے مدنی الطبع ہونے کا جذبہ اشتراک کی خواہش اور ضرورت کو دخل ہے۔ اسی کتاب میں غلاموں کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اموال کے حاصل کرنے کے جائز اور ناجائز طریقوں پر بحث کی ہے۔ دوسری کتاب ایک تاریخی جائزہ ہے اس میں ارسطو نے افلاطون کے سیاسی افکار پر بھرپور تنقید کرتے ہوئے سپارٹا، کریت اور قرطاجہ کے آئین خصوصی طور پر زیر مطالعہ لائے ہیں۔ تیسری کتاب سیاسی مسائل صواب اور ناصواب آئینوں پر بحث کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے بعد ارسطو نے مختلف قسم کی حکومتوں اور حکمران جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے خصائص پر بحث کی ہے۔ ارسطو یہ بھی بتاتا ہے کہ انقلاب کیوں اور کس طرح آتے ہیں ان سے بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ اور مختلف سیاسی نظاموں کو برقرار رکھنے کے طریقے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ارسطو کے وضع کردہ قوانین اور اصول سیاست سے آج بھی اس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے جس طرح زمانہ قدیم میں کیا جاتا تھا۔ ارسطو کے جمہوریت کے بارے میں خیالات اور نظریات آج بھی قابل توجہ ہیں۔ اس کے نزدیک اجتماعی فیصلے، انفرادی فیصلوں سے زیادہ سودمند ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ قوانین کی بالادستی پر زور دیتا ہے اور بتاتا ہے قانون کی برتری سے ریاست میں امن و انصاف کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔ اپنی اس تصنیف میں ارسطو نے آج سے 2400 سال پہلے سیاست کے ایک باقاعدہ سائنس بن جانے کے امکانات پیش کئے تھے۔ آج تقریباً یہ علم ایک باقاعدہ سائنس کا درجہ حاصل کر چکا ہے اور اس کے بارے میں ارسطو کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی ہے۔

ماخذ

مشاہیر ادب (یونانی) از محمد سلیم الرحمن قوسین۔ تاریخ جمالیات از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فیروز سنز لمیٹڈ۔ دنیا کے عظیم سائنسدان از رقیہ جعفری، سرفراز اردو سائنس بورڈ۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول دوم شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ مختصر تاریخ فلاسفہ یونان از دہلیلم نیسل، نفیس اکیڈمی۔ تاریخ یونان قدیم ایدولف ہولم۔ نفیس اکیڈمی۔ دنیا کی سو عظیم کتابیں از ستار طاہر کارواں ادب ملتان۔ یونان کا ادبی ورثہ از عقیل احمد روبی، الو قاری پبلشرز۔ بھولی بھری کہانیاں (یونان) از مرزا ابن حنیف بیکن بکس۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

Aristotle's Politics Penguin Books. Will Durant, Story Of Philosophy.

Asimove's Biographical Encyclopedia. Encyclopedia Birtanica Vol=1.

Encyclopedia Americana Vol=2.

بڑا کارنامہ سکندر اعظم کی تخت نشینی کے بعد ایتھنز میں رواں درگاہ School Peripatetic کا قیام تھا اس درگاہ میں قطار در قطار ستون اور باغات تھے جن کے درمیان ارسطو چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اسی رعایت سے اس درگاہ میں تعلیم پانے والے مثالی Peripateties کہلاتے۔ اس درگاہ میں صبح سے دوپہر تک صرف طلباء کی تدریس کی جاتی۔ جب کہ سہ پہر کے وقت عام شہریوں کو بھی درس میں شرکت کی اجازت تھی۔ ارسطو نے اس درگاہ میں ایک لائبریری اور عجائب گھر بھی قائم کیا تھا۔ سائنسی تحقیق کے لئے بھی سہولتیں میسر تھیں۔ اسی وجہ سے رواں درگاہ کی فضا مجموعی طور پر سائنٹفک زیادہ اور فلسفیانہ کم تھی۔ ارسطو نے اپنے شاگردوں کو تاکید خاص کر رکھی تھی کہ وہ سائنسی نقطہ نظر کے حامل نمونے اکٹھے کریں تاکہ نئے علوم کی بنیاد رکھی جاسکے۔ ارسطو کی سب سے زیادہ شہرت علم الہیات اور اخلاقیات میں ہے۔ اس میدان میں اس کی اہم ترین تصانیف ”علم الہیات“ Metaphysics اور ”نیکو ماخوی اخلاقیات“ Nichomachean Ethics ہیں جن میں اس نے زندگی کا حرکی تصور پیش کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ زندگی ارتقاء، بالیدگی اور خلفی استعداد کی بجا آوری کا نام ہے۔ اس کی کتاب ”سیاسیات“ Politics بھی اہم ہے اس میں بھی زندگی کی یہی حرکی تصور کارفرما ہے۔ ارسطو کی فطانت سائنس اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ اس شعبہ میں ارسطو کی دو تصانیف اہم ہیں ایک ”شعریات“ Poetics یا یوٹیکا جو آج بھی ادب کے طلباء کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے اور دوسری ”ارسطو ریتقا“ Rhetoric جس کا موضوع خطابت پر وازی ہے۔

علم الحیاتیات پر بھی ارسطو کی دو تصانیف ہیں۔ ایک حیوانات کے اجزائے جسمانی پر On The Parts Of The Animals اور دوسری ”تاریخ حیوانات“ History Of Animals اس کتاب میں دیئے گئے زمینی ارتقا کے بارے میں اس کے خیالات ابھی بھی قابل قبول سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی سطح زمین کے اوپر پہاڑوں کے ابھرنے، موسموں کے تغیر تبدیل سے ان کی ٹوٹ پھوٹ اور سطح کا برابر ہو کر پہاڑوں کا پھر سمندر سے مل جانا۔ ارسطو کے خزانہ علم سے ہم نے ”سیاسیات“ کو منتخب کیا اور اگلے صفحات میں اس کے بارے میں کچھ معلومات درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے قارئین پسند فرمائیں گے۔

ارسطو کی ”سیاسیات“

ارسطو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا پہلا مفکر تھا جس نے سیاسیات کے موضوع پر قلم اٹھایا اور مختلف قدریں وضع کر کے اسے باقاعدہ علم کا درجہ دیا۔ علم سیاسیات پر اس کی باقاعدہ تصنیف Politics آج بھی موجود ہے۔ ارسطو کی اس تصنیف کا مزاج افلاطون کی ”جمہوریہ“ سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں ارسطو افلاطون کی طرح پر جوش انداز میں دلائل نہیں دیتا بلکہ ٹھنڈے اور متوازن انداز میں قاری کو قائل کرتا ہے۔

سیاسیات آٹھ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان آٹھ حصوں میں ارسطو نے ہر معاملے کو شہری ریاست کے حوالے سے دیکھا ہے۔ ارسطو نے اس کتاب میں انسان کو ”ایک سیاسی حیوان“ Political Animal قرار دیا ہے۔ اس اصلاح سے ارسطو کی مراد ”مدنی الطبع جاندار“ ہے۔ انسان کی یہی خصوصیت اس نے پہلی کتاب میں اس

کی ہے مگر چونکہ واقعات کی ترتیب تاریخ وار نہیں اس لئے قاری بعض واقعات کو بالکل واضح سمجھ نہیں پاتا۔ جنگ پیلو پونی سس کے واقعے تحریر کرنے کے بعد زینوفون ایٹینز کے حالات کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اور اس نے جنگ کے بعد ایٹینز کی حیرت انگیز بحالی کو درخور اعتنا نہیں جانا۔

چونکہ وہ بنیادی طور پر سپارٹا کا ولدادہ تھا۔ اس کا یہ رنگ اس کی تاریخ میں بھی جھلکتا ہے۔ مثلاً ایک اہم بحری معرکہ، جنگ کنی دوس کا ذکر شاید اس نے اس لئے نہیں کیا کہ اس معرکہ میں اہل سپارٹا اور اس کے اتحادیوں کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔

زینوفون سقراط سے ایک درجہ عقیدت رکھتا تھا اور اس کے حلقہ ارادت میں شامل تھا لیکن 399 ق م کے اہم واقعات میں اس نے سقراط کے مقدمے یا سزائے موت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح زینوفون نے تاریخ پر اپنے نظریات اور عقائد کا رنگ چڑھانے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ اس کی مثال اہل سپارٹا کے زوال کو ان کی خامیوں اور لعزٹوں کا نتیجہ بتانے کی بجائے قہر خداوندی قرار دینا ہے جو اس کے نزدیک سپارٹا والوں کو ان کی بد عہدی کی سزا دینے کے لئے نازل ہوا تھا۔

مآخذ

Encyclopedia Americana, Encyclopedia Britanica

مشاہیر ادب از محمد سلیم الرحمن

362 ق م۔۔۔ زینوفون کی "ہیلینیکا" Hellenica

زینوفون Xenophon (430 ق م - 354 ق م) قدیم یونان کا مورخ اور نثر نگار، ایٹینز کے نواح میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین کا تعلق طبقہ امراء سے تھا۔ متول گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے اسے شروع ہی سے سپہ گری اور شہسواری کا شوق تھا جو مرے دم تک قائم رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ علم کا ولدادہ بھی تھا اسی وجہ سے سقراط جیسے صاحب علم کا قرب نصیب ہوا۔ سقراط سے اس کا تعلق شاگردوں کی بجائے دوستوں جیسا تھا۔ 401 ق م میں سقراط کے روکنے کے باوجود ان یونانی کرائے کے سپاہیوں میں شامل ہو گیا جنہیں ایرانی شہزادے کو روش خورونے اپنے بھائی شاہ اردشیر دوم کے خلاف فوج کشی کے لئے بھرتی کیا تھا۔ یہ یونانی لشکر ایشیائے کوچک کے شہر ساروس سے کوچ کر کے کوروش کی کمان میں عراق میں کناکسا Cunaxa کے مقام پر ایران کی شاہی افواج سے لڑا۔

قریب تھا کہ یونانی ایرانیوں کو شکست دے دیں کہ شہزادہ کوروش مارا گیا۔ ایرانیوں نے جنگ بندی کی شرائط طے کرنے کے بہانے یونانی سپہ سالاروں کو بلایا اور دھوکے سے قتل کرادیا۔ اس پر یونانی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی دوران انہوں نے زینوفون اور خیر یوفوس کو اپنا سردار چن لیا۔ ان دونوں نے عسکری مندی اور جرأت سے ایک پرخطر پسپائی میں یونانی سپاہیوں کی قیادت کی اور انہیں بحر اسود کے کنارے واقع یونانی نوآبادیوں تک پہنچادیا۔

زینوفون نے ایشیائی مہم سے واپس آنے کے بعد سپارٹا کے بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ سپارٹا میں قیام کے دوران اس نے اپنے آبائی وطن ایٹینز کے خلاف ایک فوجی کارروائی میں اہل سپارٹا کا ساتھ دیا۔ اس سنگین جرم کی سزا کے طور پر اہل ایٹینز نے اسے غدار قرار دے دیا اور اس کے ایٹینز میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ دوسری طرف اہل سپارٹا نے اس کی اپنے وطن سے غدار کے افعال کے طور پر اسے پیلو پونی سس کے علاقے میں ایک جاگیر بخش دی۔ 371 ق م میں جب تھیبز نے پیلو پونی سس پر حملہ کیا تو زینوفون کو یہ جاگیر چھوڑنا پڑی۔ تھیبز کے حملہ کی وجہ سے ایٹینز اور سپارٹا میں اتحاد قائم ہو گیا جس کی وجہ سے اہل ایٹینز نے زینوفون کی خطا معاف کر دی لیکن شائد وہ اس کے بعد بھی وطن واپس نہیں گیا۔

زینوفون نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، لیکن بطور مورخ اسے صرف اس کی کتاب "ہیلینیکا" Hellenica کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ کتاب 411 ق م سے 362 ق م تک یونان میں رونما ہونے والے تاریخی واقعے کا مجموعہ ہے یا خود زینوفون کے لفظوں میں جنگ پیلو پونی سس کے متعلق تھیوی ڈیڈیز کی تاریخ کا ہلکا حصہ ہے۔

اس کتاب میں اس نے سرزمین پر پچاس سالوں میں رونما ہونے والی جنگوں اور ہنگاموں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہیلینیکا سات حصوں یا ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں زینوفون نے تاریخ نویسی بالکل تھیوی ڈیڈیز کے طرز پر

طویل نیزہ بھی شامل تھا جو فیلقوس کی اپنی ایجاد تھی۔ اس ترتیب کے بعد مقدونی فوج چارواگ عالم میں مشہور ہوئی۔ فوج کی تنظیم نو کرنے کے بعد فیلقوس نے اپنے مد مقابل آرگائیوس اور الیریائیوں کو شکست دے کر الیریہ کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اب وہ بحری استحکام کی طرف رجوع ہوا۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے لازم تھا کہ اس میں اور دیگر یونانی شہری ریاستوں (جن میں اٹلی پولس Amphipolis اور اولتھوس Olynthes نمایاں تھے اور اتھنزری قوت بھی قابل لحاظ تھی) میں کشش ہو۔

فیلقوس نے پہلے اٹلی پولیس کو تسخیر کیا (357 ق م) اور اتھنز کے ارباب اقتدار چاہتے تھے کہ وہ اٹلی پولیس ان کے حوالے کر دے گا مگر اس نے ایسا نہ کیا جس پر اٹلی اتھنز چراغ پا ہوئے اور انہوں نے مقدونیہ سے لڑائی کی ٹھان لی۔ لیکن اس اثنا میں اس کے لگے حلیفوں نے جو محض سپارٹا سے بچاؤ کے لئے اسے گرد جمع ہوئے تھے۔ اس کے خلاف بغاوت کردی اتھنز نے ان کے خلاف کارروائی کی مگر اس جنگ میں اتھنز کو شکست ہوئی اور اس کے کئی سرکردہ سپہ سالار بھی مارے گئے۔ اس دوران فیلقوس کو اپنے معاملات کی نگرانی کا بہترین موقع مل گیا۔ اس نے اٹلی پولس اور پیدنا کے درمیان واقع یونانی شہروں پر توجہ مرکوز کر دی۔ ان شہروں میں اولتھوس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ فیلقوس نے اس کی طرف دوشی کا ہاتھ بڑھایا مگر اولتھوس نے اسے فیلقوس کی جنگی چال سمجھتے ہوئے اسے مسترد کر دیا اور اتھنز سے اس کے خلاف مدد مانگی لیکن اٹلی اتھنز نے امداد سے انکار کر دیا جس پر اولتھوس نے مقدونیہ سے صلح کر لی جس پر فیلقوس نے انہیں شہر اتھنز سے موٹے معاوضے کے طور پر پیش کیا اور ایک شہر پوتی دیہ Potidaea بھی انکے حوالے کر دیا۔ اسی دوران اس نے مقدونیہ کے مشرق میں دریائے استریون کے پار زردار پہاڑوں میں ایک شہر اپنے نام پھلی Philippi کے نام سے آباد کیا۔ اس شہر کے نواح میں سونے کی کانیں دریافت ہوئیں۔ جن سے اس کی آمدنی میں ایک ہزار تالیست سالانہ کا اضافہ ہوا جس سے یونانی شہری ریاستوں کے سیاست دانوں کو رشوت دینے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف فیلقوس نے ایک مضبوط بحری بیڑا بھی تیار کیا جس سے اتھنز کی بحری تجارت میں اجارہ داری کو نقصان پہنچا اور مقدونیہ کے اثر میں عروج کی کیفیت پیدا ہوئی جو فیلقوس کی قابلیت کی وجہ سے تھی۔

359 ق م۔۔۔ عروج مقدونیہ

دو یونانی ریاستوں تھریس اور تھسلی کے درمیان ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ واقع تھی۔ یہاں کی عوام ایک جھانک پہاڑی قوم تھی۔ ابتدا میں یہ قوم متحدہ متفق نہیں تھی۔ بلکہ مختلف سرداریوں میں منقسم تھی۔ بعض مورخین کے مطابق اہل مقدونیہ ایسے یونانی تھے جو اپنی تہذیب و تمدن میں ہومر کے عہد کی کیفیات سے آگے نہیں بڑھے تھے اور ہومر کی عہد کی طرح یہاں ذاتی اقتدار کا بول بالا تھا۔ مقدونیہ کا پہلا مشہور حکمران آرگائیوس پروکاس Perdicas Argaeos تھا جس کا زمانہ 700 ق م کے بعد کا ہے۔ پروکاس کے بعد اس سے پانچواں حکمران امیتھاس اول تھا جس کے عہد میں ایرانیوں نے مقدونیہ کو زیر کر کے کی کوشش کی، لیکن اس کے بیٹے سکندر نے انہیں شکست دی تھی۔

اسی خاندان میں 392 ق م کی طوائف الملوکی کے بعد سکندر اعظم کا دادا امیتھاس سوم Amyntas iii تخت مقدونیہ پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں ملک کو شدید ترین مشکلات کا سامنا تھا۔ ہمسایہ ریاست الیریہ Illyria کے حملوں کی وجہ سے ایک وقت ایسا بھی آیا جب امیتھاس کو تاج و تخت چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد ایک شخص ارگائیوس Argaeos کچھ دنوں کے لئے حکمران بنا، لیکن صرف دو سال بعد امیتھاس جلا وطنی سے واپس آ گیا۔ اور اپنی میراث پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ 370 ق م کے کچھ ہی عرصہ بعد امیتھاس اپنے تین بیٹے چھوڑ کر جن کے نام سکندر، پروکاس اور فیلقوس Philip تھے، راہی ملک عدم ہوا۔ ان تینوں میں سے سکندر تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی ماں کے ایک برادر بسیتی بطلموس Ptolemy نے اسے قتل کر دیا۔ بطلموس سکندر کے چھوٹے بھائی شاہ پروکاس کا متولی بن گیا اور اس نے شاہ پروکاس کی ماں سے شادی کر لی۔ بعض معاملات پر اہالیان تھسلی حکمران مقدونیہ سے ناراض ہو گئے انہوں نے مقدونیہ کے 50 بااثر افراد کو یرغمال بنالیا اور جن میں شہزادہ فیلقوس Philip بھی شامل تھا۔ 365 ق م میں شاہ پروکاس نے بطلموس کو قتل کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے بعد اس نے اٹلی اتھنز سے مل کر اولتھوس نامی شہر پر یورش لیکن عین اس موقع پر 359 ق م میں الیریہ نے مقدونیہ پر حملہ کر دیا اور بادشاہ مع چار ہزار مقدونیوں کے اس جنگ میں کام آیا۔ پروکاس کی موت کے بعد فیلقوس دوم تخت نشین ہوا اس وقت مقدونیہ چاروں طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ خارجی طور پر اسے تھریس، الیریہ اور دیگر یونانی ریاستوں سے خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ داخلی طور پر شاہ فیلقوس کو آرگائیوس نامی ایک شخص سے جو اس کا مد مقابل تھا سخت خطرہ تھا۔ اس شخص کی تائید اور پشت پناہی اٹلی اتھنز کر رہے تھے۔ اس طرح کم عمری میں مصائب و مشکلات نے فیلقوس کی درخش فطری قابلیت میں چار چاند لگا دیئے۔

تخت نشین ہونے کے بعد فیلقوس نے پہلا کام یہ کیا کہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے فوج کو از سر نو منظم اور کارآمد بنایا اور ایک نئی جنگی حکمت عملی کے تحت "مقدونی جتھے Phalanx" ترتیب دیئے۔ (یہ دراصل نیزہ بردار سپاہیوں کے دستوں کی تنظیم تھی)۔ فیلقوس دوم نے اپنی فوج کو بالکل نئے ہتھیاروں سے لیس بھی کیا ان ہتھیاروں میں ایک چار میٹر

353 ق م۔۔۔ ڈیموس تھینس کی میدان سیاست میں آمد

353 ق م میں اتھینز کی عوام کی صفوں سے ایک ایسے شخص کی آواز ابھری جو اگلے بیس سال تک مسلسل نہ صرف اتھینز بلکہ تمام سرزمین یونان پر اپنی شخصیت کا اثر ڈالتا رہا۔ یہ شخص ڈیموس تھینس Demosthenes تھا اور گویا یہ تقریر اس کی پہلی سیاسی تقریر نہیں تھی مگر کم از کم پہلی اہم تقریر ضرورتی۔ جو اس نے 353 ق م میں کی۔

ڈیموس تھینس اتھینز کے ایک زہ ساز کا بیٹا تھا۔ وہ 384 ق م میں پیدا ہوا۔ آٹھ برس کی عمر میں اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ کم سنی میں اس کی آبائی جائیداد کا انتظام چند متولیوں کے سپرد ہوا۔ لیکن انہوں نے اس کا انتظام اس درجہ خراب کر دیا کہ آخر ڈیموس تھینس کو جس کا میلان شروع ہی سے فصاحت و بلاغت کی طرف تھا، ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا پڑی۔

364 ق م میں اس نے ان متولیوں میں سے ایک افولوس کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اس کے خلاف کامیابی حاصل کی اس کی اس کامیابی کا اتھینز کے شہریوں پر گہرا اثر پڑا چنانچہ اس نے شہر میں اپنا دفتر کھول کر تقریر نویسی کا پیشہ اختیار کر لیا اور اس کے پاس بہت سے موکل بھی آنے لگے۔ اتھینز میں ان دنوں یہ قار تھا کہ فریق مقدمہ کو اصالتاً بیروی خود کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خود فی البدیہہ تقریر پر قاعد نہیں ہوتا تو وہ کسی دوسرے سے تقریر لکھوا کر عدالت کے سامنے سنا دیتا یا اس کے کسی مدد کو اس کے حق میں بولنے کی اجازت ہوتی تھی جو یونانی زبان میں ”سیونے گوردس“ کہا جاتا تھا۔ اس طرح ڈیموس تھینس نے سیونے گوردس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد اس نے قانونی تقریر نویسی کے پیشے کو ترک کر کے میدان سیاست میں قدم رکھا اور اتھینز کی ریاست کا ”صلاح کار یا سیوم بولوس“ بن گیا۔

354 ق م میں اس نے عوام کے سامنے پہلی مرتبہ تقریر کی۔ سلطنت ایران مدت سے روبہ زوال تھی۔ 358 ق م میں جب اردشیر اخوشت تخت نشین ہوا تو اس نے سلطنت کی ساکھ کو تھوڑا بہت بحال کر دیا اور ساتھ ہی ایشیائے کوچک کی افراطی کی طرف توجہ دی جس سے یہ مشہور ہو گیا کہ وہ یونان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اتھینز کے لوگوں میں ایران کے خلاف جذبات ابھرے اور لوگوں کا خیال ہوا کہ ایران کے خلاف لیگ بنائی جائے اور اس پر حملہ کیا جائے۔ ڈیموس تھینس نے اپنی تقریر De Symmoros میں اس خیال کے خلاف آواز بلند کی اور زور دیا کہ ایران پر حملہ سے پہلے اتھینز کو ہر کیل کاٹنے سے پوری طرح لیس کیا جائے۔ پھر 352 ق م میں جب میگا پولس نے اتھینز سے مدد طلب کی تو ڈیموس تھینس نے اسے منظور کرنے کی صلاح دی۔ تاکہ سپارٹا کی مزید ترقی کو روکا جائے۔ لیکن جس معاملے نے ڈیموس تھینس کو شہرت کی بلند یوں پر پہنچا دیا اور اسے ایک اہم یونانی سیاستدان اور مفکر کا درجہ دلایا وہ مقدونیہ کے فیلیپس اعظم کے جارجانہ عزائم تھے۔ اس موضوع پر اس کی تقریر نے اسے دنیا کے مقروروں کی صف اول میں پہنچا دیا۔

352 ق م جب مقدونیہ نے پروپٹس تک اور نیز نقطہ سے الحاق کیا تو اولیٰ فیلیپس نے مقدونیہ کے ساتھ اپنے اتحاد کو

چھوڑ کر اتھینز سے اتحاد کر لیا۔ چنانچہ فیلیپس نے اس کا رخ کیا تاکہ اسے اپنی سلطنت سے ملحق کرے۔ اسی موقع پر ڈیموس نے قطعی طور پر فیلیپس کی مخالفت اور یونانیوں میں اس کے خلاف تبلیغ کرنا شروع کی۔ فیلیپس کے خلاف اس کی یہ تقریر تاریخ میں فیلیپسیاں کہلاتی ہیں۔ اپنی پہلی فیلیپوسی میں وہ بتاتا ہے کہ اگر اتھینز اور مقدونیہ کے مابین جنگ ہو جائے تو اس کا انتظام کیسا ہونا چاہیے۔ اپنی دوسری تقریر میں وہ یہ کہہ کر اتھینزیوں کا دل بڑھاتا ہے کہ فیلیپس کے اثر کی بنیاد نہایت کمزور ہے اور خود مقدونی ہی اپنے اس بادشاہ کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن فیلیپس کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کے معنی یہی ہو سکتے تھے کہ مقرر خود ہی اصل صورت حال سے واقف نہیں۔ اپنے ہم وطنوں کو وقتی جوش دلا کر وہ فیلیپس کی طاقت کا غلط اندازہ لگا رہا تھا۔ بہر حال اسے صورتحال کا صحیح اندازہ تھا یا نہیں مگر اس نے اپنی ان محرر انگیز تقریر سے بڑی شہرت کمائی۔ فیلیپس کی فتح اتھینز کے بعد بھی ملک میں ڈیموس تھینس کی عزت برقرار رہی تا آنکہ اسے بددیانتی کے بہم الزامات لگا کر جلاوطن کر دیا گیا۔ سکندر اعظم کی وفات کے بعد وہ واپس آیا مگر اتھینز کی طاقت کو نئے سرے سے استوار اور بحال کرنے میں ناکام رہا اور اپنی پیڑ سے شکست کھانے کے بعد اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی تاہم اس کی تقریر انیسویں صدی تک نمونے کی تقریر کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔

ماخذ

تاریخ یونان قدیم جلد سوم صفحہ نمبر 308۔

حکومت دی لیکن یہ شکست ایسی تھی کہ مغلوب فریق کے لئے بھی اتنی سودمند تھی جتنی فتح مند فیلیقوس کے لئے۔

یونانی عزت وقار کو قائم رکھنے کے لئے تھیمیز یوں اور ان کے حلیفوں کی قبروں پر جو جنگ میں کام آئے تھے۔ سنگ مرمر کا ایک شیر نصب کیا گیا جس کے بعض ٹکڑے اب تک محفوظ ہیں۔ 1905ء میں اسی مقام پر اسی طرح کا ایک شیر دوبارہ نصب کر دیا گیا ہے۔

جنگ کے بعد فیلیقوس نے ایتھنز کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی البتہ تھیمیز کا محاصرہ کر کے اسے ختم کر دیا۔ نو جوان سکندر اور اپنی پاتر Antipatros کو ایتھنز روانہ کیا تاکہ ایتھنز کو صلح کی شرائط پیش کی جائیں۔ ان شرائط میں بتایا گیا کہ ایتھنز حسب سابق آزاد رہے گا اور جزائر ساموس اور ویلوس وغیرہ پر قابض بھی۔ یہاں تک کہ فیلیقوس نے اہل ایتھنز کو تھیمیزی مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا اور کہا کہ آئندہ مقدونیہ اسے اپنا حلیف تصور کرے گا۔ ایتھنز یوں کے لئے صلح کی یہ شرائط باعث تعجب و حیرت تھیں کہ ایک فاتح اپنے مفتوحین سے ایسا سلوک بھی کر سکتا ہے۔ دیماسٹھیز کی مخالفت کے باوجود ایتھنز یوں نے یہ شرائط قبول کر لیں بلکہ اظہار تشکر کے طور پر فیلیقوس کو حق شہریت عطا کیا اور سر بازار اس کا ایک مجسمہ نصب کرایا۔

ایتھنز کو اعتماد میں لینے کے بعد فیلیقوس نے تمام یونانی ریاستوں کو دعوت دے کر ایک نئی لیگ یا انجمن ہمسایگان قائم کی۔ جس کا نصب العین یہ قرار پایا کہ اس لیگ کی رہبری میں تمام یونانی مقدونیوں کے ساتھ ایران پر ان حرکات کی سرادینے کے لئے فوج کشی کریں جو اس سے یونان پر حملہ کے دوران یونانی عبادت گاہوں کو نقصان کرنے میں سرزد ہوئیں تھیں۔ 337 ق م میں کارنتھ کے مقام پر لیگ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں باقاعدہ ایران کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا اور فیلیقوس نے اپنے ایک جرنیل کو ایسا پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

ادھر ایک حلقائی سازش کے انکشاف پر فیلیقوس نے اپنی ملکہ اولمپیاس اور اپنے بیٹے سکندر کو اپنے دار الحکومت پیلہا پہلا سے جلاوطن کر دیا۔ لیکن باپ اور بیٹا ایک دوسرے سے دیر تک جدا نہ رہ سکے اور جلد ہی دونوں کے مابین صلح ہو گئی۔

338 ق م۔۔۔۔۔ جنگ کائی رونیہ

سیاسی، سفارتی اور جنگی میدانوں میں فیلیقوس کی کامیابیاں، یونان کی دیگر شہری ریاستوں کے لئے تشویش کا باعث تھیں۔ اس زمانے میں دیماسٹھیز Demosthenes ایتھنز کے ایک مشہور خطیب نے فیلیقوس کو اپنی مشہور تقاریر میں جو ”فیلیقیوں“ کہلاتے ہیں یونانی جمہوریت اور یونانی شہری ریاستوں کا دشمن خاص قرار دیا اور اپنے ہم وطنوں کو فیلیقوس کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا۔ ادھر ریاست تھیبز Thebes نے مقدونیہ کے خلاف ایتھنز سے اتحاد کر لیا۔ ایتھنز نے مقدونیہ کے خلاف اپنے اس حلیف کو بہت سی خصوصی مراعات دیں اور اعلان کیا کہ مقدونیہ کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کا ایک تہائی خرچہ خود برداشت کرے گا۔ ایتھنز اور تھیبز کے اس باہمی محاذ سے ایک نئی صورتحال پیدا ہوئی اور اگر یونان کی دوسری شہری ریاستیں بھی اس اتحاد میں شامل ہو جائیں تو اغلب تھا کہ فیلیقوس کو آگے بڑھنے سے روک لیتیں۔ سپارٹا، میسیا، آرکیہ اور آرگوں ایتھنز اور مقدونیہ کے معاملے سے الگ تھلگ رہیں۔ موسم بہار 338 ق م میں اہل ایتھنز نے دیماسٹھیز کو اس کے مقدونیہ کے خلاف تقاریر کرنے کے انعام میں ایک خصوصی طلائی گھبرا پہنایا اس موقع پر شاہ مقدونیہ نے ایتھنز اور تھیبز سے صلح کی کوشش کی مگر دیماسٹھیز نے دونوں مملکتوں میں جنگ کو ناگزیر کر دیا۔ بلاخر فریقین کے مابین کائی رونیہ Chaeronia، مغربی بیوشیا Beotia کے مقام پر اگست، ستمبر 338 ق م میں ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی۔ فیلیقوس کی فوج تیس ہزار پیادوں اور کم از کم دو ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ گویا اتحادی افواج تعداد میں اس کی فوج سے زیادہ تھیں۔ مگر اس کے مقابلے میں فیلیقوس کی جنگی چالیں اور تجربہ کاری یکساں تھی۔ اس کے سپاہی اور سالار بھی نہایت قابل تھے جب کہ اس کی مقابل فوج سب کی سب شہریوں اور نا تجربہ کاروں پر مشتمل تھی جو آزادی اور حریت کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان میں تھیمیز یوں کی ہمت، مردانگی اور شجاعت ضرب المثل تھی۔ اہل تھیبز میں تین سو سپاہیوں پر مشتمل ایک ایسا دستہ بھی تھا جس کا مقصد صرف مرنا یا مار دینا تھا اسے مقتون مقدس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس دستے کو فیلیقوس کے جوان سال بیٹے سکندر نے اکیلے تہ تیغ کیا۔

ایتھنز کی افواج بھی تین قابل سپہ سالاروں کے ماتحت تھی۔ ابتدا میں ایتھنز کے میسرہ نے فیلیقوس کی افواج کو شکست دی۔ لیکن دوسری طرف سکندر تھیبز یوں پر غالب آ گیا جب لڑائی میں ”مقتون مقدس“ کے تمام سپاہی لڑتے ہوئے مارے گئے تو اتحادی افواج میں کھلبلی مچ گئی اور پورا لشکر اُلے قدموں پر بھاگ اٹھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ایک ہزار ایتھنز مارے گئے اور دو ہزار گرفتار ہوئے۔ اس جنگ میں ایتھنز کے خطیب اعظم دیماسٹھیز نے بھی ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے حصہ لیا۔ چنانچہ پسپائی کے دوران وہ بجائے زور خطابت سے اپنی قوم کا حوصلہ بڑھانے کے خود بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

جنگ کائی رونیہ میں یونانی قوم کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک موروثی بادشاہ نے اول درجے کی یونانی شہری مملکتوں کو

ایک مرتبہ فیلیقوس کی عدم موجودگی میں ایران کے کچھ سفارت کار مقدونیہ آئے۔ سکندر نے ان کی مہمانداری بڑے شاندار انداز میں کی اور بڑے جہانگیرہ سفارت کاروں کے انداز میں ان سے ایسی گفتگو کی کہ وہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور دوسری طرف سکندر نے ان کے ملک کے متعلق بہت سی اہم فوجی اور غیر فوجی معلومات بھی حاصل کر لیں۔ سکندر کا میدان جنگ میں اترنے کا پہلا تجربہ اسے جنگ کاٹی رومیا میں حاصل ہوا۔ اس جنگ میں فوج کے ایک حصے کی قیادت سکندر نے کی تھی اس وقت اس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔

جولائی 336 ق م میں جب فیلیقوس اپنی فوج کی خوشی میں جشن عظیم پاکے ہوئے تھا۔ اس سلسلے میں وہ ایک وسیع میدان میں قومی کھیلوں کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے گیا۔ بادشاہ نے عوام کی قربت حاصل کرنے کے لئے اپنے ذاتی محافظوں کو اپنے سے دور کر دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوسانیاس Pausanias نامی ایک شخص نے اگے بڑھ کر فیلیقوس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ جس سے وہ موقع پر ہلاک ہو گیا۔ فیلیقوس کے قتل کے متعلق مورخین کی رائے مختلف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ ملکہ اولیپیس نے اپنے شوہر کو اس کی بے وفائی کا انتقام لینے کے لئے قتل کروایا۔ کچھ کا خیال ہے کہ ٹی ملکہ کلوپیٹرہ کے چچا اتالوس کے ہاتھوں قاتل کو سخت تکلیف اٹھانا پڑی تھی۔ چونکہ اتالوس فیلیقوس کا معتمد خاص اور سر تھا لہذا اس کا بدلہ قاتل نے خود فیلیقوس سے لیا۔

فیلیقوس کے قتل کے بعد فوج اور امراء نے بالاقا سکندر کو مقدونیہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ تخت نشینی کے وقت سکندر کی عمر بیس سال تھی۔ تخت نشینی کے بعد سکندر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان سب رشتہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو کسی نہ کسی طرح تخت و تاج کے دعوے دار ہو سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی سو قیدی ماں کی ایک شیر خوار بچی کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

جہاں اسے اپنے باپ کی سلطنت ورثے میں ملی وہیں اس نے ایران اور ایران کے مقبوضات پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی ورثے میں پایا۔ مقدونیہ کے داخلی امور پر دسترس حاصل کر کے سکندر نے یونان کے خارجی امور پر توجہ دی۔ سلطنت ایران پر حملہ کرنے سے پیشتر ضروری تھا کہ وہ اپنے باپ کی طرح تمام یونانی ریاستوں کی قیادت حاصل کر لے۔

انہیں دنوں ایتھنز کی شہ پر تھیبز نے وہ فوجی دستہ نکال باہر کیا جو فیلیقوس نے وہاں متعین کیا تھا۔ ادھر پیلوپونیز کے لوگوں نے بھی اعلان کیا کہ وہ سکندر کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ سکندر نے کاروائی کا آغاز تھسلی کو اپنا ہم نوابانے سے کیا۔ اہل تھسلی نے سکندر کے حق میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور یہ خواہش ظاہر کی انجمن ہمسایگان کے تخت سکندر کو ن کی متحدہ افواج کا سپہ سالار بنایا جائے۔ اس کے بعد انہوں نے یونان کے ساحلی علاقوں کی حمایت حاصل کر کے اپولی کا رخ کیا۔ یہاں تمام یونانی ریاستوں کا متحدہ اجلاس منعقد ہوا جس میں سپارٹا کے علاوہ تمام ریاستوں کے اردوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یونان کی متحدہ افواج کی کمان سکندر کے سپرد کر دی جائے۔ اس فیصلے کے بعد سکندر نے ان تمام ریاستوں کے خلاف کاروائی کی جو اس کے خلاف تھیں۔ اس پر ایتھنز نے وہ اقدام واپس لے لیے جو اس نے سکندر کے خلاف اٹھائے تھے۔ اس کے بعد اہل ایتھنز نے اپنا سفیر مقدونیہ بھیج کر امداد کا مطالبہ کیا۔ جب سکندر جنوبی ہمسایوں سے اپنی تسلی کر چکا تو وہ شمالی ہمسایوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے

336 ق م۔۔۔ سکندر اعظم کی تخت نشینی

تاریخ کے اوراق میں دنیا کی عظیم اور قدیم شخصیات کے گرد افسانوی دھند لکے چھائے ہوئے ملتے ہیں جن کی وجہ سے ان شخصیتوں کے صحیح حالات جاننا مشکل ہوتا ہے۔ سکندر اعظم بھی دنیا کے قدیم کی ایک ایسی ہی شخصیت ہے۔ اس کے متعلق بعض قدیم مورخین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مشہور یونانی دیوتا زئوس نے سکندر اعظم کی شکل میں جنم لیا تھا۔ بعض مسلم مورخین نے جن میں ابن اثیر اور نظامی گنجوی شامل ہیں۔ سکندر اعظم کو قرآن کریم میں ذکر کیا جانا والا حکمران سکندر ذوالقرنین قرار دیا ہے جبکہ فردوسی نے اپنے ”شاهنامہ“ میں اسے ایرانی بادشاہ ”داراوش“ کا بیٹا بتایا ہے بہر حال مقدونیہ کی تاریخ کے مطابق سکندر اعظم وہاں کے سکندر نام کے تین حکمرانوں میں سے تیسرا تھا۔

سکندر اعظم 356 ق م میں فیلیقوس (فلپ دوم) اور ملکہ اولیپیس کے ہاں پیلا میں پیدا ہوا۔ فیلیقوس کی آرزو تھی کہ وہ مقدونیہ کی دنیا کی فتح کی عظیم ترین سلطنت بنادے اسے امید تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی اس آرزو کی تکمیل نہ کر سکا تو اس کا بیٹا سکندر اس کے خواب کو ضرور شرمندہ تعبیر کرے گا۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر سکندر کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی گئی۔ کم سن میں ایک دانشمند لیونی دس اس کی پرورش و تربیت کے لئے نگران خاص مقرر کیا گیا۔ جب سکندر نے ہوشمندی اختیار کی تو فیلیقوس نے مشہور زمانہ یونانی فلسفی ارسطو کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے صرف نجومیاتیات اور علوم فلسفہ اے سکھائے۔ ساتھ ہی ساتھ اور اس کی جسمانی اور عسکری تربیت بھی اعلیٰ خطوط پر کی گئی۔ ہونہار بردا کے پکنے پکنے بات کے مصداق سکندر کی اقبال مندی اس کے بچپن سے ہی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس سلسلے میں مورخین نے اس کے بچپن کے کچھ واقعات درج کئے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

تھسلی کے ایک فیلونی نامی باشندے نے شاہ فیلیقوس کے دربار میں ایک شاندار گھوڑا پیش کیا جس کا نام ”بوسفالوس Bosphalus“ تھا۔ وہ اس گھوڑے کے قیمت تیرہ ٹیلنٹ (تقریباً ساڑھے تین ہزار روپے) (ماگ رہا تھا۔ جب آزمائش کے لئے اس گھوڑے کو میدان میں لایا گیا تو وہ اپنی سرکشی اور شرارت سے کسی کے قابو میں نہ آیا۔ فیلیقوس کے دربار سے منسلک تمام سائیکس اس کو قابو نہ کر سکے اور بڑے بڑے شاہسوار ناکام ہو گئے۔ جو اس سال سکندر جو اس تمام کاروائی کو قریب سے دیکھ رہا تھا آخر بول اٹھا کہ تم لوگ اپنی کم ہمتی اور نادانی سے ایک اچھا گھوڑا اکھودو گے۔ فیلیقوس نے پہلے تو اس کی بات پر توجہ نہ دی مگر جب اس کا اصرار بڑھا تو اسے بھی اس سرکش گھوڑے پر قابو پانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ سکندر نے گھوڑے کی لگام تھامنے ہی اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا۔ دراصل وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ گھوڑا اپنی پرچھائیں سے بدکتا ہے۔ سکندر اس کی لگام تھامے اسے تھوڑی دور تک لے کے چلا اور پھر یکبارگی جست کر کے اس کی پشت پر سوار ہو گیا تھوڑی سی دیر میں گھوڑے کی اچھل کود اور سرکشی موقوف ہو گئی اور شاہ مقدونیہ نے فخر سے سکندر کا ماتھا چوم لیا۔

دوسرے سال بلقان کی ریاستوں کی طرف پیش قدمی کی اور انہیں اپنا اطاعت گزار بنانے میں کامیاب رہا۔

335 ق م میں سکندر نے تھیبز کا رخ کیا اور تھیبز کا شہر بیوشیا Beotia فتح کر کے وہاں کے حکمرانوں سے نرم شرائط پر صلح کرنا چاہی۔ وہاں کے حکمرانوں نے سکندر کی شرائط مسترد کر دی۔ آخر سکندر نے تھیبز پر حملہ کر کے اس کے چھ ہزار افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ اور شہر کو زمین یوں کر ادیا۔ اس سخت گیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکندر اعظم کی دھاک بیٹھ گئی اور یونان کی باقی ریاستیں محتاط رویہ رکھنے پر مجبور ہو گئیں۔

اس مہم سے سکندر جب لوٹ رہا تھا تو وہ اپنی آئندہ کی مہمات ایشیا کے متعلق جاننے کے لئے ڈیلفی کے مشہور زمانہ ہاتف کدے میں حاضر ہوا۔ سکندر کے ڈیلفی پہنچنے کا دن ایک ایسا دن تھا جس دن وہاں کی کاہنہ پیشین گوئیاں نہیں کرتی تھی۔ مگر اس کے اصرار پر اسے بولنا پڑا۔ اس نے کہا کہ بیٹے تو کبھی مغلوب نہ ہوگا اور فاتح عالم کہلائے گا۔ ادھر جب ایران کے حکمران داریوش سوم کو سکندر کے ایران پر حملہ کرنے کے ارادے کے بارے میں علم ہوا تو اس نے بھی تیاریاں شروع کر دیں اور یونان ہی کے پچاس ہزار پیشہ ور سپاہیوں کی خدمات حاصل کر لیں اپنے بحری بیڑے میں اضافہ کیا اور اپنے ایک یونانی وفادار میمنوں کو یونانی سپاہیوں کا سپہ سالار مقرر کیا۔ میمنوں نے اس سے پہلے ایران کے لئے مصر میں فوجی خدمات انجام دیں تھیں۔

شاہ ایران نے میمنوں کو مشہور یونانی شہر سیزیک Cyzique کو مسخر کرنے کے لئے میسیا بھیجا اس اثناء میں سکندر اعظم کا ایک جرنیل پرمینان Parmenyon ایشیائے کوچک کے شہر گری نیوم Gryniam پر حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ سکندر کی ایشیائی مہم کے پیش خیمہ کے طور پر کیا گیا۔

334 ق م۔۔۔ سکندر اعظم مشرق قریب میں

موسم بہار 334 ق م میں سکندر ایشیا کو فتح کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں اور وہ تیس ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادوں کا لشکر لے کر مقدونیہ سے نکلا۔ مورخین کے مطابق سکندر اعظم نے تمام معلوم دنیا فتح کرنے کا جو عزم کیا تھا اس کے لئے اس مہم کے آغاز میں اس کے پاس ساز و سامان اور افواج نا کافی تھیں۔ لیکن اس افواج کی ترقیب بڑی شاندار تھی اور ان میں نمایاں ترین حیثیت Phalanx یا مقدونی جتھوں کو حاصل تھی۔ یہ جتھے 16x16 سپاہیوں پر مشتمل اور سولہ فٹ طویل نیزے تھامے ہوئے تھے جو کہ اس کے باپ کی ایک اہم ایجاد تھی۔

سکندر اعظم نے اپنی افواج کے ساتھ ہلس پانٹ Helles Pont (آبنائے باسفورس) کا رخ کیا۔ بیس دن کے سفر کے بعد ایشیائے کوچک میں داخل ہونے پر اس نے دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں دیں اور اس سرزمین پر جو سورا مدفون تھے انہیں نذریں اور نیا زیں پیش کیں۔ ان یونانی سوراؤں میں ہومر کی داستانوں کا مشہور جنگجو اکیلز Achilese سب سے نمایاں تھا، کیونکہ سکندر اعظم اسے اپنا آئیدیل تصور کرتا تھا۔

ایشیائے کوچک میں سکندر نے ساحل کے ساتھ ساتھ شمالی سمت میں پیش قدمی کی ساحل کے ساتھ چلنے کی بجائے اس کا بحری بیڑہ تھا جو کہ حد تک کمزور تھا۔ ایتھنز والوں نے سکندر کو کافی تعداد میں جہاز نہیں بھیجے تھے۔ مبادا یہی بحری جہاز ان کے خلاف استعمال ہوں۔

دوسری طرف داریوش سوم یہ چاہتا تھا کہ ایشیائے کوچک کی ریاستوں لیڈیا، افرو جیہ اور کیپاڈوشیا کے ایرانی سردار آبنائے باسفورس کے کنارے سکندر کو روک لیں اور ایشیا کی طرف مزید پیش قدمی نہ کرنے دیں لیکن وہ سکندر کے آبنائے باسفورس عبور کرنے تک متحد نہ ہو سکے۔ اس وقت میمنوں نے یہ تجویز پیش کی کہ سکندر کے راستے میں آنے والے تمام شہر اور دیہات جلا دیے جائیں تاکہ اسے سامان رسد مہیا نہ ہو، اور دوسری طرف یونان اور خصوصاً مقدونیہ میں ایک مجاذہ جنگ کھولا جائے تاکہ سکندر اپنے وطن کو بچانے کے لئے واپس چلا جائے۔ لیکن میمنوں کی ان تجاویز سے ایرانی سرداروں نے اتفاق نہ کیا۔ بلا آخر یہ طے ہوا کہ سکندر کو دریا کے گریٹکس Granicus کے کنارے روکا جائے۔ چنانچہ دریا کے ایک کنارے پر ایرانی افواج خیمہ زن ہو گئیں۔ ادھر سکندر اور اس کا لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر آٹھرا۔ سکندر کے ایک جرنیل پرمینان نے دریا کی گہرائی کو سامنے رکھتے ہوئے مشورہ دیا کہ آج کی بجائے کل صبح دریا عبور کر کے دشمن پر حملہ کیا جائے تو بہتر ہوگا مگر سکندر نے کہا کہ ”پرمینان! دریا کے گریٹکس سے ڈرنا درہ دانیال“ کی توہین ہے، جسے ہم نے بالاتامل عبور کر لیا تھا۔ ”یہ کہہ کر سکندر تیرہ سو سواروں کے ساتھ دریا میں کود پڑا۔ اگرچہ پانی کا بہاؤ کافی تیز تھا اور ایرانیوں کی طرف سے تیروں کی بارش بھی ہو رہی تھی مگر ان دشاویوں کے باوجود سکندر نے دریا میں راستہ بنا لیا۔ ابھی سکندر کے کچھ سپاہی ہی دریا عبور کرنے پائے تھے کہ ایرانی ان پر ٹوٹ پڑے۔ سکندر کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ صف آرائی کر سکتا۔

میدان جنگ پہلے پہل ایرانیوں کے قیامت خیز نعروں ھے گونج اٹھا۔ سکندر کا نیزہ لڑتے لڑتے ٹوٹ گیا۔ اس نے نیزہ بدل کر دارپوش کے دلداد مہر داد Mithradates پر زور دار حملہ کیا۔ خود اس پر عقب سے حملہ ہوا اور حملہ آور کا نیزہ سکندر کے فولادی خود کو چر کر اس کے شانے میں لگا۔ قریب تھا کہ لیڈیا کا ایرانی حکمران سپہر داد خنجر سے سکندر پر حملہ کرتا مگر ایک وفادار مقدونی نے لپک کر تلوار سے سپہر داد کا ہاتھ قطع کر دیا۔ اتنے میں سکندر کی مزید فوج دریابور کر کے آگئی اور تازہ دم یونانی ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ جنگ میں کئی نامور ایرانی سردار کام آگئے۔ ان کے کام آنے کے بعد ایرانی فوج میں قیادت کا بحران پیدا ہو گیا اور کھلبلی مچ گئی۔ اس کے بعد ایرانی لشکر مقدونیوں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں ایرانی بڑی جاٹاری سے لڑے اور جب تک ان کے ایک ایک سردار اور سالار نے جان نہ دی انہیں شکست نہ ہوئی۔ وفا شعار کا یہ عالم تھا کہ شکست کی خبر سن کر افروچیہ کے حاکم نے خودکشی کر لی۔ جنگ گرائیکس میں فتح کے بعد ایشیائے کوچک کے تمام ایرانی مقبوضات سکندر کے زیر تسلط آگئے۔ گرائیکس کے میدان سے سکندر نے لیڈیا کے شہر سارد کا رخ کیا۔ وہاں کے قائم مقام حاکم نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی اور دوسرے شہر کے ساتھ اس کے استقبال کو آیا اور شہر کے خزانے اس کے حوالے کر دیئے۔ سکندر نے سارد جیسے قدیم دار الحکومت پر قبضہ کر کے نہ صرف اس کی مرمت کرائی۔ بلکہ قدیم لیڈیائی قوانین کا احیا کیا۔ کہتے ہیں سکندر اس شہر میں اچھی زبانیں دیتا کہ قدیم بت کدے کا مقام تلاش کر رہا تھا کہ اچانک ایک بدلی آئی اور زمین اس مقام پر برسنار شروع ہو گئی جہاں یہ بت کدہ کسی زمانہ میں موجود تھا۔ سکندر نے اسی مقام پر ایک نیابت کدہ تعمیر کروایا ان فتوحات میں سکندر کے ہاتھ جو مال غنیمت آیا اس میں سے تین سوزرہ کمتر اختیار ہوا گئے جہاں ایکرو پولس میں انہیں رکھ کر ان کے قریب یہ کتبہ نصب کیا گیا۔ یہ زہر بکتر سکندر پر فیلقوس نے ایرانی بربدوں سے جنگ میں کامیابی کے بعد حاصل کیے۔

سارد کی اطاعت کے بعد سکندر نے ملیطس Miletus کا رخ کیا۔ وہاں گرائیکس کے میدان سے بھاگنے والی ایرانی فوج جمع تھی۔ سکندر نے یہاں کا محاصرہ کر لیا اور دیوار حکن مشینوں سے قلعہ کی دیواروں میں شکاف کر کے اس شہر کو فتح کیا۔ ملیطس کی فتح کے بعد سکندر ہالی کارناس جیسے ایوانائی شہر کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ شہر میسون کا صدر مقام تھا اس شہر کے گرد ایک بہت بڑی خندق بھی تھی۔ جو اسے ناقابلِ تسخیر بناتی تھی۔ مقدونیوں نے بڑی جانفشانی سے اسے پر کر لیا۔ اور پھر مخفی قوتوں اور دیوار کو ب مشینوں سے قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن بھاری جانی نقصان کے باوجود یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اس لئے سکندر نے اس کی تسخیر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ہالی کارناس سے سکندر نے اپنے شادی شدہ سپاہیوں کو رخصت دی اور کہا کہ وہ موسم بہار تک واپس آ جائیں اور مزید لوگوں کو بھرتی کر کے ساتھ لائیں۔

334-33 ق م کے موسم سرما میں سکندر ایشیائے کوچک کی شمالی ریاستوں کی طرف متوجہ ہوا اور لیبیہ Lycia

سے لس اور کئی دیگر ریاستوں کو اطاعت پر مجبور کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے قلب افروچیہ Phrygia کے دار الحکومت گوردیوم Gordium کی طرف بڑھا۔ گوردیوم میں وہ گاڑی رکھی ہوئی تھی جس میں وہاں کا پہلا حکمران گوردیوس بیٹھ کر شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس تھ پر گاڑی کا جوا ایک ری سے بندھا ہوا تھا۔ اس شہر میں یہ بات مشہور تھی کہ جو شخص اس ری

کی گرہ Gordianknot کھولنے میں کامیاب ہوگا وہی فاتح ایشیائے کہلائے گا۔ سکندر نے اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی مگر جب سرانہ ملا تو اپنی تلوار سے یہ گرہ کاٹ دی اور کہا۔ ”گرہ کھولنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔“ دوسری طرف میسون نے اپنی باقی ماندہ فوج کو اکٹھا کیا اور منصوبہ بنایا کہ مقدونیہ اور یونان کی دیگر ریاستوں میں محاذ جنگ قائم کئے جائیں تاکہ ایشیا پر یونانی دباؤ کم ہو جائے۔ اس منصوبہ کے تحت اس نے جزیرہ کیوس Cios اور جزیرہ لس بس Lusbus پر حملہ کر کے متی لین Mytilene کے سوا وہاں کے کئی شہر مسخر کر لئے قریب تھا کہ وہ اس شہر کو فتح کر کے سکندر کے لئے ایک نیا محاذ کھول دیتا لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی اور وہ کچھ عرصہ بیمار رہ کر راسی عدم ہوا۔ سکندر نے اس کی موت کو اپنے لئے نیک فال سمجھا اور کیلیکیا Cilicia کا رخ کیا۔ یہ شہر ایک تنگ گھاٹی Cilician Gate سے تقریباً بیڑھ فرسنگ کا فاصلہ پر واقع تھا۔ اس گھاٹی کو عبور کئے بغیر شہر میں داخل نہیں ہوا جاسکتا تھا۔ اس گھاٹی سے ہشکل چار آدمی گزر سکتے تھے۔ سکندر کے یہاں پہنچنے سے پہلے یہاں کے حاکم نے شہر کو آگ لگا کر کھنڈرات میں بدل دیا تاکہ سکندر یہاں سے رسد وغیرہ حاصل نہ کر سکے۔ کیلیکیا میں ٹھٹھ سے پانی کا ایک چشمہ ”کیدنوس“ بہتا تھا۔ سکندر نے اس چشمہ میں غسل کیا جس کے بعد اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ بیماری کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ یونانی اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ جب بیماری نے مزید شدت اختیار کر لی تو فیلقوس نامی ایک حکیم نے اس کے لئے ایک دوا تیار کی یہ دوا خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ٹھیک جب سکندر یہ دوا پینے لگا۔ ایک قاصد سپہ سالار پارمینان کا ایک رقعہ لے کر حاضر ہوا۔ جس میں لکھا تھا۔ ”حکیم فیلقوس سے خبردار“ یہ شخص دارپوش سے مل کر تمہاری جان لینا چاہتا ہے۔ سکندر نے جب دوا منہ کو لگائی وہ رقعہ حکیم کے ہاتھ میں دے دیا۔ بہر حال فیلقوس کی دوا سے اس کوئی نقصان نہ پہنچا بلکہ وہ رو بصحت ہو گیا اور اس طرح وہ عظیم فاتح جو ایشیا کو فتح کرنے کے ارادے سے نکلا تھا ایشیا کے دروازے پر موت کا شکار ہونے سے بچ گیا۔

سکندر نے صحت یاب ہو کر کیلیکیا کے مشہور شہر ایسوس Assus کا رخ کیا۔ شہنشاہ ایران کسی قیمت پر اس شہر کو نہ کھونا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سکندر سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ ایسوس کی طرف بڑھا۔ لیکن بد قسمتی سے وہ اپنے ایک مصاحب کے مشورے کے باوجود ایک تنگ پہاڑی مقام میں خیمہ زن ہو گیا۔ ایسے مقامات پر قلیل التعداد دشمن کو بھی کوئی بڑا لشکر مغلوب نہیں کر سکتا۔ ادھر سکندر کو بھی آگاہی ہو گئی کہ دارپوش باوجود بہت بڑے لشکر کے غلطی سے ایک تنگ میدان کا انتخاب کر بیٹھا ہے اس نے اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھائے اور ایک جذباتی تقریر کر کے انہیں بتایا کہ یہ وہی دشمن ہے جس نے کبھی تم سے آب و خاک طلب کر کے تمہارے معبود کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور پھر دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ تنگ میدان کی وجہ سے چھ لاکھ ایرانیوں میں سے ایک بڑی تعداد اس جنگ میں حصہ نہ لے سکی۔ سپاہی ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ کوئی دارخانی نہیں جاتا تھا۔ جلد ہی کشتوں کے پستے لگ گئے ادھر دارپوش کی رتھ کے گھوڑوں کو تلواروں اور نیزوں سے زخم آئے تو وہ بڑی طرح بد کے۔ میدان جنگ کی صورتحال اور گھوڑوں کی حالت دیکھتے ہوئے دارپوش نے بہتری اسی میں جانی کے ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کر لے۔ لیکن اس کے میدان چھوڑے ہی ایرانی لشکر میں بھکڑ مچ گئی اور میدان سکندر کے ہاتھ رہا۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی کام آئے۔ اربوں اور کروڑوں کا مال غنیمت سکندر کے افواج کے ہاتھ لگا۔ دارپوش کا

شاہی خیمہ جس میں پرشکوہ ساز و سامان قیث اور سونے چاندی کی افراط تھی۔ سکندر کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ مال غنیمت میں داریوش کی ملکہ اور دو شاہزادیاں بھی شامل تھیں۔ لیکن سکندر نے ان کی حرمت اور عزت میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ داریوش کا سامنا کرنے اور جنگ الیوس میں فتح حاصل کرنے کے بعد سکندر کو یقین ہو گیا کہ اب وہ ایشیا کو فتح کر لے گا۔

332 ق م۔۔۔ سکندر اعظم مشرق وسطیٰ میں

جنگ الیوس میں کامیابی کے بعد سکندر نے فقیہ کارخ کیا جہاں ارادوس اور ماراھوس نامی شہروں نے ہتھیار ڈال کر اطاعت اختیار کی سکندر نے اپنے جرنیل پارمیڈان کو گھسلی کی سوار فوج کے ہمراہ دمشق بھیجا تاکہ جو خزانہ داریوش نے وہاں بھیجا تھا اسے اپنے تصرف میں لے لے۔ پارمیڈان نے دمشق کی تسخیر کے بعد شاہی خزانہ پر قبضہ کر لیا اور پھر وہ شام Syria کے باقی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا۔ دمشق کی تسخیر کی خبر سننے کے بعد شام کے تمام علاقوں نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی۔

اب سکندر کی خواہش تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے ملک مصر پر قبضہ کر لے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے راستے میں فنیقی شہر صور Tyre حائل تھا۔ اس نے صور کی طرف پیش قدمی کی۔ اسی اثناء میں داریوش نے جو بابل میں مقیم تھا۔ سکندر سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اور اسے ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس نے اپنے خاندان کے افراد کی واپسی کا تقاضہ بھی کیا اور دوستانہ معاہدے کی پیشکش بھی کی لیکن سکندر نے اس کی تمام تر تجاویز مسترد کر دیں اور جواباً لکھا کہ اگر تم اپنے اہل خانہ کی رہائی یا کسی اور بات کی استدعا کرنا چاہتے ہو تو مجھے شہنشاہ ایشیا تسلیم کرتے ہوئے میرے دربار میں حاضر ہو کر یہ استدعا کرو۔ اگر تمہیں میرے شہنشاہ ایشیا ہونے میں کوئی شبہ ہو تو دوبارہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس مرتبہ میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں کیونکہ میں ہر جگہ تمہارے تعاقب میں آؤں گا دوسری طرف اہل صور نے یہ کہلایا کہ وہ سکندر کی اطاعت پر رضامند ہیں مگر بعد میں اس کے باشندوں کو اس خیال خام نے آگھیرا کہ وہ شاید سکندر کو بچا دکھانے کے اہل ہیں۔ جب سکندر نے اہل صور کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ جدا مجد ہر قل کے نام پر قربانی کرنے کی غرض سے شہر میں آنا چاہتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ اہل صور غیر جانبدار ہیں اور انہوں نے پہلے اہل ایران کو بھی شہر میں آنے نہیں دیا اس لئے اب وہ اہل یونان کو بھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ جواب پا کر سکندر نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور جب محاصرے نے طول پکڑا تو سکندر اعظم کے انجینئروں نے صور کی فصیل کے ساتھ سمندر (چونکہ صور ایک جزیرے پر واقع تھا) کی تہہ سے اٹھا کر ایک بہت بڑا چٹان تعمیر کیا۔ ادھر سکندر دو سو ساٹھ جہازوں کا ایک بحری بیڑہ فراہم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان جہازوں کے ذریعے شہر کی مکمل ناکہ بندی کر دی گئی۔ اور دو ہونہر مشینوں سے فصیل میں شگاف کر کے بالآخر سکندر شہر فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سکندر نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں آٹھ ہزار شہری قتل ہوئے اور پلوٹارک کے مطابق 13000 انسان غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے۔ صور کے محاصرے کے دوران داریوش نے ایک بار پھر سکندر سے خط و کتابت کی اور استدعا کی کہ وہ اس کی ایک شہزادی سے شادی کر لے اور بقیہ افراد کو واپس بھجوا دیے۔ ساتھ ہی فرات کے ادھر تک علاقوں پر سکندر کا حق حکومت تسلیم کرنے کا یقین بھی دلایا۔ سکندر بولا۔ ”اگر میں پارمیڈان ہوتا تو میری بھی یہی رائے تھی، لیکن میں سکندر ہوں اور میرا جواب مختلف ہے۔“

سکندر نے اس مراسلے کے جواب میں دارا کو لکھا کہ وہ خود کو سکندر کے حوالے کر دے تو اس کے ساتھ ہر قسم کی مروت کی جائے گی لیکن دوسری صورت میں فیصلہ جنگ کرے گی۔ اسی دوران داریوش کی ملکہ سکندر کے ہاں فوت ہو گئی۔ سکندر کو بہت رنج ہوا اور اس نے ملکہ کو شاہانہ ترک و احتشام کے ساتھ دفن کیا۔

اب سکندر صور سے نکل غزہ کی طرف بڑھا۔ غزہ صور سے تقریباً 150 میل کی دوری پر تھا۔ راستے میں وہ جہاں سے بھی گزرا لوگوں نے سرطاعت خم کیا۔ غزہ کے حکمران نے جو ایک خوبہ سرتا تھا سکندر کی اطاعت سے انکار کیا سکندر نے محاصرے کے بعد شہر کو فتح کر لیا اور حاکم شہر کی سرکشی کا شدید انتقام لیا اور اسے شہر کی فیصل پر گھوڑا گاڑی کے پیچھے بندھا کر کھینچوایا۔ اس شہر سے سکندر کے ہاتھ بہت سے قدیم خزانے لگے۔ اب سکندر مصر کی طرف بڑھا۔ حاکم مصر نے اپنے شہروں کے دروازے سکندر پر کھول دیے اور اطاعت اختیار کی۔ سکندر نے بھی مصری دیوی و دیوتاؤں اور معبدوں کا احترام کیا۔ دار الحکومت ممفس میں سکندر نے مصری معبدوں کے نام پر قربانی کی مگر ساتھ ہی یونانی دیوتاؤں کے اعزاز میں ورزش اور موسیقی کے مقابلے کا انعقاد کیا۔ مصر میں اپنی آمد کی یاد میں سکندر نے ایک نیا شہر آباد کیا جو آج بھی سکندر یہ کے نام سے موسوم ہے۔ سکندر ایک مصری کو اپنی حکومت کا نمائندہ مقرر کر کے خود واپس صوآ گیا۔ اب اس نے اندرون ایران تک پہنچنے کی تیاریوں کا آغاز کیا۔

ادھر داریوش نے بھی سکندر کی طرف سے مصالحت کی تمام کوششوں کو مسترد کر دینے کے بعد وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں کا آغاز کیا اور پوری مملکت کے وسائل جنگی تیاریوں میں جمبویک دیئے۔

331 ق م۔۔۔۔۔ جنگ ارتیل یا گوگامیل

داریوش نے ایران کی عزت بچانے کے لئے دس لاکھ پیادے، چالیس ہزار سوار، دو سو جنگی تھ اور بے شمار ہتھیوں پر مشتمل ایک وسیع لشکر جمع کیا۔ یہ لشکر کلہ قدیم کے مقام سے گزر کر نینوا کے قریب ارتیل یا گوگامیل کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہ ایک وسیع میدان تھا، جو داریوش نے پچھلی جنگی غلطی کی تلافی کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہاں ایرانی سپاہ کو جوہر مردانگی دکھانے کے لئے بہت وسیع جگہ تھی۔ یہاں سے داریوش نے سکندر کی آمد کرن کر اپنے ایک ساتر ویات کو ایک فوجی دستہ دے کر بھیجا پھر اس کے پیچھے ایک اور سردار بازہ کو چھ ہزار سپاہی دے کر روانہ کیا تا کہ سکندر اور اس کے لشکر کو فرات کے اس پار روکا جاسکے مگر دونوں سرداروں کو حوصلہ نہ ہوا کہ مقدونی لشکر کو روک سکیں اس لئے پیچھے ہٹ آئے۔

جب سکندر دشمن کے مقابل پہنچا تو اس نے سب سے پہلے تو اپنے لشکر والوں کو آرام کرنے کی اجازت دی۔ اس موقع پر سکندر کے جرنیل پارسیانے دشمن پر شب کون مارنے کا مشورہ دیا۔ سکندر نے اس کے جواب میں کہا کہ میں راتوں کی طرح رات کی تاریکی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا ہمیں جنگ کے لئے صبح کا انتظار کرنا ہوگا۔

پھر صبح ہوتے ہی دونوں لشکروں کی صفیں آراستہ ہو گئیں داریوش نے قلب لشکر میں جگہ لی۔ ادھر مقدونی لشکر کے دائیں بازو کی قیادت سکندر نے سنبھالی۔ پھر دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ (31 اکتوبر 331 ق م) طبل جنگ بجتے لگے اور نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ ایرانیوں نے جنگ کا آغاز اپنے جنگی رتھوں سے کیا۔ ان رتھوں پر بڑے بڑے دندانے نصب تھے۔ رفتہ رفتہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے کہ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ مقدونی لشکر کا داہاں بازو ایرانی لشکر کے بائیں بازو پر ٹوٹ پڑا۔ بڑی گھسان کی جنگ ہوئی۔ آخر مقدونی لشکر نے دباؤ ڈال کر ایرانی صفوں میں شکاف ڈال دیئے۔ داریوش جس رتھ پر سوار تھا اس کے گھوڑوں پر مقدونی تیر اندازوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ ادھر اس کا رتھ بان بھی ایک نیزے کی ضرب سے زمین پر آگرا جب داریوش نے اپنے آپ کو دشمن میں گھرا پایا تو اس نے ایک بار پھر اپنی جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کی۔ داریوش کے فرار کی خبر ایرانی لشکر میں پھیلی وان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ایرانی صفیں بکھر نے لگیں۔ ادھر مقدونیوں نے اپنے پے در پے حملوں سے ایرانی قلب کا صفایا کر دیا۔ لیکن ابھی داریوش کے ہندی اور باختری سپاہی حوصلہ نہ ہارے تھے انہوں نے مقدونی لشکر کے بائیں بازو پر دباؤ بڑھا دیا۔ سکندر کی فوج کے ریزرو سپاہیوں نے اس دباؤ کو کم کرنے کے لئے شدید حملہ کیا جس سے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سکندر نے بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا اس طرح داریوش اپنی باقی ماندہ سپاہ کے ساتھ میڈیا کی طرف نکل گیا اور فتح نے سکندر کے پاؤں چومے۔

فاتح سکندر نے میدان جنگ میں تعفن پھیل جانے کے بعد بابل کا رخ کیا۔ بابل کے حکمران نے سکندر کی آمد کی خبر سن کر استقبال کو بڑھا اور اختیارات اطاعت کیا۔ بابل کے عوام اور پڑھتوں نے بھی سر تسلیم خم کیا۔ یہ شہر اپنے قدیم تمدن کی

کر دیا۔ ترکستان کی مہم کے دوران سکندر اعظم نے ایک ایشیائی لڑکی روہنک سے شادی کی اس کے طعن سے 323 ق م میں ایک لڑا پیدا ہوا تھا جس کا نام بھی سکندر ہی رکھا گیا تھا۔ سکندر کی وفات کے بعد روہنک اپنی سوکن یعنی دختر دار یوش کی موت کا باعث بنی۔ لیکن 311 ق م میں خود سکندر کے جرنیل کا سندر کے ہاتھوں ماری گئی۔

وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتا تھا۔ خود سکندر کو اس کے قدیم دیوتاؤں سے بڑھ کر عقیدت تھی اس نے ہخامنشی بادشاہ خشایار شاہ کے ہاتھوں تباہ ہونے والے بہت سے مندروں کو دوبارہ تعمیر کرایا۔

اہل بابل سکندر کے رویے سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ یہاں سکندر نے اپنی فتح کے جشن منائے اور دیوتاؤں کو قربانیاں دیں۔

بابل میں کچھ عرصہ آرام کر کے سکندر دار یوش کے سرمائی صدر مقام سوس کی طرف متوجہ ہوا۔ بابل سے بیس دن کے سفر کے بعد سکندر سوس پہنچا۔ یہ شہر سکندر کا ایک جرنیل پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ سکندر کو یہاں سے بے شمار خزانہ اور بیتل کے وہ تحفے بھی ملے جو خشایار شاہ امتیختنر سے اٹھالایا تھا سکندر نے اپنی فتح کی یادگار کے طور پر وہ مجسمے واپس امتیختنر بھجوا دیئے۔ ایران کے عظیم بادشاہوں کے خوبصورت محل اب سکندر کے قبضے میں تھے۔ جن کے نقش و نگار اور فن تعمیر دیکھ کر وہ انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔

سوس میں مقدونیہ سے پندرہ ہزار کا ایک لشکر Amyntas نامی ایک سردار کی قیادت میں سکندر کے لشکر سے آملا۔ لشکر کی تنظیم و ترتیب نو کے بعد سکندر نے پرسی پولس (تخت جشید) پر فوج کشی کا فیصلہ کیا۔ یہ ہخامنشی خاندان کا مرکزی مقام تھا۔ پرسی پولس کی عظمت کی داستانیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔ سکندر چاہتا تھا کہ اس عظیم شہر سے ہخامنشی عہد کا چراغ گل کر کے یہاں یونانی دور کی قدیل روشن کرے۔ ایک سوتیرہ میل کا دشوار گزار پہاڑی علاقوں کا سفر کر کے پانچویں دن موسم سرما کی کھٹائیوں کے باوجود سکندر دروازہ پارس تک جا پہنچا۔ یہ آج کل قلعہ سفید کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں شہنشاہ ایران نے کچھ فوج متعین کی ہوئی تھی جس کی قیادت آریوبرزین نامی ایرانی جرنیل کے سپرد تھی۔ سکندر نے اچانک حملہ کر کے اسے شکست سے دو چار کیا۔ اب تخت جشید تک کا راستہ صاف تھا۔ تخت جشید پہنچ کر سکندر نے ہخامنشیوں کے سب سے بڑے خزانے پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے عظیم الشان محلات کو آگ لگا کر ہخامنشی عہد کا اختتام کرنے کے ساتھ ساتھ امتیختنر کو جلانے کا انتقام بھی لے لیا۔ اس کے بعد بازار گد اور ہمدان پر قبضہ کرنے کے بعد سکندر دار یوش کے تعاقب میں نکلا۔ ری اور بحیرہ خزر کے کنارے سے سکندر نے تہران سے مشہد جانے والی سڑک پر سفر جاری رکھا۔ آخر جب سکندر دار یوش کے دھتھ تک پہنچا تو اسے مردہ پایا۔ دار یوش کی بے گور و کفن لاش دیکھ کر سکندر کو بہت رنج ہوا اور اس نے اپنا سرخ لبادہ دار یوش کی لاش پر ڈال دیا۔ مورخین کے مطابق یہ واقعہ جولائی 330 ق م میں پیش آیا۔

دار یوش کے قاتلوں میں بسوس، صوبیدار تلخ کا نام نمایاں تھا۔ اس نے بادشاہ کو قتل کر کے خود دار یوش کا لقب اختیار کر لیا۔ اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا سکندر اس کی سرکوبی کے لئے عازم تلخ ہوا اور افغانستان سے گزرتا ہوا تلخ پہنچا۔ افغانستان میں ہرات کے قریب سکندر نے اپنے نام پر ایک اور سکندر یہ آباد کیا۔

328 ق م میں سکندر کابل کے شمال سے ہوتا ہوا کوہ ہندوکش کے درہ پنج شیر سے گزر کر تلخ پہنچا۔ تلخ زرتشت کا وطن ہونے کی وجہ سے ایرانیوں کے لئے متبرک تھا۔ تلخ کی تسخیر میں سکندر کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ وہ یہاں رکا اور پھر دریائے پنجوں عبور کر کے ترکستان میں سر قدر سے آگے تک بڑھا۔ اس نے سنا ہوا تھا کہ کوروش اعظم نے سیر دریا سے پرے آباد ہکتی قبائل کو لاکار ا تھا۔ سکندر بھی سکٹیوں تک پہنچا اور اس نے سکٹیوں کو اطاعت اور دوستی پر مجبور

327 ق م۔۔۔۔ سکندر اعظم ہندوستان میں

ہر زبہن ہند کے متعلق یونانی قدیم زمانے سے یہ تصور رکھتے تھے کہ وہ عجائب و غرائب سے پر ایک دنیا ہے۔ سکندر اعظم کے لئے ہندوستان میں کشش اس لئے بھی تھی کہ دارپوش اعظم نے پنجاب، سندھ اور سکران فتح کر کے انہیں مملکت ایران میں شامل کیا تھا۔ سکندر ایران کے کسی عظیم بادشاہ سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر کوہ ہندوکش کو عبور کیا اور ہندوستان میں داخل ہو گیا۔ برصغیر میں داخل ہوتے ہوئے اس نے اپنے لشکر کے بڑے حصے کو اپنے ایک سالار ہیفاسٹین Hephastion کی قیادت میں درہ خیبر کے راستے سے روانہ کیا جب کہ وہ خود وادی سوات کے راستے پشاور پہنچا راستے میں کئی قبائل سے اسے خوریز جنگیں لڑنا پڑیں۔ ان قبائل میں وادی سوات کے آشوکا کی قبیلے کا نام نمایاں ہے۔ اس قبیلے سے جنگ کے دوران ایک تیر سکندر کی ایزی میں لگا۔ جب جراح نے یہ تیر نکالا تو سکندر نے وہ مشہور جملہ بولا۔ ”یہ میرے دوستو! خون ہے یہ زرد آب نہیں جو فضیلت مآب لافانی بہاتے ہیں۔“ یہ جملہ ہومر سے اس کی دلچسپی کا امین ہے کیونکہ یہ ہومر کے زریے ”ہیلینڈ“ سے لیا گیا تھا۔

درہ خیبر سے گزر کر سپا چھن انک کے اس مقام پر پہنچا جہاں دریائے سندھ کی چوڑائی کچھ کم ہے یہیں سکندر بھی اس سے آگیا۔ یہاں سے سکندر نے ٹیکسلا کا رخ کیا۔ ٹیکسلا میں ان دنوں ابھی نامی راجہ سکران تھا۔ کافی بوڑھا ہونے اور قریبی ہمسایہ راجہ پورس (پورو) سے اسے خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے اس نے سکندر سے جنگ لڑنے کی بجائے اس کا خیر مقدم کیا۔ بعض مورخین کے مطابق سکندر کی آمد کے وقت بوڑھا راجہ ابھی فوت ہو گیا تھا اور اس کی جگہ اس کا نو جوان بیٹا ”ابھی“ نام سے تخت نشین ہو چکا تھا اس نے سکندر سے جنگ نہ کی تھی۔ ٹیکسلا میں کچھ مقدونی افواج متعین کر کے سکندر 326 ق م میں آگے بڑھا اور دریائے ہیداسپس Hydaspes (سندھ) عبور کر کے دریائے جہلم کے کنارے آ کر رکا۔ جہلم کا راجہ پورس بھی سکندر کی آمد سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے سکندر کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے جہلم کے دوسرے کنارے پر بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا تھا جس میں بے شمار ہاتھی بھی شامل تھے۔ جہلم کے کنارے پر صورت حال ویسی تھی جیسی سکندر کو دریائے گریٹیکوس اور مصر کے اسوس میں پیش آئی تھی۔ اس لئے سکندر نے ایک جنگی چال سے کام لیا اس نے اپنے بالمقابل راجہ پورس کو غلط تاثر دینے کی غرض سے دریا کے کنارے اپنا کچھ لشکر چھوڑ دیا اور باقی لشکر کے ساتھ وہ دریائے جہلم کے کنارے کنارے اوپر کی طرف بڑھا۔

تقریباً ستر میل طے کر کے اس نے خاموشی سے دریا کو عبور کیا اور مشرقی کنارے پر آ گیا۔ پورس کو جب سکندر کے دریا پار کرنے کی خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹے کو دو ہزار سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ سکندر کو روکنے کے لئے بھیجا۔ مگر یہ مختصر دستہ سکندر کو نہ روک سکا اور پورس کا بیٹا لڑتا ہوا مارا گیا۔ آخر سکندر اور پورس کے درمیان چلیا نوالہ کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ پورس کے باقی فیصل بن کر لشکر کے آگے کھڑے تھے۔ پہلے پہل یونانیوں نے اس قدر شدید حملہ کیا کہ

ہندوستانی فوج کو پیچھے ہٹ کر ہاتھیوں کے عقب میں پناہ لینی پڑی۔ لڑائی کا ہنگامہ جب تیز ہوا تو پورس کے ہاتھی بے در پے زخم کٹنے کی وجہ سے بے قابو ہو گئے اور خود اپنی ہی فوج میں گھس کر سپاہیوں کو روندتے چلے گئے۔ ہاتھیوں کے بے قابو ہوجانے سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ بھاگتے ہوئے ہندوستانیوں پر حملہ کر کے مقدونیوں نے ہندوستانی لشکر کو سپاہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ پورس بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا رہا اور جب تک اس کے سارے لشکر نے راہ فرار اختیار نہ کی اس کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا آخر پورس زخم خوردہ حالت میں گرفتار ہوا جس سے آج اسے سکندر کے روبرو لایا گیا تو اس کے اور سکندر کے درمیان وہ تاریخی مکالمہ ہوا جس سے آج بھی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص واقف ہے۔ یعنی سکندر نے جب پورس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو باوجود قیدی ہونے کے پورس نے کہا ”وہی سلوک جو بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔“ اس جواب پر سکندر نے پوچھا۔ ”تم کچھ اور بھی چاہتے ہو؟“ پورس کا جواب تھا۔ ”اس کا جواب بھی میرے پہلے جواب میں شامل ہے۔“ سکندر پورس کی دلیری سے بڑا متاثر ہوا۔ اور اس نے نہ صرف اسے آزاد کر دیا بلکہ اس کی حکومت بھی بہت سے اضافوں کے اسے واپس کر دی۔ اس فتح کے بعد یونانی لشکر فاتح ہونے کے باوجود ہمت ہار بیٹھا اور اس نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ سکندر کا ارادہ دو آہ گرگا جتنا کوج کرنے کا تھا مگر لشکر کی بدولی دیکھتے ہوئے آخر اس نے واپسی کا حکم دے دیا۔ لشکر نے واپسی کی خوشی میں بہت بڑا جشن منایا۔

واپسی شروع ہوئی۔ لشکر نے لاہور کے قریب دریائے راوی کو عبور کیا۔ پھر وزیر آباد سے کچھ آگے بڑھ کر چناب بھی پار کیا۔ جب اس جگہ پہنچے جہاں جہلم اور چناب ملتے تھے تو سکندر نے اپنا بیڑا تو جہلم اور راوی کے سنگم کی طرف بھیج دیا۔ خود سکندر ملتان کی طرف متوجہ ہوا جہاں لی یا مالی Malli نامی ایک جنگجو قوم آباد تھی۔ یہاں کے باشندے مدافعت کی غرض سے قلعہ بند ہو گئے۔ جب سکندر نے یہ دیکھا کہ تو مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ سیر می لگا کر قلعے کی فیصل پر چڑھ گیا لیکن جیسے ہی فیصل پر پہنچا تو سیر می ٹوٹ گئی اور سکندر اور اس کے ساتھی یکہ و تہارہ گئے اب بجائے اپنے اور ساتھیوں کا انتظار کرنے کے سکندر فیصل سے قلعے میں کود پڑا اور اعلیٰ قلعہ سے جنگ شروع کر دی۔ کچھ دیر تو اس کے ساتھی اس کی حفاظت میں مصروف رہے لیکن پھر ان کے دوسری طرف پلٹتے ہی سکندر ملتان کے زرخیز میں آ گیا۔ اس کے سینے میں ایک نیزہ یا تیر لگا جس سے وہ زمین پر آ رہا۔ اس کے محافظ پیکتاس نے اس پر مقدس ڈھال کا سایہ کیا۔ یہ ڈھال الیوم کے بت کدے سے حاصل کی گئی تھی۔ اسی دوران بعض دوسرے مقدونی بھی قلعے میں آ گئے اور اہالیان شہر کو تہ تیغ کرنے لگے۔ بادشاہ کے سینے سے نیزہ نکال کر اسے اٹھا کر مقدونی لشکر میں پہنچایا گیا۔ خون کے زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے سکندر بے ہوش ہو گیا جس سے اس کی وفات کی افواہ پھیل گئی۔ فوج کا اعتماد بحال کرنے کے لئے اسے شاعی کشی میں لگا کر لشکر میں بھرا گیا۔ پہلے تو لشکر کی سبجے کہ یہ بادشاہ کی لاش ہے مگر جب سکندر نے ہاتھ ہلا کر سپاہیوں کو جواب دیا تو سکندر کی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ملتان سے سکندر اعظم نے دریائے سندھ کا رخ کیا اور کچھ عرصہ اس کے کنارے قیام کر کے۔ اس نے اپنی فوج کا ایک حصہ بحری بیڑے کے ذریعے امیر البحر تارچس کی قیادت میں ایران روانہ کیا۔ جو کافی عرصے کے بعد ایران کی بندرگاہ عباس پر جا لگا۔

سکندر بقیہ لشکر لے کر بلوچستان آیا۔ پھر صحرائے لوت عبور کر کے سر جان ہوتا ہوا بازار گد پہنچا۔ یہاں سکندر نے اپنی فتوحات کی یاد میں بہت بڑے جشن منعقد کئے اور قربانیوں اور کھیلوں کا اہتمام کیا۔

سکندر نے اس مرتبہ ایران میں قیام کے دوران اس خیال سے کہ ایران اور یونان میں تعلقات مزید استوار ہو جائیں اپنے لشکریوں کو اجازت دی کہ وہ ایرانی خواتین سے شادیاں کریں اور خود سکندر نے دارا کی بیٹی شہزادی برستین سے شادی کر لی۔

واپسی کے سفر میں ہمدان کے مقام پر سکندر کے عظیم جرنیل ہپاچیون کا انتقال ہو گیا جس سے سکندر کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ ایران میں کئی اور شورشیں فردا اور مہمات طے کر کے عظیم فاتح نے بابل کا رخ کیا۔ اٹھائے راہ میں گورگان (کینیا) کے مقام پر ایک بڑی تیار کر لیا تاکہ بحیرہ خزر کی حدود معلوم کی جائیں۔

اسی دوران سکندر کی ہندوستان سے فاتحانہ واپسی کی خبر آنا فانا ایشیا اور یورپ میں پھیل گئی۔ اکثر ممالک سے سفیر مبارکباد کے لئے سکندر کے دربار میں حاضر ہوئے اس ہمہ گیر مقدمہ نے سکندر کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ سکندر بابل پہنچا تو وہاں کے روحانی پیشواؤں نے سکندر سے شہر میں داخل نہ ہونے کی استدعا کی اور بتایا کہ یہاں اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ سکندر اگرچہ تو ہم پرست تھا لیکن بابلی پڑھتوں کی تنبیہ کو خاطر میں نہ لایا اور فاتحانہ شان سے ایشیا کے اس قدیمی دارالسلطنت میں داخل ہوا۔

بابل میں قیام کے دوران اس کی مہم جو طبیعت کو تسکین نہ ہوئی اور اس نے صحرائے عرب کی مہم پر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اہل فنیقیہ کو ایک طاقت ور بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں فرات تک کا سفر اور بابل میں ایک دریائی بندرگاہ کی تعمیر شروع کرائی۔ انہیں تیاریوں کے دوران، شاید فرات کی ناخوشگوار آب و ہوا کے اثر سے سکندر عارضہ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ یا شاید زہریلا تیر گلنے کی تکلیف عموماً آئی۔

اس مرض نے رفتہ رفتہ شدت اختیار کی اور شدت مرض سے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی اور پھر یہ عظیم فاتح صرف تینیس برس کی عمر میں اس عارضہ سے جاں بحق ہوا۔ یہ اندوہناک واقعہ 323 ق م میں پیش آیا۔ اس وقت سکندر اپنی عظمت کے انتہائی عروج پر فائز تھا۔

سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کے سپہ سالار اور دوسرے یونانی سرداروں میں کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو اس وسیع سلطنت کو سنبھال سکتی۔ جو سکندر اعظم نے یونان سے ہندوستان تک قائم کی تھی۔ چنانچہ اس کے جرنیلوں نے ایک کی بجائے تین سلطنتیں قائم کر لیں باختر (افغانستان و ترکستان) کا یونانی حاکم سیلوکس سلطنت ایران کا فرمانروا بین گیا اور دریائے سندھ سے بحیرہ روم تک کی سرزمین اس کے حصے میں آئی۔ مصر میں سکندر اعظم کا ایک اور جرنیل بطلمیوس Ptolemy خود مختار بادشاہ بن گیا اور مصریوں نے اسے فرعون کی رنگ میں رنگ دیا۔ یونان کی سرزمین پر کئی جنگوں کے بعد ایک جرنیل نے اپنا اقتدار قائم کر لیا بعد ازاں ان تینوں سلطنتوں میں بھی مختلف علاقوں پر قبضہ ہمانے کے سلسلے میں جنگیں ہوئیں رہیں۔

1. Plutarch's Lives.
2. Alexander The Great By Robin Lane Fox.
3. Greece And Rome At War, Peter Connolly.
4. Macedonia, Histry = Athanasios i.
5. 1000 Great Events, Hamlyn Books.
6. 1000 Great Kings, Queens And Ruler Of The World, John Canning.
7. War Throgh The Ages.

8: پلوٹارک، مشاہیر یونان و روما۔

9: تاریخ یونان قدیم، ایڈولف ہولم۔

10: تاریخ ایران، پروفیسر، تقیول بیگ بدخشی۔

11: تاریخ اقوام عالم، از مرتضی احمد خان۔

بنیاد رکھی۔

گلدھ میں تخت نشین ہونے کے بعد چندرگپت موریہ نے بہت جلد اپنی سلطنت کو جنوب میں دریائے نربدا تک اور مشرق میں خلیج بنگال اور مغرب میں بحیرہ عرب تک وسیع کر لیا لیکن بدھ متی سے آم آذ متیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس بات کا سراغ نہیں ملتا کہ چندرگپت موریہ نے اپنی سلطنت کو کیسے اتنا وسیع کیا۔ البتہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ چونکہ گلدھ کو ہندوستان میں ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اسی ریاست پر قبضے کے بعد اس کے تمام تر وسایل اور عسکری قوت چندر گپت کے تصرف میں آ گئی جس کا اس نے بھر پور فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کے تمام تر حصوں پر بھی اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ہندوستان میں صرف ایک طاقتور ریاست کا لاگنا اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھ سکی مگر اسے بھی چندرگپت کے پوتے اشوک اعظم نے فتح کر کے مور یہ سلطنت میں شامل کر لیا۔

سکندر اعظم کی موت کے بعد سے اس کے جرنیلوں میں اقتدار کے لئے رسہ کشی جاری تھی۔ سیلیوکس نکٹر Seleucus Nicator سکندری جرنیلوں میں قابل ترین تھا وہ بقیہ جرنیلوں پر غالب آیا اور شام، بابل اور ایران پر قبضہ کر کے آہستہ آہستہ پورے مغربی ایشیاء کا بادشاہ بن گیا۔ 305 ق م میں اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ دریائے سندھ عبور کر کے وہ پنجاب میں داخل ہو گیا۔ چندر گپت مورہ نے کو جب اس نے یونانی حملے کی خبر ہوئی تو اس نے مورہ افواج کے ساتھ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر یونانی حملہ آواروں کا آرد کا۔ دونوں لشکروں میں ایک بڑی جنگ لڑی گئی جس میں سیلیوکس کو شکست فاش ہوئی اور دونوں فریقوں میں ایک صلح کا معاہدہ ہوا جس کی رو سے سیلیوکس نے قندھار، کابل، ہرات اور مکران کے صوبے چندر گپت کے حوالے کئے اور اپنی ایک بیٹی بھی اسے بیاہ دی۔ اس شادی کے موقع پر چندر گپت نے اپنے ایک سرکر 500 ہاتھیوں کا تحفہ پیش کیا۔ اس طرح اس شادی سے مغربی ایشیا اور ہندوستان کی سلطنتوں کے درمیان مضبوط سفارتی تعلقات قائم ہو گئے جس کی تصدیق 302 ق م میں میگاستھینز Megasthenes نامی یونانی سفیر کی مگدھ میں تعیناتی سے ہوتی ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک یہ سفیر 304 ق م میں مگدھ آیا تھا۔ بہر حال میگاستھینز نے ہندوستان میں قیام کے دوران یہاں کی تاریخ، جغرافیہ اور سیاسی و سماجی اداروں کے متعلق اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے لکھا۔ میگاستھینز کی اس تصنیف کا نام "انڈیکا" Indica تھا۔ اس میں میگاستھینز نے دو ذرائع سے معلومات اکٹھی کیں تھیں۔ ایک تو خود اس کے چشم دید مشاہدات پر مبنی تھے۔ اور دوسرے وہ جو اس نے لوگوں سے سنے تھے ان دونوں اقسام میں اس کے چشم دید بیانات بالکل صحیح، جبکہ سنے سنائے مبالغے اور تخیل سے لبریز ہیں۔ میگاستھینز کی یہ کتاب زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی مگر دوسرے قدیم مورخین نے اس میں سے طویل اقتباسات اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں۔ جو آج ہم تک پہنچے ہیں۔ ان قدیم مورخین میں پلوٹارک، اریسٹو، سٹرابو اور پلینی کے نام شامل ہیں۔

ڈاکٹر موجد ار کے مطابق چند رگت مور یہ کے ان شاندار کارناموں کے پیچھے چا کلیہ جیسے عظیم ہندوستانی دانشمند کا ہاتھ تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا تھا کہ چا کلیہ نے ہی اس کی تعلیم و تربیت کی تھی۔ اور اسی نے اسے ہمیشہ صحیح مشاورت فراہم کی۔ چا کلیہ یا کو تلیہ کا اصل نام و شنوگت تھا۔ وہ حملہ سکندر کے وقت ٹیکسلا یونیورسٹی میں معلم تھا۔ چین روایات کے مطابق چا کلیہ ایک غریب آدمی تھا۔ وہ آخری خندانی حکمران دھن نندا کے عہد میں دولت کمانے کی غرض سے ہائی پڑا گیا تھا۔ وہاں

321 ق م۔۔۔۔۔ مور یہ سلطنت کا قیام

چوتھی صدی میں موریہ خاندان کی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہندوستان میں ایک نئے سیاسی دور کا آغاز ہوا۔ اس خاندان نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوستان کے بڑے حصے کو ایک سیاسی وحدت کی شکل دی اور یہاں ایک ہی بادشاہ کی حکومت قائم کر کے یکساں قوانین کا نفاذ کیا۔

موریہ خاندان کے بانی چندر گپت موریہ کے ابتدائی حالات پر صدیوں کی گزرجی ہوئی ہے اور زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ البتہ مختلف مآخذ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ ایک خانہ بدوش قبائلی سردار کا بیٹا تھا اور مچھلی دان میں پیدا ہوا۔ (یہ شہر ضلع میانوالی میں اس جگہ واقع تھا جہاں اب پیلاں موجود ہے۔ مختلف محققین کے مطابق لفظ پیلاں خود مچھلی دان کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے)۔ بچپن ہی میں چندر گپت موریہ باپ کے سائے سے محروم ہو گیا۔ اس کا باپ ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔ اس کا ایک ماموں چندر گپت موریہ اور اس کی بے آسرا ماں کو پائل پیتر لے آیا جہاں اسے چرواہے نے ایک شکاری کو بیچ دیا۔ شکاری کے جانوروں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ہی اس کی ملاقات چالکیہ سے ہوئی جس نے اس کی ذہانت اور جسمانی وجاہت کو دیکھتے ہوئے اسے شکاری سے خرید لیا اور اپنے ساتھ ٹیکسلا لے گیا۔ یہاں چالکیہ نے چندر گپت کی تربیت کی اور اسے ٹیکسلا یونیورسٹی کا فارغ التحصیل بنایا۔

تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر چندر گپت مور یہ گلدھ کے آخری تندر لہجہ کی فوج میں کس اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد کس بات پر راجہ اس سے ناراض ہو گیا اور اس نے نہ صرف اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ بلکہ اسے اپنی ریاست سے بھی نکال دیا۔ جلا وطنی کے ایام میں وہ واپسی نیکسلا آ گیا۔ اسی دوران سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا اور وہ نیکسلا آیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ چندر گپت مور یہ نے سکندر سے ملاقات کی اور اسے ریاست گلدھ پر حملے کی ترغیب دی۔ لاطینی مورخ جسنٹن (جس نے چندر گپت کو سنڈرا کوٹس کہا ہے) لکھتا ہے کہ سکندر نے چندر گپت کی بے باکانہ تقریر سن کر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا اس لئے وہ بچ نکلا اور کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گیا۔ پھر جیسے ہی سکندر کی موت کی خبر ہندوستان پہنچی چندر گپت مور یہ اپنے وطن سے غیر ملکی حکومت کو (جسے کوسیلہ نے اپنی کتاب ارتھ شاستر میں بدترین بدی برقرار دیا ہے) ختم کرنے کے لئے ایک بار پھر منظر عام پر آیا۔ اس نے پنجاب کے جنگجو قبائل کی ایک عوامی فوج کی تیاری اور پنجاب کے غیر ملکی حکمرانوں پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ پنجاب کو غیر ملکی یونانیوں سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ پنجاب میں کامیابی حاصل کر کے اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو گیا کہ اس نے مشرق میں واقع ریاست گلدھ پر چڑھائی کر دی۔ گلدھ کا آخری تندر حکمران اپنے مظالم اور نیکس کی وصولی میں سختی کی وجہ سے اپنی عوام میں غیر مقبول تھا اس لئے چندر گپت اور اس کے مشیر چالکیہ کی معمولی کوشش اور عظیم انقلابی جنگ گلدھ (322 ق م) سے تندر خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور چندر گپت مور یہ نے 321 ق م میں تخت نشین ہو کر مور یہ سلطنت کی

گھومتا ہوا ایک شاہی خیرات گھر (وان ٹالہ) میں گھس گیا اور اندر جا کر ناظم کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جہاں سے اسے بادشاہ کے حکم پر بے عزت کر کے نکال دیا گیا۔ اس بات سے اس کے دل میں بادشاہ کے خلاف کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے موقع پا کر بادشاہ کے ایک بیٹے کو اغوا کر کے قتل کر دیا۔ اسی دوران اسے چندر گپت مل گیا اور وہ اسے لے کر واپس نیکسلا آ گیا۔ جب چندر گپت بادشاہ بنا تو کوتلیہ اس کا سیاسی مشیر مقرر ہوا۔

کوتلیہ اپنے عہد کا بلند پایہ سیاسی مفکر، لائق عالم و سیاستدان تھا۔ اسے دھات سازی میں بھی سند کا درجہ حاصل تھا۔ اس کا عظیم علمی کارنامہ اس کی تصنیف ”ارتھ شاستر“ ہے۔ یہ حکومت کرنے کے فن پر سائنسی بنیادوں پر لکھی گئی کتاب ہے جو اس عہد کے علمی عروج کی نشاندہی کرتی ہے۔

مآخذ

1. Vincent A. Smith, Oxford History Of India.
2. Longman's History Of India.

3: تاریخ پاکستان وسطی دور یحییٰ امجد۔

4: تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب۔

5: قدیم ہندوستان، بالکنند عرش ملیسانی مترجم ڈی۔ ڈی۔ کوکبی۔

6: ہندوستانی تہذیب کی داستان، اے ایل ہاشم۔

7: ارتھ شاستر از کوتلیہ چالکیہ ترجمہ سلیم اختر۔

304 ق م۔۔۔ مصر میں بطلمیوسی عہد کا آغاز

سکندر اعظم کی وفات کے فوراً بعد اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھر نے لگا۔ اس کے فوجی سالاروں نے بابل میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں سلطنت کے صوبوں کو باہم تقسیم کر لیا گیا۔ صوبہ مصر کلچر یونانی حاکم بطلمیوس کو مقرر کیا گیا۔ 304 ق م میں بطلمیوس اول نے مصر میں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی اور مصر میں یونانی حکمرانوں کے بطلمیوسی خاندان کا آغاز کیا۔ اس کی وفات پر 285 ق م اس کا بیٹا بطلمیوس دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ بطلمیوس دوم نے فراعزہ مصر کے رواج کے مطابق اس نے اپنی گلی بہن آرسینوئی دوم Arsinoe II سے شادی کر لی۔ اس شادی سے یونانی چونکے مگر بطلمیوس دوم کے درباری شاعروں نے اس کے اس کام کی تعریف کی۔ بطلمیوس دوم داخلی استحکام کے بعد اپنی سلطنت کو وسیع کیا اور شام، ایشیائے کوچک اور بحیرہ ایج کے علاقے سلطنت مصر میں شامل کر لیے۔ اپنے عہد میں بطلمیوس دوم نے یونان، روم اور ہندوستان تک اپنے سفارت کار بھیجے اور ان ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ اس کے عہد میں بہت سی جنگیں بھی لڑیں گئیں اور فراعزہ مصر کے زمانے کی تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں دوبارہ شروع کرائیں۔ بطلمیوس دوم کے عہد میں سکندریہ میں بھی مشہور زمانہ میوزیم یا محنت سکندریہ کی تعمیر ہوئی جو ایک کتب خانہ کے ساتھ ساتھ ایک مرکز علم کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں صحف یہود یا تورات کا سمیعینہ ترجمہ کیا گیا۔ 246 ق م میں بطلمیوس سوم تخت نشین ہوا۔ اس نے شاہ سائین کی بیٹی سے شادی اور شام پر بھی حملہ کیا اور دریائے فرات کے عراقی علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اپنے عہد کی جنگی مصروفیات سے فارغ ہو کر اس نے مصر کے داخلی استحکام پر توجہ دی اور کچھ عرصے میں مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔

بادشاہ کو سلامتی جاں اور سلامتی سلطنت کے لئے کسی بھی مذموم فعل سے پرہیز کرنے کا مشورہ نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ اپنی ملکہ، محل کی دوسری خواتین اور اپنی اولاد پر بھی بادشاہ کو جاسوس مقرر کرنے کا مشورہ دیتا ہے تاکہ وہ اس کے خلاف کوئی سازش نہ کر سکیں۔ اس کے ہاں اخلاقی گرواٹ اس حد تک پائی جاتی ہے کہ وہ بادشاہ کو اس کے ہاں اولاد نہ ہونے پر کہتا ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی عزیز یا قریب کے کسی نیک خصلت بادشاہ کو "اپنی زمین کی خیم ریڑی کے لئے" مقرر کرے۔ جو شخص سیاسی مصلحت کی خاطر ایسی بات گوارا کرے وہ دوسرے کو دھوکا دینے اور نقصان پہنچانے میں کیوں تامل کرے گا۔ غرضیکہ کوتلیہ نے ارتھ شاستر میں بادشاہ کو دعا بازی، دیا کاری، فریب اور بے باکی کا سبق اس طرح پڑھا دیا ہے کہ یہ سارے عیب سیاست کے ہنر بن گئے ہیں اور کامیاب بادشاہ انہیں عیبوں کا مجسمہ نظر آنے لگتا ہے۔

سیاسی ہتھکنڈوں کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں اس زمانے کے دیگر علوم کا خزانہ بھی مدفون ہے۔ علم معدنیات، علم نباتات اور علم کیمیا کے بارے میں بیش بہا معلومات بھی اس میں درج ہیں۔ شراب تیار کرنے کے لئے بھی ملتے ہیں اور گوشت پکانے کی تراکیب بھی۔ قدامت پسندی کی انتہا یہ ہے کہ بادشاہ کو تیل، گائے اور چھڑے کے طواف سے دن کے کاروبار کا آغاز کرنے کا مشورہ اور گوبر کی قسم کھانے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ارتھ شاستر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چوتھی اور تیسری صدی قبل از مسیح میں ہندوستان میں دنیاوی علوم اور علوم عجیب خاصا فروغ پائے تھے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں شہزادوں کی تعلیم و تربیت، وزیروں کا انتخاب اور ان کی وفاداری، ٹیکسوں کا نفاذ اور ان کا حصول جیسے اہم موضوعات کے علاوہ کتاب کا بڑا حصہ خارجہ پالیسی یا بادشاہ کے اس کے ہمسایہ بادشاہوں کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کرنے کی ہدایات پر مبنی ہے۔ چانکیہ کے مطابق دشمن کے دشمنوں سے اتحاد اور دوستی رکھنا ضروری ہے اور اس سلسلے میں زہر خورانی سے لے کر عورت کے استعمال تک سب ہتھکنڈے جائز ہیں۔

ارتھ شاستر ایک طویل عرصے تک لاپتہ اور گم نام رہی 1909 میں کہیں جا کر اسے ڈاکٹر شاستری نے میسور کی ایک لائبریری سے دریافت کیا اور پھر اپنی سرکردگی میں اسے شائع کرایا۔

300-321 ق م۔۔۔ ارتھ شاستر

کوتلیہ چانکیہ کا ایک بڑا علمی کارنامہ اس کی تصنیف "ارتھ شاستر" ہے۔ ارتھ شاستر سے مراد "عزم یا ارادوں کی کتاب" ہے۔ ارتھ منسکرت میں عزم، ارادہ یا نیت کو کہتے ہیں۔ جبکہ شاستر کا مطلب کتاب ہے۔ اگرچہ مغربی فلسفیوں افلاطون اور ارسطو نے بھی تقریباً اسی زمانے میں علم سیاسیات پر اہم کتب تصنیف کیں تھیں مگر ارتھ شاستر "ان اہم مغربی تصنیفات سے بھی کہیں بہتر طور پر اور سائنٹفک بنیادوں پر لکھی گئی کتاب ہے۔ اسے اس کے موضوع کے اعتبار سے تحقیقین نے دنیا کی عظیم کتابوں میں شامل کیا ہے۔ اور یہ افلاطون اور ارسطو کی تصانیف کے ہم پلہ یا ان سے بھی بہتر سمجھی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کا موازنہ میکیاوولی کی کتاب "دی پرنس" سے بھی کیا ہے۔ مگر چوتھی صدی قبل از مسیح میں لکھی گئی اس کتاب کا موازنہ پندرہویں صدی بعد از مسیح کی کتاب سے کچھ عجیب لگتا ہے۔ ڈاکٹر شام شاستری نے اس کتاب کا زمانہ تصنیف 321 ق م اور 300 ق م کا درمیانی زمانہ قرار دیا ہے۔

ارتھ شاستر کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیاسی مصلحت کو عمل پر ہی نہیں بلکہ اصول پر بھی حاوی بتایا گیا ہے۔ اس میں بادشاہوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ پندتوں کی صحبت اختیار کریں۔ چاروں ذاتوں کے دھرم واضح کرنے کے بعد تاکیدی کی گئی ہے کہ لوگوں کو ان کے دھرم سے نہ ہٹنے دیا جائے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مذہبی فرائض کی طرف متوجہ رہتا ہے وہ آریوں کے رواج کا پابند رہتا ہے اور ذات پات کے نظام اور دینی زندگی کی تقسیم پر کار بند بھی۔ چانکیہ اس کتاب میں لکھتا ہے کہ "دنیا کی ترقی کی رفتار علم سیاسیات پر منحصر ہے۔"

ارتھ شاستر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حکومت کا دائرہ عمل بہت وسیع کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک ریاست کا ہر کام حکومت کا کام ہو جاتا ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو، معاشرے کا کوئی طبقہ ایسا نہیں کہ جس کے معاملات میں حکومت کو دخل نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں حکومت کے استحکام کے طریقہ کار بھی بتائے گئے ہیں اور اس کام کی جانچ پڑتال تک کے لئے تدبیریں بھی اس میں درج کی گئیں ہیں۔ یوں حکومت کرنا ایک مشکل فن بن جاتا ہے اور اس فن کو سمجھنا سیاستدانوں کا اصل منصب۔

ارتھ شاستر کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نفسیات کے علم کو سیاست کارکن سمجھا گیا اور بادشاہ کو وہ تمام ترکیبیں بتائی گئی ہیں جو مدبروں اور سرکاری ملازمین کو آ زمانے ان سے کام لینے اور اگر وہ جھٹک جائیں تو ان کی گرفت کرنے میں مفید ثابت ہو سکی ہیں۔ کوتلیہ اس لئے ایک بدنام زمانہ سیاسی مصنف قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے سیاسی مصلحت پر ہر اصول اور ہر جذبے کو قربان کرنے کا سبق دیا ہے۔ خواہ وہ اخلاقی زندگی کے لئے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ کوتلیہ کا بادشاہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ اس پر دن رات شک اور خوف کی کیفیت طاری رہتی ہے شاید اسی لئے چندر گپت مور یہ دوسری رات ایک ہی چھت کے نیچے بھر کرنے کا عادی نہ تھا اور نہ ہی وہ شک کی وجہ سے دوپہر کو آرام کیا کرتا تھا۔ کوتلیہ اپنے

300 ق م۔۔۔۔۔ اقلیدس اور اس کی ”مبادیات“

مصر کا بادشاہ بطلمیوس اول (323 ق م، 285 ق م) سکندر اعظم کے ان کامیاب جرنیلوں میں سے ایک تھا جو اس کے بعد اپنی سلطنتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس کے عہد میں سکندر یہ ایک عالمی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

شاہ بطلمیوس کو علم ہندسہ سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک بار وہ مشہور زمانہ ہندس اقلیدس کی کتاب ”مبادیات Elements“ پڑھ رہا تھا۔ اسے یہ کتاب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی۔ اقلیدس خود بھی اس کے دربار میں موجود تھا۔ اس نے اقلیدس سے پوچھا کہ کیا بادشاہوں کے لئے علم ہندسہ پڑھنے کا کوئی آسان طریقہ نہیں ہے۔ اقلیدس نے بادشاہ کے اس سوال کے جواب میں کہا کہ ”جناب علم ہندسہ کی طرف کوئی شاہی سڑک نہیں جاتی۔“ اس جواب سے بادشاہ لا جواب ہو گیا۔ اقلیدس (Euclid) (اندازاً 330 ق م - 275 ق م) کی ذاتی زندگی کے متعلق صرف یہ معلوم ہے کہ وہ غالباً ایتھنز میں پیدا ہوا۔ اور زمانہ طالب علمی میں افلاطون کی اکادمی سے وابستہ رہا۔ بعد میں وہ سکندر یہ، مصر چلا آیا جو اس وقت کی دنیا کا ایک عظیم مرکز علم بن گیا تھا۔ سکندر یہ ہی میں اس نے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں اسی مدرسے میں وہ علم ہندسہ کے ان اصولوں کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ جو ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا ایک شاگرد کونون Conon مشہور زمانہ ہندس ارشیدس Archimedes کا استاد تھا۔ اس کے بارے میں قدامت لکھا ہے کہ وہ ایک ”شریف الطبع اور مہربان انسان تھا۔ میلے نیکی Hellenic علوم، ریاضیات، فلکیات اور طبیعیات کا آغاز اقلیدس کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے ہوتا ہے۔ اس نے علم ہندسہ کو یہاں تک فروغ دیا کہ اقلیدس اور ہندسہ آج بھی سینکڑوں ہزاروں انسانوں کے نزدیک ایک مترادف الفاظ ہیں۔ چوتھی اور تیسری صدی قبل از مسیح کا وہ حصہ جس میں وہ حیات تھا۔ آج بھی تاریخ سائنس میں اس کی علمی خدمات کے اعتراف میں ”عہد اقلیدس“ کہلاتا ہے۔ وہ ایک طرح سے اس زمانے کی تہا سائنسی شخصیت ہے۔ لیکن اس قدر بلند اس کے ہوتے ہوئے دوسری شخصیت بلندی پر نظر نہیں آتی۔

تیسری صدی قبل مسیح کے وسط یا اس سے کسی قدر پہلے علمی تحقیق و تفتیش کا ایک عظیم الشان ادارہ Museum یا متحف سکندر یہ جسے دنیا کی سب سے پہلے اور موجودہ زمانے کی ان درسگاہوں کی نسبت جو اس نام کی عزت اور شرف کو برقرار رکھنے کی بجائے اسے چھوٹی چھوٹی اور ادنیٰ درجے کی مصلحتوں پر قربان کر دیتی ہیں۔ کہیں زیادہ حقیقی معنوں میں جامع تصور کرنا چاہیے۔ میوزیم کو سائنس کی سرپرست دیویوں Muses کے نام پر میوزیم کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس قدیم ادارے کے شہرت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس ادارے نے تحقیق و تجسس کے دو موقع بہم پہنچائے جو اس سے پہلے کہیں میسر نہیں تھے بلکہ اس لئے کہ اس سے کئی مشہور اور نامور ہستیوں کی یاد وابستہ ہے اس علمی درسگاہ کی کشش دیگر عالموں کے ساتھ ساتھ اقلیدس کو بھی سکندر یہ لے آئی تھی۔

ریاضی کے میدان میں اقلیدس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے علم ہندسہ پر نظر ثانی کر کے اس کو ریاضیات کی ایک منظم شاخ کا درجہ دیا۔ اپنے متقدمین کی تحریروں کی نئے سرے سے تدوین اور ترتیب کی۔ مسائل اور ان کے ثبوتوں کے منطقی تسلسل کو مستحکم کیا اور فروغ دیا۔ پرانے ثبوتوں پر نظر ثانی کی اور جہاں جہاں کی محسوس ہوئی وہاں علمی ہندسہ کے نئے ثبوت اختراع کئے۔ بعض قدیم ہندس جن کی تحریروں کی اقلیدس نے اصلاح کی وہ کیوس (Chios) کا بقرطاط، طالیس Thales اور خود فیثاغورث تھے۔

چونکہ یونان میں علم ہندسہ کا کوئی عملی مصرف نہ تھا لیکن مصری باشندے دریائے نیل میں سیلاب کے بعد ہر سال علم ہندسہ کی مدد سے زمینوں کا دوبارہ معائنہ اور پیمائش کرتے تھے۔ یہیں سے لفظ ”جیومیٹری“ نکلا جس کا مطلب ”زمین کی پیمائش“ ہے۔ اقلیدس کی علمی تحقیق ریاضیات سے ہندی بصریات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بصریات کو اسی نے سب سے پہلے جیومیٹری کا ذیلی حصہ بنایا تھا۔ اور شعاعوں کو خط مستقیم سے ظاہر کیا۔ اقلیدس کی کتاب ”مبادیات Elements“ دو ہزار سال سے زیادہ عرصے سے علم ہندسہ کی بنیادی اور ابتدائی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ کتاب علم ہندسہ کی ابتدائی تعلیم کے لئے آج بھی اساس کا کام دیتی ہے۔ ”مبادیات“ کا بیشتر حصہ خود اقلیدس کی محنت اور تحقیقات کا نتیجہ ہے یہ کتاب اپنی اختلاف و تراکیب کی شرح و بسط میں مصنف سے بڑی لیاقت اور قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کی پہلی چار فصلیں، سادہ تر اقلیدی اشکال کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً مثلث، دائرہ، کثیر الاضلاع، خطوط متوازی اور فیثاغورثی مسئلے کی مشقیں، پانچویں فصل مساوات کی مختلف اشکال کے ذریعے تناسب کا ایک نظریہ پیش کرتی ہے۔

چھٹی فصل بھی پانچویں میں پیش کردہ تصویروں کی بنیاد پر اسی قسم کی اشکال کے بارے میں ہے۔ ساتویں سے نویں فصل تک میں مکمل اعداد کی خاصیتیں بیان کی گئیں ہیں۔ دسویں فصل میں غیر ناطق اعداد کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ گیارہویں اور بارہویں فصلیں علم ہندسہ کے ٹھوس حقائق مثلاً مضلع Pyramid، اسطوانہ Cylinder، مخروط Cone اور کرہ جیسی اشکال کے بارے میں ہیں۔

اقلیدس نے ”مبادیات“ کے علاوہ اور کتب بھی تصنیف کیں۔ ان میں سے بہت سی تو ضائع ہو گئیں لیکن جو زمانے کے دست برد سے محفوظ رہ کر ہم تک پہنچی وہ یہ ہیں۔ بصریات Optics، مظاہر Phenomena خود دازوں کے بارے میں ہے۔ معلوم Data جس میں چورنو سے مسئلے بیان کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اگر ایک شکل کے بعض مخصوص عناصر معلوم ہوں تو باقی عناصر معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

صدیاں گزرنے کے باوجود علم ہندسہ اور اقلیدس کے اصول متعارف بلائیل و حجت تسلیم کئے جا رہے ہیں اور بہت کم ریاضی دانوں نے ان پر کھلم کھلا اعتراض کرنے کی جرات کی ہے۔ اس لئے آج کے ریاضی کے طالب علموں کے لئے بھی اقلیدس انتہائی اہم ہے جتنا آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کے طالب علموں کے لئے تھا۔

1: مقدمہ تاریخ سائنس از جارج سارٹن

2: دنیا کی عظیم سائنسدان از رقیہ جعفری، مرفر از احمد۔

Asimov's Biographical Encyclopedia Of Science & Technology.

1000 Great Events.

A History Of The Sciences By Stephen F. Mason.

300 ق م۔۔۔۔۔ روایت اور اس کا بانی

روایت Stoicism ستیری اور دوسری صدی قبل از مسیح کا مشہور دبستان فلسفہ ہے جس کی بنیاد زینو نے تقریباً 300 ق م میں رکھی تھی۔

روایتی جماعت کا بانی زینو Zeno (342 ق م۔ 270 ق م) جزیرہ قبرص میں یونانی شہر سٹیم Cittum کا رہنے والا تھا اور اسی نسبت سے زینوسٹیمی Zeno Of Cittum بھی کہلاتا ہے۔ دیوجانس کی تحقیق کے مطابق اس کی عمر بہتر سال کی ہوئی۔ اس کا سنہ ولادت 342 ق م کے قریب بتایا گیا ہے۔ بائیس سال کی عمر میں وہ ایتھنز آیا اور کرائس کلبی سے وابستہ ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے ڈائیڈورس مفاری، زینو کرائس اور پولیکو اور سطلو سے بھی تعلیم حاصل کی۔ 300 ق م میں یا شاید اس سے کچھ پہلے وہ بحیثیت ایک معلم اور فلسفی مصنف کے دنیا کے سامنے آیا اس نے کلبیوں کے فلسفہ اخلاق کو مابعد الطبیعی اور منطقی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی علاوہ ازیں اس نے ہیراقلیتوس، افلاطون اور ارسطو کے بہت سے تصورات کو اپنے نظام فلسفہ میں شامل کر لیا۔ اس طرح اس نے ایک منظم مسلک فکر کے لیے زمین ہموار کی۔ اس کے علاوہ پہلے اس کے نام کی نسبت سے زینوی کہلاتے تھے لیکن چونکہ وہ ایتھنز میں ایک منقش رواق Painted Porch میں پڑھایا کرتا تھا۔ اس لیے اس کے دبستان فلسفہ کو رواقی اور اس کے نظام فلسفہ کو روایت کہنے لگے۔ اس کی اعلیٰ سیرت کی وجہ سے سب لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ اس نے اپنی بیماری سے مایوس ہو کر تقریباً 240 ق م میں خودکشی کی تھی۔

روایت کے مطابق تمام حقیقت مادی ہے اور ہر شے میں ایک آفاقی قوت (خدا) کا فرمایا سرایت کیے ہوئے ہے۔ رواقی عین فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور انسانی فرائض بجالانے اور حقیقی آزادی حاصل کرنے کی خاطر حرص و ہوا، غیر معتدل خیالات اور لذتیت کو ترک کر دینے پر زور دیتے تھے۔ دوسری صدی قبل از مسیح میں اس دبستان فلسفہ کو جب روما میں روشناس کرایا گیا تو اس نے سیکا Seneca، اپیکٹتس Epictetus جیسے مشہور معروف قیمن کو متاثر کیا۔

290 ق م۔۔۔۔۔ ایتھوری فلسفہ اور ایتھور

ایتھور یا ایتھیکورس Epicurus نیکیورس کا بیٹا تھا۔ وہ دسمبر 343 ق م یا جنوری 341 ق م میں ساموس میں پیدا ہوا۔ نوزائیدہ ہی اسے کوہیمقرطیس کے فلسفے کی تعلیم دی۔ وہ پامفیلس افلاطونی کا بھی شاگرد رہا۔ اس کے بعد وہ اکولون، لمپاسکوس اور کئی دیگر یونانی شہروں میں پڑھاتا رہا۔ آخر میں 306 ق م میں اس نے ایتھنز میں معلیٰ شروع کی۔ ایتھنز میں وہ ایک باغ میں تعلیم دیتا تھا جہاں اس کے دوستوں، شاگردوں اور مداحوں کا جھگھکا لگا رہتا تھا۔ اس دائرے کے لوگ ایتھور کی تعلیم اور شخصیت پر دل و جان سے فدا تھے۔ فلسفیانہ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپس میں ان لوگوں کا نہایت گہرا میل جول رہتا تھا۔ مردوں کے علاوہ اس کے حلقے میں خواتین بھی شریک تھیں۔ ایتھور نے اپنی تعلیمات کو متعدد کتابوں میں پیش کیا مگر اسلوب بیان کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ دی۔ 270 ق م میں اس نے وفات پائی۔

ایتھور کے فلسفے کے مطابق فلسفہ دماغی سرور و سکون کی مدد سے، کہ یہی خیر مطلق ہے، زندگی کو خوشگوار بنانے کا فن ہے۔ اس کے نزدیک علم زندگی کا خادم ہے اور فلسفہ کا مقصد انسانی زندگی میں تسکین پیدا کرنا تھا۔ اس کی تعلیمات کے مطابق جسم کے تقاضے دبانے نہیں چاہیں بلکہ اعتدال سے ان کی تسکین کا سامان کرنا چاہیے۔ وہ لذت کو سب سے بڑی چیز سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے لذت کے حصول کی تعلیم دی۔ بعد ازاں اس کی تعلیمات میں آمیزش کر کے انہیں ”کھاؤ پیو اور عیش کرو“ کے اصول میں بدل دیا گیا حالانکہ یہ بات اس کے عقیدے کی روح کے خلاف اور برعکس تھی۔ اس کے دبستان فلسفہ کو ”دبستان لذتیت“ بھی کہا جاتا ہے۔

ایتھور کے بعد ہرمارکس اس کی جماعت کا امام ہوا۔ دوسری صدی ق م کے وسط میں جب افینیوس نے ایتھور کی تعلیمات کی لاطینی زبان میں شرح کی تو وہ روم میں بہت مقبول ہوئی۔

ایتھور کا فلسفہ فقط عملی اغراض پر نظر رکھتا تھا اور خالص علمی تحقیقات کی طرف اس کی کچھ توجہ نہیں تھی۔ اسی وجہ سے وہ ریاضیاتی علوم کو بے کار اور حقیقت سے بعید سمجھتا تھا۔

مآخذ

مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا۔ جلد اول۔

292 ق م۔۔۔۔۔ جزیرہ روڈز کے دیوپیکر کی تخلیق

دنیا نے قدیم کے ہفت عجائبات میں سے ایک جزیرہ روڈز Rhodes Island کا دیوپیکر مجسمہ کولوس Colosus تھا۔ اس کی تعمیر میں 12 سال 292 ق م۔ 280 ق م کا عرصہ لگا مگر یہ شاندار مجسمہ صرف 56 سال عمر پاسکا۔

ترکی کے ساحل سے 12 میل دور بحیرہ روم میں جزیرہ روڈز واقع ہے۔ قدیم دور میں یہ ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادیوں میں سے ایک تھا۔ اپنے قدیم دور کی طرح یہ آج بھی ایک یونانی آبادی ہے۔ اگرچہ اس جزیرے پر دنیا کی بہت سی اقوام قابض رہیں جن میں ایرانی، رومن، عرب، اہل ویش، اہل جینوا اور ترک شامل ہیں۔ اس جزیرے پر تعمیر شدہ عمارتوں میں اس کے ماضی کی تاریخ جھلکتی نظر آتی ہے۔ ماضی کے اس ورثے میں شامل اس کی بندرگاہ میں داخلے کے مقام پر دو سادہ ستون کھڑے ہیں۔ یہ ستون اس جگہ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ جہاں تیسری صدی قبل از مسیح میں قدیم دنیا کا یہ عجوبہ کھڑا تھا۔

312 ق م میں اہل روڈز نے شاہ مصر بطلمیوس اول King Ptolemy I کے اتحادی کے طور پر مقدونیہ کے بادشاہ انتیگونیس اول کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اس جنگ میں شاہ مصر کو کامیابی حاصل ہوئی اور اہل مقدونیہ یہ جنگ ہار گئے۔ نتیجتاً اہل مقدونیہ اہل روڈز کے خلاف ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے روڈز کا محاصرہ کر لیا۔ اہل جزیرہ نے کامیابی سے ایک سال تک اپنے شہر کا دفاع کیا۔ جب شاہ مصر کو اہل مقدونیہ کے اس اقدام کی خبر ملی تو وہ اہل روڈز کی مدد کو آ پہنچا اور انہیں اہل مقدونیہ کے محاصرے سے نجات دلائی۔

شہر کا دفاع کرنے والے بہادر لوگوں میں ایک سنگتراش بھی شامل تھا۔ جس کا نام کیرتیس Chares تھا۔ اہل روڈز نے محاصرے سے نجات اور تشکر منانے کے لئے کیرتیس کو اس محاصرے سے نجات کی یادگار کے طور پر ایک عظیم الشان مجسمہ تخلیق کرنے کو کہا۔ یہ مجسمہ جزیرہ روڈز کے محافظ دیوتا اپالو یا سورج دیوتا کا تھا۔ محاصرے سے نجات کے تشکر کے طور پر یہ مجسمہ کانسی کے ان ہتھیاروں کو ڈھال کر تعمیر کیا گیا جو اہل مقدونیہ محاصرہ اٹھاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس مجسمہ تخلیق میں بارہ سال لگے۔ جب یہ مکمل ہوا تو اس کے خالق نے محض اس بنا پر خودکشی کر لی کہ اس کی تخلیق میں اس سے کوئی ستم نہ کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا پہلا خودکشی اقدام تھا۔ یہ مجسمہ 105 فٹ طویل خیال کیا جاتا ہے۔ مجسمہ سازی کی طرح اس مجسمہ نے بھی کم عمر پائی، صرف 56 سال بعد یہ مجسمہ ایک زلزلے کا شکار ہو گیا لیکن اس کے ٹکڑے ایک طویل عرصے تک (تقریباً ساڑھے نو سو سال) بندرگاہ پر بکھرے رہے۔ کہتے ہیں ساتویں صدی کے نصف آخر میں جب یہ جزیرہ مسلمانوں نے فتح کیا تو ایک مسلمان جرنیل نے یہ ٹکڑے ایک یہودی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ پہلی صدی عیسوی کے مشہور رومی عالم پلینی Pliny نے ان ٹکڑوں کو اپنی آنکھوں سے

دیکھا تھا اس نے اپنی تحریروں میں اس مجسمہ کا ذکر کیا ہے۔

مآخذ

Wonders Of The World

1000 Great Events.

Encycloepadia, Britannica

Encycloepadia Americana.

280 ق م۔۔۔ متحف اسکندریہ کی تعمیر

مصر میں بطلمیوس اول و دوم یونانی کا عہد خوشحالی کا عہد تھا۔ اس عہد میں دولت کی ریل چلنے لگنے کی وجہ سے بہت سے تعمیراتی کام ہوئے۔ ان تعمیراتی کاموں میں سے ایک متحف اسکندریہ (میزیم) کی تعمیر بھی تھی۔

متحف اسکندریہ کو ایک قسم کی جامعہ یا الفاظ دیگر تحقیقی ادارے اور لائبریری کا مجموعہ سمجھنا چاہیے۔ یہاں درس و تدریس کے علاوہ عالموں اور طالب علموں کے لیے قیام و طعام کی سہولت بھی تھی۔ تدریس میں اس کی تقسیم چار بڑے شعبوں میں کی گئی تھی۔ یعنی ادب، ریاضی، ہیئت اور طب میں علی الترتیب، متحف مذکور کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ملحق تھا۔ یہ دنیا کا عظیم ترین اور قدیم ترین کتب خانہ تھا جس میں تقریباً 90 ہزار جلدات یا 4 لاکھ کے قریب کتابیں محفوظ کی گئیں تھیں۔ یہ کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے ایک حصے کو سر اپیئم Serapeium میں منتقل کرنا پڑا۔ اس لائبریری کی تعمیر میں بطلمیوس کے زمانے کے فلسفی اور دانشمند بیٹریس کی مشاورت شامل تھی۔ اگلے دو سو سال میں اس کتب خانے میں پیپرس (مصری کاغذ) کے سات لاکھ سے زائد پلندے جمع ہو گئے گویا یہ قدیم علوم انسانی کا ایک نادر ذخیرہ بن گیا جو لیس سیزر جب 47 ق م میں پوپھی کے تعاقب میں مصر آیا تو پوپھی کے حامیوں نے مصریوں کو ساتھ ملا کر اس کا مقابلہ کرنا چاہا۔ سیزر نے بندرگاہ کے قریب کھڑے ہوئے مصری جہازوں کو آگ لگا دی جس سے بندرگاہ کے نزدیک، شہر کے حصے میں آگ لگ گئی جس سے کتب خانے کا بیشتر حصہ بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس نادر علمی ذخیرہ کا جو حصہ بچ رہا اس میں از سر نو کتابوں کا اضافہ ہونے لگا۔ مزید ساڑھے تین سو سال گزرنے پر اس کتب خانے نے پھر خاصی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اچانک تھوڑو ویس اعلیٰ عظم کے عہد میں (379ء۔ 390ء) سکندریہ کے مسیحیوں نے مذہبی جوش و خروش میں بت پرستی کے خلاف یونانی دیوتا کے معبد پر حملہ کر دیا۔ سکندریہ کی یہ عظیم الشان لائبریری بھی اسی معبد کا حصہ تھی مذہبی جنونیوں نے معبد کے ساتھ ساتھ اس کتب خانے کو بھی تباہ کر دیا۔ جب کے متعصب مسیحی اس کا الزام مسلمانوں کے فتح مصر کے موقع پر حضرت عمر بن العاصؓ پر لگاتے ہیں۔

280 ق م۔۔۔۔۔ تھیوکرانس کی سکندریہ آمد

تھیوکرانس تیسری صدی قبل از مسیح کا ایک عظیم یونانی شاعر تھا۔ وہ سیراکیوز (سسیلی) کا باشندہ تھا۔ کچھ دنوں کے لیے وہ اسکندریہ اور کوس میں بھی رہا۔ وہ اسکندریہ 280 ق م کے قریب پہنچا۔ یہاں اس کی ملاقات کالی ماکس سے ہوئی اس کے توسط سے اس نے وہاں کے حکمران بطیموس دوم کی شان میں نظم کہی۔ اس کی قسمت نے یادری کی اور بادشاہ نے اس کی کاوش کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور وہ سکندریہ کے ادبی حلقوں میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی شاعرانہ زندگی کا نصف النہار وہی زمانہ ہے جو اس نے اسکندریہ میں گزارا۔ اس عہد میں اسکندریہ کے سب ہی نامور ادیب و شاعر کسی نہ کسی طرح شاہی کتب خانہ سکندریہ سے وابستہ تھے، لیکن تھیوکرانس سے بظاہر اس کتب خانے کے لیے کوئی خدمت نہیں لی گئی۔ اسکندریہ سے وہ جزیرہ کوس چلا گیا جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ غالباً وہیں اس نے وفات پائی۔

تھیوکرانس کی جو 30 نظمیں دستیاب ہیں انہیں تاریخ وار ترتیب دینا تو ممکن نہیں۔ اس کی آٹھ نظمیں جنہیں کسی پس و پیش کے بغیر دہقانی Pastoral کہا جاتا ہے۔ ان آٹھ نظموں کو یورپ میں طویل عرصہ تک مقبولیت عامہ حاصل رہی ہے۔

ان نظموں میں سے ایک سیراکیوز کے حکمران ہیرون Hieron کی مدح میں ہے اور ایک بطیموس دوم کی توصیف میں۔

تھیوکرانس کی نظموں کو قدما نے ایڈل Idyll کا نام دیا ہے۔ ناقدین کے نزدیک یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں۔ غالباً یہ ”تصویر یا صورت“ کی تصغیر ہے۔ گویا ان نظموں کو چھوٹی چھوٹی تصویریں سمجھنا چاہیے۔

مآخذ

ادبیات عالم کی تاریخ جلد سوم۔ مشاہیر ادب یونانی از سلیم الرحمن۔

240 ق م۔۔۔۔۔ سکندریہ کے کالی ماکس کی وفات

ایتھنز کی سیاسی اہمیت معدوم ہونے کے بعد بھی وہ اگرچہ علم دفن کا مرکز تھا مگر تیسری صدی قبل از مسیح میں اسکندریہ کا بطیموس دربار اور مشہور زمانہ تخت صاحب ذوق لوگوں کے لیے باعث کشش بن گئے تھے۔ ہر وہ مقام جہاں یونانی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی وہاں کے اہل دانش حضرات کشاکشاں اسکندریہ پہنچنے لگے تھے تاکہ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔ بیشتر لوگ سسیلی کے شہر سیراکیوز سے یہاں پہنچے، ان میں تھیوکرانس سب سے اہم تھا کچھ لوگ ایشیا کوچک سے بھی جبکہ ایک اور اہم شخصیت کالی ماکس لیپیا کے سیرین Cyrene سے یہاں پہنچی۔

آج کالی ماکس کو ہم سکندریہ میں تیسری صدی قبل از مسیح کا مصروف شاعر مانتے ہیں۔ وہ اپنا سلسلہ نسب Battus سے ملاتا ہے جو سیرین شہر کا بانی تھا۔ اس نے اپنی ملازمت کا آغاز سکندریہ کے قریب Eleusis کے شہر میں ایک اسکول ماسٹر کی حیثیت سے کیا، مگر جلد ہی وہ اپنی تصنیفات کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ انجام کار اسے سکندریہ کے مشہور زمانہ کتب خانہ کالابیرین مقرر کیا گیا۔ جہاں اس نے اگلے بیس برس تک انتہائی قابلیت کے ساتھ آئندہ نسلوں کے فائدے کے لیے کتب خانے کی خدمت کی اس کا انتقال 240 ق م میں سکندریہ ہی میں ہوا۔

کالی ماکس اپنی اعلیٰ درجہ کی قابلیت، وسعت علمی اور بلند پایہ ادبی صلاحیت کے لیے علما سکندریہ میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ کتب خانہ سکندریہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اسے قدیم کلاسیکی کتابوں کا مطالعہ کا موقع ملا اس مطالعہ نے اسے شاعری کی تحریک دی۔ اس کی تخلیقات، مشنگی، شائستگی، شوخی اظہار اور اس کی بے پناہ اختراعی صلاحیتوں کا مظہر ہیں یہ تخلیقات مختصر نظمیں ہیں لیکن اس نے ایک طویل نظم Hecle بھی قلم بند کی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ طویل نظم بھی قلمبند کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ”ایک بڑی کتاب ایک بڑی برائی ہے۔“ کالی ماکس ایک بسیار نویس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے نثر و نظم میں تقریباً 800 تخلیق نمونے یادگار چھوڑے۔ زمانہ کی دست برد سے اس کا کوئی شاہکار آج محفوظ نہیں رہا۔ البتہ چند حمدیہ گیت، اقوال منظوم اور مرعے Elegy ملتے ہیں۔

مآخذ

مشاہیر ادب یونانی، قدیم یونان کا ادبی ورثہ۔ تاریخ ادبیات عالم جلد دوم۔

279 ق م۔۔۔۔ سکندریہ میں مینارہ نور کی تعمیر

سکندریہ کے ساحل کے سامنے ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جو ساحل کے قریب آبی چٹانوں سے گھیرا ہوا تھا۔ اس جزیرے کو شہر کی تعمیر کے وقت ایک موج شکن دیوار کے ذریعے، سکندر اعظم کے حکم پر خشکی سے ملا دیا گیا تھا۔ چونکہ اس جزیرے کے ساحل کے نزدیک آبی چٹانیں اور کھائیاں واقع تھیں جو جہاز رانی کے لئے خطرناک تھیں۔ اس لئے بحری جہازوں کو ان سے ہوشیار رکھنے کے لئے شاہ بطلمیوس دوم نے 279 ق م میں اس جزیرے پر ایک مینارہ نور تعمیر کرایا جو اس جزیرے کے نام کی نسبت سے ”فیروس Pharos“ کہلایا۔

چھٹی صدی عیسوی تک اس مینارہ نور کو قدیم زمانے کے سات عجائبات عالم میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ یہ مینارہ زمانہ قدیم کی تعمیری مہارت اور ٹیکنالوجی کی انتہائی شاندار مثال تھے۔ اسے اس زمانے کے مشہور ماہر تعمیر سوسٹریٹوس Sostratos نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بلندی، کہا جاتا ہے کہ تقریباً 440 فٹ (135 میٹر) تھی۔ یہ مینارہ تین منزلوں پر مشتمل تھا۔ پہلی منزل چوکور دوسری ہشت پہلو اور تیسری یا بالائی منزل ارستوانہ تھی۔ اس منزل پر رات کو آگ جلا کر جہازوں کو سٹیل دینے جاتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس مینارے کی روشنی بحری جہاز کو پچیس میل دور سے نظر آنے لگتی تھی۔ جس سے جہاز آسانی سے سمت تبدیل کر لیتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق مینارے کی اوپر والی منزل پر بطلمیوس اول یا سکندر اعظم کے بت کے ساتھ ساتھ ایک ایسا آئینہ بھی نصب تھا جس میں بحیرہ روم کے اس پار واقع قسطنطنیہ میں ہونے والا ہر عمل نظر آتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آئینے کو بوقت ضرورت ایک آتشیں شے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ جس سے بحیرہ روم میں سفر کرنے والے دشمنوں کے بحری جہازوں پر سورج کی شعاعیں مرکوز کر کے انہیں جلا دیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے سکندریہ فتح کرنے کے بعد مینارے کی اوپر والی منزل سے بت ہٹا کر وہاں مسجد بنادی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کو شہنشاہ قسطنطنیہ نے چالاکی سے اسے سمار کرنے پر رضامند کیا تھا۔ عیسائی شہنشاہ دراصل نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان جہاز رانی میں اس مینارہ نور سے فائدہ اٹھائیں ایک روایت کے مطابق جب خلیفہ کے حکم پر یہ مینارہ آدھے سے زیادہ سمار ہو گیا تو خلیفہ کو شاہ روم کی چالاکی کا پتہ چل گیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ مینارہ 1375ء میں ایک زلزلے سے منہدم ہوا تھا۔ اسی مینارے کے ٹکڑے رات پر مصر کے مملوک سلطان قاٹلبائی نے 1477ء میں ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا۔

مآخذ

Wonders Of The World.
1000 Great Event.

279 ق م۔۔۔۔ ارستارکوس کا نظریہ گردش سیارگان

قدیم یونانی فلکیات دان ارستارکوس Aristarcus ساموسی دنیا کا پہلا شخص تھا جس نے مرکزیت شمس کا مفروضہ پیش کیا تھا۔ اس نے اپنے اس نظریہ میں بتایا تھا کہ سورج کے گرد تمام سیارے بشمول زمین جو گردش ہیں اور مرکز کائنات زمین نہیں بلکہ سورج ہے۔ اپنے اسی نظریے کی بنا پر ارستارکوس زمانہ قدیم کا کوپرنیکس Copernicus کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے زمین کو مرکز کائنات تصور کیا جاتا تھا اور زمین کے گرد چاند سورج اور دیگر سیارگان کے گردش کرنے کا نظریہ عام تھا۔

ارستارکوس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں بلکہ سوائے اس کے کہ وہ ساموس سے سکندریہ چلا آیا کچھ نہیں ملتا۔ یا صرف یہ کہ ارستارکوس نے سٹریٹو Strato کی شاگردی میں فلکیات اور ریاضی کے اسرار سے واقفیت حاصل کی تھی۔ یہ بات بھی حیران کن ہے کہ جہاں اس کی زندگی کے بارے میں معلومات بہت کم دستیاب ہیں وہیں اس کے کام کے بارے میں کافی معلومات میسر ہیں جو اسے زمانہ قدیم کا کامیاب ترین ماہر فلکیات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ارستارکوس کا نظریہ مرکزیت شمس خود اس کے زمانے میں بھی انتہائی انقلابی تھا جتنا کہ کوپرنیکس کے زمانے میں اس کے ہم عصر عالم نے اس کے نظریے کو تسلیم نہ کیا یہاں تک کہ اس کا نظریہ اور اس پر مشتمل اس کی کتاب زمانہ برد ہو گئی اور اس کا یہ انقلابی نظریہ بھلا دیا گیا۔ بعد کے زمانے میں رومی مورخ پلوتارک اور مشہور زمانہ ریاضی دان ارشمیدس کی تحریروں سے اس اہم نظریہ کا سراغ لگا۔ اگرچہ نشاط ثانیہ کے زمانے میں کوپرنیکس نے اپنے نظریہ گردش زمین کی بنیاد ارستارکوس کے نظریہ ہی پر رکھی تھی۔ اس بات کا ذکر اس نے اپنے ایک مقالے میں کیا تھا مگر بعد میں اس نے اس مقالے سے یہ بات حذف کر دی تاکہ لوگ اس کے کام ہی کو اصل سمجھیں۔

ارستارکوس زمین کی یومیہ گردش محوری کو تسلیم کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ ثوابت کے ظاہری سکون اور آفتاب کی حرکت میں ایک قسم کا تطابق (مواقت) پیدا ہوا جائے اس نے یہ فرض کیا تا کہ ثوابت کا کردار زمین کے کرے سے کہیں بڑا ہے۔ اس مفروضے سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ارستارکوس کی نظر میں کائنات کی وسعت اس سے کہیں زیادہ تھی جتنی کہ اس کے پیشروں کی نظر میں تھی۔

سورج اور چاند کے فاصلوں کی پیمائش کے بارے میں ارستارکوس نے اپنے ایک رسالے میں ایک کلیہ وضع کیا تھا، جس کے نتائج اگرچہ غلط ہیں لیکن یہ کلیہ بجائے خود درست اور صحیح ہے۔ چاند اور سورج کے فاصلوں کے بارے میں ارستارکوس کے اس رسالے کی اہمیت ریاضیت کے نقطہ نظر سے بھی مسلم ہے کیونکہ اس میں جن نسبتوں کا تخمینہ پیش کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت غلطی نہیں ہیں۔

ارستارکوس نے کالی پولی کے اس تخمینے میں جو سال شمس کے لئے 1/2، 365 ایام پر مشتمل تھا۔ 1/623 دن کا اضافہ کیا۔ یہ اس لئے کہ وہ سال اکبر (شمسی، قمری دور) کا طول 2.484 قرار دیتا ہے (جس سے مراد غالباً 2.434 سال ہے) کہا جاتا ہے کہ اس نے جو دھوپ گھڑی (ایک کھوکھلی نیم کر دی سطح، جس کے مرکز میں ایک سوئی پیوست کر دی گئی تھی) ایجاد کی تھی وہ پہلے سے موجود دھوپ گھڑیوں سے زیادہ بہتر تھی۔

مآخذ

1. Aristachus Of Samos, The Ancient Copernicus, Sir Thomas Heath.

2. Asimov's Encyclopaedia Of Science And Technology

3: مقدمہ تاریخ سائنس از جارج سارٹن۔

4. Encyclopaedia Americana

5. A History Of The Sciences by, Stephen F. Mason

275 ق م۔۔۔ شاہ بروں کی فتوحات و شکست

دنیا نے جدید کالہانیہ قدیم زمانے میں ایپرس یا ایپائروس Epiurs کے نام سے جانا جاتا تھا۔ تاریخ عالم میں اس دور افتادہ ملک کا ذکر سکندر اعظم کی ماں ملکہ اولمپیاس کے وطن کے طور پر ملتا ہے لیکن وہ پہلا بادشاہ جس نے اس سرزمین کو تاریخ عالم میں اہم مقام دیا شاہ بروں (307 ق م۔ 272 ق م) King Pyrrhus ہے جس نے اس ملک پر تقریباً 35 برس حکومت کی تھی۔

جب ملکہ اولمپیاس کا بھائی سکندر اٹلی میں کام آیا تھا تو اس کا ایک چچا زاد، ایلیا کی دس Aeacides اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ لیکن اسے کیس اندر نے شکست دے کر اس کا خاتمہ کر دیا، اس کے نو عمر بیٹے بروں کو الیریہ Illiria کے حکمران نے پچالیا اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو اسے تخت ایپائروس پر بٹھادیا۔ لیکن جلد ہی اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ جس کے بعد اسے اپنی بہن اور بہنوئی کے ہاں پناہ لینی پڑی۔ جب اس کے بہنوئی اور شاہ مصر بطلمیوس میں ایک باہمی صلح نامہ ہوا تو اسے بطور پرغال مصر بھیجا گیا۔ مصر میں وہ بادشاہ کا منظور نظر بن گیا اور اس کی شادی بادشاہ نے اپنی سوتیلی بیٹی سے کر دی اس کے بعد شاہ مصر نے اسے واپس ایپائروس بھیج دیا جہاں وہ اپنے ایک عزیز بنو بطلمیوس کے ساتھ لڑ کر اور پھر اس کے قتل کے بعد تنہا حکومت کرنے لگا۔

انہیں دنوں اٹلی میں واقع یونانی نو آبادی تارنتوم Tarntum آئندہ کی بڑی طاقت، جمہوریہ روما کے ساتھ ایک جھگڑے میں مبتلا تھی۔ تارنتوم اور روما کے درمیان ایک قدیم عہد نامہ تھا جس کی رو سے رومنوں کو اس لیگی نیوم کے مشرق میں جہاز رانی کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود 282 ق م میں ایک چھوٹا سا رومن بحری بیڑا تارنتوم کے سامنے نمودار ہوا جسے تارنتوم والوں نے معاہدے کی خلاف ورزی اور اپنی توہین تصور کیا اور رومن بیڑے پر حملہ کر کے اسے ڈبو دیا۔ جب روما نے اپنا سفیر اس معاملے کی پوچھ گچھ کے لئے تارنتوم بھیجا تو تارنتوم والوں نے نہ صرف اس کاروائی سے صاف انکار کر دیا بلکہ رومن سفیر کی توہین و تذلیل بھی کی اور اس طرح فریقین کے مابین جنگ ناگزیر ہو گئی۔

رومانے آخری کوشش کے طور پر اپنے کونسل کو ایک لشکر دے کر بھیجا اور ایک بار پھر صلح کی پیشکش کی اس وقت تک تارنتوم میں صلح پسند لوگ برسر اقتدار آچکے تھے۔ قریب تھا کہ صلح ہو جاتی کہ شاہ بروں کا ایک وزیر تارنتوم آ پہنچا۔ اس نے وعید دی کہ اس کا آقا ایک بڑے لشکر کے ساتھ تارنتوم پہنچنے والا ہے جس سے تارنتوم والوں کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔

280 ق م کے موسم بہار میں شاہ بروں بچیس ہزار سپاہیوں اور بیس ہاتھیوں کے ساتھ سرزمین اٹلی پر وارد ہوا۔ فریقین کے مابین پہلی جنگ ہرقلیہ کے مقام پر ہوئی۔ اس جنگ میں رومنوں کو شکست ہوئی مگر یہ فتح خود فاتح کو بھی بھاری پڑی اور خود اس کے منہ سے نکلا کہ یہ فتح میرے لئے نہایت گراں ثابت ہوئی ہے۔ اس فتح کے لئے اس کی افواج کا اتنا جانی نقصان ہوا

کہ ایسی فتح کو آج بھی انگریزی زبان میں Pyrrhic Victory کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی ایسی فاتح کو جس میں فاتح مفتوح سے زائد نقصان اٹھاتا پڑے۔

279 ق م میں فریقین میں صلح کی گفت و شنید کے باوجود ایک دوسری جنگ Asculum کے مقام پر لڑی گئی۔ اس جنگ میں بھی تخت نقصان اٹھانے کے بعد فتح شاہ بروں کا مقدور بنی مگر اس نے اپنی ان کامیابیوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا اور روما پر اپنا اثر قائم کرنے کی بجائے سسلی میں واقع دوسری یونانی نوآبادیوں کی حمایت میں اس وقت کی ایک اور بڑی طاقت قرطاجنہ سے برسر پیکار ہو گیا۔ سسلی سے اس کی واپس تک قرطاجنہ اور روما میں اسے شکست دینے پر مفاہات ہو گئی۔ اہل قرطاجنہ نے اٹلی واپس آتے ہوئے اس کا بحری بیڑا ڈوب دیا۔ جس سے اس کے لشکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اھر زخم خوردہ رومن بھی اپنی شکستوں کا بدلہ چکانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ 275 ق م میں بنی وسم Benevum کے مقام پر شاہ بروں اور رومنوں کے درمیان آخری معرکہ پیش آیا جس میں قرطاجنہ کی فوجیں بھی اہل روم کی حمایت میں اس کے خلاف لڑیں نتیجتاً شاہ بروں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے ایک سپہ سالار کو تار و تم چھوڑ کر خود واپس لے چلا گیا جہاں مقدونیہ کے خلاف لڑتے ہوئے اس نے 272 ق م میں ایک جنگ میں وفات پائی۔ بہر حال آئندہ صدیوں میں دنیا کے افق پر مغرب کے سب سے بہادر اور جری قوم کی حیثیت سے ابھرنے والی رومن قوم کو اس نے اس کے ہی ملک میں شکستوں سے دو چار کیا یہ کارنامہ اس کا نام تاریخ عالم میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

ماخذ

- 1: تاریخ جمہوریہ روما از ڈیوای ہیٹ لینڈ ایم۔
- 2: تاریخ یونان قدیم از ایڈولف ہولم۔

3. Greece And Rome At War.
4. 1000 Great Events.
5. War Throgh Ages.

273 ق م۔۔۔ اشوک اعظم کی تخت نشینی

ہندوستان کی قدیم تاریخ کا پہلا شہنشاہ اشوک یا اشوکا دی گریٹ Ashoka The Great ہے۔ بنارس کے مقام سارناتھ سے ملنے والے سنگ خارا کے ایک ستون کی چوٹی پر اس کے حکم پر بنائے تین شروں کا مجسمہ آج کے بھارت کا قومی نشان قرار پایا ہے۔

چندر گپت موریہ کے بیٹے ہندوسار کی اولاد میں اشوک اگرچہ سب سے بڑا نہ تھا مگر نمایاں ترین ضرور تھا۔ وہ اپنے باپ ہندوسار کے بعد ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ بدھ ذرائع اور پالی روایات کے مطابق اس نے اپنی تخت نشینی کے لئے اپنے تقریباً 99 بھائی قتل کئے برسر اقتدار آنے کے بعد اس نے رادھا گپت نامی ایک شخص کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ رادھا گپت نے تخت نشینی میں اس کی مدد کی تھی۔ لیکن تخت نشینی کے موقع پر اس برادر کشی کا ثبوت اشوک اعظم کے کتبات سے نہیں ملتا۔ اشوک کے کتبات ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں یہ کتبات برصغیر میں مختلف مقامات سے ملے ہیں۔

کتبات کے مطابق اشوک اعظم نے اپنی حکومت کے ابتدائی آٹھ سال اپنی سلطنت کو وسیع کرنے میں صرف کئے۔ تخت نشینی کے آٹھویں سال اس نے ریاست کالانگا (موجودہ اڑیسہ) کو فتح کیا۔ اس ریاست کے لوگ بڑے جری اور بہادر تھے اسی وجہ سے بڑے کشت و خون کے بعد اشوک کالانگا فتح کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس جنگ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ انسانوں کو قیدی بنا کر گدھ لایا گیا جب کہ ایک لاکھ سے زائد انسان اس جنگ میں قتل ہوئے۔ اڑیسہ کی اس قدیم ریاست کی فتح کے بعد اشوک کی سلطنت افغانستان اور ترکستان کے مقام نقن سے لے کر ہمالیائی ریاست نامجک تک وسیع ہو گئی۔ دوسری طرف کالانگا کی خونریز فتح اشوک اعظم کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ثابت ہوئی۔ کتبات ہمیں بتاتے ہیں کہ جب بادشاہ کی تخت نشینی کو آٹھ سال (مورخوں کا خیال ہے کہ اشوک کی تاج پوشی اس کی تخت نشینی کے چار سال بعد ہوئی تھی) ہوئے تو اس کے قلب کی مایہیت مکمل طور پر تبدیل ہو گئی اور اس نے پہلے سے ایک مختلف طرز حیات اختیار کیا جو ابنا یا عدم تشدد کی پالیسی پر مشتمل تھا اس پالیسی کے اپنانے کے بعد اشوک نے شان گل میں گوشت کی کھیت کو نہ ہونے کے برابر کر دیا۔ آج کے بھارتی مورخین کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں سبزی خوری کا فروغ اشوک کی اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی اشوک کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور اشوک اعظم نے بدھ مت اختیار کر لی۔ انہما کے زیر اثر اشوک اعظم نے اپنی سلطنت میں ہر قسم کے شکار پر پابندی عائد کر دی یہاں تک کہ کیڑے مکوڑوں کی زندگی بھی اس کی نظر میں ناقابل زیاں ہو گئی۔ وہ ہندوستان کا پہلا حکمران تھا جس نے ملک میں سرکاری طور پر بدھ مت کی تبلیغ کی اور نیپال، تبت اور سری لنکا تک سرکاری مبلغین بھیجوائے۔

ہندوستان کے قدیم حکمرانوں میں اشوک کو سب سے نمایاں مقام اس کے فرامین یا کتبات کی وجہ سے حاصل ہے۔

ان فرامین Edicts Of Ashoka میں اس نے اپنے تمام سرکاری احکامات، اعلانات اور ہدایات کندہ کرائے۔ ان میں سے کچھ کی پہاڑی یا چٹان پر کندہ ہیں جب کہ بہت سے فرامین کے لئے بطور خاص بلند و بالا سنگی ستون تراشوائے گئے اور پھر انہیں عوامی اجتماع کے مقامات پر نصب کرایا گیا۔ ان لائحوں اور چٹانوں کے علاوہ بہت سی ہدایات غاروں کی دیواروں پر تحریر کرائی گئی۔ اب تک برصغیر پاک و ہند میں اشوک اعظم کے کل 36 فرامین دریافت ہوئے ہیں ان میں سے پاکستان میں صرف 3 فرامین ملے ہیں۔

اپنے فرامین کے علاوہ اشوک ہندوستان اور اس کے باہر بدھ مت کی تبلیغ کے لئے بھی مشہور ہے۔ اس نے بدھ مت کی تبلیغ کے لئے بہت سے مبلغ بیرونی ملکوں میں بھیجے۔ ان تبلیغی سرگرمیوں کا سراغ مختلف ملکوں کے آثار اور ریکارڈ سے ملا ہے۔ اشوک اعظم کے مبلغ اور سفیر، افغانستان، ترکستان، ایران، شام، مصر، یونان، سری لنکا، برما اور چین تک پہنچے انہوں نے ان ملکوں میں بدھ مت کی اشاعت کی۔ اشوک اعظم نے 227 ق م میں وفات پائی۔ جس عہد میں ہندوستان اشوک اعظم کے زیر سایہ امن، خوشحالی اور ترقی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وسطی اور مغربی ایشیا کے ملکوں پر سلیکوس اور مصر میں بطلمیوس کی حکومت تھی۔ مغرب میں اہل روم ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ ہندوستان نے اس عہد میں امن کا پیغام دور دور تک بھیجا، لیکن لنکا، برما، چین اور افغانستان کے باشندوں کے سوا کسی نے اسے قبول نہ کیا۔ اشوک کے زمانے سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں شاہی محلات اور دوسری عمارات قیمتی لکڑی سے تعمیر کی جاتیں تھیں۔ اشوک اعظم نے برصغیر کے فن تعمیر میں ایک تبدیلی یہ کی کہ لکڑی کی بجائے پتھروں سے عمارات تعمیر کرائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اس کے زمانے کے محلات اور دیگر عمارات تو آج موجود نہیں لیکن اس کے تعمیر کردہ مذہبی سٹوپے اور شاہی فرامین کے ستونوں میں سے کچھ محفوظ ہیں۔

ماخذ

Long Mans's History Of India.

1: تاریخ تمدن ہند از محمد مجیب۔

2: قدیم ہندوستان ڈی ڈی کوکبی۔

3: ہندوستانی تہذیب کی داستان، اے ایل ہاشم۔

4: تاریخ پاکستان، وسطی دور از یحییٰ احمد۔

Oxford History Of India.5

268 ق م۔۔۔ قرطاجنی جنگیں

تیسری اور دوسری صدی قبل از مسیح جمہوریہ روم کے استحکام اور پھیلاؤ کی صدیاں تھیں۔ ان صدیوں میں رومی روم کی فصلیوں سے نکل کر پورے اٹلی اور پھر دنیا کے دوسرے خطوں پر چھا گئے جیسے جیسے وہ آگے بڑھے انہیں دنیا کی اس وقت کی دوسری اہم طاقتوں سے پیچھے آسانی کرنا پڑی ان دنوں دنیا کی بڑی طاقتوں میں ایک بڑی طاقت قرطاجنہ کی تھی پہلے جنوبی اٹلی کی یونانی نوآبادیوں اور سسلی کے یونانی آبادکاروں کے خلاف، جنہوں نے اسپرس (البانیہ) کے شاہ بروں کو اٹلی آنے کی دعوت دی تھی۔ روم نے قرطاجنہ سے اتحاد قائم کیا۔ لیکن جنوبی اٹلی اور سسلی کے یونانیوں کو شکست دینے کے بعد جب قرطاجنہ نے سسلی میں اپنا اثر قائم کرنا چاہا تو یہ اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ اور دونوں طاقتیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔ دونوں طاقتوں میں پہلا ٹکراؤ (پہلی پونک وار Punicwar) اس وقت رونما ہوئی۔ جب 268 ق م میں شاہ سائرا کیوز (سسلی) کے خلاف لڑنے والے گروہوں میں سے ایک نے روم سے مدد مانگی جب کہ اس مخالفوں نے قرطاجنہ سے اتحاد کر لیا۔ اس طرح قرطاجنہ اور رومہ میں جنگ چھڑ گئی جو تقریباً تیس سال جاری رہی۔ آخر 241 ق م میں قرطاجنہ کے بحری بیڑے نے رومی بیڑے سے شکست کھائی اور قرطاجنہ کو سسلی میں اپنے مقبوضات اور سات لاکھ 88 ہزار پونڈ کی مالیت کا سونا دے کر رومہ سے صلح کرنا پڑی۔

قرطاجنہ کی اہل روم کے ہاتھوں پر شکست اور اس کے نتیجے میں ہونے والی یہ ذلت آمیز صلح اہل قرطاجنہ کے دلوں میں روم کے خلاف نفرت کے بیج بو گئی۔ اس جنگ میں حصہ لینے والے ایک قرطاجنی نامور جنگی راہنما ہملکار برقہ نے اپنے بیٹے بنی بال سے رومیوں کے خلاف نفرت کا حلف لیا۔ جو دوسری قرطاجنی جنگ کا باعث بنا۔

240 ق م سے 218 ق م تک رومہ اور قرطاجنہ کے درمیان صلح رہی۔ تیس سالہ طویل جنگ کے باعث دونوں طاقتوں کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ رومیوں کی کمزوری کے باعث اطالیہ کے شمالی حصے پر فرانس کی گال قوم (جو ایک وحشی قوم تھی) نے حملہ کر دیا۔ رومیوں کو ان وحشیوں کے ہاتھوں بہت بھاری شکست ہوئی اور انہوں نے اس ڈر کے مارے کے ان کے جنگی دیوتا ان سے ناراض ہو گئے ہیں۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انسانوں کی قربانیاں پیش کرنا شروع کر دی۔ عام طور پر ان قربانیوں میں غلام قربانی کے بکرے بنائے گئے۔ دوسری طرف قرطاجنہ میں زمام حکومت تاجرانہاء کے ہاتھ میں تھی۔ جو اپنی رعایا پر شدید تشدد روا رکھتے تھے۔ اس لئے پہلے قرطاجنی جنگ میں شکست کے باوجود قرطاجنہ کی نفع آوری تجارت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اہل قرطاجنہ نے جنگ میں ہونے والے نقصانات کو پورا کرنے کے لئے ہنی بال کی قیادت میں جزیرہ نما آئی بییر یا Iberia (اسپین) پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ قرطاجنہ روم کی برتری کو چیلنج نہیں کر سکا مگر اسپین کی کانوں سے دھاتیں نکال کر وسطی افریقہ سے وحشی غلام، ہاتھی دانت، مختلف معدنیات اور جواہرات، یونان، اٹلی اور سسلی کی منڈیوں میں فروخت کر کے اہل قرطاجنہ بلاآخر روم پر حملہ کرنے کے قابل ہو گئے اور رومہ سے دوسری قرطاجنی جنگ پیش آئی قرطاجنہ اور

روم کے درمیان دوسری بڑی جنگ کا آغاز 218 ق م میں ہوا۔ قرطاجنی سپہ سالار ہانیبال نے جو ایتھین میں مقیم تھا۔ جرات مندانہ طور پر اہل روم کو ان کے گھر میں شکست دینے کا فیصلہ کیا۔ ایتھین سے اپنی فوج لے کر جنوبی فرانس کے راستے کو ہسپان بلیس کے بلند دروں کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ جس میں ہاتھی بھی شامل تھے عبور کر کے شمالی اٹلی پر حملہ آور ہوا۔ دنیا نے قدیم کی تاریخ میں ہانیبال کا یہ فوجی اقدام حیرت انگیز تصور کیا جاتا ہے کیونکہ ان دشوار گزار دروں کو ہاتھیوں کے ساتھ عبور کرنا ایک مشکل ترین کام تھا جو ہانیبال نے بخوبی انجام دیا۔ شمالی اٹلی پر وہ دس سال تک قابض رہا۔ اس عرصہ میں رومیوں کے ساتھ اس کو بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ یہ معرکے خصوصاً جھیل تھراسیمین Thrasimene، کنائے Cannae اور کاپوا Capua کے مقام پر پیش آئے ان میں رومیوں کو مسلسل شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اٹلی میں ہانیبال کی رسد رسانی قابل اعتماد نہ تھی اس لئے وہ اپنے لشکر کی ضروریات مقبوضہ علاقوں سے پورا کرنے پر مجبور تھا۔ ان مشکلات کے باوجود وہ روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اگر اسے وقت پر رسد و ملک فراہم ہو جاتی یا اس کے ہم وطن اگر اس کی امداد سے ہاتھ نہ کھینچ لیتے تو وہ بالضرور روم فتح کر لیتا۔ ایتھین سے اس کا بھائی امدادی لشکر لے کر اٹلی آیا مگر ہانیبال کے ساتھ اس کی خط کتابت بکڑے جانے کی وجہ سے اسے متاؤرس Metaurus کے مقام پر شکست ہوئی اور اسے رومیوں نے قتل کر دیا۔

کئی رومی جرنیلوں کے ہانیبال کے مقابلے میں ناکام ہو جانے کے بعد مشہور رومی جرنیل "پبلیس آس" نے رومیوں کی کمان ہاتھ میں لی۔ یہ رومی جرنیل گھسان کی جنگ سے بچنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسی لڑائیوں میں ہانیبال ہمیشہ فتح حاصل کر لیتا تھا۔ اس طرح فیصلہ کن جنگ کو طول دینے سے ہانیبال کی طاقت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی اور رومی برابر اسے پیچھے دھکیلتے چلے گئے۔ اسی دوران ایک رومی جرنیل سپیو افریقانوس Scipio نے یہ جانتے ہوئے کہ ہانیبال کو اٹلی کی بجائے افریقہ میں شکست دینا آسان ہوگی۔ ہانیبال کے وطن قرطاجنہ پر حملہ کر دیا اور ہانیبال کو اپنے وطن کی حفاظت کے لئے اٹلی چھوڑنا پڑا۔

براعظم افریقہ میں 202 ق م میں زاما Zama کے مقام پر جو موجودہ تیونس کے جنوب میں واقع تھا ہانیبال اور رومی جرنیل سپیو میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اس میں ہانیبال کو شکست ہوئی اور اہل قرطاجنہ کو ہتھیار ڈال کر صلح کرنا پڑی۔ یہ صلح انہیں بہت ہنگامی پڑی اس کی رو سے انہیں بحیرہ روم میں واقع اپنے تمام مقبوضات سے ہاتھ دھونا پڑے۔ پچاس سال تک روم کو خراج ادا کرنے کے علاوہ صرف دس جنگی بحری جہاز رکھنے کے سوا اپنا بحری بیڑہ تباہ کرنے کی سخت شرائط بھی تسلیم کرنا پڑیں۔ صلح کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ روم کی اجازت کے بغیر اہل قرطاجنہ کسی سے جنگ بھی نہ لڑیں گے۔

ان شرائط کے باوجود روم نے قرطاجنہ کا انتظام ہانیبال کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔ وہ خفیہ قرطاجنہ کی عظمت کی بحالی میں لگا رہا۔ جب رومیوں کو اس کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ قرطاجنہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور شہر پر شہر بھاگتا پھرا۔ آخر "تھیسینی" کے مقام پر رومیوں کے ہاتھوں گھر جانے پر اس نے 183 ق م میں زہر پی کر خودکشی کر لی۔

دوسری طرف قرطاجنہ نے اپنی محنت اور ہنرمندیوں سے جلد ہی دوبارہ سنبھالا لے لیا۔ جس سے رومی حکام کے دلوں میں حسد اور خوف کی آگ جلنے لگی اسی آگ کے ہاتھوں مجبور ہو کر رومی سینیٹر کنو Cato (223-149 ق م) سینٹ کے سامنے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر روم کو بچانا ہے تو قرطاجنہ کو بالضرور تباہ کرنا ہوگا۔ اس کے تاریخی الفاظ یہ تھے۔

"Delendaest Carthago" چنانچہ معمولی بہانہ تلاش کر کے رومیوں نے تیسری قرطاجنی جنگ کا آغاز

قرطاجنہ پر 149 ق م میں حملہ کر کے کیا ایک شدید اور لمبے محاصرے کے بعد ایک غدار نے رومیوں کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے اور اس طرح رومیوں نے قرطاجنہ فتح کر لیا۔ اس وقت شہر کی آبادی پانچ لاکھ سے زائد تھی۔ اس میں سے صرف پچاس ہزار افراد رومیوں کے ہاتھوں زندہ بچے انہیں بھی غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ شہر کو زمین بوس کر کے آگ لگا دی گئی جس سے اس کا نام و نشان تک مٹ گیا اور قرطاجنہ کی طاقت ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

ماخذ

- 1- سو بڑے آدمی از سیموئیل نیسن
- 2- سوتارینی واقعات از مولانا غلام رسول مہر
- 3- تاریخ اقوام عالم از مرتضی احمد خان
- 4- War Through The Ages
- 5- تاریخ جمہوریہ روما
- 6- 1000 Great Events
- 7- Peter Connolly, Greece And Rome At War

ماخذ

The Bible:1

Encyclopaedia Americana:2

3: آخری نبی ﷺ اور تورات موسیٰ

4: قاموس الکتاب

Encyclopedia Britannica:5

1000 Great Events:6

225 ق م۔۔۔۔۔ LXX

یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتاب دی بائبل The Bible کہلاتی ہے۔ لفظ بائبل یونانی زبان کے لفظ Biblos سے مشتق ہے، جس کے معنی کتاب کے ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک یہ کتاب خدا کے زیر ہدایت لکھی گئی تھی۔ اس مقدس اور الہامی کتاب کے دو حصے ہیں ایک عہد نامہ عتیق اور دوسرا عہد نامہ جدید یعنی Old Testament اور New Testament۔ پہلا حصہ جو عہد نامہ عتیق کہلاتا ہے اہل یہودی کی کتاب تورات کے ابتدائی پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ پانچ حصے ”پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثنا“ کہلاتے ہیں۔

عہد نامہ عتیق کا جو نسخہ پہلے عیسائی کلیساؤں میں مستعمل تھا وہ اس مقدس کتاب کے تیسری صدی قبل از مسیح میں ہونے والے یونانی ترجمے سے لیا گیا تھا۔ عہد نامہ عتیق کا یہ سب سے اولین یونانی ترجمہ ”ہفتادی یا سبعتین Septuagint“ کہلاتا ہے۔ اسے نسخہ سکندریہ یا نسخہ سترہ بھی کہا جاتا ہے۔ لاطینی و یونانی رسم الخط میں اسے علامتی طور پر صرف LXX کے ہندسوں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس نسخے کے وجود میں آنے کا قصہ پہلے پہل 100 ق م Epistle Of Aristeeas میں بیان کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق شاہ مصر بطلمیوس دوم فلاڈیلفس (285 ق م۔ 246 ق م) نے تقریباً 255 ق م میں یروشلم کے یہودی اسقف اعظم ایلیز Eleazar سے درخواست کی تھی کہ اس کے دارالحکومت سکندریہ کو کچھ یہودی عالم (انکی تعداد 70 یا 72 بتائی جاتی ہے) بھیجے جائیں تاکہ مقدس تورات کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا جاسکے۔ شاہ مصر کی فرمائش پر اسقف اعظم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں سے تعلق رکھنے والے 6 عالم فی قبیلہ کے حساب سے 72 عالم سکندریہ بھجوائے۔ ان علماء نے ترجمے کا کام مجبوری سرعت اور صحت سے انجام دیا۔ اس قصے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بطلمیوس دوم نے اپنے عہد کے آغاز (تیسری صدی قبل مسیح کے نصف میں) میں سکندریہ میں رہنے والے ایسے اہل یہود کے لئے جن کی زبان یونانی تھی یا جن کا تعلق عبرانی سے ختم ہو چکا تھا۔ کتاب مقدس کو بہ آسانی پڑھنے کے لئے براہ راست اصل عبرانی تورات سے یونانی میں ترجمہ کرایا تھا۔ عہد نامہ عتیق کا جو حصہ سب سے پہلے یونانی میں منتقل کیا گیا وہ پنتاٹک Pentateuch یا کتب خمسہ پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد کتب انبیاء اور آخر میں ”غزل الغزلات“ کو ترجمہ کیا گیا۔ اس ترجمے میں کتابوں کا شمار اور ترتیب، مسوری متن Moretictext سے مختلف ہے۔ یہ ترتیب سینٹ جیروم St. Jerome کے لاطینی ترجمے Vulgate سے ملتی جلتی ہے۔ ولکیٹ ہی کی ترتیب کو مغربی کلیسا نے تسلیم کیا تھا۔ اسی ترتیب کو ”مغربی قانون Western Laws“ بھی کہا جاتا ہے۔ اصلاح کلیسا کے زمانے میں انگلستان کے پروٹسٹنٹوں نے عہد نامہ عتیق کی ان کتابوں کو مستند ماننے سے انکار کر دیا تھا جو مغربی قانون اور سبعتین میں موجود تھیں مگر مسوری متن میں نہیں تھیں۔ ان کتابوں کو درس کے مطالب کے لئے تو موزوں سمجھا جاتا ہے مگر ان کو الہامی نہیں مانا جاتا۔ ان کتابوں کو الہامی کتب سے قطعی طور پر علیحدہ رکھنے کے لئے مستند نسخے (یا شاہ جمر کے نسخے) کے مترجمین نے یکجا کر کے عہد نامہ عتیق کے ساتھ بطور ضمیر شامل کر دیا تھا اور انہیں کتب مشتبہ Apocrypha کا

داخل الحیط اور خارج الحیط کثیر الاصلاح کے محیط پیاؤں کا حساب کرتے ہوئے معلوم کیا کہ (3141 > 70 > 3142) 0/1 31/7 > 70 > 31/2 اگر ایک مدور اسطوانے، مدور مخروط اور نصف کرے کا قاعدہ اور ارتفاع یکساں ہوں تو نصف کرے کا حجم مخروط سے دو چند ہوگا اور اسطوانے کا حجم ان دونوں کے مجموعے کے برابر۔

ارشمیدس نے کچھ کلیں بھی ایجاد کیں تھیں ان میں لیور Lever یا ہیرم بھی شامل ہے۔ اسے ارشمیدس کا بیچ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ارشمیدس نے کہا تھا کہ مجھے کھڑے ہونے کی جگہ مل جائے تو میں کہہ اڑوں کو بھی اس کی جگہ سے ہیرم کی مدد سے ہٹا سکتا ہوں۔ اسی ایجاد کے ذریعے ہماری بھڑک بھڑکی جہاز کو تنہا اٹھانے کا دعویٰ بھی ارشمیدس نے کیا تھا۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اس نے سیراکیوز کی بندرگاہ پر ہیرم اور چوڑیاں نصب کر کے شاہ ہیرن دوم کو دعوت دی کہ وہ رسی کا ایک سرا کھینچ کر ہزاروں پونڈ وزن بھری جہاز تنہا اٹھائے۔ جب ایک دن بادشاہ یہ دعوت قبول کر کے بندرگاہ پر آیا۔ تو اس نے رسی کا وہ سرا پکڑ لیا جو ارشمیدس نے مختلف چوڑیاں اور ہیرم نصب کر کے ان پر لٹکایا تھا اس رے کا دوسرا سرا گودی میں لٹکرا انداز ایک عظیم الجثہ اور بھاری بھڑک بھری جہاز سے بندھا تھا۔ بادشاہ نے ہلکے سے جھٹکے سے رے کو کھینچا مگر کچھ نہیں ہوا۔ ارشمیدس نے بادشاہ کو دوبارہ رسہ کھینچنے کی درخواست کی۔ اس کے اصرار پر بادشاہ نے یہ رسہ دوبارہ کھینچا اس مرتبہ رے کے کھینچنے جانے پر ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ پھر سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیوں کہ جہاز کا ایک سرا آہستہ آہستہ پانی سے بلند ہونے لگا تھا۔ لوگوں کے شور میں بادشاہ نے اپنے پہلو میں کھڑے سائنسدان کو اس کے کامیاب تجربے پر مبارکباد پیش کی۔

بدقسمتی سے جس جزیرے پر (سسیلی) ارشمیدس میں رہتا تھا وہ ان دونوں یونانی، قراطینی اور رومی طاقتوں کے درمیان میدان جنگ بنا ہوا تھا اکثر فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ ارشمیدس زمانہ امن کے سائنسی تجربات میں مصروف تھا کہ اچانک ایک رومی جرنیل مارسلس Marcellus نے سیراکیوز پر ایک بڑے لشکر اور 60 بحری جہازوں کے بیڑے کے ساتھ حملہ کر دیا۔ سیراکیوز کے بادشاہ نے ارشمیدس سے اپیل کی وہ اپنی اختراعات کے ذریعے دشمن کے ساتھ مقابلے میں مدد کرے۔ ارشمیدس نے ان حملہ آوروں کو روکنے کے لئے طرح طرح کی جنگی مشینیں ایجاد کیں جن کی مدد سے رومی محاصرہ تین سال تک ملتوی کر دیا گیا کہا جاتا ہے کہ اس محاصرے کے دوران اس نے ایسا عسکر ایجاد کیا تھا جس سے بحری جہازوں کو تباہ کیا جاسکتا تھا۔ جب رومی حملہ آوروں نے سیراکیوز کی فصیلوں پر کندھا ڈالنے کے لئے مینار تعمیر کئے ہیں۔ ارشمیدس کے ایجاد کردہ بڑے آکٹروں اور کرین نمائندوں نے ان میناروں کو اٹھا کر پاش پاش کر دیا۔ اگر رومی بحری جہاز شہر کے قریب آتے تو انہیں بھی بڑے آکٹروں کی مدد سے کھینچ لیا جاتا تھا۔ مشہور رومی تاریخ دان، پلوٹارک لکھتا ہے کہ ارشمیدس کی سائنسی ایجادات کی وجہ سے وہ رومی حملہ آوار افواج میں بطور جادوگر سائنسدان کے مشہور ہو گیا تھا اور رومی اس کے ایجاد کردہ ہتھیاروں سے ڈرتے تھے۔

ایک دن جب سیراکیوز میں کوئی مذہبی تہوار منایا جا رہا تھا تو اس رات فصیل کے محافظ بھی تہوار منانے کے بعد تھک کر سو رہے تھے۔ ایسے میں رومیوں نے فصل پر چڑھ کر ان پر قابو پالیا اور شہر کے اندر کود گئے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد آخر رومیوں کا شہر پر قبضہ ہو گیا اس قتل و غارت میں اگرچہ جرنیل مارسلس نے اپنے سپاہیوں کو ارشمیدس کو زندہ گرفتار کرنے کی

250 ق م۔۔۔۔۔ یوریکا! یوریکا

جون 250 ق م کی ایک صبح سیراکیوز سسلی کی گلیوں میں ایک برہنہ شخص یوریکا! یوریکا کے نعرے لگا رہا تھا۔ وہ اپنی برہنگی کو بھول کر سیراکیوز کی گلیوں میں دوڑتا ہوا اپنے گھر جا رہا تھا۔ مقامی زبان میں یوریکا Eurica کے نعرے کے معنی مجھے مل گیا بنتے تھے یہ نعرے لگانے والا برہنہ شخص کوئی فائر اہٹل دیوانہ نہیں تھا بلکہ تیسری صدی قبل از مسیح کا مشہور سائنسدان ارشمیدس تھا۔ یوریکا، یوریکا کے نعرے لگانے کا قصہ یہ تھا کہ سیراکیوز Syracuse کے بادشاہ ہیرن دوم Hieron ii نے جو ارشمیدس کا رشتہ دار بھی تھا۔ اپنے لئے سونے کا ایک تاج بنوایا تھا۔ تاج بن جانے کے بعد اسے شبہ ہو گیا کہ اسے بنانے والے زرگر نے اس کے ساتھ بے ایمانی کی ہے اور یہ تاج خالص سونے سے نہیں بنایا، لیکن چونکہ ظاہری بناوٹ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تھی اس لئے اس نے ارشمیدس سے فرمائش کی کہ وہ کسی طریقے سے یہ معلوم کرے کہ تاج خالص سونے کا ہے یا نہیں؟ ارشمیدس نے تاج پر کئی سائنسی تجربے کئے مگر کافی عرصے تک اسے یہ نہیں لگ سکا کہ تاج خالص سونے کا ہے یا اس میں کسی اور دھات کی ملاوٹ کی گئی ہے۔ ایک دن ارشمیدس سربازار ایک حمام میں نہانے کے لئے جب ایک پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں اترا تو پانی چھلک کر بہنے لگا۔ اچانک اس کے ذہن میں ہلکی کے کوندے کی طرح ایک خیال آیا اور اسے ایک عرصے سے حل نہ ہونے والے مسئلہ کا حل مل گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حل ملنے کے بعد اس پر ایسی بے خودی یا خوش طاری ہوئی کہ وہ چیخنے لگا ”یوریکا، یوریکا“ یعنی مجھے مل گیا، مجھے مل گیا۔ اور پھر چیختا ہوا بغیر لباس کے ہی وہ حمام سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال آیا کہ وہ فوراً گھر جا کر تاج اور تاج کے ہموزن خالص سونے کو پانی سے بھرے ہوئے کسی برتن میں ڈبوئے گا اور دونوں کے الگ الگ ڈوبنے سے جو پانی چھلکے گا اس کی پیمائش کا فرق یہ بات ثابت کر دے گا کہ یہ تاج خالص سونے کا ہے یا نہیں۔ یہ سادہ مگر اہم تجربہ کرنے کے بعد ارشمیدس کو معلوم ہوا کہ تاج کو ڈوبنے سے جو پانی چھلکا تھا، اس کی مقدار اس پانی کی مقدار سے مختلف تھی جو تاج کے ہموزن خالص سونے کو پانی میں ڈوبنے سے چھلکی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کے اجزاء، ترکیبی مختلف تھے۔ دوسرے لفظوں میں تاج خالص سونے کا نہیں تھا۔ اس طرح اتفاق، ذہانت اور مشاہدے کی قوت سے ارشمیدس نے کثافت اضافی کا طبیعی قانون دریافت کر لیا۔ یہ اصول آج بھی اس کے نام سے موسوم ہے اور اصول ارشمیدس کہلاتا ہے اس کی رو سے سیال میں ڈوبے ہوئے جسم کا وزن اتنا ہی کم ہو جاتا ہے جتنا اس کے حجم کے برابر سیال کا وزن ہوتا ہے۔

ارشمیدس 287 ق م کے لگ بھگ سیراکیوز میں پیدا ہوا۔ مورخین تاریخ سائنس اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ماضی کا سب سے بڑا ریاضی دان، طبیعیات دان اور مہندس تھا۔ اسی عہد کے دوسرے بڑے مہندسوں، اقلیدس اور اپولونیوس کے مقابلے میں ارشمیدس کی خدمات علم سے غیر معمولی جدت اور بے ساختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ علم ہندسہ میں اس کی توجہ اگرچہ زیادہ تر پیمائشوں پر رہی مگر اپولونیوس کی ”صور اور مواقع“ پر گویا ارشمیدس کا ہندسہ پیمائش کا ہندسہ ہے۔ ارشمیدس نے 96 ضلع

ہدایات دی تھیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ جب ایک رومی سپاہی ارشمیدس کے پاس پہنچا تو وہ ساحل کی ریت پر ریاضی کی اشکال بنانے میں مصروف تھا۔ اس نے سپاہی کو کہا کہ اسے اس کا یہ حساب و کتاب مکمل کرنے کی اجازت دی جائے جو اسے اس سپاہی نے دے دی مگر اسے نہ پہنچاتے ہوئے بلا آخر قتل کر دیا۔ اس طرح دنیا ایک ایسے سائنسدان سے محروم ہو گئی جو اپنے وقت سے کہیں آگے تھا۔ اگر ارشمیدس کے بعد آنے والے دو ہزار برس کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس کا ہم پلہ ریاضی داں اور سائنسدان سوائے نیوٹن کے کہیں اور نظر نہیں آتا جو اس کے تقریباً 1900 سال بعد ہو گزرا ہے۔

کہتے ہیں کہ ارشمیدس کے مقبرے پر اس کی وصیت کے مطابق ایک سلنڈر کی شبیہ بنائی گئی تھی جس میں ایک کرہ بھی نقش کیا گیا تھا جو ارشمیدس کی ایک اہم دریافت کرہ کی سطح اور حجم اور اس کو محیط کرنے والے سلنڈر کے باہمی تعلق کی علامت تھا۔

ماخذ

1: دنیا کے عظیم سائنسدان۔

2: مقدمہ تاریخ سائنس از جارج سارٹن۔

Asimov's Encyclopedia Of Science & Technology:3

A History Of Science By Stephen F.Mason:4

249 ق م۔۔۔ عہد اشکانیاں کا آغاز

ایران میں سکندر اعظم کی باقیات یا سلوکیوں کی حکومت کے دوران اشکانی خاندان نے 249 ق م میں ایک نئی قومی حکومت قائم کی جو ایران کی چوتھی قدیمی سلطنت تھی۔

اشکانی سلطنت چونکہ ایران کے صوبہ پارت جسے یونانی میں پارتھیا کہا جاتا ہے قائم ہوئی اس لیے یہ سلطنت پارتھ بھی کہلاتی ہے۔ یہ صوبہ آج کل خراسان کہلاتا ہے۔ اس علاقے کو داریوش اعظم نے کوہ بے ستون، تخت جمشید اور نقش رستم کے کتبات میں پرتو کہا ہے۔

خاندان اشکانی کا مورث اعلیٰ ارشک تھا جس نے اشکانی حکومت کی تاسیس کی۔ بعد ازاں اس سلسلے کے تمام حکمران ارشک کے نام کو جاویدانی بنانے کے لیے اپنے نام کے ساتھ ارشک کا لقب کا اضافہ کرتے رہے۔ اس لیے یہ خاندان اشکانیاں کے نام سے موسوم ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ ارشکانی نے اشکانی کی شکل اختیار کر لی۔

ارشک اور تیرداد دو بھائی تھے اور فری پاپت نامی ایک امیر کے بیٹے تھے جو بلخ کا رہنے والا تھا۔ ارشک اور تیرداد ہجرت کر کے پارت آگئے اور یہاں کے حکمران کے مہمان ہوئے مگر کچھ عرصے بعد ان کی اس سے جھگڑ گئی اور وہ اسکے خلاف ہو گئے اور انہوں نے محافظوں کو ساتھ ملا کر اس یونانی حکمران کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرح اہل پارت کو یونانی راج سے نجات مل گئی یونانیوں کے خلاف کامیاب تحریک چلانے کے بعد ارشک پارت میں بدلا خرابیانی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن باقاعدہ وہ بادشاہیت کا آغاز ارشک کے بھائی تیرداد نے کیا۔

اس زمانے میں ایران کی سیلوکی بادشاہت کا سربراہ انٹنی اوگس Antiochus تھا۔ جس کی کمزوری سے صوبے خود مختار ہوتے جا رہے تھے۔ اسی حکمران کے عہد میں ارشک نے علم آزادی بلند کر کے پارت کو یونانیوں سے آزاد کر لیا اور آزاد قومی حکومت قائم کی تھی۔ یہ آزاد قومی سلطنت جو اشکانی سلطنت کہلائی (249 ق م سے 226 ق م) تک قائم رہی اور اس خاندان کے 28 بادشاہوں نے ان پانچ صدیوں میں یہاں حکومت کی۔ ان حکمرانوں کا سپہا دارالحکومت دامغان کے قریب ایک شہر تھا بعد میں رے اور پھر مہران رہا۔

247 ق م۔۔۔ اشک دوم یا تیرداد تخت نشین ہوا

اشک اول کی وفات پر اس کا بھائی تیرداد (247 ق م۔ 214 ق م) تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت مورخین کے مطابق حالات اتنے ناموافق تھے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پارت کی بنیاد پر ایران کی کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکے گی یا نہیں۔ لیکن اشک دوم کے طویل عہد حکومت میں اس کے اسباب مہیا ہو گئے اور اشکانی سلطنت ایران کی ایک مستحکم سلطنت کی شکل میں سامنے آئی۔

اشک دوم کے عہد میں مصر میں بطلمیوس دوم تخت نشین ہوا اور اس نے ایشیائے کوچک کے ایرانی مقبوضات میں پیش قدمی کی ایشیائے کوچک میں اسنی روگس دوم کا بھائی سلیوکس دوم حکمران تھا۔ بطلمیوس نے اسے شکست دی اور اٹھارہ سال پر قابض ہو گیا پھر آگے بڑھ کر اس نے فرات تک علاقہ سلیوکیوں سے لے لیا۔ اب وہ دریائے فرات عبور کر کے آگے بڑھا اور سلیوکی مقبوضات کو ایک ایک کر کے فتح کرنے لگا۔ وہ بلخ کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ اسے مصر میں شورش کی اطلاع ملی اور وہ واپس لوٹ گیا۔

ادھر اشک دوم مصر کے حکمران کی یلغاروں سے سخت پریشان تھا اس کی واپسی کی خبر سنی تو وہ مطمئن ہو گیا اور اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہو گیا۔ اس نے گورگان کی طرف پیش قدمی کر کے اس کو سلیوکیوں سے آزاد کرالیا اور اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ انہیں دنوں سلیوکی حکمران اسنی اوگس دوم نے بھی اپنے بھائی سلیوکس دوم کے ساتھ مل کر پارت پر چڑھائی کی تیاری کی مگر اشک دوم نے انہیں سکیت قبائل کی مدد سے شکست دے دی۔

اشک دوم کو جب کچھ داخلی اطمینان حاصل ہوا تو اس نے اپنی مملکت میں مشہور مقامات پر قلعے تعمیر کرائے اور گورگان میں ”دارانامی ایک نیا شہر تعمیر کیا۔ اس شہر کو اس کے محل وقوع کی وجہ سے بعض اشکانی حکمرانوں نے اپنا دار الحکومت بنالیا۔

اشک دوم اشکانی حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے بعد 214 ق م میں عالم گیری میں فوت ہو گیا۔ اشکانی سلسلے کا یہ پہلا حکمران تھا جس نے ہخامنشیوں کے نقش قدم پر چل کر شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا اردوان اشک سوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔

234 ق م۔۔۔ کیٹو المستب اور رومی فلاحیت

مارکس پورکیئس کیٹو سنسوریکس (234 ق م۔ 149 ق م) رومی مدبر، معلم اخلاق اور کاشتکار۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں کیٹو نے ایک رسالہ بحتی بازی، باغبانی اور پھلوں کی کاشت پر تصنیف کیا اس کا اٹلنی نام۔ De Agricultura تھا۔ یہ اس موضوع پر لاطینی زبان کی پہلی قدیم ترین کتاب ہے اور رومی طب کے متعلق نہایت عمدہ معلومات پر مشتمل ہے۔ کیٹو یونانی طب اور فلسفہ کا زبردست مخالف تھا۔ یہ مخالفت اس نے اپنی کتاب ”نصائح بہ فرزند“ میں ظاہر کی ہے کیٹو کے نام کے ساتھ المستب کا اضافہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس میں اور اس کے نامور پر پوت ”کیٹو اور ٹیگوری“ میں امتیاز کیا جاسکے۔ مؤرخ الذکر کا شمار روم کے شریف ترین اکابرین میں ہوتا ہے۔ وہ طبقہ اشراف کا سردار تھا اور اس نے جولیس سیزر کے ہاتھوں شکست کھائی بظاہر اس کی زندگی سیاسی نا کامیوں سے عبارت ہے۔ لیکن اس نے اپنی قوت اخلاقی اور فضیلت کا جو نمونہ پیش کیا اس سے دنیا ہمیشہ سبق حاصل کرتی رہے گی۔

46 ق م میں جب وہ اپنا مقصد پورا کر چکا تو اس نے ایتھنز میں خوشی کر لی بجائے اس کے سیزر کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا۔ سیزر، سیزر اور پلوٹارک نے اس کی سوانح حیات پر بحث کی ہے۔

225 ق م۔۔۔۔۔ لاطینی ادب کے سب سے قدیم ظریف شاعر کی پیدائش

پلوٹوس Titus Maccius Plutus لاطینی ادب کا سب سے بڑا اور قدیم ظریف شاعر ہے۔ اس کی پیدائش پینیس میں سے پندرہ برس پہلے سارینا کے مقام پر ۱۸۷ ق م میں ہوئی۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں رومی تعمیرات میں ایکٹر تھا۔ جب اس نے کچھ روپیہ پس انداز کر لیا تو دوسرے ملکوں سے تجارت کرنے لگا۔ لیکن بد قسمتی سے اس کا روپیہ ڈوب گیا۔ اس واقعہ سے اسے زندگی کا بڑا تلخ تجربہ ہوا۔ روم واپس آ کر اس نے آٹا پینے کی جگہ کھول لی۔ جب اس کی عمر چالیس سال ہوئی تو علم و ادب سے اس کی دلچسپی رنگ لائی اور اس نے طریبہ ڈرامے لکھنے شروع کر دیے۔ اگرچہ وہ غم روزگار کے جھکڑوں کی وجہ سے بہت بعد میں تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوا مگر اس نے اس کی تلافی کر دی اور جلد ہی 100 کے قریب طریبہ لکھ ڈالے۔ ناقدین کے مطابق اگرچہ وہ یا وہ گو اور بسیار نویس تھا مگر ایک ہاتھ بھی تھا۔ اس کی نگاہ زندگی کے مضحکہ خیز پہلوؤں پر بہت جلد جاتی تھی۔ اسے کہانی اور پلاٹ کی دلچسپ اور فنی انداز میں پیش کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ اپنے سامعین کو اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر بہت جلد مسحور کر دیتا تھا۔ اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ وہی کچھ کہتا تھا جس کے بارے میں مکمل واقفیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مناظر صداقت سے مملو نظر آتے تھے۔ اس کے ڈرامے حیرت انگیز طور پر ظرافت و شنگی مزاح و لطافت اور زندگی و زندہ دلی سے پر معلوم ہوتے ہیں۔ پلوٹوس نے اپنی کامیابی کی بنیاد اتھینز کی نئی کامیابی پر رکھی تھی جس میں وہ معاشرے کے جانے پہچانے کرواروں کو پیش کرتا تھا۔

پلوٹوس کے ڈرامے اس کی وفات کے بعد تقریباً تین صدیوں تک کامیابی کے ساتھ اسٹیج پر پیش کئے جاتے رہے۔ اس سے اس کے ڈراموں کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں بعد شکسپیر اور دیگر بڑے ڈرامہ نگاروں نے بھی پلوٹوس کے اثرات قبول کیے۔ آج پلوٹوس کے 20 ڈرامے دستیاب ہیں۔ ”قدی“ ان سب میں سب سے مشہور ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی نسوانی کردار نہیں ہے۔ ڈرامے کی دلچسپی اس کی ظرافت اور مزاح میں نہیں بلکہ اس کے الم انگیز واقعات میں پوشیدہ ہے۔

214 ق م۔۔۔۔۔ اشک سوم یا اردوان اول کی تخت نشینی

اشک دوم کے بعد تخت اشکانیاں پر اس کا بیٹا اردوان اول Artba اشک سوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں سلوکی حکمران ایران ایشیائے کوچک کی مہم میں مصروف تھا۔ اشک سوم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی مملکت کو وسیع کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلا قدم اس نے میڈیا کی طرف اٹھایا اور اسے مسخر کر لیا۔ پھر گرگان کے پہاڑوں سے ہوتا ہوا کروستان پہنچا اور سارے علاقے کو مطیع کر لیا۔ اس کے بعد ہمدان اور بین النہرین کے علاقوں کو اپنے تسلط میں لے آیا۔ اسی اثنا میں انہی گوس سوم اپنی مہم سے واپس لوٹ آیا اور اس نے اشکانیوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لیے ایک لشکر جہار فراہم کیا جو قدیم موصلین کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ پہلی منزل اس کی ارمینیا تھی، جسے اس نے 209 ق م میں فتح کر لیا۔ پھر میڈیا کا رخ کیا، وہاں اشک سوم نے مدافعت کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کا دار حکومت ہمدان با آسانی یونانیوں کے تسلط میں آ گیا۔ یہاں شدید لوٹ مار کی گئی اور اناہتادیوی کا مشہور معبد تباہ کر دیا گیا۔

میڈیا ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اشک سوم نے جیسے بن پڑا انہی اوگس سوم کا راستہ روکنے کا فیصلہ کیا اور زیر زمین بسنے والی نہروں (کاریزوں) کو پتھر بھر کر پاٹ دیا تاکہ دشمن تک پانی کی ترسیل نہ ہو سکے۔ بعض مقامات پر پانی کو زہر آلود بھی کر دیا گیا تاکہ دشمن پانی کی کمی سے تنگ آ کر لوٹ جائے۔ مگر انہی اوگس تیزی سے بڑھتا چلا آیا اور اس نے شہر صدور Hiecatompylus کو مسخر کر لیا۔ انہی اوگس کا خیال تھا کہ اشکانی سلطنت کا حکمران سر اطاعت ختم کر دے گا مگر اشک سوم ہر قیمت پر اپنی مملکت کا دفاع کرنا چاہتا تھا وہ کائی قبائل سے کمک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور گرگان کے دشوار گزار پہاڑوں میں انہی اوگس نے اشک سوم سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب انہی اوگس نے پنج پر حملہ کیا پھر کوہ ہندوکش کو عبور کر کے وہ کامل پر حملہ آور ہوا۔ پھر درہ خیبر سے گزر کر وہ پنجاب میں داخل ہو گیا۔ راجہ اشوک کے جانشین نے اسی میں بہتری سمجھی کہ سلوکی حکمران سے مصالحت کر لے۔ اس نے زرگیر اور ہاتھیوں کا تحفہ پیش کر کے انہی اوگس سے صلح کر لی۔ انہی اوگس سکندر اعظم کی طرح ہندوستان سے واپس لوٹ آیا اور سیستان پہنچ کر واپس لوٹ گیا۔

ماخذ

تاریخ ایران جلد اول از پروفیسر مقبول بیگ بدخشیانی۔

متحدہ انسانی آبادیوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ شمالی سرحد کی حفاظتی دیوار کی شکست و درخت بھی تھی۔ 1368ء میں منگ خاندان نے تاتاریوں کو چین سے نکال دیا اور شمالی سرحدوں کو پھر سے مضبوط بنایا۔ 1420ء میں اسی خاندان کے شہنشاہ ینگ لو Yunglo نے عظیم دیوار چین کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔

اس نو تعمیر شدہ دیوار کی بلندی 22 فٹ سے 26 فٹ (6.7 سے 8 میٹر) ہے۔ بنیاد سے اس کی چوڑائی 21 فٹ (6.4 میٹر) ہے جب کہ اوپر جا کر یہ چوڑائی 18 فٹ (5.5 میٹر) رہ جاتی ہے۔ دیوار زیادہ تر پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے اور اس کے درمیانی خلا کو مٹی اور اینٹ روئے سے پر کیا گیا ہے۔ جس پر پھر اینٹوں کا فرش بچھایا گیا ہے دیوار کی شمالی طرف کنکرہ دار موچے رکھے گئے ہیں اور تقریباً ہر 590 فٹ یا 180 میٹر کے بعد نگہبانی کے لئے ایک چوکور مینار تعمیر کیا گیا ہے جس میں وقتوں کے بعد خرابی طاقے رکھے گئے ہیں۔ انہیں میناروں کی چٹھوں پر مشاہدے کے لئے بالا خانے بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔ اہم دروں خاص طور پر پیکنگ کے شمال میں کارواؤں کی گزرگاہوں کے قریب دیوار کی دو گنا یا سہ گنا شاخیں تعمیر کی گئیں ہیں جن سے یہ مقامات دشمنوں کے حملوں سے مامون ہو گئے تھے۔

اپنی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ یہ دیوار تقریباً 2486 میل یا 4000 کلومیٹر طویل ہے۔ اس کی تعمیر میں تقریباً 47277956 کیوبک فٹ (446250 کیوبک میٹر) مٹی اور تقریباً 15759318 کیوبک فٹ پتھر اور اینٹیں صرف ہوئیں ہیں۔ تاریخ عالم میں انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی یہ سب سے بڑی دیوار اور سب سے بڑا تعمیراتی منصوبہ ہے۔ زمین کا یہ واحد انسانی تعمیر شدہ شاہکار ہے جسے چاند اور مریخ جیسے دور دراز کے سیاروں سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

بنیادی طور پر دیوار چین فوجی (دفاعی) مقاصد کے لئے تعمیر کیا گیا ایک شاہکار ہے مگر اس کی تعمیر کے کئی اور بھی مقاصد ہیں جیسے پہاڑی علاقوں میں رسل و رسائل کا یہ براؤر ہے بصورت دیگر ان پہاڑی علاقوں میں رسل و رسائل ایک مشکل کام ہے۔ ایک شاہراہ کے طور پر اس دیوار کی کشادگی اتنی ہے کہ اس پر سے پانچ یا چھ گھڑ سوار ایک ساتھ گزر سکتے ہیں۔ فوجی انجینئرنگ کے اس عظیم شاہکار میں دیگر تعمیرات عالم میں پائے جانے والے جمالیاتی پہلو یا جمالیاتی آرائشی کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اپنے خوبصورت زمینی منظر میں بڑی بھلی معلوم دیتی ہے بلکہ ایک طرح سے ایک عظیم جمالیاتی شاہکار نظر آتی ہے۔ چینیوں کے اس خیال کی ایک زندہ مثال بھی ہے کہ انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی ہر عمارت اس خطے کے قدرتی اصولوں کی تابع ہوتی ہے جس پر وہ تعمیر کی گئی ہو۔ شاید اسی اصول کے تابع ہونے کی وجہ سے پہاڑی چوٹیوں پر بل کھاتی ہوئی یہ عظیم دیوار چین کے روایتی اژدہ کا روپ دھار لیتی ہے۔

مآخذ

Wonders Of The World By Lionel Grigson:1

Encyclopedia Sinica:2

The World Book Encyclopedia:3

4: جارج سارٹن، مقدمہ سائنس۔

1000 Great Events:5

215 ق م۔۔۔ دیوار چین کی تعمیر

انسانی معاشرے کی تاریخ زمانہ قبل از تاریخ سے ہی خانہ بدوش حملہ آوروں اور متحدہ انسانی آبادیوں کے درمیان آویزشوں اور چٹقلوں کی کہانی ہے۔ قدیم انسانی معاشرے کے ان ابتدائی چٹقلوں کا نشان، آج دنیا کے کسی ملک میں بھی اتنا واضح نہیں ہے جتنا ہمارے ہمسائے ملک چین میں خود چین کی عظیم دیوار چین انسانی معاشرے کی انہیں قدیم آویزشوں کی علامت ہے۔ یہ عظیم عجوبہ روزگار دیوار جو مہذب انسانی آبادیوں کو وحشی بن اور تاری خانہ بدوشوں کی یورشوں سے بچانے کے لئے تیسری صدی قبل از مسیح میں تعمیر کی گئی تھی شمالی چین کے پہاڑوں پر سے بل کھاتی ہوئی وسطی ایشیا کے دور دراز علاقوں تک چلی گئی ہے۔ چین میں وحشی خانہ بدوش قبائل سے متحدہ انسانی آبادیوں کی حفاظت کے لئے ایسی حفاظتی دیواروں کی تعمیر کی ابتدا پانچویں صدی قبل از مسیح میں ہوئی تھی۔ بعض مورخین کے نزدیک حفاظتی فصیلیں تعمیر کرنے کا آغاز چین کے شہروں کے گرد حفاظتی فصیلیں تعمیر کرنے کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ تیسری صدی قبل از مسیح میں چین کے عظیم بین Han شہنشاہ، شی ہوانگ تی Shih Huangti نے مختلف ریاستوں میں بنے ہوئے اس ملک کو اتحاد کی رسی میں پرو کر ایک مملکت میں بدل دیا۔ 221 ق م میں اسے سارے چین کا شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اپنی مملکت کی شمالی سرحد کو وحشی اور تاری خانہ بدوشوں کے متواتر حملوں سے بچانے کے لئے اس نے 215 ق م میں ایک طویل دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس کام کیلئے شہنشاہ نے اپنی مملکت کے ہر تیسرے شہری کو جبری طور پر اس دیوار کی تعمیر پر لگا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ تین لاکھ سے زائد انسانوں نے مسلسل دس سال تک اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس دیوار کے متعلق حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر اٹھنے والے خرچ میں شہنشاہ کے خزانے کا تمام تر روپیہ صرف ہو گیا اگرچہ یہ دیوار صرف مٹی اور پتھروں اور جبری مشقت سے تعمیر کی گئی تھی اور اس دیوار کے صرف کچھ مشرقی حصے ہی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے تھے۔ شہنشاہ شی ہوانگ تی اس دیوار کی تعمیر اور اتحاد چین کے علاوہ تانبے کا ایک نیا سکہ جاری کرنے اور نیشانی الواح کے بدلے ریشم کو رواج دینے، اوزان اور پیمانوں کو ایک معیار پر لانے ایک بڑی نہر اور کئی بڑی شاہراہیں تعمیر کرنے کے لئے بھی مشہور ہے۔ اس کے عہد میں 213 ق م میں وہ فرمان جاری کیا گیا جسے کتابوں کی آتش زنی سے تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس فرمان کے ذریعے شہنشاہ نے زراعت، طب اور کہانت کے علاوہ تمام علوم کے متعلق کتابیں تلف کر دینے کا حکم دیا تھا۔

بین خاندان Han Dynasty کے بعد چین پر تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کئی اور حکمران خاندان برسر اقتدار آئے مگر یہ سب اپنے دیگر داخلی امور میں اتنے الجھے رہے کہ ان خاندان کے کسی حکمران نے بھی اس عظیم حفاظتی دیوار کی تعمیر و مرمت پر توجہ نہ دی اور صدیاں گزر گئیں۔ 1234ء میں جن خاندان Chin Dynasty کو چنگیز خان نے اقتدار سے محروم کر کے چین میں منگول خاندان کی بنیاد رکھی۔ چنگیز خان کی تاتاری افواج عظیم دیوار چین ہی کو روند کر شمالی سرحد سے چین میں داخل ہوئیں تھیں۔ یہ چودہ سو سال میں پہلا موقع تھا جب صحرائے گوبی سے آنے والے خانہ بدوشوں نے اتنے وسیع پیمانے پر

بہت ساتھ لے لایا جو کسی زمانے میں ایرانی مصر سے اٹھا کر لے گئے تھے۔ اس کے عہد کے آخر میں نظام حکومت پر اس کی گرفت کمزور پڑ جانے کی وجہ سے مصر کے بیرونی صوبہ جات اس کے ہاتھ سے نکل گئے بطلیموس حکمرانوں میں اس کے بعد بطلیموس پنجم مصر کا حکمران ہوا ہے۔

بطلیموس پنجم Ptolemy, V. Epihane بطلیموس پنجم ابھی کم سن تھا کہ اس کے باپ نے وفات پائی۔ 203 ق م میں وہ صرف پانچ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ کم سن ہونے کی وجہ سے وہ حاکم ہونے کے باوجود اپنے عہد میں عرصہ دراز تک محکوم رہا اور اس کے ساشی درباری اس کے سر پرست بنے اقتدار پر قابض رہے۔ ہمسایہ ممالک نے مصری سلطنت کی زبوں حالی دیکھتے ہوئے اس کے بیرونی صوبے ہتھیائے۔ شام کے یونانی حکمران اطالس سوم نے مصری حکومت پر اثر انداز ہونے کے لیے بطلیموس پنجم سے اپنی بیٹی قلوپٹروہ اول کی شادی کر دی۔ بطلیموس کی تخت نشینی کی خوشی میں بہت سے ٹیکس جو عایاد پر دہتوں کی نظر میں ناجائز تھے، معاف کر دیے گئے۔ اس پر عوام اور پردہتوں نے خوشی کا اظہار سیاہ پتھر کے ایک ٹکڑے پر ایک قرار داد تشکر کی شکل میں کندہ کر کے کیا سیاہ پتھر کا یہ ایک میٹر لمبا ٹکڑا صدیوں بعد 1798ء میں دریائے نیل کے دہانے کے پاس روزینا کے مقام سے نیپولین کی فوج کے ایک انجینئر کو ملا۔ اپنی دریافت کے دو سال بعد یہ پتھر برٹش میوزیم پہنچ گیا اور آج تک وہیں محفوظ ہے۔ اپنے دریافت کے مقام کے نام پر یہ پتھر روزینا پتھر Roseta Stone کہلاتا ہے۔ ساڑھے تین فٹ لمبے ڈھائی فٹ چوڑے اور ایک فٹ موٹے اس پتھر پر تین قسم کے رسم الخط میں تحریر کندہ ہے۔ اس کی تحریری ترتیب کچھ یوں ہے۔ اوپر والی 14 لائنیں قدیم مصری ہیرو گلیف Hiero Glyphs میں ہیں۔ درمیان والی 32 لائنیں اس وقت کے مصری عوامی رسم الخط Demotic میں ہیں۔ ان لائنوں کے نیچے 54 مزید لائنیں یونانی رسم الخط یا اس وقت کے شاہان مصر کی زبان میں رقم ہیں۔ اس طرح روزینا پتھر پر وہ قدیم قرار داد تشکر کل 100 لائنوں یا سطروں میں کندہ ہے۔

مصر سے عہد فراغ کے خاتمے کے بعد سے صدیوں تک انسان قدیم مصری رسم الخط کی تعبیر نہ کر سکا تھا۔ اگر اٹھارہویں صدی کے آخر میں یہ پتھر دریافت نہ ہوتا تو شاید آج تک بھی نہ کر سکتا۔ روزینا پتھر پر کندہ یونانی رسم الخط کی وجہ سے پانچ ہزار سال قدیم مصری زبان کو سمجھنا آسان ہوا۔ (دیکھئے 1798ء)

200-195 ق م۔۔۔۔۔ بطلیموس عہد اور اس کی ایک قرارداد

سکندر اعظم کی وفات (321 ق م) کے بعد سے مصر پر اس کے ایک جرنیل بطلیموس Ptolemy نے بطلیموس خاندان کی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ اس خاندان کو مصریوں نے اپنے رنگ میں رنگ کر فرات کا ایک نیا خاندان بنالیا تھا اور وہ بطلیموس عہد میں بھی اپنے قدیم تمدن پر قائم رہے۔ بطلیموس عہد، بطلیموس اول کے مصر پر قبضے سے ملکہ قلوپٹروہ کی خوشی 30 ق م تک جاتا ہے۔ اس عہد میں سکندر یہ علمی لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا تھا۔ بالکل آج کے لندن، پیرس اور نیویارک کی طرح ایک عالمی شہر۔

بطلیموس اول۔ سوتر سکندر اعظم کا ایک اہم جرنیل اور اس کے ذاتی محافظ دستے کا سالار تھا۔ تقریباً 367 ق م میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی فلپ مقدونی کا ہی بیٹا تھا۔ 337 ق م میں جب سکندر اور اس کی ماں کو مقدونیہ چھوڑنا پڑا تھا تو بطلیموس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد سکندر نے اسے اپنے محافظ دستے کا سالار اعلیٰ مقرر کیا۔ سکندر سے ذاتی دوستی اور اپنی ذاتی بہادری کی وجہ سے اس نے سکندر کی مہمات میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی کے ہاتھ ایران میں دارا سوم کا قاتل گرفتار ہوا۔ ہندوستان سے واپس کے سفر میں اسے امیر البحر بنا دیا گیا تھا۔

سکندر کی وفات کے بعد اس نے پریڈکاس کا ساتھ دیا اور اپنے لئے سکندر کی سلطنت میں سے اس نے مصر کا انتخاب کیا۔ پریڈکاس کی وفات کے بعد بطلیموس نے انٹی پیٹر سے اتحاد کر لیا اور اس کی بیٹی یوری ڈائیس Eurydice سے شادی کر لی۔ 285 ق م بطلیموس اول نے اپنے بیٹے بطلیموس دوم کے حق میں دستبرداری اختیار کی اور گوشہ نشین ہو گیا سکندر یہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد اپنی بے انتہا جنگی مصروفیات کے باوجود بطلیموس اول نے سکندر یہ میں ایک لائبریری اور ایک میوزیم کی بنیاد رکھی۔ یہ میوزیم دراصل ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔

بطلیموس دوم (فلادیلفس) 308 ق م۔ 246 ق م بطلیموس اول کا بیٹا اس کی تاج و تخت سے دستبرداری کے وقت 285 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس کی شادی اس کی حقیقی بہن آرسینوئی Arsione سے ہوئی۔ اس کے عہد میں شام اور بحیرہ ایج کے خطوں میں جنگیں لڑی گئیں۔ نوپا میں اس نے مصری طاقت کا لوہا منوایا۔ دارالحکومت سکندر یہ کی تعمیر و توسیع ہوئی۔ لائبریری کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ جزیرہ فیروز پر جہاز رانی کے فروغ کیلئے مینارہ نور تعمیر کرایا جس کا شہرہ آفاق نام عالم میں ہوتا تھا۔ بطلیموس دوم قدرتی سائنس اور قدرتی تاریخ Natural History کا دلدادہ تھا۔ اس لئے اس کے عہد میں ان علوم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ علم و ادب کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ اس نے مصر میں ایک انتہائی (اثر آفرین) مستعد اور منظم نظام حکومت قائم کیا۔

بطلیموس سوم یورگیتیس Urgetes (280 ق م۔ 221 ق م) بطلیموس دوم کی وفات کے بعد 246 ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کا اہم واقعہ یہ ہے کہ مغربی ایشیاء میں دور تک لڑتا چلا گیا اور مصر واپسی پر اپنے ساتھ مصری دیوتاؤں کے

200 ق م۔۔۔ شاہراہ ریشم مشرق و مغرب کو ملاتی ہے

تقریباً 200 ق م میں صحرائے کھلا مکاں کے قریب سے گزرتے ہوئے قافلے سامان تجارت لیے مغربی ایشیا اور وسطی ایشیا کے ممالک کی طرف ایک شاہراہ پر رواں دواں تھے۔ صحرائے کھلا مکاں سے گزرنے والی یہ تجارتی شاہراہ، شاہراہ ریشم تھی جو چین سے بحیرہ روم تک جاتی تھی اگرچہ اس راستے چین کی بہت سی اجناس بحیرہ روم تک پہنچتی تھیں۔ مثلاً جواہرات، ادویہ وغیرہ لیکن ان تمام میں خاص جنس ابریشم تھی جس کی بنا پر یہ شاہراہ، شاہراہ ابریشم یا ریشم کہلاتی تھی۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ بعض شاہراہیں کسی اہم تجارتی جنس کی بنا پر موسوم کی جاتیں تھیں جیسے شاہراہ ریشم، شاہراہ بخور وغیرہ۔

تقریباً 200 ق م میں کھلنے والی یہ شاہراہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ تھی اس پر قدیم زمانے میں مسافروں کے لامتناہی سلسلے میں آن شی (ایران) کا شہزادہ ”آن شی کاؤ“ دوسری صدی عیسوی میں یوینگ آئے۔ تین سلطنتوں کے دور (220 تا 265ء) کا چوتھی شنگ جو مذہب کے مطالعے کے لیے مغربی خطوں کی طرف جانے والا پہلا چینی بیکشو تھا۔ چوتھی اور پانچویں صدی کا بدھ پیچھیوں کا ممتاز چینی مترجم مکارھیو، ممتاز بیکشو فاشین (عالم) 337ء، 422ء جو 65 برس کی عمر میں چھاگنگ آن سے ہندوستان آیا اور 78 برس کی عمر میں واپس گیا۔ دو ہندوستانی بیکشو جنہوں نے فسطیہ سے سکیا تک سفر کیا وہ چینی ایشم کے کپڑے اور شہوت کے پودے لے کر مشرقی۔ سلطنت روم تک گئے اور واپس آئے۔ بہت سے تاجر، دستکار، گزریے، سپاہی، ادیب، فن کار اور مذہبی شخصیات اس شاہراہ پر سفر کرتیں تھیں، چینی حکمران خاندان ہان Han کے عہد میں یہ شاہراہ مشرق میں چھاگنگ آن سے شروع ہو کر دریائے دی کے ساتھ ساتھ ہوشی کوریڈر سے گزرتی ہوئی تون ہواگ تک جاتی تھی۔ دوسری صدی عیسوی میں ایران کے اشکانیوں کے کئی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد عارضی طور پر یہ شاہراہ بند ہو گئی اور چین کا سامان تجارت بحری راستے سے خلیج فارس تک پہنچنے لگا۔ پھر جب ساسانی برسر اقتدار آئے تو تیسری صدی عیسوی میں انہوں نے خلیج فارس پر بھی قبضہ کر لیا اور ابریشم کی تجارت حبشہ والوں نے سنبھال لی۔ کیونکہ اس وقت تک دو مسیحی راہب اپنی کھوکھلی چھریوں میں ریشم کے کیڑے چھپا کر چین سے باہر لے گئے یوں ابریشم پر چین کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔

قدیم زمانے میں شاہراہ ریشم کی طوالت تقریباً 4000 میل تھی دنیا کی چھت پامیر سے ہوتی ہوئی یہ افغانستان سے گزر کر لیونٹ Levant کی بندرگاہ پہنچتی تھی۔ جہاں سے سامان تجارت کو بحری جہازوں کے ذریعے بحیرہ روم کے اس پار یورپی ممالک پہنچایا جاتا تھا۔ آج کل شاہراہ ریشم کے ذریعے پاکستان اور چین سے ملایا گیا ہے۔

ماخذ

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

200 ق م۔۔۔ مہابھارتا

ہندوستان کا قدیم ادب بنیادی طور پر دو عظیم رزمیہ نظموں ”مہابھارت“ اور ”رامائن“ پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں رزمیہ اگرچہ غیر مذہبی ہیں مگر ان کی ترتیب و تالیف ہندوؤں کے ایک مذہبی گروہ کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے۔

غیر مذہبی ہونے کے باوجود ان دونوں عسکری افسانوں میں مذہبی اہمیت اور رنگ نمایاں ہے۔ ان دونوں کی مذہبی اہمیت اولاً تو اشو مہیدہ یا شاہی قربانی کے مسلک کی ادا نگینی میں تھی۔ اس رسم کا ایک حصہ قدیم زمانے کے بہادروں کی داستانیں بیان کرتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ عسکری مضامات اور ان کی تخلیق کا کام خاتھائی لوگوں کے سپرد تھا۔ انہیں لوگوں نے ان رزمیوں میں دینیاتی، اخلاقیاتی اور آئین حکمرانی کے متعلق موضوعات پر مبنی طویل اقتباسات شامل کر دیے۔

قدیم ہندوستانی ادب کے ان دونوں ادب پاروں میں سے ”مہابھارت“ زیادہ اہم ہے۔ اس کا شمار دنیا کی چند بڑی رزمیہ داستانوں میں ہوتا ہے۔ مسکرت میں لکھی گئی اس نظم کو ادب عالم میں دنیا کی سب سے طویل رزمیہ نظم ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس نظم کے کل ایک لاکھ بند ہیں جو باعموم بیس ارکان پر مشتمل ہیں۔ اس لئے یہ اسی قبیل کی دوسری دو مشہور ہومری رزمیہ نظموں ”اوڈیسی“ اور ”ایلید“ دونوں کو یکجا کرنے کے بعد بھی ان سے آٹھ گنا بڑی ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف تقریباً 200 ق م کو مانا جاتا ہے۔ یہ نظم روایتی طور پر ایک قدیم ہندو دانشور ویاس Vyas کے منسوب کی جاتی ہے ایک روایت کے مطابق ویاس نے اپنے شاگرد ویشم پائن کو اس کی تعلیم دی تھی۔ جس نے اسے عوام کے سامنے ایک عظیم (یکہ) قربانی کے موقع پر پڑھا تھا۔ اس قربانی کا انعقاد کہتے ہیں کہ راجہ جنم بے کی طرف سے ہوا تھا جو اس نظم کے ایک بہادر ”ارجن“ کا پوتا تھا۔ اگر اس عظیم رزمیہ داستان سے واقعات و الحاقات کو الگ کر دیا جائے تو اس نظم میں کوروؤں کی سلطنت کی ایک عظیم خانہ جنگی کا قصہ رہ جاتی ہے جو ہستنا پور (موجودہ دہلی) کے آس پاس واقع تھی اور کروکشیتر کہلاتی تھی۔

مہابھارت بنیادی طور پر ایک اسطوریاتی افسانہ اور ایک طویل داستان ہے جو کوروؤں کی باہمی منافقت اور خانہ جنگی کے گرد گھومتی ہے۔ کوروؤں کا تخت جس کی راجدھانی ہستنا پور تھی، دھرت راشٹر کے حصے میں آیا لیکن تاپتیا ہونے کی وجہ سے وہ ریاست کے قانون کے مطابق حکومت کا اہل نہیں تھا۔ چنانچہ اس کا چھوٹا بھائی پاٹو بادشاہ بن گیا مگر ایک بدعوا کے نتیجے میں وہ بھی تاج و تخت پر زیادہ عرصہ قابض نہ رہ سکا اور ساہوین کرپنی دو بیویوں کے ہمراہ ہالیہ چلا گیا اور تخت دھرت راشٹر کے حوالے کر گیا۔ جب ہالیہ میں پاٹو وراثتوں کے پانچ بیٹوں، بدیشٹر، بھیم، ارجن، بھل اور سہد یوکو ہستنا پور بلا لیا گیا جہاں وہ دھرت راشٹر کے سونپوں کے ساتھ تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ جب بدیشٹر بالغ ہوا تو اسے ولی عہد سلطنت بنادیا گیا۔ لیکن اس کی اس تقریری پر دھرت راشٹر کے سب سے بڑے بیٹے دریدھن کی قیادت میں اس کے تمام بیٹوں نے پاٹوؤں کا جال بچھادیا۔ پانچوں پاٹوؤں نے اپنی جانوں کے خلاف متعدد سازشوں پر قابو پانے کے بعد ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اپنا ملک چھوڑ کر وہ ایک دربار سے دوسرے دربار میں قسمت آزمائی کرتے رہے۔ پانچال کے راجہ کے دربار میں منعقد ایک سوکسر

گئی مگر اس نے اس وقت تک جنت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ جب تک اس کے بھائی اور بیوی دروپدی بھی جنت میں داخل نہ ہو جائے۔ اس کی یہ دعا قبول ہوئی لیکن اس کے کہنے کو جنت میں ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ملی۔ اس پر دل برداشتہ ہو کر یدہشتر نے اسی جنت میں جانے سے انکار کر دیا جہاں اس کا وفادار کتا نہ جاسکتا ہو۔ پھر وہ دوزخ میں اکٹھے ہو گئے۔

مآخذ

مہابھارت، آر کے نانراؤن۔ دنیا کی سو عظیم کتابیں۔

ستار طاہر 1000 Great Events

میں ارجن نے وہاں کی راج کماری دروپدی کو حاصل کیا۔ مزید کشش سے بچنے کیلئے دروپدی پانچوں بھائیوں کی مشترکہ بیوی بن گئی۔ یہاں ان کی ملاقات ان کے ایک بڑے مددگار روحانی کرشن سے ہوئی جو یاد قبیلہ کا سردار تھا۔ اس کے بعد تاپینا دھرت راشٹر نے انہیں واپس بلا لیا اور خود گوشہ نشینی اختیار کر کے سلطنت ان میں اور اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ ان پانچوں بھائیوں نے اندر پرستھ میں اپنا نیا دار الحکومت بنایا جو موجودہ دہلی سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

کوروؤں کو پانڈوؤں کی آزاد ریاست اور حکومت پسند نہ آئی۔ وہ ہوس ملک گیری میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح پانڈوؤں سے ان کی ریاست ہتھیالیں۔ انہوں نے ایک منصوبے کے تحت پانڈوؤں کو اپنے محل میں دعوت دی۔ ایک محفل سچائی گئی اور جو اکلینا شروع کیا۔ کوروؤں نے اپنے چچا سکونی کی مدد سے جو جوئے کے اسرار سے واقف تھا، پانڈوؤں کی ساری سلطنت جیت لی۔ حتیٰ کہ اس جوئے میں پانڈو اپنی مشترکہ بیوی دروپدی بھی ہار گئے۔ ان کو بارہ برس کا بن باس (جلاوطنی) دیا گیا۔ بارہ برس کے بعد جب پانڈو لوٹے اور اپنی حکومت واپس ماگئی تو کورو اپنے وعدے سے مکر گئے۔

اب کرشن کا ظہور ہوا وہ کوروؤں کے ظلم کے خلاف تھے۔ چاہتے تھے کہ امن و امان سے معاملہ طے پا جائے۔ اس سلسلے میں وہ کوروؤں کے دربار بھی گئے۔ وہاں انہوں نے صرف اتنا مطالبہ کیا کہ پانڈوؤں کو صرف پانچ گاؤں دے دیئے جائیں لیکن کوروؤں نے اتنا سا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور خود کرشن جی کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر کرشن جی بچ نکلے کوروؤں کی اس ہت دھرمی کے خلاف پانڈوؤں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ہندوستان کے راجاؤں میں سے بہت سے ان کے حلیف تھے ان کی مدد سے پانڈوؤں نے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔ دوسری طرف کورو بھی عسکری قوت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ہندوستان کے بہت سے راجاؤں نے ان کا بھی ساتھ دیا۔ آخر دونوں فریق زبردست تیاریوں کے ساتھ کور کشیتر کے میدان میں اترے۔ دیوچن (کورو) اور ارجن (پانڈو) نے کرشن جی سے مدد مانگی۔ کرشن چونکہ دونوں کو عزیز رکھتے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ اس جنگ میں ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔ لیکن دونوں فریقین اگر چاہیں تو ان کی فوج یا خود کرشن جی کو الگ الگ اپنی مدد کیلئے منتخب کر لیں۔ دیوچن نے کرشن جی کی فوج کا اور ارجن نے خود کرشن جی کا انتخاب کیا۔

جب میدان جنگ لگا اور ارجن نے اپنے عزیز واقارب کو ایک دوسرے کے خلاف بطور ایک دوسرے کے حلیف و حریف، صف آرا پایا تو گھبرا کر لڑنے سے انکار کر دیا۔ اس پر کرشن جی نے جو میدان جنگ میں اس کے تھ بان بنے ہوئے تھے، ارجن کو اپدیش کیا اور جنگ کے لئے اکسایا۔ یہی اپدیش بعد میں ”گیتا“ کہلایا۔

مہابھارت کی جنگ 18 دن لڑی گئی۔ اس جنگ میں سارے کورو مارے گئے اور پانچوں پانڈوؤں اور کرشن جی کے علاوہ کوئی سردار زندہ نہ بچا۔ پانچوں بھائیوں میں سے بڑے یدہشتر کے سر پر تاج رکھا گیا۔ دوسری طرف دھرت راشٹر نے اپنے تمام بیٹوں کے میدان جنگ میں کام آ جانے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ سنیاں کی راہ لی۔

پانڈو سکون سے حکومت کر رہے تھے کہ انہیں 26 سال بعد اطلاع ملی کرشن جی دنیا سے سدھار گئے۔ اس خبر نے انہیں دنیا کے فانی ہونے کا یقین دلادیا۔ انہوں نے بھی راج پاٹ چھوڑا اور ہمائی کی راہ لی۔ میرہ پہاڑ پر چڑھتے ہوئے راہ میں تمام پانڈو ایک ایک کر کے مر گئے۔ صرف یدہشتر اور اس کا کتا زندہ بچے جو جنت کی تلاش میں نکلے۔ آخر کار انہیں جنت مل

جنگیں لڑیں۔ ان دفاعی جنگوں میں پشیا متر شنگ بڑی حد تک کامیاب رہا۔ اپنی ان کامیابیوں پر اس نے قدیم ہندو ستم "اشوم امیدھ" یا گھوڑے کی قربانی کا احیا کیا۔

پشیا متر کا تعلق جس ہندو ذات سے بھی تھا۔ لیکن اس کے بارے میں یہ بات مورخین نے لکھی ہے کہ وہ ایک کٹر ہندو حکمران تھا اس نے اپنے عہد میں بدھ مت سے خاصیت کی بنیاد پر بدھوں کی بہت سی خانقاہیں جلوادیں اور سورج کی پرستش کو فروغ بخشا۔

مآخذ

Longman's History Of India. Oxford History Of India

185 ق م۔۔۔ مور یہ سلطنت کا خاتمہ

اشوک اعظم کے بعد ہندوستان میں اس کے کئی جانشین تخت نشین ہوئے جن میں اس کے دو پوتے نمایاں ہیں۔ اشوک کے بعد اس کی سلطنت کے مشرقی حصے پر اس کا پوتا دھرتھ اور مغربی حصے پر اس کے بیٹے کنال کا بیٹا سم پرتی تخت نشین ہوا۔ اپنے دادا کی طرح دھرتھ نے بھی کچھ عمارتوں میں اپنے فرامین کندہ کرائے۔ دوسری طرف چین روایات کے مطابق راجہ سم پرتی نے چین مت اختیار کر لی اور اچین کو اپنا دار الحکومت قرار دے دیا۔ اس کے بارے میں کچھ روایات میں درج ہے کہ وہ ایک پر جوش چین مبلغ تھا اور اس نے بہت سے چین مندر بھی تعمیر کروائے۔

لیکن مورچہ خاندان اشوک اعظم کے بعد بالکل اسی طرح زوال پذیر ہو گیا جس طرح اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ خاندان۔ ہندوستان کے ان دو شاہی خاندانوں کا زوال بے حد مماثلت رکھتا ہے۔ دونوں خاندانوں کی حکومت میں زوال و انحطاط کا عمل سلطنت میں اندرونی طور پر شروع ہوا اور پھر بیرونی حملہ آوروں کی جارحیت سے تیز تر ہو گیا۔ زوال کے اسباب میں نا اہل جانشینوں کی تخت نشینی اور معاشی اور سیاسی نظام کی ناکامی بھی دونوں طرف یکساں پائی جاتی ہے۔ مور یہ خاندان کی مثال میں اشوک اعظم کی سیاسی پالیسیاں اس کی بڑی غلطیاں بتاتی جاتی ہیں۔ اس نے آہنسا یا عدم تشدد کا پرچار کر کے ملک کی فوجی قوت کو کمزور کر دیا اور بدھ مت کی تبلیغ کر کے برہمنوں کو ناراض کر لیا جبکہ مغلیہ خاندان کی صورت میں اورنگ زیب کا ہندوؤں کے لئے سخت رویہ اختیار کرنا اور بیجا پور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کا خاتمہ اس کی بڑی سیاسی غلطیاں قرار دی جاتیں ہیں۔

مغلیہ سلطنت ہی کی طرح مور یہ سلطنت کے صوبے بھی آخر میں ایک ایک کر کے مرکز سے الگ ہو کر خود اختیاری حاصل کرتے چلے گئے۔ ایسے میں ہندو کش کے اس پار سے باختری (یونانی) غیر ملکی حکمران مور یہ سلطنت پر حملہ آوار ہو گئے۔ آخری مور یہ تاجدار کا نام "برہدرتھ" تھا۔ اس کے عہد میں مور یہ سلطنت کے تابوت میں آخری کیل اس کے سپہ سالار پشیا متر شنگ نے اسے قتل کر کے ٹھوک دی۔ آخری مور یہ حکمران اپنی افواج کا معائنہ کر رہا تھا کہ برہمن جرنیل پشیا متر شنگ اس پر حملہ آوار ہوا اور اسے قتل کر کے حکومت پر قابض ہو گیا۔ پشیا متر شنگ نے 185 ق م میں شنگ خاندان کی بنیاد رکھی جس نے ہندوستان پر تقریباً 112 سال حکومت کی یہ خاندان 72 ق م تک حکمران رہا۔

پشیا متر شنگ نے ایک ایسے وقت میں ہندوستان کی سلطنت پر قبضہ کیا۔ جب یہ سہم کر محدود ہو چکی تھی۔ نیکسلا، گندھار اور کشمیر کے صوبے اس سے نکل چکے تھے۔ لیکن پھر بھی بنگال، بہار، متحدہ صوبہ جات (u.p)، مالوہ، راجپوتانہ اور پنجاب کے کچھ حصے ابھی بھی مرکز کے پاس تھے ان دنوں ہندو کش اور آمودریا کے درمیان سرزمین (افغانستان) باختر Bactria کہلاتی تھی اور یہاں سکندر اعظم نے جرنیلوں کی حکومت تھی۔ یہ لوگ باختری یونانی کہلاتے تھے۔ باختری حکمران اکثر و بیشتر ہندوستان کے مغربی صوبوں (موجودہ پاکستان) پر حملہ آوار ہوتے رہتے تھے، پشیا متر شنگ نے باختریوں سے کئی

طاقت کے سامنے آئیں تو اس نے ایک جنگی چار سے انہیں زیر کر لیا اور یونانی حکمران ڈیمتریس کو گرفتار کر کے گرگان کے شاہی محل میں قید کر دیا۔

اشک شہ اب شام کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا تھا کہ اسے موت سے مہلت نہ دی اور وہ 136 ق م میں فوت ہو گیا۔

ماخذ

تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیہ بدخشانی۔

174 ق م۔۔۔ اشک ششم (مہرداد اول) اور اشکانی سلطنت میں توسیع

اشک پنجم نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے بھائی مہرداد کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ کیونکہ وہ ایک بہادر اور زیرک شخص تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ اس کا یہ فیصلہ درست تھا۔ سلطنت پارت اس وقت دو یونانی سلطنتوں میں گھری ہوئی تھی ایک طرف سلیویوں کی حکومت تھی اور دوسری طرف بلخ کی۔ دونوں سلطنتیں پارت کی دشمن تھیں اور ان سے پنپنے کے لئے پارت کو ایک عاقل اور دلیہ حکمران کی ضرورت تھی۔ 174 ق م میں اشک ششم کی تخت نشینی کے وقت پارت کی مملکت ایک چھوٹی سی سلطنت تھی۔ اپنے چونتیس سالہ عہد میں مہرداد اول نے اشکانی سلطنت کو اتنا مستحکم اور وسیع کیا کہ بعد میں یہی سلطنت ایران روم کی حریف اور ہمسربین کے سامنے آئی۔

اس کے عہد میں سلیویوں کا بادشاہ اسٹی اوگس چہارم تخت نشین ہوا جو اگرچہ غیر معمولی ذہین تھا مگر اسے بعض مورخین دیوانہ بتاتے ہیں۔ بہر حال اس نے اپنی دانشمندی سے یونان کو جنگی تاوان کی قسطیں ادا کر دیں جو سلوکیہ حکومت کے ذمے واجب الادا تھیں۔

اسی اثناء میں مصر کے حکمران بطلمیوس پنجم نے اپنی ملکہ کلوپٹرہ (جو اسٹی اوگس سوم کی بیٹی تھی) کے جہیز میں ملنے والے سلیوی علاقے سل سورہ کا مطالبہ کیا یہ مطالبہ بلا آخر جنگ کا باعث بنا اور مصریوں اور سلیویوں کی یہ جنگ چار سال جاری رہی اور آخر اس میں اسٹی اوگس چہارم کو فتح ہوئی اور اس نے مصریوں کو پوپہ در پہ شکستیں دے کر سکندریہ کا محاصرہ کر لیا اور اسے اس میں بھی کامیابی حاصل ہوئی مگر یونانی متحدہ مجلس نے مختلفہ فیصلہ کر کے اسے مفتوحہ علاقے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس ناکامی کے بعد اسٹی اوگس چہارم نے فلسطین پر حملہ کر دیا اور یہودیوں کے معبد کو لوٹ لیا۔ اسے یہودی مذہب سے نفرت تھی اھر بلخ کی یونانی حکومت اور سلیویوں میں بھی باہم جنگ ہو گئی۔

باختریوں اور سلیویوں کی باہمی آویز و شوش کا فائدہ مہرداد اول نے اٹھایا اور اسے مشرق کی سمت پیش قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس نے پہلا حملہ بلخ پر کیا اور اسے فتح کر کے سلطنت پارت میں شامل کر لیا۔ بلخ کے بعد وہ میڈیا بے بزرگ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے ایک خوزیز جنگ کے بعد اس پر بھی تسلط جمایا۔

اسی زمانے میں گرگان میں شورش پیا ہوئی مگر اشک ششم نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ سنبھل سکیں۔ ان کی سرکوبی کر کے اس نے شورش کو فرو کر دیا۔

میڈیا بے بزرگ کی فتح کے بعد اشک ششم نے خوزستان کا رخ کیا جو میڈیا کا ہمسایہ تھا اور اسے فتح کر کے اپنی مملکت پارت کا جزو بنالیا۔ مشرق میں کامیابیاں حاصل کر کے اس کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے پارس اور بابل کو فتح کر کے اشکانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اب اشکانی سلطنت بلخ، میڈیا، خوزستان، پارس، بابل، سیرستان اور شمالی افغانستان تک وسیع ہو گئی۔

اشک ششم نے مزید بیس سال اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے کام کیا۔ یونانی حکومتیں متحدہ ہو کر اس کی ابھرتی ہوئی

عبادت کو از سر نو رائج کیا اور اسے بتوں سے پاک کر دیا۔ اس خوشی میں یہودیوں نے شاندار جشن منایا۔ آج بھی اہل یہود "عید ہنوکہ" کہہ کر اس کی صورت میں اس کامیابی کی یاد دلاتے ہیں۔

اپنی فانیس کے انتقال پر وراثت کے جو جھگڑے ہوئے ان سے یہودیوں کی اس تحریک آزادی کو مزید تقویت ملی گو انطیوکس پنجم نے بھی لڑائی کو جاری رکھا۔ جب دیتر یوس اول نمودار ہوا تو انطیوکس نے یہوداہ سے صلح کر لی لیکن دیتر یوس کو کامیابی ہوئی چنانچہ جنگ دوبارہ چھڑ گئی اس جنگ میں نہ صرف یہوداہ، جو بطریق اعظم بن گیا گیا، بلکہ یوحنا بھی کام آئے۔ ان کے بعد جو تین بطریق اعظم بنائے گئے۔ اس نے شاہ شام سے صلح کر لی۔ اس پر اسے شامی عہدہ دار کا رتبہ دیا گیا مگر حریفوں نے مکمل چالاکی سے اسے گرفتار کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔ 143 ق م سے 136 ق م تک یہودیوں کا حکمران شمعون رہا۔ اس نے ریتر یوس دوم سے صلح کر لی۔ یروشلم کے قلعہ پر بھی قبضہ کر کے اہل یہود کو مکمل آزادی دلائی اور اہل روم کا حلیف بن گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوحنا ہیرکانوس اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بطریق، پیغمبر اور فرمانروا کا کام بطریق احسن انجام دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے سخت گیر فریسیوں Pharisees کو صدوقیوں Sadducees کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس کا بیٹا ارسلو بولوس اول Aristobulus مذہبی سطح سے گر کر ایک خود سر، یونانیت پسند بادشاہ کہلوانے لگا۔ اور یونانیت کا جادوسا پر چل گیا۔

ماخذ

1: تاریخ یونانی جلد چہارم، ایڈولف ہولم، نیس اکیڈمی۔

Encyclopaedia Americana Vol-18:2

Encyclopedia Britannica Vol-7:3

1000 Great Events:4

167 ق م۔۔۔۔ بغاوت میکابین

شام میں سکندر اعظم کی فتوحات کے نتیجے میں قائم ہونے والی یونانی سلطنت جو اس کے بانی سلیوکس کے نام پر سلیوکیہ کہلاتی تھی۔ اس کے حکمران (خصوصاً انطیوکس چہارم) شام کے یہودیوں میں یونانی تمدن کے فروغ کے لئے کوشاں تھے۔ انٹیوکس چہارم اپنی فانیس (Antiochus 4th Epiphanes) اپنی تخت نشینی کے بعد سے اسی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح سے یہودیوں کو یونانی تمدن اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ جب وہ اپنی ان کوششوں میں ناکام رہا تو اس نے ان کے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکی کرنی شروع کیں۔ اس کے ظلم اور بدسلوکیوں کی وجہ سے لوگ اسے اپنی فانیس کی بجائے اپنی مانیس یا فاتر اللعل کہنے لگے۔ 174 ق م میں اس نے یہودی بطریق اعظم کا عہدہ ایک شخص کو کہ جس کا نام یسوع (یا سون) تھا۔ فروخت کر دیا اور اس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یونانی تمدنی سرگرمیوں کے فروغ میں حکومت کی مدد کرے گا۔ ان تمدنی سرگرمیوں سے اہل یہود متنفر تھے۔ 170 ق م اور 168 ق م میں انطیوکس چہارم نے یروشلم میں لوٹ مار کی اور کئی کئی بار قتل عام چلائے۔ اسی دوران سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ یونانی مذہب کو فروغ دینے کے لیے پیکل سلیمانی یونانی میں دیوتاؤں کا ایک بت نصب کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہودی رعایا کے لئے یونانی دیوتاؤں کی پرستش سرکاری طور پر لازم قرار دے دی گئی اور قانون موسوی کی ہر کتاب خصوصاً توریت کو نذر آتش کر دیا گیا۔ جو یہودی ان سرکاری دیوتاؤں کی عبادت نہ کرتا اسے سخت سزائیں دی جانے لگیں۔ اس وجہ سے بعض یہودی خوش باش یونانی مذہب کو ترجیح دینے لگے لیکن اکثر و بیشتر یہودی اس لاندہیت سے دلی نفرت کرتے تھے۔ اپنی فانیس کی اس حرکت ناشائستہ سے قوم یہود میں ایک آگ سی لگ گئی۔ چنانچہ 167 ق م میں یروشلم کے شمال میں واقع ایک چھوٹے سے شہر مدائن سے ایک خدا پرست یہودی راہب جتا تھاس Mattathias نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس نے یونانی دیوتاؤں کی پرستش سے صاف انکار کر دیا اور ایسے یہودیوں کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا جو اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر یونانی دیوتاؤں کی قربانی کرنے کے لئے اپنی فانیس کی تعمیر کردہ قربان گاہ پر گئے۔ اس پر اپنی فانیس نے اپنے ایلہی مدائن روانہ کئے تاکہ جتا تھاس کو بھی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔ جتا تھاس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر اسے شاہی ایلیچوں نے سزا دینی چاہی مگر اس نے اپنے پانچ جوان بیٹوں، یوحنا، شمعون، یہوداہ، الیاز اور جونا تھن کی مدد سے شاہی ایلیچوں کو تہ تیغ کر دیا۔ یہ یونانی حکومت کے خلاف کھلا اعلان بغاوت تھا۔ یہ بغاوت تاریخ یہود میں بغاوت میکابین Maccabean Revolt کے نام سے مشہور ہے۔

جتا تھاس اپنے بیٹوں اور دوسرے یہودیوں کو لے کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ اب فریقین میں باضابطہ جنگ شروع ہو گئی۔ اسی دوران 166 ق م میں جتا تھاس کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے یہوداہ نے اس تحریک کی قیادت سنبھال لی۔ یہ وہی شخص ہے جسے مکابی Maccabee یا ہتھوڑے کا لقب دیا جاتا ہے اسی کے نام پر یہ تحریک مکابین کہلاتی ہے۔ اس نے شامیوں کو شکست دے کر سوائے قلعہ کے مکمل یروشلم پر قبضہ کر لیا اور پیکل سلیمانی میں قدیم طرز

140 ق م۔۔۔ ونس ڈی مائلو

رومی مذہب میں حسن، محبت و وقار اور زرخیزی کی دیوی زہرہ یا ونس Venus کو مانا جاتا ہے۔ بعد ازاں اسی کو یونانی دیوی افروڈائٹ Aphrodite کے طور پر بھی پہچان لیا گیا کیوں کہ افروڈائٹ کی بہت سی خصوصیات اور ونس سے ملتی جلتی تھیں۔ رومی اسے مشہور دیو مالائی ہیر وانیاس Eneas کی ماں تصور کرتے تھے۔ انیاس وہی افسانوی شخصیت ہے جس کی اولاد نے روم کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔

محبت کی یہ دیوی انسان کے لئے ہمیشہ سے فن سنگتراشی کا محرک رہی ہے۔ اس کے تخیلاتی حسن کو انسان نے صدیوں سے خوبصورت مہر میں جسموں کی شکل میں ڈھالا ہے۔ دنیا کے انہیں عظیم فن پاروں میں سے ایک ونس ڈی مائلو Venus De Milo ہے۔ یہ عظیم فن پارہ جو یونانی حسن کی مکمل اور بھرپور مثال سمجھا جاتا ہے۔ یونانی جزیرے میلوں Melos سے 1820ء میں دریافت ہوا تھا۔ اسے وہاں سے فرانسیسی سفیر مارکوئس ڈی ریویرا Marquid De Riviere نے خرید کر شاہ فرانس لوئی ہشتم Louisx Viii کو پیش کیا، جس نے اسے پیرس کے مشہور زمانہ عجائب گھر اور Louvre کے دے دیا۔

یہ مجسمہ کھنوں سے نیچے تک لبادے میں ملبوس تراش گیا ہے۔ سنگتراش نے اس فن پارے کے زیریں حصے کو چھپا ہوا رکھ کر بالائی حصے کی خوبصورتی کو ہمیشہ کے لئے نمایاں کر دیا ہے۔ ماہرین جمالیات حسن کو دوبالا کرنے والے اس انداز کو چوتھی صدی قبل از مسیح کے یونانی سنگتراش پرکلیٹو Praxiteles (345 ق م) سے مستعار لیا گیا بتاتے ہیں اگرچہ اس خوبصورت مجسمے کے دونوں بازو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکے مگر اس کے باوجود اس کی دلکشی لازوال ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں سیب تھا جو جزیرہ میلوں کی قومی علامت سمجھا جاتا ہے۔
محققین کے نزدیک یونانی پارہ 140 ق م میں تخلیق کے عمل سے گزرا تھا اور کسی ایسے گننام یونانی سنگتراش کا شاہکار ہے جس کا تعلق ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادیوں سے تھا۔

ماخذ

1. Oxford Encyclopeadia Of Art.
2. Encyclopeadia Ameriancana.
3. 1000 Great Events.

133 ق م۔۔۔ گرکی اصلاحات

دوسری صدی قبل از مسیح کے آخری حصے میں دوروی بھائی ٹاہیریس گریکس Tiberius Grachus اور گائیوس گریکس Gaius Grachus جمہوریہ روم کے افق پر حکیم سولن بن کرا بھرے۔ یہ دونوں روم کی تاریخ میں ”گرکی برادرز“ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ایک رومی سیاستدان ٹاہیریس سیمپرونیس گریکس Tiberius Sempronius Gracchus کے بیٹے تھے جو اپنے زمانے میں دوبارہ کنسل Consul یا چیف مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ گرکی برادرین کی ماں کارنیلیا Cornelia تھی جو اس مشہور رومی جنرل سپو افریکانس Scipio Africanus کی بیٹی تھی۔ جس (رومی جنرل) نے براعظم افریقہ کی سرزمین پر جنگ زاما میں مشہور زمانہ قرطاجنوی جرنیل ہنری بال کو شکست دی تھی۔ گرا کی برادرین ہی جمہوریہ روم کی تاریخ میں رومی سینٹ اور طبقہ امراء کے خلاف آواز اٹھانے والے پہلے عوامی حقوق کے علمبردار اور سیاسی راہنما تھے۔ ان کی پیش کردہ اصلاحات تاریخ روم میں ”گرا کی اصلاحات“ کے نام سے مشہور ہیں۔

ٹاہیریس گریکس دونوں بھائیوں میں بڑا تھا۔ اس نے تیسری قرطاجنی جنگ میں بھی خدمات انجام دیں تھیں۔ ٹاہیریس جمہوریہ روم کے ان قوانین کے سخت خلاف تھا جن کے ذریعے اس کے زمانے میں زرعی اراضی کی غیر منصفانہ تقسیم عمل میں آئی تھی۔ انہیں غیر منصفانہ قوانین کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر سے امیر تک ہوتے جا رہے تھے۔ اسی وجہ سے یہ زمانہ جمہوریہ روم کی تاریخ میں اقتصادی مشکلات کا دور سمجھا جاتا ہے۔

133 ق م میں جب ٹاہیریس ٹریبون Tribune (عوامی حقوق کا علمبردار) منتخب ہوا تو اس نے زرعی اراضی کی غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف آواز اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جمہوریہ روم کی مجلس عوام یا عوامی اسمبلی میں ایک ایسا قانون پاس کرایا جس کی رو سے سرکاری اراضی کو غریب عوام میں تقسیم کیا جانا تھا۔ چونکہ رومی امراء نے غیر منصفانہ طور پر سرکاری اراضی سے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر رکھیں تھیں۔ ٹاہیریس کے اس زرعی قانون کی وجہ سے امراء کی زمینوں کی ملکیت محدود ہوتی تھی۔ کیونکہ اس قانون کی رو سے جن لوگوں کے پاس زائد اراضی موجود تھی اس کی چھان بین اور واپسی کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا جاتا تھا۔

اس پر امراء کی حمایت میں ایک اور ٹریبون، جس کا نام اوکیٹوئیس تھا نے اسمبلی میں ٹاہیریس کے قانون کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں ٹاہیریس نے اسمبلی میں آکٹیوئیس کو اس کے عہدے سے برطرف کرنے کی تحریک پیش کی جو ایک ایسا عمل تھا جس کی پہلے اسمبلی کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس طرح ٹاہیریس قدیم روایات کو توڑنے کا بھی مرتکب ہوا۔ ساتھ ہی اس نے انتخابات کو دوبارہ کرانے کا مطالبہ کر دیا۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر امراء اور سینٹ کے ارکان اس کے خلاف ہو گئے۔ جب انتخابات کا زمانہ آیا تو ٹاہیریس اور اس کے 300 ساتھی امراء سینٹ کے ارکان کے اشارے پر ایک سیاسی ہنگامہ آرائی کے دوران ایک مشتعل جھوم کے ہاتھوں برسر عام قتل کر دیے گئے۔

تاہم بریس اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے وقت اس کا چھوٹا بھائی گائیس گریکس (159-121 ق م) ایتھین میں سرکاری خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس نے وطن واپس آ کر اپنے مقتول بھائی کے کام کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف بائیس سال تھی۔ کم عمری کے باوجود اس نے سینٹر سٹیو ناسیکا Scipio Nasica کے خلاف اٹھنے والی تحریک میں بھرپور حصہ لے کر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ سٹیو ناسیکا ان سینٹروں میں سے ایک تھا جن پر تاہم بریس کو قتل کرانے کے لئے ہنگامہ آرائی کرانے کا الزام تھا۔

123 ق م میں وہ ٹریبون منتخب ہو گیا۔ اس وقت تک دوبارہ انتخاب کرانے کا عمل قانونی شکل اختیار کر چکا تھا۔ گائیس نے ٹریبون منتخب ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رومی نوآبادیوں میں سرکاری اراضی کو غریبوں میں تقسیم کرنے کا قانون منظور کرایا۔ ایک اور اصلاحی قانون یہ منظور کرایا کہ غریب عوام کو عام سرکاری زمینوں سے بھی کم پر غلہ فراہم کیا جائے۔ 122 ق م میں وہ دوبارہ ٹریبون منتخب ہوا۔ 121 ق م میں سینٹ نے اس کے پاس کرائے ہوئے قوانین کو منسوخ کرنا چاہا تو ایک بار پھر روم میں سیاسی ہنگامے پھوٹ پڑے ان ہنگاموں میں اس کے بھائی کی طرح گائیس اور اس کے ساتھی بھی قتل کر دیئے گئے۔ بعد ازاں دونوں بھائیوں کی یاد میں اہالیان روم نے ایک مجسمہ تعمیر کرایا جس پر یہ سادہ الفاظ کندہ تھے۔

”کارٹیلیا کے نام جو عظیم گرا کی برادران کی ماں تھی۔“ ان سادہ الفاظ میں اہل روم نے اپنے ان دو عظیم راہنماؤں کی ماں کو خراج تحسین پیش کیا تھا جس نے ان کی پرورش اس وقت سنبھالی تھی جب ان کا باپ انہیں بچپن میں یتیم چھوڑ کر راہی عدم ہو گیا تھا۔ کارٹیلیا نے اپنے بیٹیوں کی پرورش اس انداز میں کی کہ جمہوریہ روم کی تاریخ میں ان کے نام ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے۔

ماخذ

- 1: 1000 Great Events.
- 2: Encyclopedia Britannica.
- 3: Plutarch's Makers Of Rome.
- 4: Encyclopedia World Book.
- 5: Italy A Short History By Hary. H.

6: تاریخ جمہوریہ روم۔

124 ق م۔۔۔ اشک نہم (مہر داد دوم) کی تخت نشینی

ایران کی اشکانی تاجداروں میں اشک نہم یا مہر داد دوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے وہ اردوان دوم کی وفات پر اشک نہم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد سے پہلے دو اشکانی بادشاہ شامل کے رکائی قبائل کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ اس لیے تخت نشینی کے بعد اس نے پہلا کام یہ کیا کہ رکائی قبائل کی طرف پیش قدمی کی اور انہیں مغلوب کر کے زیر نگین کر لیا۔ اس طرح اپنے عہد کے آغاز سے ہی مہر داد دوم نے اشکانی خاندان کی پیشانی سے بدناما داغ دھو ڈالا۔ اس فتح کے بعد رکائی قبائل کو حدود ایران میں داخل ہو کر حملہ کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ سکاندوں سے فارغ ہو کر مہر داد دوم نے مشرق کی جانب پیش قدمی کی اور کوہ جمالیہ تک کا علاقہ اشکانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ان علاقوں سے اشکانی سکے دستیاب ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقے کبھی اشکانی سلطنت میں شامل تھے۔ مشرقی ہم کے بعد مہر داد نے آرمینیا کا رخ کیا۔ مہر داد کے زمانے میں آروڈاشش نامی حکمران نے اشکانیوں کی بلاوادی ختم کر کے خود مختار ہونا چاہا۔ اس لیے مہر داد دوم نے تقریباً 100 ق م میں آرمینیا پر حملہ کیا۔ آروڈاشش نے شکست کھائی۔ آخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ آروڈاشش کا بیٹا ٹیگرانیس Tagranes اشکانی حکومت کے پاس بطور ریفال رہے گا۔

آروڈاشش کی وفات پر ٹیگرانیس کو آرمینیا کی حکومت ملی اور اس نے اپنی فراست سے اسے مزید وسیع کر لیا جو فلج ایسوس سے بحیرہ خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔

اسی زمانے میں پونٹس میں مہر داد وشم نامی شخص نے اپنی حکومت قائم کی جس کا اشکانیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جب سلطنت روم نے اس کے خلاف لوئیس سلا کو کپا دوشیا بھیجا تو مہر داد دوم نے اربازوں نامی اپنا سفیر سلا کے پاس بھیجا تا کہ سلطنت روم اور پارت کے درمیان باہمی دفاعی معاہدہ طے پا جائے۔ مگر سلا کو ایسا معاہدہ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ اس لیے اس نے یہ کہہ کر ایرانی سفیر کو تال دیا کہ یونانی سینٹ کی طرف سے اسے اس امر کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اس صاف انکار کے باوجود دونوں سلطنتوں میں جو تعلقات قائم تھے وہ برقرار رہے اور پہلی مرتبہ زمانہ قدیم کی ان دو بڑی طاقتوں میں ارتباط پیدا کرنے کا خیال آیا۔ ٹوکی قسمت سے جب اربازوں ناکام سفارت کے بعد مہر داد دوم کے پاس واپس پہنچا تو اس خیال سے کہ وہ اشکانی حکومت کا نقطہ نظر ٹھیک طرح سے پیش نہ کر سکا اس وجہ سے ناکام رہا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اس عہد میں پہلی مرتبہ اشکانی حکمران مہر داد دوم کو جمہوریہ روم سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کا خیال آیا۔ ادھر حکومت چین نے اولین مرتبہ اپنا سفیر ایران بھیجا۔

چینی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ 140 ق م تک چین کو مغربی ممالک کے متعلق کوئی زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ بہن خاندان چین میں برسر اقتدار آیا تو انہوں نے کئی مرتبہ اپنے سفیر ایران بھیجے۔

ماخذ

تاریخ ایران جلد اول صفحہ 249۔ از مقبول بیک بدخشانی۔

120 ق م۔۔۔۔ پونٹس کے مہر داد ششم کا سلطنت رومہ پر حملہ

اسی زمانے میں جب سلطنت پارت پر مہر داد دوم تخت نشین تھا۔ ایشیائے کوچک کے ملک پانٹس میں ایک شخص مہر داد ششم نامی نے جسے رومی مورخ Mithradates VI لکھتے ہیں اور جس کا اشکانی حکمرانوں سے تعلق نہ تھا، افنی سیاست پر نمودار ہوا۔ اس شخص کا دعوٰی تھا کہ اس کا حسب نسب متخانشی خاندان سے ملتا ہے۔ پانٹس میں بحیرہ اسود کے جنوبی ساحل کا علاقہ شامل تھا جو باطوم تک پھیلا ہوا تھا۔ جلد ہی وہ اپنی سلطنت کو باسفورس کی وسیع تر سلطنت بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ ملک گیری کی ہوس میں اس نے پہلے آرمینیا کا رخ کیا اور آرمینیا کو چک کو فتح کر لیا۔ آخر آرمینیا کے حکمران ٹیکرگنٹس نے مہر داد ششم سے صلح کر لی اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ مہر داد ایک طرف تو سلطنت رومہ کا حلیف بن گیا۔ دوسری طرف آرمینیا سے بھی اس کے تعلقات مستحکم ہو گئے۔ اس کے یہ رویا سلطنت اشکانیاں کو گراں گزرے۔ ادھر مہر داد ششم نے اتنی توسیع پریس اقتقا نہ کیا۔ بلکہ پاؤشیا کو اپنے تسلط میں لانا چاہا۔ مہر داد کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پہلے تو سلطنت روما کو توشیٹس پیدا ہوئی پھر رومن سینٹ نے اپنے سپہ سالار لوئس سلاتو کا پاؤشیا بھیجا تا کہ مہر داد کی پیش قدمی روکے اور غلغلہ دنیا کی مفتوح ریاست اس کے سابقہ حکمران کو واپس دلا دے۔

اس صورت حال میں اشکانیوں اور رومیوں کا مفاد مشترک تھا۔ اشکانی مہر داد ششم اور آرمینیا کے ٹیکرگنٹس کے اتحاد سے سخت بے فروختہ تھے۔ مہر داد ششم میں رومہ کے سپہ سالار کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ اس لیے وہ پاؤشیا سے دست بردار ہو گیا۔ سپہ سالار سلا وہاں سے بڑھتا ہوا دریائے فرات کے کناروں تک آ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی رومی لشکر کے پاؤں دریائے فرات تک پہنچے تھے اور فرات کا ایک کنارہ رومی سلطنت کی سرحد قرار پایا تھا۔

مگر جیسے ہی سپہ سالار سلا وہاں علاقوں سے واپس لوٹا مہر داد ششم نے اس کے مقرر کیے گورنروں کو نکال باہر کیا اور ان علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ 90 ق م میں رومی سینٹ نے پھر ایک سفیر اس کے پاس بھیجا اور اس نے پھر رومیوں کی اطاعت اختیار کی۔

مگر مہر داد اتنا قوی ہو چکا تھا کہ اس سے رومیوں سے جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور رومیوں سے جنگ کا آغاز 89 ق م میں کیا۔

جنگوں کا یہ سلسلہ 66 ق م تک جاری رہا۔ مہر داد ششم نے رومیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پرگام پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہاں جو رومی باشندے آباد تھے ان کا قتل عام کیا۔ ایک دن میں ان مقتولین کی تعداد اسی ہزار بتائی جاتی ہے۔ پھر اس کے بحری بیڑے نے ڈیلاس اور پیرس کو فتح کیا۔ اس جنگ میں یونانی ریاست آیتھنز نے مہر داد کا ساتھ دیا۔ بعض اور یونانی ریاستوں نے بھی اس کی تھید کی۔ اس کے جواب میں سلا تیس ہزار کا لشکر لے کر آیتھنز پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔ اس کا مقابلہ مہر داد سے کروینا کے مقام پر ہوا۔ مہر داد کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ اس

جنگ میں تعداد کی کمی کے باوجود رومیوں نے بڑے نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور مہر داد کو تباہ کن شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ مہر داد تاوان جنگ ادا کرے اور اپنے ستر سے زائد بحری جنگی جہاز رومیوں کے حوالے کر دے۔

کچھ عرصے ان کے ساتھ رہنے کے بعد مہر داد نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم پر دوبارہ عمل پیرا ہونا شروع کر دیا۔ آخر رومیوں نے پومپئی اعظم کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ پومپئی نے اسے شکست دی۔ شکست کھانے کے بعد بھی وہ رومیوں کے خلاف لشکر جمع کر رہا تھا اور اسکا ارادہ براہ راست اٹلی پر حملہ کرنے کا تھا کہ اس کے مجنونا نہ ارادے کے خلاف خود اس کے بیٹے نے بغاوت کر دی اور اس کے لشکر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

پوڑھے مہر داد نے بدل ہو کر 63 ق م میں اپنے خاندان کے افراد کو زہر پلا کر ہلاک کر دیا اور خود بھی خود کشی کر لی۔ رومی جمہوریہ میں اس کی موت کی خوشی میں دس روز کا خصوصی جشن منایا گیا۔

مآخذ

تاریخ ایران جلد اول از مقبول احمد بدخشانی۔

تاریخ یونان قدیم جلد چہارم ایڈولف ہولم۔ اردو ترجمہ ہارون شیردانی۔

Greece And Rome At War.

میں مارکیس آخری مرتبہ کنسل منتخب ہوا دوبارہ اقتدار حاصل کر کے مارکیس نے بھی انتقامی کارروائی کرتے ہوئے سلا کے حامیوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کر لیا مگر موت نے اسے مزید سہولت نہ دی اور وہ کنسل منتخب ہونے کے کچھ عرصے بعد خود بھی موت کا شکار ہو گیا۔

مآخذ

1: Italy, A Short History.

2: 1000 Great Events.

3: Encyclopedia Americana.

4: Plutarch's Makers Of Rome.

5: انسائیکلو پیڈیا۔ تاریخ عالم از ولیم اے لینٹر، مترجم مولانا غلام رسول مہر۔

6: تاریخ انقلابات عالم از سید ابوسعید بزی۔

7: The Penguin Historical Atlas Of Ancient Rome.

107 ق م۔۔۔۔ جمہوریہ روما میں خانہ جنگی

121 ق م میں جس دن گائیس گرکیس اور اس کے ساتھی قتل کئے گئے تھے اسی دن سے جمہوریہ میں اقتدار کا فیصلہ ووٹ کی بجائے تلواریں کرنے لگیں۔ اس طرح گرا کی برادران کی موت کے ساتھ ہی روم میں تقریباً ایک صدی طویل خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا۔ گرا کی برادران کی ناکامی کا بڑا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک روم میں ذاتی پیشہ ورانہ افواج رکھنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ جس شخص نے روم میں پہلی پیشہ ورانہ، ذاتی فوج تشکیل دی جو ریاست کی بجائے شخصی وفادار تھی وہ گائیس مارکیس Gaius Marius نامی ایک رومی جرنیل تھا۔ اس نے جبری شہری بھرتی کے طریقے کی بجائے زمینوں کی مفت تقسیم کے وعدے پر اپنے لئے ایک بڑی فوج بھرتی کر لی جو آئندہ اس کی کامیابیوں کی ضمانت ثابت ہوئی۔

گائیس مارکیس (پیدائش 155 ق م۔ وفات 86 ق م) نے اپنی زندگی کی پہلی کامیابی شمالی افریقہ میں نومیدیا Numidia کے بادشاہ جگور تھا۔ Jugurtha کے خلاف حاصل کی۔ اس کامیابی کے بعد وہ بڑی سرعت سے ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا 119 ق م میں ٹریبون منتخب ہوا۔ جولیس سینر کی خالہ جولیا سے شادی کے بعد اس کی سیاسی ساکھ میں بے حد اضافہ ہوا اور وہ 115 ق م میں پریٹر Praetor کے عہدے پر فائز ہو گیا اگلے سال اس نے اسپین میں فوجی خدمات انجام دیں۔ پھر ایک رومی جرنیل میناس Metalus کی شراکت میں اس نے ایک بار پھر افریقہ کا رخ کیا۔ 107 ق م میں وہ پہلی بار کنسل منتخب ہوا اور پھر مسلسل 6 سال تک (107-101 ق م) کنسل منتخب ہوتا رہا۔ اسی دوران اس نے سمبری Cimbric اور مرکز اٹالیہ کے ٹیوٹان Tutovic حملہ آوروں کو شکست دی جو روم پر حملہ آور ہوئے تھے۔ 100 میں وہ ایک بار پھر کنسل منتخب ہوا اسی زمانے میں اس سے ایک سیاسی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ اس نے گروہی سیاست Party Politics میں حصہ لے لیا اور کچھ بدعنوان سیاستدانوں کے ساتھ مل کر ایک مقبول عام سیاسی پارٹی منظم کی۔

اس کی اس روز افزوں ترقی سے حسد رکھتے ہوئے مارکیس کے ایک ہم عصر پٹریشن سلا Patrition Lucius Sulla نے اسے جنگ الجکو تھن کی سربراہی سے الگ کرانے کی سازش کی۔ اسی دوران سلا کی (88 ق م) غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مارکیس نے اپنی وفادار افواج کے ساتھ روم پر چڑھائی کر دی۔ روم کی تاریخ میں پہلی بار ایسا واقعہ ہوا جب ایک رومی جرنیل خود روم پر حملہ آور ہوا۔ سلانے واپس آ کر مارکیس اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر روم واپس لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی دہشت اور بربریت کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ سلانے مارکیس کے 8000 ساتھیوں کو برسر عام قتل کرایا۔ اور خصوصاً ایسے اشخاص کی فہرست مرتب کرائی جنہوں نے مارکیس کی وساطت یا حمایت کی تھی۔ (ایسی فہرستیں بعض اوقات 2000 سے زائد افراد کے ناموں پر مبنی ہوتی ہیں)۔ ان میں سے کوئی شخص بھی سلا کے انتقام سے زندہ نہ بچ سکا۔ خود مارکیس کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اگلے سال جب ایک اور رومی جرنیل لوکیس کاراٹیلکس Lucius Cornelius Cinna نے سلا کے خلاف ایک کامیاب بغاوت کی تو مارکیس نے اس کے ساتھ مل کر ایک بار پھر روم پر اپنا اقتدار بحال کر لیا۔ 86 ق م

82 ق م۔۔۔۔۔ روم میں آمریت کا قیام

لوئیس کارنیلیس سلا Lucius Cornellius Sulla (138 ق م پیدائش۔ وفات 78 ق م) عرفی نام فیلکس Felix تھا۔ سلا کا تعلق روم کے ایک مشہور پٹریشن خاندان سے تھا۔ سینئر بننے کے بعد 107 ق م میں اس نے گائیس مارکیس کی قیادت میں کونیسٹر کی حیثیت سے نو میڈیا کے بادشاہ جگور تھا Jugurtha کو گرفتار کیا۔ براعظم افریقہ میں لڑی جانے والی جنگوں میں نمایاں خدمات کے علاوہ اس نے روم کی Social War میں بھی نام پیدا کیا۔ 88 ق م میں پہلی بار وہ کونسل منتخب ہوا اور مشرقی حماز پر لڑی جانے والی جنگ کی قیادت اس کے سپرد کردی گئی۔

انہیں دنوں سل پی پنس روفس Sulpius Rufus نامی ایک ٹریبون نے اپنی سیاسی چالوں سے اس کے فوجی اختیارات مارکیس کو منتقل کرنا چاہے تو اس نے برہم ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ روم پر چڑھائی کر دی اور سلپینس کو معطل کر کے خود ایک بار پھر ایشیائے کوچک کی مہم پر روانہ ہو گیا۔ 83 ق م میں سلا روم واپس لوٹا اس وقت روم پر کونسل کارنیلیس اوئیس چنا Lusius Corneliu Cinna برسر اقتدار تھا۔ اور سلا کا قدیمی حریف مارکیس 86 ق م میں وفات پا چکا تھا۔ روم ایک بار پھر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا۔ سلا اس جنگ میں کامیاب رہا اور 82 ق م میں اس نے پورے اطالیہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ سلا نے ایک قانون کے ذریعے ریاست کے آئندہ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے اور اس طرح وہ روم کا پہلا مکمل آمر بن گیا۔ آمر کی حیثیت سے اس نے جو قانون سازی کی اس کے ذریعے اس نے عوامی نمائندوں (ٹریبون) کے اختیارات کم کر دیے اور سینٹ کو مزید اختیارات سونپ کر ریاست کا طاقتور ترین ادارہ بنادیا۔ مزید قانون سازی کے ذریعے اس نے صوبائی گورنروں، مجسٹریٹوں اور دیگر حکومتی مشینری کو سینٹ کے سامنے جوابدہ بنادیا۔ اس طرح سینٹ جو خانہ جنگی کی وجہ سے تقریباً خالی ہو چکی تھی سلا نے اپنے پسندیدہ افراد سے بھری۔

سلا کا جو کارنامہ بعد ازاں سلطنت روم میں دیر تک زندہ رہا وہ اس کی قائم کردہ فوجداری مقدمات کی سات عدالتیں تھیں۔ (ایسی ہی پہلی فوجداری عدالت 149 ق م) میں صوبوں میں استحصال بالجبر سے نمٹنے کے لئے قائم کی گئی تھی) جس شہری نے بھی سلا کی قانون سازی کی مخالفت کی اسے سخت سے سخت سزا دی گئی۔ سلا کی قائم کردہ آمریت اگرچہ اس سے پہلے قائم ہونے والی آمریتوں سے مختلف تھی۔ عوام نے خانہ جنگی میں ہونے والی بربریت سے مجبور ہو کر خود اسے منتخب کیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے قانون سازی کے علاوہ مملکت روم میں زراعت اور تعمیری شعبے کی بھی حوصلہ افزائی کی اور کئی نئے شہر تعمیر کرائے۔ مگر مجموعی طور پر اس کی حکومت کا دور ظلم و دہشت کا دور کہلاتا ہے۔ سلا اپنے سیاسی مخالفین کی سرکوبی کی وجہ سے بھی مشہور ہے اس نے اکثر اپنے مخالفین کو جراثیم پیش قدمی قرار دیا اور عدالتوں کے سامنے پیش کیا اور سخت سے سخت سزائیں دلاوائیں۔

106 ق م۔۔۔۔۔ سرور اور انتخابیت

آخری صدی قبل از مسیح کی انتخابیت اس زمانے کے رومی فلاسفہ میں سب سے زیادہ مخصوص طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں سے تاریخ میں ممتاز ترین مفکر سرور (106 ق م۔ 43 ق م) ہے۔ سرور کو یہ امتیازی حیثیت کسی وقت نظریہ آزادی فکر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کمال کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ یونانی حکماء کی تعلیمات کو نہایت صفائی کے ساتھ پیش کرتا تھا۔ اپنے معاصرین اور بعد کی آئیوائی سلسلوں کے لاطینی پڑھنے والوں کے لیے وہ ان فلاسفہ کے افکار کو نہایت عمدگی سے بیان کرتا تھا۔ حالانکہ اس بارے میں اس کی معلومات بڑی سطحی تھی۔ سرور اپنے آپ کو جدید اکادمی کا رکن بتاتا تھا اور اس جماعت کی اس عادت کو اپناتے ہوئے تھا کہ مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں کو واضح کر دیا جائے مگر کوئی حتیٰ فیصلہ نہ دیا جائے۔

سرور Marcus Tullius، Cicero اور Arpinium کے ایک امیر خاندان کا چشم و چراغ تھا اس نے روم اور یونان میں تعلیم پائی 89 ق م میں اس نے پوپینیئس سز ابوسز ایو کی کمان میں فوجی خدمات بھی انجام دیں۔ 81 ق م میں پہلی مرتبہ پیکری میں بطور وکیل پیش ہوا اور Quinctius کے دفاع میں دلائل دیے۔ 80 ق م سے 79 ق م تک وہ بطور وکیل شہرت کی بلندیوں پر پہنچا۔ 75 ق م میں اس نے سسلی میں مالیاتی افسر Quaestor کے عہدے سے اپنے سیاسی مستقبل کا آغاز کیا۔

66 ق م میں اس نے پریٹریا مالیاتی آفیسر کے طور پر اپنی پہلی سیاسی تقریر کی۔ اس کے بعد ایک اور تقریر میں اس نے پونٹ کے بادشاہ متھراڈیٹھس Mithradates کے خلاف بھیجی جانے والی مہم کی قیادت پونچھ کے سپرد کرنے کی حمایت کی۔ 63 ق م میں قفسل منتخب ہوا۔ کیٹلاتن Cataline کے خلاف مقدمہ چلایا اور کامیابی حاصل کی۔ کلاڈیئس Clodius نے اس کو جلاوطن کر دیا مگر پانچویں نے واپس بلالیا۔ 58-57 ق م میں جمہوریت پسند ہونے کی وجہ سے سیمرو سے اختلاف رہا۔ فلپکس Philppics میں اس نے انطونی پر بھی حملے کئے۔ دوسرے ارباب ملاش کی حکومت نے اسے سزائے موت دی۔ اس کی فلسفیانہ تصانیف، On The Nature Of Gods اور Onend میں اس کی اعتدال پسندانہ روایت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے خطبے بھی لاطینی نثر نگاری کا شاہکار ہیں اور اس کی غیر معمولی لیاقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس کے خطوط میں زندگی زندگی کی تصویریں ملتی ہیں۔

سیمرو اور پوپینی کے درمیان ہونے والی خانہ جنگی میں سرور نے چامی کا ساتھ دیا لیکن پوپینی کے بعد اس نے جولیس سیمرو سے صلح کر لی۔ سیمرو کے قتل کے بعد سرور سینٹ کا غیر سرکاری صدر منتخب ہوا اور جیسے کے پہلے ذکر آیا اس نے مارک انطونی پر اپنی مقررزی سے حملے کیے۔ 43 ق م میں جب ارباب ملاش کی حکومت قائم ہوئی تو انطونی نے انعاماً سرور کو قتل کروادیا۔

ماخذ

مختصر تاریخ فلسفہ یونان، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول۔ غلام علی اینڈ سنز۔

مارا گیا۔ اس کے بعد رومیوں نے غلاموں کے اس لشکر کو گاجر اور مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ زندہ بچنے والے 6000 غلاموں کو روم سے کپڑا ہوا جانے والی شاہراہ کے کنارے سر عام پھانسی دی گئی تاکہ دوسرے غلاموں کو عبرت حاصل ہو۔ شاید اگر سپارٹیکس اور اس کے ساتھی روم پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو غلامی کی دو ہزار سالہ تاریخ آج مختلف ہوتی۔

مآخذ

Italy, a short History.

1000 Great Events.

Encyclopedia Americana.

The Penguin Historical Atlas Of Ancient Rome.

تاریخ جمہوریہ روم۔

انسائیکلو پیڈیا، تاریخ عالم۔

73 ق م۔۔۔ غلاموں کی بغاوت

غلامی کا مذموم رواج انسانی معاشرت کی ابتدائی تاریخ سے عراق و مصری میں مستحکم ہو چکا تھا۔ رومیوں کے عہد میں غلامی کی ایک نئی شکل سامنے آئی جو کاشتکاروں کی غلامی کہلاتی ہے۔ رومی عہد ہی میں انسانی تاریخ میں پہلی بار غلاموں نے اپنے آقاؤں کے خلاف باقاعدہ علم بغاوت بلند کیا۔ رومی تاریخ میں غلاموں کی تین بغاوتیں مشہور رونما ہوئیں ہیں۔ (134-132 ق م)، (104-101 ق م) اور (73 ق م-71 ق م) پہلی دو بغاوتوں سکلی میں ہوئیں یہ وہ زمانہ تھا جب مارکیس نومیڈیا (افریقہ) میں وہاں کے بادشاہ جگہ پر تھا کہ خلاف نبرد آزما تھا۔ چونکہ غلام اپنے آقاؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لہذا پہلی دونوں بغاوتیں سختی سے دبا دی گئیں۔

تیسری بغاوت جنوبی اطالیہ میں کیپوا Capua شہر سے شروع ہوئی۔ اس بغاوت کا آغاز دو سو پیشہ ور تیغ زن Gladiator غلاموں نے اپنے محافظوں کے قتل سے کیا۔ اپنے محافظوں کو قتل کر کے یہ غلام کپوا سے فرار ہو گئے۔ ان مغرور غلاموں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اور غلام ملتے چلے گئے اور پھر انہوں نے ایک نوجوان تیغ زن غلام سپارٹیکس Spartacus کو اپنا سربراہ مقرر کر لیا۔ جس کی قیادت میں ان مغروروں نے ایک لشکر کی شکل اختیار کر لی۔

سپارٹیکس، تھرےس Thrace، یونان میں پیدا ہوا تھا اور ایک جنگ میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر غلام بنا کر بیچ دیا گیا تھا۔ بطور غلام اس کی تربیت کپوا میں تیغ زن کے طور پر ہوئی۔ کپوا ہی سے وہ بغاوت کے بعد فرار ہو کر کوہ ویسویس کے دہانے میں پہنچ گیا جہاں اس کی طاقت بہت جلد ایک فوج کی شکل اختیار کر گئی کئی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد اس نے بائنگ دہل غلامی کی تیغ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد وہ ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ روم کے قریب سے گزرتے ہوئے Po پر طرف بڑھے۔ سپارٹیکس کا منصوبہ تھا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ اطالیہ سے نکل جائے تاکہ وہ خود اور اس کے ساتھی اپنے اپنے ملکوں کو واپس لوٹ سکیں لیکن اس بات پر ان میں آپس میں اتفاق نہ ہو سکا۔ باہمی غیر ہم آہنگی کے باوجود انہوں نے دوروزن کونسلوں کی سرکردگی میں بھیجے گئے لشکروں کو شکست دی۔ ان کامیابیوں کا اس کے ساتھیوں پر اتنا اثر پڑا اور انہوں نے اپنے راہنما کے ساتھ اطالیہ سے نکل جانے والے منصوبے پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اپنی کامیابیوں کے نشے میں اپنے راہنما کو روم پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ سپارٹیکس نے موسم سرما کی وجہ سے تھوڑی ثورثی Thuri کے مقام پر قیام کا فیصلہ کیا۔ اسی مقام پر رومن کونسل کریسیس کو ان کے خلاف کارروائی کے لئے بھیجا گیا۔ کریسیس کی دولت جتنوں کو شکست دے کر یہ غلام روم کی طرف بڑھے لیکن راستے میں آپس میں پھوٹ پڑ جانے کی وجہ سے انہیں رومیوں نے شکست دی شکست کے بعد سپارٹیکس نے سکلی سے فرار ہونا چاہا مگر سکلی کے بحری قزاقوں نے اسے دھوکے سے کریسیس کے ہاتھوں گرفتار کر دیا۔ سپارٹیکس نے اپنی بہادری کی بنیاد پر ایک بار پھر آزادی حاصل کر لی اور کچھ جنگی کامیابیاں بھی حاصل کیں مگر 71 ق م میں دریائے سیلرس R. Silarus کے کنارے اسے کریسیس کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس جنگ میں سپارٹیکس خود بھی

مشرق میں پومپی کی اتنی شاندار کامیابیوں اور مشرقی رومی صوبوں کو مستحکم بنانے کے باوجود رومی سینٹ کے ایشیا میں کیے اسکے اقدامات اور اس کے فاتح سپاہیوں کے لیے زمین کی منظوری سے انکار کر دیا۔ اس سے مجبور ہو کر 60 ق م میں پومپی کو اپنے حریف جولیئس سینزر کے ساتھ مل کر پہلی مجلس ارباب علائق قائم کرنا پڑی۔ اس مجلس علائقہ کے قیام کے نتیجے میں پومپی کو اپنے سپاہیوں کے لیے کمپنیا کی نوآبادی میں زمینیں دے دی گئیں۔ مشرقی صوبوں کے انتظام میں اس نے جو تبدیلیاں کی تھیں انہیں ویسے ہی رہنے دیا گیا جو جولیئس سینزر کو بھی گال کا علاقہ پانچ سال کے لیے مل گیا۔ کرائس کو اس کی خواہش کے مطابق سلطنت پارتھ یا اشکانیاں ایران پر حملہ کی اجازت دے دی گئی مگر کرائس اس مشرقی مہمات میں مارا گیا۔ پومپی خود جولیئس سینزر کی روز افزوں طاقت سے خوفزدہ تھا اس لیے اس نے اپنی تو نصیحت کی معیا و ختم ہو جانے کے باوجود بھی اپنے عہدے سے دستبردار نہ ہوا تو جولیئس سینزر نے بھی فوج کی کمان ترک کرنے سے انکار کر دیا جس سے ایک بار پھر رومہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی میں پومپی کو شکست ہوئی اور وہ یونان کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ اگرچہ پومپی کے ساتھ سینٹ کے اراکین بھی تھے مگر فارسیہ کے مقام پر ایک بار پھر اسے شکست ہوئی اور اسے مصر میں پناہ لینی پڑی مگر مصری حکمرانوں نے اسے دھوکہ سے قتل کر دیا۔

مآخذ

تاریخ یونان قدیم، جلد چہارم

World Book Encyclopedia Vol- 15

64 ق م۔۔۔ پومپی اعظم کی مشرقی مہمات

پومپی اعظم Pompey The Great کا تعلق اشرافیہ روم کے ایک خاندان سے تھا۔ یہ خاندان 141 ق م سے جمہوریہ روم میں قتل کے عہدے پر فائز چلا آ رہا تھا۔

پومپی نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو گائیکس مارکس اور لوئیس سلا میں خانہ جنگی عروج پر تھی۔ 83 ق م میں پومپی نے اپنی ذاتی فوج تشکیل دی جو تین لیبجنوں پر مشتمل تھی۔ اٹلی میں اس نے لوئیس سلا کی حمایت میں مارکس کی فوجوں کا صفایا کر دیا۔ پھر اس نے سسلی میں مارکس کے طرفداروں کو شکست دی۔

جب 78 ق م میں سلا فوت ہوا تو قنصل مارکس لپیڈس Marcus Lepidus نے کوشش کی کہ اس کی نافذ کردہ قدامت پسندانہ اصلاحات کو ختم کرنا چاہا مگر پومپی نے اسے اٹلی سے بھگا دیا۔ سینٹ نے پومپی کو اپنیس میں مارکس کے حمایتیوں کے خلاف مہم پر بھیج دیا۔ مارکس کے حمایتیوں کی اس فوج کی کمان سرتوریئس Sertorius نامی ایک سردار کر رہا تھا اسے اس کے اپنے آدمیوں نے قتل کر دیا جس سے پومپی کو ان پر آسانی سے فتح حاصل ہو گئی اور وہ 71 ق م میں واپس روم آ گیا۔ روم میں قدامت پسند عناصر نہیں چاہتے تھے کہ پومپی کو مزید کامیابیاں حاصل ہوں لیکن 70 ق م میں پومپی قنصل منتخب ہو گیا۔ اس نے قدامت پسندوں سے راہ ورسم ختم کر کے ٹرائینیون کا اقتدار دوبارہ بحال کر دیا جو سلا نے اپنے عہد میں معطل کر دیا تھا۔

انہیں دنوں بحیرہ روم میں بحری قزاقوں نے پونٹس کے بادشاہ مہرداد Mithradates کی شر پر غلے سے بھرے ان بحری جہازوں کو پکڑنا شروع کر دیا تھا جو روم کے لیے اناج لے کر بحیرہ روم سے گزرتے تھے۔ جمہوریہ رومہ اس کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا لہذا ان بحری قزاقوں کی سرکوبی کے لیے اسمبلی میں ایک ٹرائینیون گابینیئس Gabinius نے ایک قرارداد پیش کی جس کے تحت پومپی کو بحیرہ روم پر تین سال کے لیے وسیع اختیارات دے دیے گئے۔ پومپی نے صرف تین ماہ میں بحری قزاقوں کے ایک ہزار تین سو جہاز گرفتار اور تقریباً تین ہزار بحری قزاقوں کو قتل کر کے اس قصبے کا ہی خاتمہ کر دیا۔

ابھی پومپی مشرق ہی میں تھا کہ جنوری 66 ق م رومی اسمبلی نے قانون مانی لیہ پاس کر کے اس کو پونٹس کے حکمران مہرداد ششم سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے دوروی جرنیلوں کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا مگر وہ ناکام رہے تھے۔ پومپی اعظم نے وقت ضائع کیے بغیر مہرداد ششم کو شکست دی۔ شام، فلسطین کو فتح کرنے کے بعد پومپی نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد پومپی نے روم کے مشرقی صوبوں کو مستحکم بنادیا اور آرمینیا کے بادشاہ سے 60 ہزار تاجات وصول کر کے اسے رومی قوم کے دوستوں میں شامل کر لیا اور اس کی اطاعت شعاری قبول کر لی۔ پومپی اعظم کی مشرقی مہمات کے نتیجے میں رومی سلطنت کی سرحدیں دریائے فرات اور بحیرہ اسود کے ساحلوں تک وسیع ہو گئیں۔ اس طرح دوروی بیویک جنگ کے بعد روم نے پوری مشرقی یونانی سلطنت کو تابع بنانے کی جو مہم شروع کی تھی اسے پومپی اعظم نے شرمندہ تعبیر کر دیا۔

63 ق م۔۔۔۔ کیٹلائن سازش

سلاکی آمریت کے ٹھیک میں سال بعد ایک پھر روم کے سیاسی افق پر آمریت کا خطرہ منڈلانے لگا۔ اس بار آمریت کا خطرہ ایک رومی سیاستدان لوئیس کیٹلائن Lucius Catiline (108 ق م۔ 62 ق م) کی طرف سے تھا۔ لوئیس کیٹلائن کا تعلق اشرافیہ کے ایک ایسے خاندان سے تھا جو اب نادار ہو چکا تھا۔ 70 ق م میں کیٹلائن کو کنسلر Quastor اور 68 ق م پر پٹر Praetor یا مجسٹریٹ منتخب ہوا۔ 67-66 ق م میں اس نے افریقہ میں بطور گورنر خدمات انجام دیں۔ 66 ق م میں روم واپس آ کر اس نے کنسل کے انتخابات میں حصہ لیا لیکن افریقہ میں گورنری کے دوران اختیارات کے ناجائز استعمال کا الزام لگ جانے کی وجہ سے وہ کنسل منتخب نہ ہو سکا۔ 64 ق م میں اس نے خستہ سب کو رشوت دے کر اس الزام سے اپنی جان خلاصہ کرائی۔ 63 ق م کے انتخابات میں اسے ایک بار پھر شکست ہوئی تو اس نے 62 ق م کے انتخابات میں تیسری بار پھر حصہ لینے کا فیصلہ کیا اس وعدے کے ساتھ کہ اگر وہ اس بار کنسل شپ جیت گیا تو تمام نادار قرضہ داروں کے تمام قرضے معاف کرا دے گا۔ اس کے اس انتخابی وعدے کی وجہ سے عوام میں اسے تھوڑی بہت مقبولیت حاصل ہوئی دوسری طرف بار بار کی ناکامیوں نے کیٹلائن کو انقلابی نظریات کی طرف مائل کر دی اور اس نے انتخاب یا انقلاب دونوں طریقوں سے اس سال حکومت پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔

63 ق م کے لئے مشہور زمانہ رومی مقرر اور سیاستدان سر و کنسل منتخب ہوا تھا اور کیٹلائن کے ساتھ سابقہ انتخاب میں خاصیت کی وجہ سے اس نے کئی افراد کو کیٹلائن کے منصوبوں کی ٹوہ لگانے کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ انہیں جاسوسوں نے سر و کو کیٹلائن کے انقلابی منصوبوں سے آگاہ کر دیا ان منصوبوں کے مطابق انتخابات کے انعقاد کے اگلے دن یعنی 28 اکتوبر کو ناکامی کی صورت میں کیٹلائن کے ایک نائب مینلیس Manlius نے روم پر حملہ کر کے شرفاء اور سینٹروں کے قتل کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ 21 اکتوبر کو سر و نے سینٹ کو کیٹلائن کی اس سازش یا منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کر دیا۔ انتخابات کے انعقاد سے پہلے کیٹلائن سازش کا بھانڈا پھوٹ جانے کی وجہ سے عوام بھی اس سے متفر ہو گئے اور ایک بار پھر کیٹلائن کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

کیٹلائن نے اپنے پچھلے منصوبے میں تبدیلی کر کے 7 نومبر کو سر و پر قاتلانہ حملہ کروا کر روم پر قبضے کا پروگرام بنایا مگر اس نئی سازش کی خبر بھی سر و کو مل اُڑ وقت ہو گئی اور وہ بچ نکلا۔ 8 نومبر کو سر و نے کیٹلائن کے خلاف سینٹ میں اپنی پہلی تقریر کی۔ یہ تقریر رومی تاریخ میں First Catilinarian کہلاتی ہے۔ کیٹلائن نے اس تقریر کے جواب سینٹ کے سامنے خود بھی تقریر کرنا چاہی مگر سینٹروں نے اسے شور مچا کر خاموش کر دیا کیٹلائن سر و کو دھمکیاں دیتے ہوئے سینٹ کے اجلاس سے چلا گیا۔ اگلے دن 8 نومبر کو کیٹلائن روم چھوڑ کر فیول Faesulae، ایڈوریا Ituria چلا گیا۔ جہاں دیگر سازشی ایک فوج کے ساتھ موجود تھے۔

9 نومبر کو سر و نے اس کے خلاف دوسری تقریر کی Second Catilinarian کی جس میں اس نے سینٹ کو بتایا کہ کیٹلائن نے کنسل کے عہدے کا نشان اپنا لیا ہے اور اس کے ساتھی سازشیوں نے اسے کنسل (بغیر انتخابات میں جیت کے ہی) تسلیم کر لیا ہے۔ جو سازشی روم میں مقیم تھے، انہوں نے شہر کو آگ لگا کر روم کی اشرافیہ کے قتل عام کا منصوبہ بنایا جس کے بعد وہ کیٹلائن اور اس کے فوج سے جا ملتے۔ اسی دوران 3 دسمبر کو سر و کے ہاتھ کیٹلائن سازش کا مکمل ثبوت آ گیا۔ سر و نے اپنے مخبروں کے اشارے پر سازشیوں کے کچھ ایسے سر بہر خطوط پکڑے جو انہوں نے کیٹلائن اور ایلو بروئیس Allobroges نامی ایک فرانسیسی (گال کے) قبیلے کے سردار کو لکھے تھے۔ جس سے سازشیوں کی ساز باز بھی۔ ان خطوط کی بنیاد پر پانچ افراد گرفتار کر کے سینٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ سینٹ کے رو برو انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس موقع پر سر و نے ایک بار پھر اپنی مقرر کی جادو جگایا اور عوام کے سامنے کیٹلائن کے خلاف تیسری تقریر Third Catilinarian کی اور انہیں بتایا کہ اس کے ہاتھ ریاست کے خلاف کسی اہم سازش کا ثبوت آیا ہے۔ 5 دسمبر کو سینٹ کے ارکان نے رائے شماری کے ذریعے ان پانچ سازشیوں کے لئے سزائے موت تجویز کی جبکہ جوئیس میزرنے پہلی بار رومہ کے سیاسی افق پر ابھرتے ہوئے سازشیوں کے لئے عمر قید تجویز کی۔ مورٹین میزرن کی اس ہمدردانہ تجویز سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید میزرن ہی کے ایمپرائیٹلائن نے اس سازش کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اسی شام روم کی ایک جیل میں بغیر کسی مقدمے کے زیر دفعات مارشل لا، ان پانچ افراد کو سر و کی نگرانی میں سزائے موت دے دی گئی سازشیوں کو پھانسی دینے کے موقع پر سر و نے کیٹلائن سازش کے سلسلے میں اپنی چوٹی اور آخری تقریر Fourth Catilinarian کی جس میں کیٹلائن کو عوام دشمن اور بھگور قرار دیا اس آخری تقریر کے نتیجے میں اس کے تعاقب میں انطونی کے زیر کمان ایک فوجی بھی روانہ کر دی گئی۔

5 جنوری 62 ق م کو جب کیٹلائن اور اس کے ساتھی کو وہ اپنی ٹائٹ کے در سے عبور کر کے گال جارہے تھے تو ان کا سامنا انطونی اور اس کی فوج سے ہو گیا۔ پستوریا Pistoria کے نزدیک انہوں نے بڑی بہادری سے انطونی کا مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست کھا کر لڑتے ہوئے مارے گئے اور اس طرح روم دوبارہ آمریت قائم ہو جانے سے بچ گیا۔

ماخذ

1: Encyclopedia Britanica Vol-2.

2: Encyclopedia Americana Vol-6.

3: 1000 Great Events.

4: تاریخ جمہوریہ روم

5: A Short history, Italy.

6: An Encyclopedia Of World History.

7: The Penguin Historical Atlas Of Ancient Rome.

60 ق م۔۔۔ پہلی مجلس ارباب ثلاثہ کا قیام اور جولیس سیزر کا عروج

جمہوریہ روم گذشتہ کئی عشروں سے سیاسی استری باہمی رقابتوں، قتل عام اور سازشوں کا شکار تھی یہ مسلسل سیاسی بدامنی عوام میں خت بے چینی کا باعث تھی۔ عوام اس قتل و غوریزی کی بجائے پائیدار امن اور مضبوط حکومت کے خواہاں تھے۔ ایسے میں روم کے سیاسی افق پر ایک تاریخی شخصیت ابھری جس نے رومی جمہوریہ کی تاریخ بدل ڈالی۔ یہ تاریخی شخصیت مشہور زمانہ فاتح عالم جولیس سیزر کی تھی۔

دنیا میں بہت سے فاتح عالم آئے اور چلے گئے ان میں سے بہت کم کے نام آج لوگوں کو یاد ہیں۔ مغربی فاطمین میں سکندر اعظم کے بعد جو دوسرا بڑا نام آج بھی لوگوں کی نوک زبان پر ہے وہ جولیس سیزر Gaius Julius Caesar کا ہے۔ جو لوگ جتنی کہ اس کے بارے میں مکمل تاریخی معلومات نہیں رکھتے وہ بھی کسی نہ کسی طرح اس کے خاندانی نام ”سیزر“ سے واقف ہیں۔ رومی زبان کا لفظ ”تزار“ Tzar ہو، جرمن زبان کا لفظ Kaisar ہو یا عربی اور دیگر اسلامی زبانوں کا لفظ ”قیصر“ اس سے آج کون آشنا نہیں؟ اسی طرح سیزر کا خاندانی نام ”جولیس“ ہے جو آج کی مسیح دنیا میں گزشتہ دو ہزار سال سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ تاریخ دان یہ بتاتے ہیں کہ جولیس سیزر جس رومی مینی Quintilis میں پیدا ہوا تھا اس کا نام سیزر کی زندگی ہی میں اس کے اعزاز میں جولائی رکھ دیا گیا تھا جو آج بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عیسوی کیلنڈر کا ساتواں مہینہ ہے۔ اس طرح اس کے نام سے منسوب جولین شمسی کیلنڈر ہے جو بڑھ ہزار سے زائد عرصہ تک دنیا میں اپنی اصلی شکل میں رائج رہنے کے بعد آج بھی پوپ گریگوری کی معمولی اصلاح کے بعد نافذ العمل ہے بلکہ مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا میں اپنی گذشتہ حالت ہی میں کارفرما ہے۔ ہم بھی آج اسی ”شمسی کیلنڈر“ سے عیسوی کیلنڈر کے طور پر مستفید ہیں۔

جولیس سیزر کا خاندان اگرچہ (جمہوریہ روم میں) چوتھی صدی از مسیح سے حکمران خاندانوں میں شامل چلا آ رہا تھا۔ مگر خود سیزر کے وقت میں اس خاندان کے بہت کم لوگ اقتدار میں شامل رہ گئے تھے۔ قبیلے جولیا Julia کے ان صاحب اقتدار لوگوں کے نام کے ساتھ لاطینی کے طور پر لفظ سیزر Caesar آتا تھا۔ یہ لوگ اپنا شجرہ نسب رومی دیوی وینس سے ملاتے تھے نہ تو یہ لوگ زیادہ جدت پسند اور مغرور تھے نہ ہی زیادہ قدامت پسند لہارت میں بھی یہ لوگ کچھ زیادہ حیثیت کے مالک نہ تھے۔ سیکسٹس سیزر Sextus Caesar جو جولیس سیزر کا چچا تھا۔ 91 ق م میں کونسل منتخب ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سیزر کا ایک اور قریبی عزیز لوئس سیزر Lucius Caesar 90 ق م میں منتخب ہونے والے کونسلوں میں شامل تھا۔

جولیس سیزر کا نسب پیداؤں بھی متنازعہ ہے۔ پیدائش کا دن مورخین 12 یا 13 جولائی بتاتے ہیں جبکہ سال 100 ق م ہے جو اغلب ترین صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ سیزر کا باپ گائیس سیزر Gaius Caesar اس کی پیدائش کے سولہویں سال میں وفات پا گیا تھا اسی وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اس کی ماں اورلیا Aurelia نے سنبھالی۔

بچپن میں والد کی وفات اور تعلیم و تربیت کے ذرائع میں کمی کہ باوجود سیزر نے جوانی کی دیلیز پر قدم رکھتے ہی اپنے

لئے میدان سیاست ہی کو منتخب کیا۔ یہ انتخاب محض طاقت حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ وہ رومی اور یونانی دنیا میں ناقابل تبدیلی اور فیصلہ کن اصلاحات نافذ کرنا چاہتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے تمام حکومتی امور پر مکمل تصرف حاصل کرنے کیلئے اس نے 49 ق م میں جان بوجھ کر ریکان عبور کیا تھا۔

84 ق م میں سیزر نے لوئس سنا (چنا) Lucius Cornelius Cinna کی بیٹی کارنیلیا Cornelia سے شادی کر کے خود کو انقباضیوں کا طرفدار ثابت کیا۔ لوئس سینا انقلاب یا بغاوت میں مارٹس کا قریبی ساتھی تھا۔ 83 ق م میں جب لوئس کارنیلس سلا Lucius Cornelius Sulla مشرق سے روم واپس آیا تو اس نے ایک جوابی انقلاب بپا کیا۔ اسی جوابی انقلاب کے دوران وکٹور سلا نے سیزر کو کارنیلیا کو طلاق (کیونکہ وہ اس کے مخالفین میں سے ایک کی بیٹی تھی) دینے کا حکم تھا۔ جسے سیزر نے بڑی جرات اور بہادری کے ساتھ ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی انکار کے نتیجے میں قریب تھا کہ سیزر اپنی جائیداد کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے مگر اس نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اٹلی چھوڑ دیا اور فوجی خدمات انجام دینے کیلئے پہلے ایشیا اور پھر سلیا Cilicia چلا گیا۔

78 ق م میں سلا کی وفات کے بعد وہ روم واپس لوٹا اور اس نے روایتی طور پر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز بطور سرکاری وکیل اپنے خلاف قائم کئے جانے والے مقدمات کی پیروی سے کیا۔ اس کے خلاف اس دور کا بہترین وکیل قنٹس ہارٹسئس Quintus Hortensius مقدمات لڑ رہا تھا۔

اس دوران سیزر مولون Molon نامی ایک مشہور مقرر سے فنِ تقریر کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جزیرہ رہوڈز گیا۔ دوران سفر اسے بحری قزاقوں نے غوا کر لیا اور تاوان لے کر چھوڑا۔ رہائی کے بعد سیزر نے اپنی ذاتی کوشش سے ایک چھوٹی سی بحری فوج اکٹھی کی اور قزاقوں کے خلاف کاروائی کر کے انہیں گرفتار کر کے سزا دی۔ 74 ق م میں جب پونٹس کے بادشاہ قھرا ڈے تیز ششم پوپتیر Mithradates VI Eupator نے روم سے دوبارہ جنگ چھیڑی تو سیزر نے ایک لشکر تیار کر کے اس کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں کامیابی کے بعد جب وہ روم واپس لوٹا تو اسے اعزاز کی عسکری ٹرائی بیون شپ کا عہدہ پیش کیا گیا۔

روم واپسی پر سیزر نے جرنیل پومپی کے ساتھ مل کر وکٹور سلا کے نافذ کردہ آئین کی برطرفی کا کام شروع کیا۔ جرنیل پومپی نے اگرچہ اپنی سیاسی زندگی کا آغاز وکٹور سلا کے ایک نائب کی حیثیت سے کیا تھا مگر سلا کی وفات کے بعد وہ اس کے خلاف ہو گیا تھا۔ 58 ق م میں سیزر کو کونسل منتخب ہوا۔ یہ سرکاری عہدہ روم میں اعلیٰ سیاسی عہدوں کی ابتدائی سیڑھی تصور کیا جاتا تھا۔ اس سال اس کی بیوی کارنیلیا اور خالہ جولیا کا (جو مارٹس کی بیوہ تھی) انتقال ہو گیا۔ ان دونوں کی تجویز و تکلیف کے موقع پر سیزر نے ان کے اعزاز میں جو تقاریر کیں ان میں جرنیل پومپی کی بھی تعریف کی۔ بیوی کی وفات کے بعد اس نے بطور وکٹور سلا اندلس اور پرتگال میں خدمات انجام دیں۔

63 ق م میں سیزر پونٹیکس میگزیمس Pontifex Maximus منتخب ہوا اسی سال جب کیٹلان سازش پکڑی گئی تو سیزر اور اس کے مرہب کیسولس پراس سازش میں شریک ہونے کا الزام لگا۔ الزام کی وجہ ہمدردی تھی جو سیزر نے سازشیوں کو سزائے موت کی بجائے انہیں عمر قید کرنے کی تجویز پیش کر کے کی تھی سیزر 62 ق م میں پریٹر منتخب ہوا۔ 61-60 ق م میں اسے اسپین کا گورنر مقرر کیا گیا، مگر اس کے قرض خواہوں نے اسے اس وقت تک روم چھوڑنے نہ دیا جب تک

کریسولیس نے اس قرعے کی واپسی کی ضمانت فراہم نہ کی۔ اسپین کی گورنری کے زمانے میں ایک فوجی مہم کے دوران سیزر کے ہاتھ بہت سامان غنیمت آیا جو اس نے نہ صرف اپنے لشکر میں تقسیم کیا بلکہ اسی مال سے روم واپسی پر اپنے قرعے بھی ادا کئے اور اسی مال کے بل بوتے پر اس نے 59 ق م کے لئے کنسل شپ کا الیکشن لڑا۔

60 ق م میں ہی جولیس سیزر نے جواب شائد اور روشن سیاسی مستقبل کا حامل انسان بن چکا تھا کریسولیس (112 ق م - 53 ق م) (یہ شخص روم کی امیر ترین شخصیت تھا اور اس نے تیسری غلامانہ بغاوت میں سپارٹکس کو شکست دی تھی) اور پومپی (106 ق م - 48 ق م) کے ساتھ مل کر جمہوریہ روم پر چند سری حکومت یا پہلی مجلس ارباب ثلاثہ The First Triumvirate قائم کی۔ سیزر اس اتحاد ثلاثہ سے اپنا سیاسی مستقبل مزید روشن کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ پومپی اپنی مشرقی فتوحات کے صلے کے طور پر اپنے سپاہیوں کے لئے اٹلی میں اراضی حاصل کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی مشرق میں اپنے گئے کئے انتظامات کے استحکام کا خواہاں تھا۔ کریسولیس کا مقصد اگرچہ عیاں نہیں لیکن شاید وہ روم میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے پس منظر میں طاقت کا خواہاں تھا۔ بہر حال مجلس ارباب ثلاثہ قائم کرنے سے تینوں شخصیتوں کے مقاصد ضرور وابستہ تھے۔

60 ق م کے اواخر ہی میں سیزر نے اپنی بیٹی جولیا کی شادی پومپی سے کر دی جو دونوں میں مزید اتحاد و یگانگت کا سبب بنی اسی سال سیزر نے کلیپورنیا Calpurnia سے شادی کی جو لوئیس پیسو Lucius Pisu نامی ایک امیر کی بیٹی تھی۔ لوئیس پیسو 58 ق م میں کنسل منتخب ہوا تھا۔ مجلس ارباب ثلاثہ کی تشکیل کے بعد سیزر نے سینٹ میں سرکاری اراضی کی تقسیم کے لئے ایک بل پیش کیا جس میں پہلی ترجیح پومپی کے سپاہیوں کو دی۔ اس بل کو 3 عوامی نمائندوں Tribunes Of Plebs نے ویٹو کر دیا اور سیزر کے ایک حریف نے اس کی سخت مخالفت کی مگر سیزر نے پومپی کے سپاہیوں سے حزب اختلاف کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے انہیں خاموش کر دیا اور نہ صرف پومپی کے سپاہیوں میں اراضی کی تقسیم کی بلکہ مشرق میں اس کے انتظامات کو بھی مستحکم کر دیا۔ لیکن سیزر اور پومپی کے درمیان یہ اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور جولیا کی موت کے بعد دونوں میں بلا آخر ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ 58 ق م میں ایک بل کے ذریعے سیزر کو رومی صوبے گال کا گورنر بنا دیا گیا۔ کریسولیس نے ایشیا کی طرف کوچ کیا اور سلطنت پارتھیا کے خلاف محاذ آرائی کی۔ صرف پومپی روم میں موجود رہا اور سینٹ پر چھا گیا۔ وہ گال میں سیزر کی کامیابیوں سے اس کے خلاف حسد کرنے لگا 56 ق م میں مجلس ارباب ثلاثہ کی اگرچہ تجدید کی گئی مگر 53 ق م میں کریسولیس کی موت کے بعد سیزر اور پومپی میں اقتدار کے حصول کے لئے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی اور پہلی مجلس ارباب ثلاثہ ختم ہو گئی۔

مآخذ

- 1: Encyclopedia Britannica Vol-15.
- 2: An Encyclopaedia Of World History W.L. Lang.
- 3: 1000 Great Events.
- 4: A Short History, Italy.
- 5: The Penguin Historical Atlas Of Ancient Rome.

58 ق م - 51 ق م - سیزر کی فتح گال

58 ق م میں سینٹ نے ایک بل کے ذریعے جولیس سیزر کو گال (فرانس) کا گورنر مقرر کیا۔ سیزر کی گورنری کے زمانے تک ابھی یہ ملک مکمل طور پر فتح نہ ہوا تھا۔ سیزر نے 58 ق م سے 51 تک گال کو دریائے رائن کے بائیں کنارے تک مکمل طور پر فتح کیا اور اس مضبوطی اور استحکام کے ساتھ صوبے کا انتظام و انصرام کیا کہ 49 ق م سے 30 ق م تک سلطنت میں ہونے والی خانہ جنگیوں کے دوران بھی یہ صوبہ باغی نہ ہو سکا۔ سیزر کا یہ عسکری کارنامہ اس لیے بھی حیرت انگیز ہے کہ ابھی تک رومیوں کو شمالی یورپ میں عسکری برتری حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن سیزر کی عسکری فتوحات اتنی دور رس تھیں کہ اگلی کئی دہائیوں میں مرکز میں لڑی جانے والی خانہ جنگیوں کے باوجود بھی قائم رہیں۔ سیزر کی یہ کامیابی عسکری نقطہ نگاہ سے رومی جنگی چالوں، عسکری تنظیم اور عسکری ٹیکنالوجی میں ترقی کی مرہون منت تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ گال میں کوئی مرکزی حکومت قائم نہیں تھی بلکہ چھوٹی چھوٹی اور الگ الگ ریاستیں قائم تھیں جن پر فتح پانا رومیوں کیلئے نسبتاً آسان تھا۔

جولیس سیزر کے بطور گورنر گال Gaul پہنچنے کے بعد ہیلویشائی Helvetii قبائل نے جو کہ ہیلیس کے اس علاقے میں آباد تھے جو آج کل سویٹزرلینڈ کہلاتا ہے، جنوبی گال کے شہر تولوسہ Toulouse کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ اپنی اس ہجرت کے دوران وہ رومی علمداری کے علاقوں سے گزرنا چاہتے تھے لیکن سیزر نے انہیں راہداری کی سہولت دینے سے انکار کر دیا۔ سیزر کے انکار پر ہیلویشائی لوگ پلٹ کر سیزر کے لشکر پر حملہ آور ہوئے سیزر نے بڑی بہادری سے انکو شکست دے کر وطن واپس لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

خود جولیس سیزر اپنی کتاب Gallic Wars میں لکھتا ہے کہ اس کے اس جرات مندانہ اقدام کے اور اس کی بہادری سے متاثر ہو کر کچھ گال سرداروں نے جرمانی بادشاہ Germanic King آریوئس Ariovistus کے خلاف اس سے مدد مانگی۔ یہ جرمانی بادشاہ ایک گال قبیلے کی مدد کے بہانے سے دوسرے کئی قبائل پر مسلط رہتا تھا۔ سیزر نے اسے بھی فیصلہ کن شکست دے کر اس کی طاقت ختم کر دی۔ اسی طرح بہت سے اور قبائل کو زبردستی کے بعد سیزر موجودہ ہینیم اور فرانس کے بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔

53 ق م کے موسم سرما تک تقریباً تمام گال فتح ہو چکا تھا لیکن ابھی سیزر کی بہادری کا ایک امتحان اور باقی تھا تقریباً 52 ق م میں آردوئی قبائل Arverni Tribes کا ایک سردار ورنکٹوریکس Vercing Torix سیزر کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بہادر سردار کے خلاف سیزر کو لڑنا پڑا۔ 51 ق م میں ایلسیا Alesia کے محاصرے کے دوران آخر کار ورنکٹوریکس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اپنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کرنے کے لئے وہ خود سیزر کے کیمپ آیا اور اپنے ساتھیوں کے لئے امان طلب کی۔ سیزر اس بہادر سردار کو دیگر 10 لاکھ گال کے لوگوں کے ساتھ اپنی واپسی پر بطور نشان فتح روم لے گیا تھا۔ گال کی مہم کے دوران ہی سیزر نے دوسرے جراثیم برطانیہ پر کامیاب حملے کئے۔ پہلی مرتبہ وہ 55 ق م کے موسم گرما کے آخر میں 80 بحری

جہازوں کے ایک بحری بیڑے کے ساتھ ڈور Dover کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ اس کے سپاہیوں نے برطانوی قبائل سے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں لڑیں اور ساحل کے نزدیک ہی اپنا کیمپ لگایا۔ مقامی لوگوں سے رومیوں کی مزید چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں اسی دوران برطانوی ساحل پر ایک شدید جوار بھانا آیا جس کی وجہ سے رومی بحری بیڑے کو شدید نقصان پہنچا اور جو لیس بیڑہ لوگال واپس لوٹا پڑا۔

اگلے سال یعنی 54 ق م کے موسم گرما میں جو لیس بیڑہ ر ایک بار پھر برطانیہ پر حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اس کا لشکر 800 بحری جہازوں، پانچ لیسجن Legion پیدل فوج اور دو ہزار گھڑسواروں پر مشتمل تھا یہ بڑا لشکر برطانیہ میں آج کل سینڈویچ Seadwich کے مقام کے قریب کہیں لنگر انداز ہوا تھا۔ لنگر انداز ہونے کے فوراً بعد ہی رومیوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ کنٹربری Canterbury کے نزدیک ایک جنگ میں رومیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ایک اور جنگ برطانوی سردار کیسلوٹنس Cassivelauns کے خلاف لڑی گئی۔ اس جنگ میں رومیوں کو برطانوی جنگی رتھوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد بیڑہ نے شمال کی طرف بڑھتے ہوئے کسی مقام پر دریائے ٹیمز کو عبور کیا اور پھر برینٹ فورڈ Brentford کے مقام سے واپسی کا سفر اختیار کیا۔

55 ق م۔۔۔ لکری ٹیکس اور اس کی خودکشی

ٹائٹس لکری ٹیکس Titus Lucretius Cars (95 ق م۔ 55 ق م) مشہور رومی فلسفی اور شاعر۔ یہ مفکر زیادہ تر سمیڈیکٹیز اور اپنی تئیس سے متاثر تھا۔ 95 ق م میں اطالیہ میں پیدا ہوا اس نے فلسفہ رواقیت تعلیم حاصل کی۔ مانتین کے مطابق وہ De Natura Rerum یا ”فطرت اشیاء“ نامی دنیا کی بلند ترین فلسفیانہ نظم کا مصنف تھا۔ (شاید اس لحاظ سے کہ نظم نمکود کے فلسفیانہ موضوع کے باوجود اس کا فنی درجہ نہایت بلند ہے اور یہ رومی شاعر دنیا کا سب سے بڑا فلسفی شاعر تھا) اس عہد کے اثباتی علوم (یعنی یونانی علم و حکمت) اور نظریہ جواہر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے اور جس میں بعض خیالات کا قبل از وقت بیان موجود ہے۔ (مثلاً نظریہ انتخاب طبعی کا دھندلا سا تصور) دراصل لکری ٹیکس نے یہ نظم اس غرض سے لکھی تھی کہ توقعات کے مقابلے میں عقل کا حق منوایا جائے۔

لکری ٹیکس کی نظمیں زیادہ تر فلسفہ رواقیت سے بحث کرتی ہیں۔ اپنی مشہور نظم ”فطرت اشیاء“ میں اس نے کائنات کے متعلق رواقی فلسفہ کا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ وہ ابتدائی جوہری نظریہ اور ارتقائی نظریات کا حامل تھا۔ 55 ق م میں اس نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر خودکشی کر لی۔

53 ق م۔۔۔۔ کرے سنس کا ایران پر حملہ اور جنگ حران

جمہوریہ روما میں ارباب ثلاشا کی مجلس سے قیام کے بعد سے سلطنت روما تین سو سالاروں سے منقسم ہو کر رہ گئی تھی۔ پہلی کو ہسپانیہ کی حکومت ملی تھی۔ جولیس سیزر گال (فرانس) پر قابض تھا جب کہ تیسرا رومی سپہ سالار کرے سنس دنیائے مشرق میں اپنی دولت کے زور پر شام کی حکومت حاصل کئے بیٹھا تھا۔ بظاہر تو ان تینوں سپہ سالاروں میں اتحاد و یگانگت قائم تھی مگر در پردہ ہر سپہ سالار چاہتا تھا کہ وہ روما کا واحد حکمران بن جائے۔ کرے سنس دنیائے مشرق کی سب سے بڑی سلطنت پارت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر مورخ پلوٹارک کے مطابق اسے رومی سینٹ نے ایران پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن اس کا ارادہ کسی نہ کسی قیمت پر ایران پر حملہ کا تھا کیونکہ وہ ہوں زر کی وجہ سے ایران قدیم کے خزانوں پر اپنا تصرف قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ فخریہ انداز سے کہتا تھا کہ دنیا دیکھے گی کہ اوکاؤس اور پومپی کی فتوحات مشرق میری فتوحات کے سامنے محض بازیچہ اطفال ثابت ہوگی۔ میں پارت، بلخ اور ہندوستان پر لشکر کشی کروں گا۔ اور برومخر پر آئندہ سکندر اعظم کی طرح میری حکمرانی ہوگی۔

کرے سنس جب روم سے شام کی حکومت سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا تو بحری سفر کے لیے موسم موافق نہیں تھا۔ چنانچہ رومی بحری بیڑے کے کئی جہاز طوفان کی نذر ہو گئے جو ایک بد شگون تھی۔ شام پہنچ کر اس نے دریائے فرات کا رخ کیا اور اس نے ساحلی علاقوں کے ایرانی حاکم کو زینودونی کے مقام پر شکست دی وہاں سے اس کے ہاتھ کثیر مقدار میں مال غنیمت لگا۔

ان دنوں سلطنت پارت پر اشک سیزر دہم (ارداول) حکمران تھا۔ (55 ق م تا 37 ق م) تقریباً 53 ق م میں کرے سنس بڑے پیمانے پر پارت پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ آرمینیا کے حکمران نے اسے مدد دینے کا وعدہ کیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ آرمینیا کے راستے پارت کی طرف پیش قدمی کرے۔ یہاں کے پہاڑی راستے رومیوں کے لیے موزوں ہونگے اور ایرانیوں کے لیے ناموافق لیکن کرے سنس نے بین النہرین کا راستہ اختیار کیا جس سے وہ مانوس تھا۔

سلطنت پارت کے حکمران ارداول کرے سنس کے ارادوں کو دیکھ کر اسے پیغام بھیجا کہ اگر وہ اختلافات دور کرنا چاہتا ہے تو ہم بات چیت کے لیے تیار ہیں ورنہ اگر وہ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ کرے سنس نے نہایت نخوت سے جواب دیا کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ سلوگیا میں ہوگا تو تمہیں ہمارے ارادوں کا خود ہی علم ہو جائے گا۔ یہ جواب سن کر پارت کے سفیر نے پلوٹارک کے مطابق جواب دیا کہ ”اگر تمہاری پرہیزگاریاں آگے نہ بڑھیں تو تم بھی سلوگیا پر قبضہ کر سکتے ہو ورنہ نہیں“ یہ کہہ کر پارت کا سفیر واپس آ گیا۔

اس دوران ارداول نے آرمینیا پر حملہ کر کے وہاں کے حکمران کو کرے سنس کی مدد سے انکاری کر دیا اور دونوں سلطنتوں میں مصالحت ہو گئی۔ ادھر کرے سنس دریائے فرات کو عبور کر کے دریائے بلیک کے کنارے آ پہنچا جو حران سے تیس

میل دور ہے۔ دریا عبور کرنے کے بعد رومی ایک باق ووق میدان میں پہنچ گئے جہاں ریت ہی ریت تھی۔ ان حالات میں اس کی فوج کو پارت کی افواج نے گھیرے میں لے لیا اور رومیوں پر تیروں کی بارش کر دی۔ کرے سنس نے اپنے بیٹے پولٹیکس کو جو گالوں کی فوج ملک کے طور پر لے کر آ گیا تھا، پیغام بھیجا کہ وہ کسی طرح دشمن کا حملہ روک کر رومی فوج کو محصور ہونے سے بچائے۔ ایرانیوں نے جنگی چال ملتے ہوئے پولٹیکس کو آگے بڑھنے سے نہیں روکا پھر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑے اور وہ جنگ میں مارا گیا جس سے رومی فوج وحشت زدہ ہو گئی۔ ادھر کرے سنس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ہی تھا کہ اسے ایرانی فوج پولٹیکس کا سر نیزے پر بلند کیے نظر آئی۔ مگر کرے سنس نے ہمت نہ ہاری اور اپنی مقرر کی جادو سے رومیوں کی ہمت بندھوائی اور ایرانیوں سے جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ تاریخ ایران میں جنگ حران کہلاتی ہے۔ جنگ سارے دن جاری رہی رات ہوئی تو کرے سنس کے تابوں نے اسے کسی محفوظ مقام پر پہنچنے کا مشورہ دیا۔ آخر اس جنگ میں کرے سنس مارا گیا۔ پلوٹارک لکھتا ہے کہ اس کا بریدہ سر شاہ ایران کے پاس اس کے بیٹے پرکاس کی شادی کے موقع پر پیش کیا گیا۔ فتح حران ایرانیوں کے لیے بڑی اہم تھی کیونکہ اس جنگ میں پہلی مرتبہ رومیوں اور اشکانیوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ اسکے ایک سال بعد ایرانیوں نے شام پر حملہ کر دیا۔

مآخذ

تاریخ ایران جلد اول۔ History Of Prusia

افریقہ میں تھیسس Thapsus کے مقام پر انہیں ایک بار پھر شکست سے دوچار کیا اب جولیس سیزر کے خلاف مخالفت کی چنگاریاں صرف جنرل پومپی کے بیٹوں میں صوبہ اسپین میں موجود تھیں۔ 45 ق م میں سیزر نے انہیں اسپین میں منڈا Munda کے مقام پر شکست دی۔ اس فتح کے بعد سیزر کے خلاف رومی صوبہ جات میں مخالفت مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ لیکن سینٹ میں اس کے خلاف نفرت کی چنگاریاں دہلی دہلی ابھی سلگ رہی تھیں۔

ماخذ

- 1: The Penguin Historical Atlas Of Ancient Rome.
- 2: An Encyclopedia Of World History. W.L. Langer.
- 3: Itlay, A Short history.
- 4: Encyclopedia Britannica Vol-5.
- 5: 1000 Great Events.

49 ق م۔۔۔ عبور دریائے ربیکان

مشہور رومی مقرر سر و Cicero نے 50 ق م میں اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں آنے والے دنوں میں اتنا بھی زمانہ امن نہیں پارہا، جو صرف ایک سال کی مدت تک قائم رہ سکے۔ پومپی کا عزم ہے کہ وہ جولیس سیزر کو اس وقت تک کنسل منتخب نہیں ہونے دے گا جب تک وہ اپنی فوج اور مفتوح صوبے سینٹ کے حوالے نہیں کر دے گا۔ دوسری طرف سیزر کو یقین ہے کہ اگر اس نے فوج سینٹ کے حوالے کر دی تو اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ ”سر و 50 ق م۔“

سر و کے اس خط میں اس زمانے کی رومی سیاست اور روم میں ہونے والی سیاسی کشمکش کا عکس واضح نظر آتا ہے۔ فتح گال کے بعد سیزر کی حیثیت ایک فاتح اعظم کی تھی اس کے پاس ایک ذاتی وفادار وسیع فوج تھی جو پومپی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سیزر کے لئے روم آ کر اقتدار پر مکمل قبضہ کر لیا اب بہت آسان ہے۔ اسی وجہ سے وہ سیزر سے حسد کرنے لگا تھا۔ اس نے سینٹ کو مجبور کیا کہ وہ سیزر کو فوج کی کمان سے برخاست کر دے۔ سینٹ نے سیزر کو فوج کی کمان چھوڑنے کا حکم دے دیا، لیکن سیزر کے لئے فوج کی کمان چھوڑنے کا مطلب اس کی سیاسی موت تھی۔ لہذا اس نے سینٹ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی افواج کے ہمراہ گال اور اٹلی کے درمیان بطور سرحد بننے والا دریا ربیکان R. Rubican عبور کر کے اٹلی میں داخل ہو گیا۔ رومی قوانین کے مطابق دریائے ربیکان کو بعد فوج عبور کر کے اٹلی میں داخل ہونا اٹلی پر حملے کے مترادف تھا۔ کیونکہ کسی بھی فاتح رومی جنرل کے لئے رومی قوانین کی رو سے یہ لازم تھا کہ وہ بغیر سینٹ کی اجازت کے اپنے مفتوح صوبہ جات سے اپنی افواج کے ساتھ اٹلی میں داخل نہ ہو۔

سیزر کار ربیکان کو عبور کرنا اٹلی پر حملہ کرنے کے مترادف تھا اس لئے سینٹ کے ارکان نے اس کی سخت مخالفت کی اور جب سیزر روم پر حملہ آور ہوا تو وہ پہلے کیپوآ اور پھر بحیرہ ایڈریاٹک کے علاقے Dry Rhanchiam کی طرف فرار ہو گئے جہاں انہوں نے جنرل پومپی کی کمان میں ایک فوج تشکیل دی تاکہ سیزر کا مقابلہ کیا جاسکے۔ سیزر نے درمیان میں کا محاصرہ کر لیا، لیکن پومپی اپنے ساتھیوں سمیت یونان کی طرف فرار ہو گیا۔ سیزر تعاقب کرتا ہوا وہاں بھی جا پہنچا۔ آخر کار دونوں افواج کا آمناسامنا 6 جون 48 ق م کو فارسالس Pharsalus (تھریس) یا فارسالیہ کے مقام پر ہوا۔ سخت مقابلے کے بعد میدان سیزر کے ہاتھ رہا اور جنرل پومپی ایک مرتبہ پھر فرار ہو گیا اس مرتبہ شکست خوردہ پومپی مصر جا پہنچا اسے امید تھی کہ مصر کے بطلیموس حکمران اس کی مدد کریں گے۔ اس کے برعکس بطلیموس دوازدہم نے اسے دھوکے سے سرزمین مصر پر قدم رکھنے سے پہلے ہی بحیری جہاز ہی پر قتل کرادیا۔

پومپی کے قتل سے سیزر کی مخالفت ختم نہ ہوئی۔ 48 ق م کے آخر میں جولیس سیزر بھی مصر جا پہنچا جہاں جنگ سکندر یہ میں اس نے بطلیموس حکمران کو شکست دے کر مکہ قلو پطرہ کو تخت نشین کر دیا خود اس کی زلف گرگیر کا اسیر ہو گیا۔ 47 ق م میں سیزر مشرقی صوبوں سے گزرتا ہوا اٹلی واپس آیا۔ اس کے مخالفین اب شمالی افریقہ میں جمع ہو گئے۔ 46 ق م سیزر نے شمالی

ایک یونانی فلسفی آرمینیڈوس نے میز کو لکھا ہوا تھا ایک رومال تھمایا کہتے ہیں کہ اس رومال میں سازش کی پوری تفصیلات درج تھیں مگر میز کو لوگوں کے سلام تہنیت قبول کرنے سے فرصت نہ ملی اور وہ اس رومال کو کھول کر نہ دیکھ سکا اور اس کا جلوس فوراً کی طرف بڑھتا گیا۔

جیسے ہی فورم میں داخل ہو کر میز نے اپنی مخصوص نشست سنبھالی۔ ٹولیوس سمبر Tullius Smbier نامی ایک شخص نے آگے بڑھ کر ایک درخواست پیش کی جس میں اس سے التجا کی تھی کہ اس کے بھائی کی جلاوطنی کا حکم واپس لے لیا جائے مگر میز نے یہ درخواست مسترد کر دی۔

جیسے ہی میز نے یہ درخواست مسترد کی سمبر نے لپک کر میز کی گردن پر پڑا ہوا رومال ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔ گویا یہ اشارہ تھا۔ اس پر تمام سازش چاروں طرف سے ایک دم میز پر ٹوٹ پڑے۔ خنجر کف ان بہت سے ہاتھوں میں سے میز نے ایک ہاتھ کو پھنپھاتے ہوئے آخری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”تم بھی بروٹس“ اور پوچھی کہ مجھے کے قدموں میں گر کر جان دے دی۔

میزر کے قتل کی خبر روم میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور عوام کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ سازشیوں نے عوام کے جذبات کو خنڈا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن مارک انطونی نے اپنی پر جوش تقاریر سے سازشیوں کو عوام کے سامنے ننگا کر دیا اور سازشی روم چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگ میز کے انتقام میں اس قدر دیوانے ہو گئے تھے کہ انہوں نے ایک سازشی سنا Cinna کے دھوکے میں ایک شاعر کے کٹڑے کٹڑے کر دیئے۔ کئی سازشیوں کے گھروں کو آگ لگا دی۔ ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا اور خون کا بدلہ خون کے آوازوں میں سینٹ کے جیسیر کو بھی آگ لگا دی گئی۔

تجربہ نگاروں کے نزدیک میز کا قتل اس کی حدود درجہ رحمتی اور جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ یہ دونوں عناصر میز کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اگرچہ دوسری اقوام کے مفتوح افراد کو سخت ترین سزائیں دینے کا روادار تھا۔ مگر اپنے روی مخالفین اور مفتوحین کے ساتھ اس نے انتہائی نرم سلوک کیا تھا۔ اس نے نہ صرف اپنے بہت سے مخالفین کو معاف کر دیا تھا بلکہ انہیں اپنی حکومت میں کئی ذمہ دار عہدوں پر فائز بھی کر دیا تھا اس کے انہیں مخالفین میں سے ایک کیسیس Cassius تھا جو اس کے قتل کی سازش کا روح رواں تھا اور ایک بروٹس Brutus جسے رومی جمہوریت کی علامت قرار دیا جاتا ہے یہ سب ہی اس کے سابقہ مخالفین تھے اور اب دوستی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب میز نے اپنے قاتلوں میں بروٹس کو بھی شامل پایا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔ ”تم بھی بروٹس“ دراصل بروٹس کو میز نے اپنی سابقہ مخالفت پر نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ وہ اس پر اعتماد بھی رکھتا اور اس سے محبت بھی کرتا تھا۔ یہ لوگ سینٹ کے وہی ارکان تھے۔ جنہوں نے بھرے اجلاس میں اعتراف کیا تھا کہ میز کے سوا کوئی اور روم کا صحیح فرمانروا نہیں ہو سکتا۔ انہیں لوگوں کے ایما پر میز کے پیدائش کے مہینے کا نام جولائی رکھا گیا تھا۔ ایسی باتوں سے میز کو اپنی عظمت اور جلالت کا احساس ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے خوشامدیوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا تھا۔ یہ میز ہی تھا جس نے سینٹ کے ارکان کی تعداد 600 سے بڑھا کر 900 کر دی تھی۔ یہ سب اس کے تابع اور غلام تھے۔

آخری سالوں میں اگرچہ میز کو مرگی جیسے خطرناک مرض کے کئی دورے پڑ چکے تھے مگر اس کی جسمانی ساخت ایسی

44 ق م۔۔۔۔۔ جولیس میز کا قتل

بزدل اپنی موت سے پہلے کئی بار مرتے ہیں بہادر موت کا مزہ صرف ایک بار چکھتے ہیں۔ ”شیکسپیر“
آئیڈلز آف مارچ 15 مارچ 44 ق م کو جمہوریہ روم کی سینٹ یا ایوان اعلیٰ میں ایک باوقار شخصیت پر کچھ لوگ یکبارگی اپنے خنجروں سے حملہ آور ہوئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ مشہور رومی جرنیل جولیس میز تھا جو جمہوریت پسندوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

مشہور انگریز ڈرامہ نگار شیکسپیر نے قتل کے اس منظر کو اپنے ڈرامہ ”جولیس میز“ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ اسی کے قلم کا اعجاز ہے کہ آج بھی لوگ اس منظر سے ویسے واقف ہیں کہ جیسے یہ کل کی بات ہو۔

جنگ فارس کے بعد جولیس میز روم کے سیاہ و سفید کا مختار کل بن گیا۔ شالی افریقہ میں فتوحات کے بعد جب میز روم واپس آیا تو سینٹ میں اس نے اپنا وہ مشہور جملہ کہا۔ ”میں آیا، میں نے دیکھا اور میں نے فتح کیا۔“ Vini, Vidi, Vici۔ یہ جملہ نہ صرف اس کا اعلان فتح مندی تھا بلکہ اس بات کی علامت بھی تھا کہ اب اس کے مد مقابل روم میں کوئی حزب مخالف نہ رہا تھا اور وہ روم کا مقتدر اعلیٰ بن گیا تھا۔ اس طرح روم میں جمہوریت ایک بار پھر خطرے میں پڑ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ روم کے جمہوریت پسند بلا خر کوئی اور راہ نہ پاتے ہوئے اس کے قتل کی سازش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

15 مارچ 44 ق م کو میز کے حامیوں نے جن میں مارک انطونی Mark Antoni پیش پیش تھا۔ جمہوریت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے جولیس میز کی خدمت میں روم کا تاج پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری جانب جمہوریت پر یقین رکھنے والے ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ امور حکومت کے تمام اختیارات سمٹ کر میز کی میراث بن جائیں اور میز نہ صرف شہنشاہ بلکہ بلا خر دیوتا کی حیثیت اختیار کر جائے۔ اسی لئے انہوں نے بھی یہی دن میز کے قتل کے لئے مقرر کر دیا۔ ان کے نزدیک اگرچہ یہ دن گزر جاتا تو پھر روم سے جمہوریت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی۔ 15 مارچ کو میز کی بیوی کلیوپٹریا نے اسے سینٹ کے اجلاس میں شرکت کرنے سے منع کیا۔

دراصل کلیوپٹریا نے اس رات ایک بھیاںک خواب دیکھا تھا جس میں اس نے میز کو خون میں لت پت اور تڑپتے دیکھا تھا۔ میز نے نجومیوں سے اس خواب کی تعبیر لی تھی جس کے مطابق نجومیوں نے بھی اسے مشورہ دیا تھا کہ آج کا دن اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔

مگر سازشیوں میں سے بروٹس Brutus نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ آج کے دن خطاب کے لئے سینٹ کے اجلاس میں نہ گیا تو عوام میں اس کی بہادری کا بھرم قائم نہ رہے گا۔ اس لئے مجبوراً میز کی بیوی کی التجاؤں اور نجومیوں کے مشوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے سینٹ کے اجلاس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔

جیسے ہی میز اپنے گھر سے نکلا راستے میں ہزاروں لوگ تالیاں بجا کر اس کا استقبال کرنے لگے۔ اس اثر دھام میں

43 ق م۔۔۔ دوسری مجلس ارباب ثلاثہ

جو لیس سیزر کے قتل کے بعد سازشیوں کے سامنے کوئی واضح مقصد نہ تھا۔ انہوں نے مارک انطونی کو اپنے ساتھ ملانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اسی دوران مارک انطونی اور لپیڈس Lepidus میں باہمی طور پر ایک قسم کا اتحاد قائم ہو گیا جس کے نتیجے میں 16 مارچ 44 ق م کو لپیڈس دس کے کچھ فوجی دستوں نے روم کا انتقام سنبھال لیا۔ اگلے دن 17 مارچ کو مارک انطونی کی تجویز پر سینٹ نے سیزر کے قاتلوں کو ملان دے دی۔ 20 مارچ کو سیزر کی تجویز و تکفین ہوئی۔ جنازے کے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے انطونی نے فن خطاب کے وہ جہر دکھائے کے عوام عیش کرا گئے۔ اسی خطاب کے دوران انطونی نے عوام کو جو لیس سیزر کا وہ وصیت نامہ دکھایا جس کی رو سے سیزر نے عوام کے لئے فی کس 300 سسٹرکس 300 Sesterces چھوڑے تھے۔ ساتھ ہی اپنے باغات بھی عوام کے لئے وقف کر دیے تھے۔ یہ سیزر کی عوام کے ساتھ محبت کا کھلا ثبوت تھا۔ انطونی کی اس تقریر کے بعد عوام نے سیزر کی نعش کو اپنے ہاتھوں سے شعلوں کا غسل دے کر اس کی محبتوں کا قرض چکا یا۔

انطونی کی کوششوں سے سیزر کے قاتلوں کو شہر چھوڑنا پڑا۔ انطونی نے سیزر کے ایسے احکامات کی تعمیل کرائی جو اس نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تحریر کرائے تھے۔ یہ احکامات انطونی کو سیزر کے ذاتی کاغذات میں سے ملے تھے۔ انہیں احکامات میں سیزر نے اپنے بعد امریت ختم کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ بعض مورخین کے مطابق انطونی نے یہ احکامات جعلی طور پر تیار کئے تھے۔ خود انطونی کو ان احکامات پر عملدرآمد کر کے عوام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی دوران سیزر کا ایک بھتیجا گائیس آکٹویئس Gaius Octavivus روم کے سیاسی اقتدار پر ابھرا۔ بعد ازاں یہ ہی نوجوان آگسٹس سیزر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے خود کو سیزر کا تہمتی ثابت کر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کر لیں نومبر 43 ق م میں مارک انطونی، آکٹویئس اور لپیڈس دس ایک دوسرے سے اتحاد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ 21 نومبر 43 کو تینوں نے جمہوریہ کی تاریخ میں دوسری بار مجلس ارباب ثلاثہ The Second Triumvirate قائم کی۔ آکٹویئس قاتلین سیزر سے انتقام لینا چاہتا تھا جبکہ انطونی ان سے صلح کا خواہاں تھا۔ تاہم آکٹویئس نے انطونی کو بھی قاتلین سیزر کے خلاف میدان میں اترنے پر قائل کر لیا۔ 42 ق م میں انطونی اور آکٹویئس کے لشکر نے قاتلین سیزر، کیٹس اور بروٹس کے لشکر کو قتل پل Philippi کے مقام پر یونان میں شکست دی، کیٹس میدان جنگ میں کام آیا جبکہ بروٹس نے خودکشی کر لی۔ جنگ فلیپی کے بعد انطونی اور آکٹویئس نے جمہوریہ کے انتظامی امور کو آپس میں بانٹ لیا۔ مشرق میں روم کے دھار کی بحالی انطونی کی ذمہ داری بنی جبکہ مغرب آکٹویئس کے حصہ میں آیا۔ ایک چھوٹا سا حصہ لپیڈس کے سپرد کیا گیا۔ جلد ہی آکٹویئس نے مغرب میں خود کو مضبوط کر لیا۔ 38 ق م میں اس نے پومی کے ایک بیٹے سکلس پومی Sextus Pomey سے جزیرہ سکلی لے لیا۔ یہ جزیرہ روم کو غلہ کی فراہمی کے لئے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ اس مہم میں آکٹویئس کو دو سال لگے۔ آکٹویئس نے اگلی مہم لپیڈس کے خلاف سر کی اور مغرب میں تنہا اقتدار پر قابض ہو گیا۔

43 ق م۔۔۔ قلوپطرہ کی تخت نشینی

وقت یارم ورواج کی تبدیلی قلوپطرہ کی خوبصورتی کو پشمرہ نہیں کر سکتی۔ ”شیکسپیر“
شاہان مصر کے بطلیموس خاندان کی آخری حکمران اور تاریخ عالم کی مشہور خاتون ملکہ قلوپطرہ Cleopatra vii (69 ق م۔ 30 ق م) آج بھی عالمی تاریخ اور ڈرامے کے حوالے سے دنیا کی سب سے شہرہ آفاق خاتون تسلیم کی جاتی ہے۔ شیکسپیر نے اپنے ڈرامے ”انطونی اور قلوپطرہ“ میں اس مشہور ملکہ کی زندگی کے آخری دور کو پیش کیا ہے۔ جبکہ بیسویں صدی کے مشہور ڈرامہ نگار برنارڈ شاہ نے اپنے ڈرامے ”سیزور اور قلوپطرہ“ میں اس کی زندگی کے ابتدائی دور کو موضوع بنایا ہے۔ رومی ڈکٹیٹر جولیس سیزر کی محبوبہ اور بعد ازاں مارک انطونی کی بیوی بننے والی یہ خاتون ملکہ پہلے بطلیموس سیزر و ہم کی شراکت میں اس کی بیوی کی حیثیت سے مصر کے تخت پر بیٹھی تھی۔

یہ بطلیموس دوازدہم کی دوسری بیٹی اور مصر حکومت کرنے کے باوجود مکمل یونانی نژاد تھی۔ اس کی رگوں میں خالص یونانی خود دوڑتا تھا اور کسی طرف سے بھی مصری خون اس کے خون میں شامل نہیں تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بطلیموس خاندان میں پہلی مرتبہ سیاسی مفادات کے پیش نظر اسی ملکہ نے مصری زبان سیکھی تھی ورنہ سکندر اعظم سے اب تک کہ تمام بطلیموس حکمران مصری زبان سے نا آشنا تھے صرف یونانی (مقدونی) زبان جانتے تھے۔ قلوپطرہ نے خود کو ایک مصری دیوتا (شس) کی بیٹی ظاہر کیا تھا۔ اس کے عہد کے سکوں پر اس کی شبیہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق وہ بہت زیادہ خوبصورت نہ سمجھی گئی ایک زندگی سے بھرپور خاتون نظر آتی ہے۔ لیکن اکثر مورخین اور ڈرامہ نگاروں نے اس کو دنیا کی انتہائی خوبصورت عورت کے طور پر پیش کیا ہے۔

قلوپطرہ کی لحاظ سے خوش مذاق، صاحب ذوق اور ذی علم خاتون تھی۔ وہ علوم و فنون کی مربی تھی۔ اس کا ہفت زبان ہونا محنت اور وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس نے انطونی سے دو لاکھ کتابیں جو کبھی پر گام کے کتب خانے کی زینت تھیں، سکندر یہ کے کتب خانے کے لئے بطور تحفہ وصول کیں تھیں۔ رومی مورخ سسرو بھی لکھتا ہے کہ قلوپطرہ نے اس کے لئے اسکندریہ سے کچھ کتابیں حاصل کرنے کا بندوبست کیا تھا۔ اسے اپنے آباؤ اجداد سے ذوق سلیم ورثے میں ملا تھا نہ صرف ادب بلکہ وہ سائنس کی بھی قدردان تھی۔ فوٹینس نے جو علم ریاضی کا ماہر تھا ”قانون قلوپطرہ“ نامی کتاب اسی کے نام معنون کی تھی۔ مشہور طبیب ڈسکورائڈز جس کی کتابیں مدقوں طب کے نصاب میں شامل رہیں اس کا درباری طبیب تھا۔ مصری ماہر فلکیات سوساگے نیز اس کا دوست تھا۔ اس کی سفارت پر اس ماہر فلکیات نے کیٹڈر کی اصلاح میں سیزر کی مدد کی تھی۔

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد قلوپطرہ اور اس کے بھائی۔ شوہر بطلیموس سیزر و ہم میں نہ نہ سکی اور جلد ہی نویت خانہ جنگی تک پہنچی۔ پیلوشیم کا قلعہ جو موجود پورٹ سعید کے نزدیک واقع تھا اسی کے نزدیک قلوپطرہ اور بطلیموس سیزر و ہم کی فوجوں میں

جنگ لڑی گئی۔

اس پرانی ملاقات کو یاد دلانے کے لئے قلوپطرہ نے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور تارسس Tarsus شہر میں ایک خوبصورت جگرے پر سوار دریائے سنڈس River Cydnus کے راستے داخل ہوئی۔ انطونی کے لئے قلوپطرہ کے اس سفر کو شکیپیہ نے اپنے ذرائع ”انطونی اور قلوپطرہ“ میں بہت خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے۔ قلوپطرہ سے ملنے کے بعد انطونی اس کی زلف گرہ گیر کا ایسا اسیر ہوا کہ اپنی بیوی فلیویا Fulvia کو بھلا بیٹھا جو روم میں آکٹوین کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے انطونی کے مفادات کے بچانے کی کوشش کر رہی تھی انطونی نے پارٹھیا (ایران) کے خلاف اپنی مہم موخر کر دی اور قلوپطرہ کے ساتھ اس کے زرخیز غلام کی حیثیت سے سکندریہ چلا گیا۔ جہاں اب قلوپطرہ رومہ کے ایک باجگدار کی بجائے ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے مصر کے ساتھ ساتھ انطونی کے دل پر بھی حکومت کرنے لگی۔

مورخین کا خیال ہے کہ انطونی کے اسی سلوک کی وجہ قلوپطرہ کے دماغ میں روم کو رومیوں ہی کے ذریعے فتح کرنے کا حیرت انگیز خیال آیا۔ یا شاید وہ پہلے ہی سے ایسے خواب دیکھ رہی تھی جو سیزر کے قتل کی وجہ سے کھم گئے تھے۔ انطونی کو اپنا غلام بنانے کے بعد اب وہ دوبارہ اپنے خوابوں کو اس کے ہاتھ سے شرمندہ تعبیر کرنا چاہتی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے انطونی کی ہر کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی مگر رومہ پر غالب آنے کے اس کے خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ 40 ق م میں انطونی روم واپس لوٹا، اس وقت اس کی بیوی فلیویا کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے آکٹوین کے ساتھ ایک عارضی سمجھوتہ بھی کیا اور اس کی بہن آکیٹویا سے عقد بھی لیکن روم میں تین سال قیام کے بعد انطونی اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ آکٹوین کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس نے ایک بار پھر مشرق کا رخ کیا۔ قلوپطرہ کی آغوش اب بھی اس کے انتظار میں تھی۔ انطونی کو بھی اس کی مدد کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی لہذا اب اس نے قلوپطرہ سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اس کے اس اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور آکٹویا اور اس کا بھائی اس کے خلاف ہو گئے کیونکہ رومی قوانین بھی ایک غیر ملکی عورت سے شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے اس لئے پوری رومی دنیا انطونی سے ناراض ہو گئی۔

اگر روم میں آکٹویا سے شادی کر کے انطونی نے قلوپطرہ سے بے وفائی کی تھی تو قلوپطرہ بھی اس سے پیچھے نہ رہی تھی۔ انطونی کی غیر موجودگی میں اس نے یہودیہ کے رومی باجگدار حکمران ہیرود سے راہ رسم پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ہیرود ایک ذہین مگر ظالم انسان تھا جو اگرچہ قلوپطرہ سے مہربانی سے پیش آیا لیکن اس نے کسی بھی دوسری جسارت سے قصداً اجتناب کیا قلوپطرہ نے اسے اپنی تضحیک قرار دیا اور وہ ہیرود کی دشمن ہو گئی۔ ہیرود کی بیوی مریم سے اس کی دوستی تھی لہذا اس نے ہیرود سے اپنی تضحیک کا بدلہ اس کے خلاف محلاتی سازشیں کرا کے کیا۔ یوں قلوپطرہ اور انطونی ایک دوسرے سے بے وفائی کے مرکب ہوئے مگر پھر ایک ہو گئے۔

انطونی کی واپسی پر قلوپطرہ نے ہیرود کی سلطنت کے بڑے حصے، لبنان اور شام کو مصر میں مدغم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر چونکہ ہیرود انطونی کے پرانے دوستوں میں سے ایک تھا اس لئے انطونی نے ہیرود کی سلطنت کو قلوپطرہ کی خواہش پر قربان کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ہیرود کے خلاف قلوپطرہ کی نفرت بڑھ گئی۔

انطونی نے پارٹھیا کے خلاف اپنی مہم دوبارہ شروع کی مگر یہ مہم سخت ناکام رہی۔ یہی انجام اس کی آرمینیا کی عارضی فتح کا ہوا۔ ان ناکامیوں کے باوجود انطونی نے 34 ق م میں سکندریہ میں اپنی فتح کا شاندار جشن منایا۔ جس میں سکون پر انطونی

قلوپطرہ کا باپ بطلمیوس دوازدہم بھی ایک خانہ جنگی کے دوران 58 ق م میں مصر سے نکال دیا گیا تھا اور اس نے روم سے مدد لے کر تین سال بعد مصر کا تاج و تخت دوبارہ حاصل کیا تھا۔ اسی وجہ سے رومی حکمران مصر جیسے آزاد اور امیر ملک کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے۔ قلوپطرہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلے ہوئے رومی حکمرانوں سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتی تھی تاکہ بوقت ضرورت مدد حاصل کی جاسکے۔ انہیں دنوں جمہوریہ روم کی خانہ جنگی میں جولیس سیزر کو فارسیہ کے میدان میں فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ اپنے مخالف رومی جرنیل پومپی کے تعاقب میں اکتوبر 48 ق م میں مصر پہنچا تھا۔

فارسیہ کے میدان میں شکست کھانے کے بعد جرنیل پومپی بھی سیزر کی مصر آمد سے صرف چار دن پہلے مصر پہنچا تھا۔ اسے بطلمیوس سیزر دوازدہم اور اس کے حواریوں نے شکست خوردہ کچھ کر ساحل پر غدراری سے قتل کر دیا تھا۔ اس کے برعکس قلوپطرہ نے جولیس سیزر کی مصر آمد سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر سکندریہ کے شاہی محل میں اس سے ملاقات کی اور اسے اپنے حسن سے رام کر لیا چونکہ سیزر کے مفادات بھی قلوپطرہ سے اتحاد کرنے میں مضرت تھے (دو قلوپطرہ کے والد کی حکومت بحال کرنے کا معاوضہ مصر کے شاہی خزانے سے حاصل کرنا چاہتا تھا) اس لئے اس نے قلوپطرہ سے دوستی میں جو سیزر کے ذریعے دوبارہ اپنا اقتدار بحال کرنا چاہتی تھی تاکہ ابتدائی بطلمیوی عہد کی عظمت رفتہ کو دوبارہ قائم کر سکے۔ اپنا مقصد حاصل ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس نے قلوپطرہ کی دوستی کو قبول کر لیا اور وہ 27 مارچ 47 ق م تک مصر میں قیام پذیر رہا۔ اسی دوران اس نے قلوپطرہ کے اقتدار کو بحال کر دیا اور ساتھ ہی ہیروز و شب اس ساتھ مصر کی آغوش میں بسر کئے اور قلوپطرہ کے ایک بیٹے سیزرین کا باپ بن گیا۔

مصر سے روانگی کے بعد سیزر کو جرنیل پومپی کو بھڑکائی ہوئی خانہ جنگی کی آگ کو بجھانے میں دو سال لگے اور وہ 46 ق م میں واپس روم لوٹا جہاں اس نے اپنی فتح کا جشن منایا۔ اس جشن فتح میں ملکہ قلوپطرہ بھی شریک ہوئی اور اس کی چھوٹی بہن آرسینو Arsino کو بھی بحیثیت جنگی قیدی لایا گیا۔ سیزر نے قلوپطرہ کا ایک طلائی مجسمہ تیار کرایا جو ونس دیوی کے مندر میں رکھا گیا۔ قلوپطرہ روم میں سیزر کے ایک مصفا فانی محل میں، جو دریائے نائبر کے اس پار واقع تھا۔ 44 ق م سیزر کے قتل تک متیم رہی۔ اس کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی بطلمیوس چہار دہم بھی جواب بطلمیوس سیزر دوازدہم کے بعد اس کا شوہر بھی تھا۔ روم میں متیم رہا۔ سیزر کے قتل کے بعد قلوپطرہ واپس مصر آ گئی۔

42 ق م میں انطونی اور آکٹوین نے فلیپی کے میدان میں قاتلین سیزر کو شکست دے کر جمہوریہ رومہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ انطونی مشرقی صوبوں کا مختار بنا اور آکٹوین نے مغرب میں انتظام سنبھالا انطونی نے رومی حکمرانوں کی قدیم خواہش کے مطابق مشرق میں پارٹھیا یا سلطنت فارس ک فتح کرنے کا منصوبہ تیار کیا انطونی کے اس منصوبے میں قلوپطرہ کو بھی جنوبی شام، لبنان اور ارض فلسطین کو اپنے زیر اثر لانے کے خواب پورے ہوتے ہوئے نظر آئے۔ انطونی سے قلوپطرہ کی جان بچان اس وقت سے تھی جب وہ اس کے باپ کے تاج و تخت کی بحالی کے سلسلے میں سکندریہ آیا تھا قلوپطرہ کی عمر اس وقت صرف 14 سال تھی۔ جو اس سال انطونی نے پہلی ہی نظر میں اسے دل دے بیٹھا تھا۔

اور قلوپطرہ دونوں کی شہنشاہیں ڈھالی گئیں۔

دوسری طرف روم میں آکٹیون نے ایک مندر سے انطونی کی وصیت حاصل کر کے عوام کے سامنے پیش کر دی۔ جس کی رو سے انطونی کو بعد از مرگ قلوپطرہ کے مقبرے میں دفن کیا جانا تھا اور اس نے تمام رومی علاقے قلوپطرہ اور اس کے بچوں کو دے دیئے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے بعد دار الحکومت بھی روم کی بجائے سکندر یہ منتقل کرنے کی وصیت کی تھی۔ یہ سب باتیں رومیوں کی ناراضگی کو غصے میں تبدیل کرنے کے لئے کافی تھیں۔

انطونی اور قلوپطرہ نے 32-31 ق م کا موسم سرما یونان میں رنگ رلیاں مانتے ہوئے گزارا۔ اسی سال رومی سینٹ نے انطونی کو کولسیٹ کے اعزاز سے محروم کر دیا اور 31 ق م میں قلوپطرہ نے شاہ پیٹر King Of Petra کو رومی ہاتھ لگا کر ہیرودہ اعظم کے خلاف ابھارنے کا بہانہ بناتے ہوئے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

2 ستمبر 31 ق م کو کورنٹھ کے قریب ایکشیم Actium کے مقام پر قلوپطرہ، انطونی اور آکٹیون کی فوجوں میں جنگ ہوئی یہ ایک بحری جنگ تھی۔ مصری بحری جہاز بھاری بھر کم ہونے کی وجہ سے آکٹیون کے ہلکے ہلکے مگر تیز رفتار بحری جہازوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ابھی فیصلہ کن مرحلہ نہ آیا تھا کہ قلوپطرہ نے اپنے بحری بیڑے کا رخ مصر کی طرف موڑ دیا۔ انطونی بھی جنگ کے انجام کی پرواہ کئے بغیر اس کے پیچھے آ گیا اس کی رومی افواج کو اس کے اس بزدلانہ اقدام پر بے حد غصہ آیا اور وہ آکٹیون سے مل گئیں جس کے بعد آکٹیون کا مد مقابل کوئی نہ رہا اور وہ اکیلا رومی دنیا کا شہنشاہ بن گیا۔ شکست کے 3 دن بعد تک ایک ہی جہاز پر سوار ہونے کے باوجود انطونی نے قلوپطرہ سے بات تک نہ کی اور ناراض رہا لیکن سکندر یہ پیچھے سے پہلے ہی دونوں میں پھر صلح ہو گئی اور ایک بار پھر دونوں نے اکٹھے جینے اور کٹھنے مرنے کا اقرار کیا۔

مورخین کے مطابق قلوپطرہ غیر معمولی سیاسی سوجھ بوجھ کی مالک خاتون تھی اور تاریخ بہت کم خواتین حکمران ایسی گزری ہیں جو قلوپطرہ کے ہم پلہ ہوں۔ مگر اپنی اچھی سیاسی بصیرت اور غیر معمولی ہوشیاری کے باوجود اس نے دوبارے والے رومی جرنیلوں کا ساتھ دیا۔ پہلے یزیر کا اور پھر انطونی کا۔ انطونی نے زوال میں ایک حد تک خود قلوپطرہ کا ہاتھ تھا۔ جنگ ایکشیم میں فتح کے بعد آکٹیون پوری رومی و یونانی دنیا کا بلا شرکت غیرے حکمران بن گیا۔ اس کی ناراضگی مول لینا اب تباہی کے مترادف تھا۔ قلوپطرہ اپنی سیاسی بصیرت کی وجہ سے جانتی تھی کہ اب انطونی کی بجائے آکٹیون پر ڈورے ڈالنے چاہیں لیکن اس سے پہلے انطونی کو قتل کرانا یا جلاوطن کرنا ضروری تھا جو اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ انطونی کو اپنی محبت کے فریب سے خودکشی پر مجبور کیا جاسکتا ہے اسے اپنی فسون کاری پر مکمل بھروسہ تھا اس نے اپنے مقبرے میں چھپ کر انطونی کو خربجھوئی کر اس نے خودکشی کر لی۔ انطونی نے جواب میں ایک ساتھ مرنے کے قول نبھاتے ہوئے خودکشی کر لی۔

جب آکٹیون مصر آیا تو مورخین کے مطابق قلوپطرہ نے اسے بھی اپنی زلف کا اسیر کرنا چاہا مگر اس بار ساحرہ مصر اپنے ہر حربے کو آزمانے کے باوجود ناکام رہی۔ آکٹیون اسے اور اس کے بچوں کو روم لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن صرف اپنی فتح کے نشان کے طور پر یہ ذلت قلوپطرہ کو گوارہ نہ تھی کہ جس شہر میں وہ بحیثیت ملکہ شامی مہمان رہ چکی تھی۔ اب بحیثیت قیدی اس کی شاہراہوں پر کھینچا جانا اسے منظور نہ تھا۔ شامی نسل کی روایات کے مطابق اس نے خود کو افنی سے ڈسوا کر ہلاک کر لیا۔ مورخ پلوٹارک کے مطابق جب آکٹیون کے ایلچی ملکہ کی خواہگاہ میں داخل ہوئے تو انہیں مکمل شامی زیورات و ملبوسات سے آراستہ

پیراستہ قلوپطرہ کی لاش ایک طلائی مسہری پر نحو خواب ملی اور ساتھ ہی اس کی وصیت بھی کہ اسے انطونی کے ساتھ دفن کیا جائے۔ ایک رومی مورخ دیوکیسیس Diocassius نے قلوپطرہ کے انجام کے بارے میں ایک خوبصورت تاریخی جملہ لکھا ہے۔ دو رومی جرنیلوں کو مسخر کرنے والی ملکہ تیسرے رومی جرنیل کے ہاتھوں برباد ہو گئی۔

38 ق م۔۔۔ لاؤ کون

فن سنگتراشی یا سہ ابعادی فن پاروں کی تخلیق، انسان کے قدیم ترین فنون میں سے ایک قدیم زمانے کے یہ سنگی فن پارے آج بھی قدیم انسانی تہذیب کے نمونوں کے طور پر دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ انہیں قدیم فن پاروں میں سے ایک لاؤ کون اور اس کے دو بیٹوں کا مجسمہ ہے۔ جنہیں اٹروں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ یہ قدیم فن پارہ ویکن میوزیم میں محفوظ ہے۔

قدیم یونان سے تعلق رکھنے والی سنگتراشی زیادہ تر مذہبی ہے اس کا ابتدائی زمانہ گیارہویں صدی قبل از مسیح تصور کیا جاتا ہے۔ یونانی سنگتراشی کا یہ دور جو میٹرک دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں کانی کے چھوٹے مجسمے ڈھالے گئے جو مختلف دیوتاؤں اور جانوروں کے تھے۔ اس کے بعد مکمل قد انسانی رکھنے والے مجسمے تراشے جانے لگے۔ قد انسانی رکھنے والے ان مجسموں کا دور سنگتراشی کی اصطلاح میں دور پارینہ Archicage کہلاتا ہے۔ انگریزی کے اسی لفظ Archiac یا پارینہ سے "قسم پارینہ" کی اصطلاح نکلی جو آج بھی انگریزی زبان میں مستعمل ہے یہ دور ساتویں اور چھٹی صدی قبل از مسیح سے تعلق رکھتا ہے اس دور کے بعد پانچویں صدی قبل از مسیح میں اسے تھینا Athena اور زیوس Zeus دیوتا کے دیوپیکر مجسمے تخلیق ہوئے یہی دور یونانی سنگتراشیوں کا سہرا دور کہلاتا ہے۔

یونانی دنیا کو جب رومی فاتحین نے فتح کیا یہ تقریباً 146 ق م کے لگ بھگ کی بات ہے۔ فن سنگتراشی میں یہ دور ہیلینیائی Hellenistic کہلاتا ہے۔ اسی عہد میں جزیرہ رھوڈز Rhodes کے رہنے والے ایک اہم شخص Agesander نامی سنگتراش نے تقریباً 38 ق م میں لاؤ کون Laocoon اور اس کے عذاب میں مبتلا دو بیٹوں کا ایک گروپ سہ ابعادی فن پارہ تخلیق کیا یونانی ماٹھالوجی کے مطابق لاؤ کون دراصل اپالو دیوتا کا ایک پجاری تھا جو شہر ٹرائے میں رہتا تھا۔ اس نے پہلے پہل ٹرائے کے لوگوں کو یونانیوں کے تخلیق کردہ لکڑی کے گھوڑے سے خبردار کیا تھا۔ بعد ازاں اپالو دیوتا لاؤ کون سے ناراض ہو گیا اور اس نے اڑو سے کے ذریعے لاؤ کون اور اس کے دو بیٹوں کو عذاب سے دو چار کیا۔ عذاب کے اسی لمحے کو اہم سمجھاؤں نے اپنے فن سے ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید کر دیا اور آج بھی ہم اس قدیم پجاری اور اس کے دو بیٹوں کو جال کئی کے عالم میں مبتلا دیکھ سکتے ہیں۔ شرط صرف ویکن کے عجائب گھر کی سیر ہے۔

مآخذ

1: Oxford Encyclopeida Of Arts.

2: Encyclopedia Britannica.

37 ق م۔۔۔ اشک چہار دہم (فرہاد چہارم) کا عہد حکومت اور انطونی کا حملہ

37 ق م از مسیح میں شاہ ایران ارداول اپنے نوجوان بیٹے پیکاس کی میدان جنگ میں موت کے بعد تخت صدمے کی وجہ سے اپنے بیٹے فرہاد چہارم کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔ فرہاد چہارم ایک ظالم شخص تھا وہ جیسے ہی تخت نشین ہوا اس نے سب سے پہلے اپنے بھائیوں کو ٹھکانے لگایا تا کہ تاج و تخت کا کوئی دوسرا دعویدار نہ ہو۔ پھر اس نے اپنے بوڑھے باپ کے خون سے بھی ہاتھ رنگے۔

فرہاد چہارم اپنے خاندان سے بچنے کے بعد امراء دربار کی طرف متوجہ ہوا اور متحدہ افراد کو جو ظلم و تشدد پسند نہ کرتے تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے اس وحشانہ پن سے متاثر ہو کر کچھ اعیان سلطنت نے ایران سے ترک وطن کر گئے کچھ انطونی شاہ روم کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ انہیں سیاسی پناہ گزینوں میں ایک ایرانی سپہ سالار مومیسلس بھی تھا جس نے کبھی ایران کے لیے شام فتح کیا تھا۔ اس نے انٹونی کو کہ فرہاد چہارم کے ظلم و ستم کی وجہ سے اہل پارت کے دل بادشاہ سے منفرد ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اگر پارت فتح کرنا چاہے تو چنداں دشواری نہیں ہوگی۔ انطونی کو یہ تجویز پسند آئی اور اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

فرہاد چہارم کو جب صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے چاہا کہ ایرانی سپہ سالار مومیسلس کو واپس بلائے۔ اس نے مومیسلس کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ واپس ایران آجائے تو اس کے منصب میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اس کی پوری دلجوئی کی جائے گی۔ انطونی کو اگرچہ اس کی واپسی ناگوار گزری مگر اس نے اسے صرف اس خیال سے جانے دیا کہ وہ رومی حملے کے لیے راہ ہموار کرے گا۔ ادھر انطونی نے اپنے سفیر فرہاد چہارم کے پاس بھیجے اور اس نے سفارتی تعلقات بہتر بنانا چاہے ساتھ ہی اس سے وہ رومی جھنڈے واپس مانگے جو ایرانیوں نے جنگ حران میں رومیوں سے چھینے تھے۔ درحقیقت یہ انطونی کی چال تھی وہ ایرانیوں کو مطمئن کر کے ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے ملکہ مصر قلوپٹرہ کے پاس زیادہ عرصہ قیام کر کے حملہ کا مناسب موقع گنوا دیا تھا اور ایران کو جنگی تیاریاں کرنے کا وقت مل گیا۔ انطونی 36 ق م میں ایک لاکھ سے زائد فوج کے ساتھ پیش قدمی کی۔ مگر اب اشکانی لشکر کی مدافعت کی تیاریاں اتنی مکمل تھیں کہ انطونی دریائے فرات کو عبور نہ کر سکا اور اسے ایک پہاڑی راستہ اختیار کرنا پڑا اور وہ ایران کی بجائے آرمینیا پہنچ گیا۔ یہاں کے حکمران ارتاواسد نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا اور اسے مشورہ دیا کہ ایرانی لشکر چونکہ دریائے فرات کے کنارے جمع ہے اس لیے اب آذر باجان پر حملہ کرنا مناسب رہے گا۔ انطونی نے آذر باجان پر حملہ کیا مگر وہ دارا سلطنت پر اس کا فوج نہ کر سکا اور اس نے محاصرہ کرنے کے لیے آلات منگوائے۔ اشکانی لشکر کو خبر مل گئی اور اس نے حملہ کر کے آلات محاصرہ لانے والے رومی دستوں کو شدید نقصان پہنچایا اور آلات محاصرہ بھی چھین لیے۔ جب اس ایرانی کامیابی کی خبر آرمینیا کے حکمران کو ملی تو وہ رومی لشکر سے الگ ہو گیا۔ انطونی تبریز کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا مگر ایرانیوں نے اس کا تعاقب کیا جس سے رومیوں کو شدید جانی نقصان پہنچا مگر کسی نہ کسی طرح وہ ایک بار پھر آرمینیا پہنچے۔

میں کامیاب ہو گیا اور اس نے آرمینیا میں سخت لوٹ کھسوٹ چاہی مگر اس پوری مہم میں اسی ہزار سے زائد رومی سپاہی مارے گئے۔

33 ق م میں ایک بار پھر انطونی نے ایک بار پھر ایران کی طرف رجوع کیا مگر اسے اب آکیونین سے خطرہ تھا اس لیے اسے مشرق کی مہم ترک کرنا پڑی۔ ادھر فرہاد چہارم کی اس جنگ میں کامیابی نے اس کا رویہ مزید مفاکاتہ کر دیا اور اس کے مزاج میں اور بھی رعوت آ گئی۔ اس نے ایک امیر تیرداد نے 33 ق م میں فرہاد کے خلاف بغاوت کردی اور کامیابی حاصل کی جس کی وجہ سے فرہاد کو ایران چھوڑ کر وسط ایشیائی قبائل کے پاس پناہ گزین ہونا پڑا اور پارت میں تیرداد کی حکومت قائم ہو گئی جو صرف تین سال قائم رہی پھر فرہاد رسانی قبائل کا لشکر لیے واپس آیا۔ تیرداد اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور قیصر روم آکیونین سے دربار میں پناہ گزین ہوا۔

مآخذ

تاریخ ایران جلد اول پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی۔

37 ق م۔۔۔۔۔ ہیرودا عظیم کا یروشلم پر قبضہ

یہودیہ کی تیس سو سالہ تاریخ میں وہ حکمران جو بیک وقت عظیم بھی کہلاتا ہے اور ظالم و مجرم بھی وہ ہیرودا عظیم ہے۔ شاید مورخین نے اسے عظیم، اس کی سیاسی یا فوجی اہلیت یا اس کی شخصیت اور مضبوط قوت ارادی کی وجہ سے کہا ہے۔ دوسری طرف مورخین اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں کہ ہیرودا عظیم نے اپنی حیثیت کو مضبوط بنانے کے لئے وحشیانہ قدم اٹھانے سے گریز نہیں کیا۔ خود انجیل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر بیت اللحم میں نومولود لڑکوں کے قتل عام کا مجرم بھی ہیرودا عظیم ہے۔

ہیرودا عظیم جنوبی فلسطین میں (73 ق م) میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ انٹی پیٹر Antipater خلیج عقبہ اور بحر مدیترہ کے درمیانی علاقے کا رہنے والا ایک عرب سردار Admite تھا۔ جس نے سلطنت پیٹر Petra کے ایک امیر کی بیٹی سے شادی کر کے اپنے اثر رسوخ میں اضافہ کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے ہیرودا ایک نجیب الطرفین عرب تھا۔ جس سے عام یہودیوں کو نفرت تھی۔ جب رومی جرنیل پومپی نے 63 ق م نے آخری مکابی حکمران کو شکست دے کر یروشلم فتح کیا تو انٹی پیٹر نے اس کی اعانت کی جس کے صلے میں پومپی نے اسے یہودیہ کا رومی باجگدار حکمران بنا دیا۔ چھ سال بعد ہیرودا کے دوستانہ تعلقات انطونی سے قائم ہو گئے جو زندگی بھر رہے۔ جولیس سیزر نے 47 ق م میں اپنی مشرقی مہمات کے دوران انٹی پیٹر کی حکومت کی توثیق کی اور اس کے خاندان کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی اسے رومی شہریت عطا کر دی یہ اعزاز اس خاندان میں ہیرودا اور اس کے بچوں تک قائم رہا۔ اسی سال ہیرودا کو اس کے باپ نے گیلی کا گورنر مقرر کیا جس سے اس کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

6 سال بعد انطونی نے اسے گیلی کا ٹیٹارک Tetarch مقرر کر دیا۔ 40 ق م میں اہل پارٹھیا نے فلسطین پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں خانہ جنگی بھی شروع ہو گئی اور ہیرودا کو فلسطین چھوڑ کر رومہ میں پناہ لینی پڑی۔ رومہ میں سینٹ نے اسے اس کے باپ کے بعد یہودیہ کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اور اس کے ملک کی بازیافت کے لئے اس کے ہمراہ ایک بڑی رومی فوج کر دی۔ 38 ق م میں اس نے اپنے دشمنوں کو شکست دی۔ اگلے سال 37 ق م میں اس کا قبضہ یروشلم پر ہو گیا اور وہ آئندہ 32 سال کے لئے بلا شرکت غیرے فلسطین کا بادشاہ بن گیا۔ اپنی حکومت کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اس نے مکابی ملکہ الیکزینڈرہ کی بیٹی مریم سے شادی کر لی اور اپنی پہلی بیوی ڈورس کو طلاق دے دی۔

سیزر کے قتل کے بعد انطونی اور آکیونین میں مخالفت کا آغاز ہوا تو ہیرودا نے برملا اپنے دوست انطونی کی حمایت کی۔ قلوپٹرہ ہیرودا کے خلاف تھی اور اس نے ہیرودا کی مملکت کے کئی علاقوں پر بھی قبضہ کر رکھا تھا۔ انطونی اور قلوپٹرہ کی جنگ ایکسٹیم میں شکست کے بعد ہیرودا نے فاتح آکیونین کے سامنے انطونی سے اپنی دوستی کا اعتراف کیا۔ آکیونین نے بھی جو ہیرودا کو روم میں مل چکا تھا اور جانتا تھا کہ فلسطین پر روم کی مرضی کے مطابق صرف ہیرودا ہی حکومت کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے

27 ق م۔۔۔۔۔ روم میں شہنشاہیت کا آغاز

آکسٹس کا عہد تاریخ دومہ میں سنہری عہد کہلاتا ہے۔ بقول خود اس کے اس نے ایٹوں سے تعمیر شدہ روم پایا اور سنگ مرمر سے تعمیر کر کے چھوڑا اس نے اپنی ذاتی دولت تک کو روم کی آرائش پر خرچ کیا۔ دیوتاؤں کے مندروں اور معبدوں کی تعمیر و تزئین کو روایں۔ آکسٹس ہی نے روم اور اٹلی کو مملکت کے دیگر صوبوں سے الگ کیا۔ قدیم مصری حساب دانوں کے علم و دانش سے استفادہ کر کے اپنی مملکت میں اکاؤنٹنگ اور پیور کرنسی کا نظام رائج کیا۔ اس نے ہمیشہ اپنے تمام اعمال (گورنر اور افسر) بڑی احتیاط سے منتخب کئے کہ کہیں وہ غیر محاط اور نودہنیئے نہ ہوں۔ اس کا ایک قابل وزیر مارکس اگر پا

لیکن ان تعمیراتی کاموں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اس نے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد کے مقبروں تک میں رات کے وقت لوٹ مار کروائی۔

اپنی وفات سے ذرا پہلے اس نے اونچے طبقے کے یہودیوں کو جریکو کے میدان میں جمع کر کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی موت کے بعد 1500 افراد قتل کیے گئے تھے مگر اس کے بیٹے نے ان کے قتل کا حکم واپس لے لیا۔

Marcus Agrippa تھا جس نے اس کی بیٹی جولیا سے شادی کی تھی۔

آگسٹس نے 19 اگست 14 عیسوی میں جنونی اٹلی میں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ وہ اسی کمرے میں مرا جہاں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی جولیا کے دو بچوں کو گود لیا تھا مگر دونوں جوانی میں چل بے اور آگسٹس کو اپنے سوتیلے بیٹے تائبریس کو اپنا وارث قرار دینا پڑا۔ تائبریس کوئی اچھے کردار کا مالک انسان نہیں تھا۔ اس نے اقتدار اعلیٰ سنبھالتے ہی روم کی اعلیٰ اقدار پامال کرنا شروع کر دیں۔ دوسری طرف وہ انتظامی امور میں آگسٹس کا کامیاب جانشین ثابت ہوا اور اس نے کامیابی سے حکومت کی۔

درجل جو آگسٹس کے عہد کا مشہور لاطینی شاعر تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ آگسٹس ایک عظیم حکمران تھا جس نے اپنے ملک کو مستحکم کیا اور اپنی قوم میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا اور ان میں یہ شعور پیدا کیا کہ تمام دنیا میں ان اور تنظیم پیدا کرنا ان کا نصب العین ہے۔ اس نے ایک ایسا نظام حکومت رائج کیا جس نے اس کے تالائق جانشینوں کے عہد میں بھی روم کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نافذ کردہ یہ نظام حکومت ایشیائے کوچک، شمالی افریقہ، عرب، فرانس اور برطانیہ تک میں کامیاب رہا۔ علمی اور ادبی طور پر آگسٹس کا عہد ایک عظیم عہد تھا۔ اس عہد میں درجل Virgil، ہورس Horace، اوڈ Ovid اور لائیوی Livy جیسی عظیم علمی شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن کے علمی کارنامے آج بھی زندہ ہیں۔

مَا خَذَ

- 1: An Encyclopedia Of World History.
- 2: Encyclopedia Britanica.
- 3: 100 Great Kings, Queens And Rulers Of The World= John Canning.

20 ق م۔۔۔۔۔ ایسکینڈ

زمانہ قدیم کی شاعری میں ہومر کے بعد دوسرے نمبر پر آنے والے شاعر کا نام ورجیل (Virgil) (70 ق.م۔ 19 ق.م) ہے۔ یہ لاطینی زبان کا قدیم اور لازوال شاعر ہے اس نے اپنا عظیم رزمیہ ”آینیڈ“ Aeneid تصنیف کر کے لاطینی زبان کے دامن کو خوشحیت سے ملا مال کیا اور عالمی رزمیہ شاعری کو ایک عظیم شاہکار ورثہ فراہم کیا۔

وہ رجل ایک محب وطن انسان تھا جس نے محض روم کی تعمیر کو عظیم الشان پس منظر فراہم کرنے کے لئے رزمیہ شاہکار تصنیف کیا تاکہ روم کی افسانوی تعمیر سے افسانوی ہیرو اے نیاس Aeneas کا تعلق ثابت ہو سکے۔ ہومر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے اپنی اس داستان کا آغاز وہاں سے کیا ہے جہاں سے ہومر کی رزمیہ داستان کا اختتام ہوتا ہے ایک عظیم تہذیب اور سلطنت کے خاتمے سے ایک نئی سلطنت و تہذیب کا آغاز ہوتا ہے۔

لہجہ کی تخلیق دراصل عظیم ترین شعری امکانات، زبان کی گہرائی، قوت تخیل کی بے پناہ وسعت کا مظہر اور ایک ایسے فن پارے کی تخلیق ہے جو اپنی مثال آپ اور عظیم و برتر اور منفرد ہے اور جس کا اثر صدیوں بعد تک کے شعرا پر نمایاں نظر آتا ہے۔ درجل تقریباً 70 ق م میں اٹلی کے قصبے میووا Mantua میں پیدا ہوا اسی وجہ سے اسے ”میووا کا راجہ“ Mantuan Swan کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سولہ سال کی عمر تک میلان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے روم (41 ق م) کا رخ کیا جہاں اس نے خطابت اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور پھر اس حلقہ احباب میں شامل ہو گیا جس کی سرپرستی میسیناس Maecenas اور اکٹس جیسے مقتدر شخص کرتے تھے۔

دورجل کی اولین تصنیف دس چڑاہوں کے نعمات Bucolics ہیں جو اس نے یونانی شاعر تھیوکریتس Theocritus کے تتبع میں لکھے اور دیہاتی زندگی کی توصیف میں ہیں۔ اگرچہ ان نعمات میں تھیوکریتس کی نظموں کی Idyls کی جھلک نمایاں ہے مگر پھر بھی ان میں دورجل کی اپنی خطابت، طبعی اور شعری صلاحیتیں بھی نظر آتی ہیں۔ یہ نظمیں تقریباً 37 ق م میں مکمل ہوئیں۔

30 ق م میں اس نے اپنی ایک اور اہم تصنیف جیورجیکس Georgics مکمل کی جو اس کی لاطینی زبان میں ایک اور بڑی شاعری تخلیق ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اس نے اپنے مرئی میسیاس کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ سب شاہکار اگرچہ چورسوں کے بڑے شاعری کارنامے ہیں مگر وہ شاعری کارنامہ جس نے اسے شہرت کے آسمان پر پہنچایا۔ وہ "لیبیدیڈ" ہے۔ 20 قبل از مسیح میں اس کی تکمیل کے بعد اس نے اس پر نظر ثانی کا کام شروع کیا جو وہ اپنی علالت کی وجہ سے مکمل نہ کر سکا۔ مایوسی کے عالم میں اس نے لیبیدیڈ کا مسودہ جلاتا چاہا۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ غیر قسلی بخش تھا۔ ایسے میں سیزر اکسٹس آؤے آیا اور اس نے یہ عظیم فن پارہ ضائع ہونے سے بچالیا۔ کہتے ہیں یہ رزمیہ سیزر اکسٹس ہی کی فرمائش پر ہی لکھا گیا تھا 19 ق م میں ورجیل جیتنتر کی ساحت پر روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کلاسیکل یونان کے اہم مقامات کی سیاحت کے دوران وہ اپنی تصنیف پر نظر

ثانی کرے گا۔ مگر اتنے ستر پہنچنے پر وہ بیمار پڑ گیا۔ واپسی کے سفر پر اس نے بریڈیسم کے مقام پر 21 ستمبر 19 ق م کو وفات پائی۔ اس کی خواہش کے مطابق اسے نیپلز کے قریب ایک شاہراہ پر دفن کیا گیا۔

درجل کا شاہکار ”لے بیڈ“ بارہ ابواب پر مشتمل ایک طویل زرمیہ ہے۔ یہ اینیاس کی مہم جونیوں کی داستان ہے۔ اس کا آغاز ٹرائے کی تباہی سے ہوتا ہے۔ ٹرائے کی تباہی کے بعد اینیاس اپنے بوڑھے باپ کو کندھوں پر اٹھا کر لکھا ہے۔ اور دریائے ٹائبر عبور کر کے بلاخر اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں روم آباد ہے۔ درجل کے نزدیک اس کا اپنے بوڑھے باپ کو اس طرح کندھوں پر اٹھا کر لانا دراصل اپنے قدیم تہذیبی ورثے کو ٹرائے سے روم منتقل کرنا ہے۔ لیکن روم پہنچنے سے پہلے وہ قرقاطجنہ بھی جاتا ہے۔ جہاں کی ملکہ ڈائیڈ Dido اس پر فریقہ ہو جاتی ہے۔ جب اینیاس قرقاطجنہ سے روانہ ہونے لگتا ہے تو ملکہ خودکشی کر لیتی ہے۔ اینیاس آخر برسوں کی آوارگی کے بعد اٹلی پہنچتا ہے۔ جہاں وہ اٹالیہ کے بادشاہ کو ایک مقابلے میں شکست دے کر قتل کر دیتا ہے۔ اور اس طرح ایک نئی سلطنت، نئے شاہی خاندان اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیتا ہے۔ درجل نے لے بیڈ میں جولین خاندان اور خود آگسٹس کا شجرہ نسب اینیاس سے جوڑا ہے۔

ایبیڈ میں کئی داستانیں اور بہت سے کردار ہیں لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ عظیم پارہ انسانیت کی توانائی اور حرارت سے لبریز ہے۔ اس میں انسانی قدروں کے احترام اور انسانیت سے محبت کا درس دیا گیا ہے۔ لے بیڈ کے بہت سے کردار آج انسانی جذبات کی علامتیں بن چکے ہیں۔ جیسے ملکہ ڈائیڈ کی محبت کا المیہ ہمیشہ زندہ رہنے والی محبت کی علامت بن گیا ہے۔ لیکن انفس ورجل کی انتہائی ظلمات اور ذہانت کا یہ شاہکار اور لازوال فن پارہ نامکمل ہے۔

لے بیڈ کا مطالعہ ایک عام قاری اور ایک تنقید نگار دونوں کے لئے ایک عظیم مطالعاتی تجربے کی حقیقت رکھتا ہے۔ ایک ایسا تجربہ جو انسان کے نظریات کو بدل دیتا ہے اور اسے نئے جہانوں کی نئی جہتوں سے آشنا کرتا ہے آج صدیوں سے صدیوں کے سفر میں جو ”لے بیڈ“ آنے والی ان گنت صدیوں کے سفر کے لئے پرتول رہی ہے۔ لیکن اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آ رہا۔

ماخذ

- 1: The Hundred Great Books.
- 2: 1000 Great Events.
- 3: The Historical Atlas Of Ancient Rome.
- 4: Encyclopedia Britannica.

5: دنیا کی سو عظیم کتابیں ستار طاہر۔ کارواں ادب ملتان۔

9 ق م۔۔۔۔ لائیوی کی ”تاریخ روم“

تاریخ روم پر قدیم زمانے سے آج تک بے شمار مورخین نے لکھا ہے۔ لیکن اس موضوع پر رومی تاریخ دان لائیوی Livy یا ٹائٹس Titus Livius کی تصنیف ”تاریخ روم History Of Rome“ سب سے مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اس موضوع پر اگرچہ اور لوگوں نے بھی لکھا ہے مگر ان سب کی تصانیف معدوم ہوتی چلی گئیں۔ اور صرف لائیوی کی تصنیف زمانہ کی دست برد سے بچ سکی۔ اگرچہ لائیوی کی تاریخ روم بھی مکمل طور پر ہم تک نہیں پہنچی مگر پھر بھی یہ تاریخ روم کا سب سے مستند ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ تاریخ روم کے کئی مشہور واقعات اور یہاں تک کہ افسانوی روایات کا منبع صرف لائیوی ہی کی تاریخ روم ہے۔ مثال کے طور پر رومولوس اور ریمس کا قصہ ہو یا لوکریشیا Lucretia کی عصمت دری کا افسانہ جس کی وجہ سے طاقین کا زوال ہوا سب لائیوی کی تحریر کی مرہون منت ہے۔

لائیوی 59 ق م میں پے ڈوا Padua یا قدیم Patavium میں پیدا ہوا اور اس نے وہیں 17 عیسوی میں وفات پائی۔ جمہوری اقدار کا حامل ہونے کے باوجود لائیوی کو شہنشاہ آگسٹس اورس کے جانشین ٹائبریس کی سرپرستی حاصل رہی اور انہیں کی ایما پر اس نے بہت سے ادبی کارنامے سرانجام دیئے۔ ابتداء میں لائیوی کو فلسفہ اور مقررے سے دلچسپی تھی لیکن جس علم نے اسے رہتی دنیا تک شہرت بخشی وہ علم تاریخ ہے۔

لائیوی کی تاریخ کا آغاز اینیاس کی اٹلی میں آمد اور تعمیر روم سے ہوتا ہے۔ جب کہ یہ شہنشاہ ٹائبریس کے بھائی دروس Drusus کی 9 ق م موت تک کے واقعات پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ لائیوی نے اپنی تاریخ میں دوسری قرقاطجنی جنگ Sencond Punciwar کے واقعات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ اس کی محبت وطن کی وجہ سے روم کے عوام اور سینٹ امتیازی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔

یہ تاریخ زیادہ تر روم میں لکھی گئی مگر اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ لائیوی نے جب روم چھوڑ کر دوبارہ پیڈوا میں سکونت اختیار کی تو وہ اپنی وفات 14 تک اسے لکھنے میں مصروف تھا۔

لائیوی کی تاریخ روم مکمل طور پر 142 جلدوں پر مشتمل تھی جن میں سے صرف 35 جلدیں ہی ہم تک پہنچی ہیں بقیہ زمانے کے خردو کا شکار ہو گئیں۔ اس کے پہلے دس حصے 293 ق م تک کے واقعات پر مشتمل ہیں۔ پچیسویں جلد سے چینالیسویں جلد میں 218 ق م سے 167 ق م تک کے واقعات کا حاطہ کیا گیا ہے۔ 1772 میں ونگن لائبریری نے اس کی 91 ویں جلد کے کچھ حصے دستیاب ہوئے جن کے ساتھ 136 ویں جلد سے 137 ویں جلد تک کے فہرستی جدول بھی شامل تھے۔

لائیوی نے اپنی تاریخ کا خلاصہ یالب ولباب اور اسے لکھنے کا مقصد اس کے دیباچے میں تحریر کیا ہے۔ تجربہ نگاروں کے نزدیک لائیوی کی تاریخ میں کچھ خامیاں بھی ہیں مثلاً اسے بہت سی ہم عصر اور قدیم تاریخی دستاویزات میسر آ سکتی تھیں

مگر اس نے اس قسم کے ذرائع کو استعمال میں لانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اسی طرح دوسرے رومی مورخین کے مقابلے میں اس کی عسکری سوجھ بوجھ بھی کم تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے بہت سی جنگوں کا حال اچھے انداز میں تحریر کیا ہے۔ دوسری طرف اس کی حکومتی معاملات میں فہم بھی کم ہے مگر اس نے پھر بھی تاریخ روم کے موضوع کے ساتھ بہت انصاف کیا ہے۔ اسی طرح تجزیہ نگاروں کے نزدیک اس کا طرز تحریر سروسر کے طرز تحریر جیسا شفاف اور شاندار نہ سہی اور نہ ہی اس میں ٹپس جیسی جامعیت اور تیزی ہے مگر اس کا انداز بے حد وطن پرستانہ ہے۔

انگریزی زبان میں اس کا پہلا ترجمہ اور اس پر اولین تبصرہ تیرہویں صدی میں فرانسس ٹریوٹ Nicholas Trivet نے کیا تھا۔ بعد کی صدیوں میں اس پر کام کرنے والوں میں مشہور اطالوی مفکر کیاولی بھی شامل ہے۔ این ایچ تھامسن N.H. Tomson نے 1883ء میں اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اس کے علاوہ اس کے جرمن، فرانسیسی اور اطالوی میں اس کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ 1919ء سے 1943ء تک اس عظیم شاہکار کا مکمل انگریزی ترجمہ 13 جلدوں میں لیوب کلاسیکل لائبریری Leob. C. Library نے شائع کیا تھا۔

مآخذ

- 1: Encyclopedia Americana Vol = 17
- 2: 1000 Great Events.
- 3: 100 Great Books.

8۔۔۔۔ جولین کیلنڈر کا عملی نفاذ

موجودہ عیسوی تقویم ابتدا میں رومن کیلنڈر کہلاتی تھی۔ اس کی ابتداء 753 ق م سے کی جاتی تھی جب رومیوں نے شہر روم کی بنیاد رکھی تھی۔ ان کا سال 304 دن کا ہوتا تھا اور صرف دس مہینوں پر مشتمل تھا۔ مارچ رومی سال کا پہلا مہینہ تھا۔ بعد ازاں عیسوی تقویم میں یہ مسئلہ متنازعہ فیہ رہا کہ عیسوی سال کو کس مہینے سے شروع کیا جائے۔ کہیں یہ سال مارچ سے شروع ہوا تو کہیں ستمبر سے، کہیں ایسٹر کے تہوار کو اس کا نقطہ آغاز مانا گیا تو کہیں کرسمس سے یہ شروع ہوتا تھا۔ کہیں جاکر 1752ء میں انگلستان میں متفقہ طور پر جنوری کو اس کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا، اس کے بعد یورپ، امریکا نے اس کی تقلید کی۔

رومنوں کے سال کے دس ماہ کا ہونے کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آخری چار مہینوں یعنی ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے ناموں کے لفظی معنی ہی ساتواں، آٹھواں، نواں اور دواں کے ہیں۔ بعد ازاں رومنوں نے ان میں جنوری اور فروری کے دو ماہ کا اضافہ کر کے بارہ ماہ کا سال مقرر کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ 355 دن پر مشتمل تھا۔ یعنی تقریباً قمری سال کے برابر۔ اب مہینوں کی تعداد بھی قمری سال کے مطابق تھی۔ اس کیلنڈر کے رائج ہونے کے تقریباً سات سو سال بعد جولیس سیزر نے اس میں ہونے والی گز بو کو ذاتی طور پر محسوس کیا۔ چونکہ مصر اور مصر کی ملکہ قلوپٹرہ کے ساتھ اس کے خصوصی تعلقات تھے اس لیے اس نے 46 ق م میں ایک مصری ماہر فلکیات ساسی جینز سے ایک شمسی کیلنڈر تیار کروایا جو 365 دن پر مشتمل ایک مکمل شمسی کیلنڈر تھا۔ یہ کیلنڈر جولیس سیزر کے نام پر جولین کیلنڈر کہلایا۔ ہر سال یکساں موسموں میں یکساں مہینوں کی آمدنی بنانے کے لئے اس میں لپ کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا یعنی ہر چوتھے سال فروری کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر کے اس سال کو زمین کی گردش کے مطابق بنایا گیا۔ اس کیلنڈر میں جنوری کو سال کا پہلا مہینہ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خود جولیس سیزر کے نام پر سال کے ساتویں مہینے کا نام جولائی رکھا گیا۔ خود جولیس کو 44 ق م میں قتل کر دیا گیا اور وہ اپنے نام سے منسوب اس نئے شمسی کیلنڈر کو نافذ نہ کر سکا۔

جولیس سیزر کے بعد اس کا متنبی آکٹوین آگسٹس سیزر کے نام سے برسر اقتدار آیا۔ عیسوی سال کا آٹھواں مہینہ اگست اسی کے نام سے منسوب ہے۔ آگسٹس نے اپنے عہد میں 8 عیسوی جولین کیلنڈر میں مزید اصلاحات کروائیں اور پوری رومی سلطنت میں اسے بحیثیت رومی کیلنڈر نافذ کر دیا۔

موجودہ دور میں یہی کیلنڈر 799ء اور 1582ء کی مزید اصلاحات کے بعد آج کل گرگورین کیلنڈر کے نام سے

راج ہے۔

مآخذ

تقویم تاریخی از عبد القدوس ہاشمی

خوشخبری بطور نجات دہندہ حضرت دانیال علیہ السلام نے بھی دی تھی مگر اس کے باوجود ان کے بارے میں یہودیوں کی معلومات بے حد ناقص اور مبہم تھیں۔ وہ صحیح طور پر نہیں جانتے تھے کہ مسیح علیہ السلام کب اور کہاں پیدا ہوگا۔ یہودیہ کے رومی باجگدار بادشاہ ہیرودا عظیم کو مسیح کی آمد سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہودیوں کی زمام حکومت اس کے ہاتھ سے نکل کر مسیح کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔ اس لئے وہ اس بات کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا کہ جونہی اسے مسیح کی پیدائش کا سراغ لگے وہ اسے قتل کر کے اس خطرے سے بچ سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے کچھ دنوں بعد کچھ مجوسی دانشمند بیت اللحم پہنچے اور انہوں نے لوگوں سے استفسار کیا کہ وہ بچہ کہاں پیدا ہوا جو اہل یہود کا آسمانی بادشاہ بننے والا ہے؟ ان مجوسی دانشمندان کو ہیرودا عظیم نے اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ ایسا بچہ ہماری سلطنت میں پیدا ہوا ہے؟ مجوسیوں نے جواب دیا کہ ہم نے مشرق میں ایک ستارہ طلوع ہوتے ہوئے دیکھا، یہ ستارہ آئے آگے چلا رہا اور ہم اس کے پیچھے چلتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے۔ بادشاہ نے انہیں حکم دیا کہ اگر وہ اس بچے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو اسے بھی مطلع کر دیں۔ تاکہ وہ اس کی عبادت کر سکے مگر دراصل وہ اسے قتل کروانا چاہتا تھا۔ یہ مجوسی دانشمندان ستارے کے تعاقب میں چلتے ہوئے بلا آخر یوسف بڑھتی کے ہاں جا پہنچے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ یوسف حضرت مریم علیہ السلام سے منسوب تھا۔ دونوں کا عقد ہو چکا تھا۔ مگر ہنوز قربت نہ ہوئی تھی۔

انجیل متی کے مطابق حضرت مریم علیہ السلام یوسف کے ساتھ قربت سے پہلے روح القدس کی قدرت سے حاملہ قرار پائی۔ اس کا شوہر جو راست باز تھا۔ اسے بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے چپکے سے اسے چھوڑنے کا ارادہ کیا وہ ان باتوں پر غور کر رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا۔ ”اے یوسف بن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے یہاں لے آنے سے ڈرتے ہو کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔“ 1/2718

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے بطور خرق عادت پیدا ہونے کی تصدیق کی ہے اور حضرت مریم کی پارسائی کو تاکیداً بجا واضح کیا ہے خصوصاً سورت آل عمران میں لیکن ساتھ ہی عیسائیوں کے نظریہ تثلیث اور حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کی تردید شدت سے کی گئی ہے۔ حضرت مریم کے ہاں لڑکے کی پیدائش کے بعد وہ مجوسی درویش ان کے ہاں پہنچے اور بچے کے سامنے جبرہ ریز ہو کر انہوں نے بہت سے تحائف پیش کئے۔ واپسی پر انہوں نے ہیرودا عظیم کو مطلع نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک نہیں۔ انہیں دنوں یوسف کو ایک خواب نظر آیا جس میں ہیرودا عظیم نے قتل مسیح کے لئے آدی بھیجے تھے۔ یوسف اپنے خواب سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ مصر کی طرف ہجرت کی۔

ہیرودا عظیم نے دو سال تک ان مجوسی درویشوں کی واپسی کا انتظار کیا لیکن جب وہ واپس نہ آئے تو اس نے حکم دیا کہ بیت اللحم میں دو سال یا اس سے کم عمر کے بچے لڑکے جن قتل کر دیئے جائیں۔ بادشاہ کا اس کے بعد جلد ہی انتقال ہو گیا اور یوسف مع اپنے خاندان کے کچھ عرصے بعد وطن واپس آ گیا۔ گزشتہ صدی میں ایک فرانسیسی کو مصر سے 83ء کی ایک تحریر ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام مصر کے دوران مسیح علیہ السلام نے کسی طبی ادارے میں داخلہ لے لیا تھا۔ اور اس فن میں اتنے کامل ہو گئے تھے کہ اپنے اساتذہ کو بھی حیران کر دیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ یوسف نے انہیں متبرک اصول سکھائے اور صبح شام کی عبادت کے طریقے انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے۔ وہ یوم سبت کی مجالس میں نہایت باقاعدگی سے شریک ہوئے۔ آپ کے بچپن کے بے شمار معجزات انجیلوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کی تصدیق قرآن کریم نے کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے گہورے میں شیر خوراری کے دوران اپنی والدہ کی براءت کا اعلان کیا اور اپنی نبوت کی شہادت بھی دی۔

بارہ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریمؑ اور یوسف کے ہمراہ یروشلم تشریف لے گئے۔ واپسی میں وہ ان دونوں سے ٹھہر گئے۔ ان کی والدہ کو خبر نہ ہو سکی۔ کئی منزل سفر طے کرنے کے بعد جب انکی گمشدگی کی خبر ہوئی تو اہل قافلہ نے انہیں بہت ڈھونڈا جب وہ نہ ملے تو ان کو یروشلم واپس لوٹا پڑا۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ میکمل میں اساتذہ کے درمیان شریک درس پائے گئے۔ یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ مذہبی راہنما قانون موسوی علیہ السلام کی تشریح اسی زبان میں کرتے ہیں جو عام فہم نہیں ہوتی آپ نے عوام کی زبان میں شریعت موسیٰ علیہ السلام کی تشریح شروع کی اور جلد ہی عوام میں مقبول ہو کر استاد کا درجہ پایا۔ معاش کے حصول کے لئے آپ نے بڑھتی کا پیشہ اختیار کیا۔

مآخذ

1: The World Book, Encyclopaedia.

2: تاریخ مذاہب از رشید احمد۔

3: مذاہب عالم از آزاد سلمہری۔

4: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔

5: قصص القرآن از حفظ الرحمان سیوہاروی۔ تاریخ تہذیب از مولانا غلام رسول مہر۔

8ء کے آخر میں اوڈٹاؤس کی طرف روانہ ہوا اور اگلے سال موسم بہار میں وہاں جا پہنچا۔ یہ تقریباً وہی مقام تھا جہاں آئندہ قسطنطنیہ تعمیر ہوتا تھا۔ لیکن ابھی یہاں نہ تو لاطینی سمجھی جاتی تھی نہ ہی یہ جگہ ابھی تہذیب و ثقافت میں روم کے ہم پلہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود اوڈٹاؤس نے اسے اپنا نیا وطن سمجھتے ہوئے نہ صرف یہاں کی مقامی تاریخ و سیاست میں دلچسپی لی بلکہ یہاں کی مقامی زبان میں شاعری بھی کی۔

ماخذ

1: Encyclopedia Britanica.

2: 1000 Great Events.

3: The Mystery Of Ovid's Exile.

4: تاریخ مہذب مولانا غلام رسول مہر۔

5: تاریخ ادب عالم۔

8ء۔۔۔ اوڈ کی جلاوطنی

اولین رومی شہنشاہ آگسٹس کے عہد کی ایک نامور ادبی شخصیت، رومی شاعر اوڈ کی تھی۔ اس کا پورا نام پبلیس اوڈیئس Publius Ovidius Naso تھا۔ سلونا Sulmona میں پیدا ہوا۔ اپنے والد کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی لیکن جلد ہی روم کے ادبی حلقوں میں اپنی شاعری اور ذکاوت کی وجہ سے اسے دربار شہنشاہ تک رسائی حاصل ہو گئی اسی وجہ سے ایک عرصے تک اسے شہنشاہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

اس کی اولین نظموں میں Amores شامل ہیں جو تقریباً 20 ق م میں 5 جلدوں میں شائع ہوئیں۔ ان میں جذباتیت کی بجائے دانشمندی کی جھلک ملتی ہے۔ لیکن اس کی جس نظم نے اسے ابدی شہرت بخشی وہ ”فن محبت“ Ars Amatoria ہے جو 2 ق م میں شائع ہوئی۔ یہ نظم اس عہد کی غیر اخلاقی ترین نظم تصور کی گئی اور اس کی جلاوطنی کا باعث بنی۔ اسی نظم کی وجہ سے شہنشاہ آگسٹس نے اس کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا اور تقریباً اس کے چندہ سو سال بعد اطالوی راہب سیونز ولا کو 1497ء میں اس کی تصانیف بشمول ”فن محبت“ نذر آتش کرنا پڑیں۔

”فن محبت“ تین جلدوں پر مبنی ہے اور اس میں اوڈ نے اسرار ہائے محبت سے پردہ اٹھایا ہے۔ ساتھ اوڈ نے اس میں ہیلینیائی Helenistic ناصحانہ شاعری کی پیروی بھی بڑے خوش طبع انداز میں کی ہے۔ کتاب کے آغاز میں اوڈ بڑے دلچسپ انداز میں اپنا تعارف کراتا ہے۔ پھر وہ محبت کرنے والوں کو ہدایت دیتا نظر آتا ہے۔ مثلاً کس طرح دلداروں کو تلاش کیا جائے اور کس طرح انہیں بہلایا اور پھسلایا جائے۔ یہی انداز و اطوار اس کتاب کو غیر اخلاقی بناتے ہیں۔ اسی موضوع پر اوڈ نے ایک اور نظم Remedi Amoris بھی کہی ہے جس میں اس نے محبت کے بندھنوں سے آزاد ہونے کے طریقے بتائے ہیں۔ اوڈ کی ان رومانی نظموں کا اثر اس کے ہم عصر شعرا نے تو قبول نہیں کیا مگر ان سے ازمنی و مطلق کے شاعر بوکیشیو Boccacio اور چاسر Chaucer وغیرہ متاثر نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی میں جارج برنارڈ شاہ نے اوڈ کے بیان کئے گئے ایک رومانی قصے Pygmalione Galtea کو اپنے مشہور ڈرامے ”پگمالیون“ میں تفصیل بیان کیا ہے۔

”فن محبت“ کی اشاعت کے بعد سے اوڈ جزیرہ لیبارا میں قیام پذیر تھا۔ 8ء میں شہنشاہ نے اسے روم طلب کیا اور اس کی جواب طلبی کی جس کے بعد اسے بحیرہ اسود کے کنارے ٹائس نامی قصبے میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اپنے جلاوطن کئے جانے کا ذکر خود اوڈ نے اپنی نظموں میں کئی جگہ کیا ہے۔ جلاوطن کئے جانے کی وجوہات میں ایک تو ”فن محبت“ کی غیر اخلاقی حیثیت کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اس پر بغاوت کا الزام بھی لگایا گیا۔ لیکن اس کے ساتھیوں نے جلاوطن کئے جانے میں اس کے خلاف کان بھرے تھے۔ اس کہ باوجود نہ تو جائیداد ضبط کی گئی اور نہ ہی اس کے شعر کہنے پر کوئی پابندی لگائی گئی صرف عوامی لائبریریوں سے اس کی تصانیف کو اٹھایا گیا۔

”سکندریہ سے آنے والے سوداگروں کی تجارت کے باعث جن کے جہاز دریائیل سے ہوتے ہوئے بحیرہ عرب کی راہ ہندوستان تک جاتے ہیں۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کی نسبت ان ممالک سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میوس بندر Myos-Hormas سے ایک سو بیس جہاز ہندوستان کی طرف جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے ہندوستان اور اس کے جزیروں سے اس بحری راستے کے وسیلے سے تجارت کرنے کی کوئی بھی ہمت نہیں کرتا تھا۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان عرب اور جنوبی ملک حبشہ کی تجارتی اشیاء بحیرہ عرب کے راستے قاپٹوس Kaptos میں لائی جاتی ہیں۔“

نوٹ: میوس بندر بحیرہ قلمزم پر اور قاپٹوس کی بندرگاہ دریائے نیل پر تھی۔ بحری جہاز سامان تجارت میوس بندر پر پہنچاتے تھے۔ قاپٹوس سے کشتیوں میں اسے سکندریہ پہنچایا جاتا تھا۔ سٹرابون نے ان دونوں بندرگاہوں کے درمیان سفر کا بھی آنکھوں دیکھا حال تحریر کیا ہے۔

مآخذ

رسولوں کے نقش قدم پر مقدمہ تاریخ سائنس از جارج سارٹن جلد اول۔

23ء۔۔۔ یونانی جغرافیہ دان سٹرابو کی وفات

لفظ جغرافیہ Geographiya کی اصطلاح یونانیوں کی ایجاد ہے جو یونانی زبان کے دو الفاظ Geo یعنی زمین اور Graphein یعنی تحریر کرنا کو آپس میں ملا کر وجود میں آئی تھی تاکہ جغرافیہ کی سائنس کو اصطلاحی طور پر بیان کیا جاسکے۔ یونانی جغرافیہ دانوں میں ایک بڑا نام سٹرابو Strabo (64 ق م۔ 23ء) کا ہے جو پہلی صدی عیسوی کا ایک مشہور مورخ اور جغرافیہ دان ہے اس نے اپنی مشہور کتاب ”جغرافیائی خاکے“ Geographical Sketches میں اپنے زمانے کی رومی اور یونانی دنیا کے جغرافیائی حالات بیان کئے ہیں یہی کتاب اس کی شہرت کی اصل وجہ ہے۔

سٹرابو سیسیہ Amasia واقع پونٹس میں پیدا ہوا۔ پیدائش کا سنہ 63 ق م اور وفات 23ء کے بعد ہوئی۔ اس کے تاریخی اذکار Historical sketch اس کی پہلی بڑی تصنیف تھی جواب ناپید ہے۔ یہ 145 ق م میں رومیوں کی فتح یونان سے 33 ق م میں لڑی جانے والی جنگ ایکٹیم Battle Of Actium تک کی تاریخ تھی۔

اس کی دوسری تصنیف یعنی ”جغرافیائی خاکے“ Geographical Sketches ہے جو تاریخ کے بعد قلم بند ہوئی۔ یہ عہد ماضی کے جغرافیہ پر ایک بڑی جامع کتاب ہے اور 17 جلدوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ عالم میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی نے علم جغرافیہ کی ایک ایسی جامع کتاب مرتب کرنے کی کوشش کی جس میں اس کے طبیعی، سیاسی اور تاریخی حصے بھی شامل کئے گئے۔ جب کہ ریاضیاتی اور فلسفیانہ مباحث پر کم توجہ دی گئی۔

ایٹور پائیس Ettorepais کا خیال ہے کہ سٹرابونے اپنے جغرافیائی خاکوں کے لیے مواد اسکندریہ اور روما میں اکٹھا کیا۔ لیکن اصل کتاب سیسیہ یعنی اپنے آبائی شہر ہی میں تصنیف کی۔ اس کا زمانہ تصنیف 7 ق م کے لگ بھگ بتایا گیا ہے۔ حوادث مابعد کا اضافہ اس سے شیع شدہ نسخے میں کیا گیا جو اس نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں ترتیب دیا۔

سٹرابو کا تعلق اشرافیہ پونٹس کے ایک خاندان سے تھا جو مہر داد پنجم Mithradates کی حکومت میں اہم مناصب پر فائز رہا تھا۔ وہ مشہور فلسفی ارسطو دیمس کا شاگرد تھا جس نے پونٹس کی تربیت کی تھی۔ 44 ق م میں سٹرابو روما آ گیا اور اس نے مزید مطالعہ سرو کے استاد تیرٹیس Tyrannion اور زینارکس Xenarchus کی سرکردگی میں کیا۔ پھر 6 تھوڈورس Ethenodorus نے اسے آئندہ ہونے والے شہنشاہ ایکٹوین کے حلقہ احباب میں متعارف کرایا۔ 29 ق م میں سٹرابونے سرزمین یونان کی سیاحت کی اس کے بعد وہ ایک مشہور شخصیت کے ساتھ مصر کی مہم پر نکلا مصر کی مہم میں اس نے مصر کا جغرافیائی کا مشاہدہ کیا اور بعد ازاں اسے اپنی کتاب میں درج کیا۔

سٹرابو نے 23ء میں وفات پائی۔

سٹرابو نے اپنی کتاب ”جغرافیائی خاکے“ میں مصر اور وہاں کی تجارت کے بارے میں جو چشم دیدہ حالات درج کیے ہیں اس میں سے چند لائنیں درج ذیل ہیں۔

28ء۔۔۔ قتل یحییٰ علیہ السلام

یروشلم کے رومی باجگزار، اسرائیلی حکمران ہیرودس۔ اپنی پاس کے محل میں ایک تقریب منعقد تھی۔ اس تقریب کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اپنی پاس کے اخیانی بھائی کی بیٹی اور اس عہد کی مشہور رقاصہ ”سلوی“ جو اس کی موجودہ بیوی ہیرودیا Herodias کی بھی بیٹی تھی جو رقص تھی۔ اس کے رقص سے محظوظ ہو کر ہیرودیا نے سلوی سے اس کی کوئی ایسی فرمائش کا اظہار کرنے کو کہا جس کو انعام کے طور پر پورا کیا جاسکے۔ سلوی نے اپنی ماں کے اشارے پر ہیرودیا کی پاس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بریدہ سر کی فرمائش کی۔ اگرچہ باہمی اختلافات کے باوجود ہیرودس حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ وہ سلوی سے اس کے رقص کے بعد اس کی کوئی بھی فرمائش پورا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا اس لئے مجبوراً اسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے معصوم خون میں ہاتھ رنگنے پڑے۔

کہتے ہیں کہ جب اس معصوم پیغمبر کا سر ایک طشت میں رکھ کر سرد دربار سلوی کو پیش کیا گیا تو طشت میں سر بریدہ نبی کا خون جوش مارنے لگا۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک روایت کے مطابق شہید پیغمبر کے مزار سے بھی اس وقت تک خون ابلتا رہا۔ جب تک عظیم آفات نے اسرائیلی قوم کو نہ آگھیرا۔

آج بھی جامعہ اموی، دمشق میں ایک بڑی قبر واقع ہے جسے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں یہاں حضرت ذکریا علیہ السلام کے مزار کے واقع ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ البرونی نے شامی تہواروں کی تقویم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کی تاریخ ماہ آب کی 29 بتائی ہے جدید مورخین یہ واقعہ 28ء کا مانتے ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قرآن حکیم میں ایک اہم نبی کے طور پر ذکر آیا ہے۔ آپ کی معجزانہ ولادت بھی دو جگہ بیان کی گئی (آل عمران + مریم) ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد حضرت ذکریا علیہ السلام اولاد سے محروم تھے اور ایک طویل عمر (99 سال) پا چکے تھے۔ کفالت حضرت مریم علیہ السلام کے دوران جب ایک مرتبہ آپ نے نبی نبی صلیبہ کے حجرے میں بے موسیٰ پھل دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد عطا کئے جانے کی دعا کی جو فوراً قبول ہوئی۔ انہیں بشارت ہوئی ”اے ذکریا علیہ السلام! ہم تم کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ اس کا نام یحییٰ علیہ السلام ہوگا۔“ ان سے پہلے یہ نام بھی کسی کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں سید کے خطاب سے مخاطب کیا جو مفسرین کے نزدیک دین و دنیا کا سردار، شریف اور پرہیزگار اور اللہ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ کے معنی رکھتا ہے۔

آپ شریعت موسوی کے پیروکار اور اسی کی طرف دعوت دینے والے تھے آپ کا کام بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرنا تھا۔ قیصر نابرس کے جلوس کے پندرہویں سال آپ نے اپنے وعظ و تبلیغ کی وجہ سے جب آپ کی مقبولیت بڑھی تو ہیرودیا نے اس کی سلطنت کے ستونوں پر لڑھکائی ہو گیا اور بادشاہ کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں عوامی

مقبولیت کی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام اس کی حکومت نہ چھین لیں۔ اسی وجہ سے وہ ان کا دشمن ہو گیا۔ انہیں دنوں ہیرودیا نے اپنی ایک اخیانی بھائی کی بیوی ہیرودیا سے اس کے حسن کی وجہ سے شادی کر لی۔ یہ شادی شریعت موسوی میں جائز نہ تھی۔ اس لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تقاضا پیغمبری کو پورا کرتے ہوئے سردار اسی شادی کی مذمت کی اور ہیرودس کو شریعت کی خلاف ورزی کرنے پر خدا کا خوف دلایا جب اس واقعہ کا علم ہیرودیا کا ہوا تو وہ ان کی دشمن ہو گئی اس کی درخواست پر اپنی پاس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا یا جوش انتقام میں بھری ہوئی ہیرودیا نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل سے کم پر رضا مند نہیں تھی۔ اس لئے اس نے اپنی بیٹی سلوی کو اس کام کے لئے آمادہ کیا اور جب سلوی کے رقص سے متاثر ہو کر ہیرودس نے اس کی خواہش پوری کرنا چاہی تو سلوی نے ماں کے ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا بریدہ سر طلب کیا۔

قتل حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بہت سے ادیبوں نے اپنے ادب پاروں کا موضوع بنایا ہے۔ ان میں بیسویں صدی کے مشہور انگریز ڈرامہ نگار آسکر وائلڈ Oscar Wild بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنے ڈرامہ ”سلوی“ میں اس واقعہ کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

ماخذ

دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور۔

Encyclopedia Britanica

Salome, Oscar Wil.

قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، تاریخ طبری۔

اس حالت میں صرف آپ کے حواری آپ کے ہمراہ رہے۔ لیکن قتل یحییٰ علیہ السلام کے بعد آپ یہودیہ میں اپنی تعلیمات کی اشاعت کی غرض سے دوبارہ یروشلم تشریف لے آئے۔ یہاں آپ کی مقبولیت کی وجہ سے کانہوں کو اپنا مذہبی اقتدار ختم ہوتا نظر آیا تو وہ آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

آپ کے ترین دشمن فریسی Pharissee تھے جنہیں یہ گمان تھا کہ صرف وہ ہی شریعت موسیٰ پر عمل پیرا ہیں۔ اسی وجہ سے وہ غیر یہودی اور یہاں تک کہ یہودیوں سے نچلے طبقے سے بھی ربط و ضبط نہیں رکھتے تھے۔ جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کم تر حیثیت کے لوگوں سے بڑی محبت سے ملتے تھے۔ اس لئے فریسیوں کو آپ سے عناد بڑھتا چلا گیا اور انہوں نے آپ پر کفر کا الزام لگادیا جس سے بھی کام نہ چلا تو انہوں نے رومی گورنر پیلاطس Pontspilate کو آپ کے خلاف ابھارا اور آپ پر رومی حکومت کے خلاف انقلاب کی تیاری میں مصروف عمل ہونے کا الزام لگایا۔ ایسے میں یہوداہ نے حکومت سے چند سکون کے عوض آپ کو گرفتار کرانے کا وعدہ کر لیا۔

عید فصیح کے موقع پر ایک بار پھر آپ یروشلم میں تھے۔ ایک رات جب آپ شہر کے باہر مکھمنے Ghetsemany نامی باغ میں عبادت اور مراقبے میں مصروف تھے تو آپ کا حواری یہوداہ رومی سپاہیوں کی ایک جماعت کی رہنمائی کرتا ہوا باغ میں پہنچا اور آپ کو گرفتار کرادیا۔ اس دوران آپ کے دیگر حواری اور شاگرد باغ سے فرار ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کانہوں کے سردار کے گھر قید کر دیا گیا۔ گرفتاری کے بعد آپ پر الزام لگایا گیا کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ القدس کو جو انسانی ہاتھ سے تعمیر ہوا ہے خداوں کا اور تین دن میں دوسرا حرم تعمیر کر دوں گا جو انسانی ہاتھوں سے نہ بنا ہوگا۔ اسی دوران کانہوں کے سردار حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مناظرہ ہوا جس کے دوران آپ نے فرمایا کہ تم ابن آدم کو قادر مطلق کے داہنے طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے ہوئے دیکھو گے۔ آپ کا یہ فرمان سننے ہی کانہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا کہ اب گواہوں کی کیا ضرورت ہے اب اس مجلس میں موجود تمام لوگوں نے یہ کلمات کفر خود سن لئے ہیں۔ اس کے بعد سب لوگوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واجب قتل ہیں۔ اب آپ کو رومی گورنر پیلاطس کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ گورنر کے ذہن میں یہ تھا کہ آپ اپنی بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر رومی سلطنت کے خلاف علم بغاوت سے بلند کر دیں اس لئے اس نے آپ کے خلاف الزامات کی جھان بین کی اور جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپ حکومت وقت کے خلاف نہیں ہیں تو اس نے آپ کو رہا کرنا چاہا مگر فریسی آپ کو کسی قیمت پر رہا نہیں دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے گورنر پر سیاسی دباؤ بڑھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صریح کفر کا الزام لگادیا جس کی وجہ سے مجبوراً پیلاطس کو آپ کے مصلوب کئے جانے کا حکم صادر کرنا پڑا۔ اس زمانے کے رومی قوانین میں شق موجود تھی کہ عید کے موقع پر واجب القتل ہر دو قیدیوں میں سے ایک کو رہا کر دیا جاتا۔ اس وقت پیلاطس کی عدالت میں دو واجب القتل مجرم تھے ایک بتیئر خدا جو ہر معصیت سے پاک تھا اور دوسرا مجرم یسوع برآبا تھا جس پر الزام بغاوت ثابت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے برآبا کی رہائی پر اصرار کیا جس کی وجہ سے پیلاطس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر آبا کو رہا کرنا پڑا۔

29۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ رفع الاسماء یا صلیب پر؟

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 30 سال کی ہوئی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے انہیں دریائے اردن کے پانی سے اصطبل (بپتسمہ) دیا۔ پھر آپ 40 دن تک یہودیہ کے ایک جنگل میں مراقبہ نشین رہے۔ اسی حالت میں آپ پر فطرت کے بہت سے حقائق منکشف ہوئے۔ یہیں آپ کا شیطان کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ انجیل متی 13-16 کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے بزرگ و برتر (روح القدس) کیوتہ کی شکل میں دکھائی دیا۔ ان حالات سے گزر کر آپ پر انسانی برادری کی حالت اور مکمل امن اور انصاف کی اہمیت واضح ہو گئی اور آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔

اعلان نبوت کے بعد عید فصیح کے موقع پر آپ یروشلم تشریف لے گئے۔ بچپن کے مشاہدے میں آپ نے اس شہر القدس کی جو حالت دیکھی تھی وہ اب بھی جوں کی توں قائم تھی لوگ حرم اشرف (بیکل سلیمانی) کے صحن میں کھلے عام خرید و فروخت اور کاروبار کر رہے تھے حضرت کے بچپن کی طرح آج بھی اس مقدس مقام عبادت میں لوگوں کی سودا بازی سے کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ صحن ہر قسم کے مال تجارت اور مولیثوں تک سے بھرا پڑا تھا۔ آپ علیہ السلام کو جائے عبادت کی یہ حالت دیکھ کر بڑی کوفت ہوئی اور ساتھ ہی لوگوں کی اس روش پر سخت غصہ بھی آیا۔ جلال کی کیفیت میں آپ نے حرم شریف کے صحن سے مال مویشی نکال دیئے اور کاروبار کرنے والوں کی میزیں الٹا دیں۔ ساتھ ہی سختی سے انہیں تنبیہ کی کہ ”خدا کے گھر کو بازار مت بناؤ“۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل تبلیغ سے یہودی کانہوں کو جواب تک بیکل کے معاملات میں مختار کل تھے، بہت غصہ آیا لیکن چونکہ آپ اس وقت تک عوام میں خاصی مقبولیت حاصل کر چکے تھے لہذا انہیں خاموش رہنا پڑا۔

یروشلم سے واپسی پر آپ نے عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز کیا اور وہ مشہور وعظ کیا جو ”خطبہ کوہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ گلیلی جمیل کے کنارے کپرنوم Capernum نامی گاؤں میں دو بھائیوں پطرس Peters اور اینڈریو Andrew نے آپ پر ایمان لا کر آپ کی حواریت اختیار کی اس کے بعد اس گاؤں کی آبادی میں اکثر افراد آپ کے معتقد ہو گئے اور آپ پر ایمان لے آئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں خطبہ کوہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور عیسائیت میں اس کو وہی مقام حاصل ہے جو بدھ میں مہاتما بدھ کی بنارس کی تقریر یا مسلمانوں میں آنحضرت ﷺ کے خطبہ حبشہ الوداع کو حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں میں سے بارہ آدمیوں کا انتخاب کیا یہ حضرات آپ علیہ السلام کے حواری کہلاتے ہیں۔ ان میں یہوداہ اسکریتی نامی وہ شخص بھی شامل تھا جس نے بعد ازاں صرف تین دینار لے کر آپ کو گرفتار کر دیا تھا۔

جیسے جیسے لوگ آپ پر ایمان لاتے گئے۔ یہودی کانہن اور فریسی آپ کے خلاف ہوتے چلے گئے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ کے مخالفوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ آپ جس آبادی میں بھی تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے وہاں سے یہودی آپ کو نکال دیتے۔ اسی وجہ سے ایک بار پھر آپ نے جنگوں اور بیانون کا رخ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے لئے لگوکوتا Golgotha نامی ایک پہاڑی منتخب کی گئی جہاں اس زمانے کے دستور کے مطابق ”مجرم“ کو صلیب اپنے نازک کندھوں پر اٹھا کر لے جانا پڑتی۔ کہتے ہیں کہ یہ صلیب بہت وزنی تھی جو ایک بڑھتی نے برا کی بغاوت میں اپنے بیٹے کے مارے جانے کا انتقام لینے کے لئے خاص طور پر بنائی تھی مسیحی روایات کے مطابق جب آپ صلیب پہاڑ پر لے گئے تو آپ علیہ السلام کو مصلوب کر دیا گیا۔ عقائد اسلامی کے مطابق آپ کے رفع الاسما کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

انجیل متی باب 27 اور آیات 57 تا 60 کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھا دیے جانے کے بعد جب شام ہوئی تو یوسف نامی ایک شخص نے گورز پیلاطیس سے نقش ماگی جو اسے دے دی گئی۔ یوسف نے نقش کو باریک چادر میں لپیٹنے کے بعد قبر میں رکھ دیا اور قبر کو ایک بڑے پتھر سے ڈھانپ دیا۔

اگلے دن وہ پھر اپنی جگہ سے ہٹا ہوا پایا گیا اور قبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسد مبارک بھی غائب تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ جی اٹھے اور اپنے فرمان کے مطابق خدا کے دانے جانب جا بیٹھے لیکن کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ دوبارہ زندہ ہو کر گھلی کی طرف چلے گئے ہیں۔ مسیحی روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ بعد ازاں گھلی میں اپنے حواریوں سے ملے اور نہ صرف ان سے ہم کلام ہوئے بلکہ ان کے ساتھ کھانا (عشاء ربانی) بھی دکھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الاسماء یا مصلوب کئے جانے کے بعد آپ پر ایمان لانے والوں میں انتشار پھیل گیا اور وہ یورپ کے مختلف حصوں میں ہجرت کر گئے جس کی وجہ سے صرف تیس سال کے اندر عیسائی مذہب نے بڑی حد تک ترقی کر لی۔

یورپی مورخین اس بات کو بر ملا تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام اور تعلیمات کا صحیح سراغ نہیں ملتا۔ مشہور مغربی مورخ کریں برنٹن Crane Brinton اپنی کتاب ”تاریخ تہذیب“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح دراصل ایک عمرانی مصلح، ایک انقلابی اور دو ہزار سال پیشتر کے ایک جمہوری اشتراکیت پسند تھے۔ لیکن آپ کے متعلق یہ رائے قائم کرنا بھی نہایت یک طرفہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے انہیں تمام انبیاء کے بعد اور صرف حضرت محمد ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے والا ختمیہ قرار دیا ہے۔

32 ع۔۔۔۔ پولوس رسول اور ان کی مسیحیت کے لئے خدمات

تمام مسیحی مورخین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسیح کو ایک عالمگیر مذہب کی شکل دینے والے خود حضرت مسیح علیہ السلام نہ تھے کیونکہ آپ علیہ السلام کو مسیحیت پھیلانے اور اس کی تبلیغ کے لئے زیادہ وقت نہ مل سکا۔ یہ فریضہ آپ کے بعد پولوس رسول S.T. Paul نے انجام دیا۔ اگرچہ پولوس رسول آپ کے بارہ حواریوں میں شامل نہ تھا اور نہ ہی انہیں حضرت مسیح علیہ السلام سے براہ راست آکتاب علم کا موقع مل سکا، لیکن اس کے باوجود مسیحیت ہر طرح سے ان کی ان تھک کوششوں کی مرہون ہے۔

پولوس رسول ابتداء میں ایک یہودی المذہب یونانی تھا جو ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کے جنوب مشرقی شہر طرویس میں پیدا ہوا۔ اس کا عبرانی نام ساؤل تھا یروشلیم میں اس نے یہودی کلیسائی تعلیم حاصل کی اور فریسی بن گیا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ پولوس رسول اور حضرت عیسیٰ ہم عصر تھے اور دونوں یروشلیم میں مقیم رہے لیکن اس کے باوجود یہ قرین قیاس ہے کہ دونوں میں کبھی ملاقات نہ ہو سکی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الاسماء ہونے کے بعد یہودیوں نے عیسائیوں کو اولیٰن بدعتی قرار دیا اور ان پر مظالم کے شدید پہاڑ ٹوڑے اور انہیں ہر طرح کی تحریر سے دوچار کیا۔ عیسائیوں کی اس تعذیب و تعزیز میں خود پولوس رسول بھی پیش پیش تھا۔ انہیں دنوں (32ء) اسے دمشق جانا پڑا۔ دمشق کے سفر کے دوران راہ میں ایک ایک آسمان سے ایک نور اس کے گرد چکا جس سے وہ زمین پر گر پڑا۔ اسی حالت کشف میں اسے حضرت عیسیٰ نے زیارت سے شرف کیا جس سے اس کے دل کی دنیا بدل گئی اور اس نے مسیحیت قبول کر لی۔ دمشق جہاں وہ مفرد عیسائیوں کو گرفتار کرنے جا رہا تھا اب اس کی تبلیغ کا پہلا مرکز بن گیا۔

قبول عیسائیت کے بعد کچھ عرصہ پولوس رسول نے بیابان میں زہد و عبادت کی اور پھر انسانی دنیا میں لوٹ کر پوری سلطنت روم میں تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور نئے مذہب کو ایک منظم کلیسائی شکل دی۔ کارنتھ، گلیلیا اور فلپی کے علاوہ کئی دیگر شہروں کا سفر کر کے اس نے سلطنت کے کونے کونے میں مسیحیت کو پھیلایا۔ پولوس رسول اور اس کے ساتھیوں نے اپنی تمام سرگرمیوں کا بیان ”رسولوں کے اعمال“ پولوس اور دوسرے اصحاب کے خطوط کی شکل میں چھوڑا ہے۔ جو عہد نامہ جدید کا حصہ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے عیسائیت کے لئے خود حضرت مسیح علیہ السلام سے زیادہ خدمات انجام دیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہودی شریعت کو منسوخ نہ کر سکے تھے۔ عیسائیت کو ایک الگ شناخت بھی پولوس رسول ہی نے دی۔

56ء میں پولوس رسول اپنے تبلیغی سفروں سے یروشلیم واپس آیا۔ یہاں اس پر ایک مشتعل جموع نے حملہ کر دیا۔ رومی سپاہیوں نے بروقت مداخلت کر کے اس کی جان بچائی لیکن ساتھ ہی گرفتار کر کے انہیں قیصریہ کی جیل میں ڈال دیا گیا جہاں

سے انہیں دو سال بعد رہائی ملی۔

جس طرح پطرس رسول کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ مشرق میں فریضہ تبلیغ انجام دینے کے بعد روم چلا گیا جہاں وہ پہلا آج بپشپ مقرر ہوا اور وہیں اس نے شہادت پائی۔ پولوس کے متعلق بھی مورخین یہی لکھتے ہیں کہ اس نے بھی شہنشاہ روم کو درخواست گزاری کی کہ اسے روم منتقل ہونے کی اجازت دی جائے۔ جہاں اسے بھی شہد کر دیا گیا۔ اس طرح گویا کلیسائے روم کی بنیاد دو عظیم ترین حواریوں نے رکھی۔ یہ اس کلیسائے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

عیسائیت کے پھیلاؤ میں پولوس رسول کی کوشش تین امور پر مبنی ہیں۔ پہلی حیثیت میں وہ ایک کامیاب مبلغ نظر آتا ہے۔ جبکہ دوسری حیثیت میں وہ ایک کامیاب مصنف ہے عہد نامہ جدید کا بڑا حصہ اس کی تحریروں پر مبنی ہے اس کی تیسری حیثیت پہلی دوئوں حیثیتوں سے بھی اہم ہے۔ وہ ہے مسیحی الہیات کے ارتقاء میں اس کا اہم کردار مسیحی الہیات پر پولوس رسول کے اثرات بے اندازہ ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ یسوع بذات خود الہامی تھے اور وہ ساتھ ہی ودیعت یافتہ انسانی پیغمبر بھی تھے۔ انہوں نے ہماری جانوں کے لئے (گناہوں کی بخشش) اپنی جان کی قربانی دی۔ انسان کے لئے محض انجیل کے فرائین پر عمل پیرا ہونے سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں بلکہ یسوع پر ایمان لانے سے ایسا ممکن ہے۔ پولوس رسول کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح مجرد زندگی گزاری۔ لیکن اس کے باوجود عورت کے متعلق اس کے خیالات اور تصورات بھی بڑے ٹھوس ہیں۔

مآخذ

سو عظیم آدمی، مائیکل ہارٹ۔ تاریخ تہذیب۔ مولانا غلام رسول مہر۔

مذہب عالم، آزاد سلہری۔ تاریخ مذاہب، رشید احمد۔

Encyclopedia Britanica.

41ء۔۔۔۔۔ شہنشاہ کالی گولا کا قتل

24 جنوری 41ء کی سر صبح کورومی شہنشاہ کالی گولا کے حاکمی دتے کے ایک اعلیٰ افسر کیریا Chearea نے کھیلوں کے معائنے کے دوران اچانک خود شہنشاہ پر حملہ کر دیا شہنشاہ اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گیا۔ کچھ دنوں پہلے شہنشاہ نے اس افسر کی سرعام بے عزتی کی تھی اسی ہنگامہ کابلہ کیاریانے اسے قتل کر کے چکالیا اس رات روم میں سوگ منانے کی بجائے چراغاں کیا گیا اور جشن منایا گیا۔ اس کی وجہ شہنشاہ کے ظلم اور اس کی بربریت تھی جس سے روم کے شہری تنگ آ چکے تھے۔ 37ء میں کالی گولا کی تخت نشینی کے صرف چند ماہ بعد اس پر ایک خوفناک بیماری نے حملہ کیا جس سے وہ مرتے مرتے بچا۔ صحت یابی کے بعد وہ مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ اب وہ ایک نرم دل شہنشاہ کی بجائے ایک درندہ صفت اور ظالم انسان تھا۔ جسے انسانوں کو قتل کر کے راحت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ اسے روم کے شہریوں سے اتنی شدید نفرت ہو گئی تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر تمام رومیوں کی ایک گردن ہوتی تو وہ اسے تلوار کے ایک ہی وار سے اڑا دیتا۔ اس کے انہیں مظالم اور اذیت پسندی کی وجہ سے اکثر مورخین اسے پاگل قرار دیتے ہیں۔ شاید اسی پاگل پن میں کالی گولا نے اپنے گھوڑے کو رومہ کا قتل فیصل مقرر کیا تھا۔

کالی گولا شہنشاہ آگسٹس کے بعد تخت نشین ہونے والے چار شہنشاہوں ٹائبریس، کالی گولا، کلاؤڈیس اور نیرو میں سے ایک تھا۔ آگسٹس کے بعد اس کا اخیانی بیٹا ٹائبریس تخت نشین (14ء 37ء) ہوا تھا اس کی وفات پر کالی گولا کو شہنشاہ بنادیا گیا۔ کالی گولا کو اگرچہ ٹائبریس سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ شہنشاہ آگسٹس کی دوسری بیوی کے ایک بیٹے کی اولاد میں سے تھا۔ شہنشاہ ٹائبریس نے اپنی زندگی میں اپنے خاندان کے بہت سے افراد کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر ٹیٹس قسمت سے وہ سب اس کے سامنے وفات پا گئے۔ مجبوراً اپنے آخری سالوں میں شہنشاہ ٹائبریس نے اپنے متوفی بھتیجے کے بیٹے گائس المعروف بہ کالی گولا کو اپنے پوتے ٹائبریس گیللس Tiberius Gelellus کے ساتھ مشترکہ طور پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ 37ء میں شہنشاہ ٹائبریس کی وفات کے بعد اس کی وصیت پر عمل درآمد کے طور پر کالی گولا تخت نشین ہوا۔

38ء میں اس نے فورج کے ایک اعلیٰ عہدیدار نیوئیس سوئوئیس Naevius Sutorius Macro کو تہ تیغ کرادیا۔ یہ وہی شخص تھا جس کی مدد سے وہ تخت شاهی تک پہنچا تھا۔ ٹائبریس کے پوتے گیللس ٹائبریس کا حشر بھی اس سے مختلف نہ ہوا۔ پہلے کالی گولا نے اسے اپنا فرزند قرار دیا اور پھر اسے بھی قتل کروا دیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ انسانوں کو اذیت دینے اور قتل کرانے میں وہ اتنا آگے چلا گیا تھا کہ وہ کھانا کھانے دوران بہت سوں کو قتل کر کے کھانا کھاتا تھا۔

اسنے ظالم شخص کے بارے میں یہ بات بہت حیرت انگیز ہے کہ اپنے سارے خاندان کو قتل کروانے والے شہنشاہ کو اپنی تین بہنوں سے خاص طور پر بہت محبت تھی۔ ان تینوں میں سے بھی خصوصاً دروسلا Drusilla سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ بطلوس (یونانی) شاہان مصر کی طرز پر رومہ میں بھی بہن + بھائی کی باہمی شادی کے بعد مشترکہ سلطنت قائم کرنا چاہتا

تھا۔ شاید اس لئے اس نے دروسلا کو رومہ کی خاتون اول قرار دیا تھا مگر دروسلا کی زندگی نے اس سے وفاندہ کی۔

اپنی تخت نشینی کے سات ماہ بعد وہ جس خوفناک بیماری کا شکار ہوا تھا اکثر موصیٰن کے نزدیک وہ مرگ کی بیماری تھی جس کے اثرات بدن سے اسے پاگل پن کے نزدیک کر دیا۔ دوبارہ صحت مند ہونے کے بعد وہ اچانک 39ء میں دریائے رائن کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور اس نے اپنے خلاف ہونے والی بغاوت کو فرو کیا۔ اس بغاوت میں اس نے اپنے ایک بہنوئی، لپی ڈس کو قتل کر دیا۔ وہ دروسلا کا شوہر تھا۔

کالی گولا کی فضول خرچیوں سے رومہ کا سرکاری خزانہ جلد ہی خالی ہو گیا جسے دوبارہ بھرنے کے لئے کالی گولا کو قلم و جبر کا سہارا لیتا پڑا۔ اس سلسلے میں اس نے بہت سے رومیوں کی جائیداد قرق کر لیں اور بہت سوں کو بھاری جرمانہ کیا۔

کالی گولا 40ء میں گال (فرانس) میں ایک فوجی مہم سر کی اور وہاں سے بہت سامان غنیمت لوٹا۔ 40ء ہی کے موسم گرما میں اس نے اپنے دیوتا ہونے کا اعلان کیا اور اس کے مجسمے روم کے معبدوں میں رکھے گئے۔ اپنے دیوتا ہونے کے دعویٰ کو مزید تقویت دینے کے لئے اس نے اپنا مجسمہ بروٹلم میں بیکل سلیانی میں بھی رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن فلسطین کے باجگذار یہودی حکمران ہیرودا گر پاکے اپنے مذہبی عقائد سے وابستگی کی وجہ سے اسے اپنا یہ حکم منسوخ کرنا پڑا۔

اس کے انہیں سر پھرے کارناموں اور شدید مظالم کی وجہ سے رومی عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ جنوری 41ء میں جب اسے گال کی مہم سے لوٹے ہوئے صرف چار ماہ ہوئے تھے اسے پلے ٹائن نامی کھیلوں Palatine Games کے دوران اس کی بیوی اور بیٹی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا چچا کلاؤیس تخت نشین ہوا۔

(بچپن میں ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ شام کی جنگی مہم پر گیا تھا جہاں اس نے کالگی Caligae نامی فوجی جوتے پہنے۔ انہیں جوتوں کی وجہ سے اس کا نام کالی گولا مشہور ہو گیا جبکہ اس کا خاندانی نام گائس سیزر جرمانکس تھا۔)

ماخذ

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، انسائیکلو پیڈیا انکارٹا۔

عالم تاریخ کے 1000 اہم واقعات، تاریخ تہذیب۔

46ء۔۔۔۔۔ بوڈیکا!

جزائر برطانیہ پر جولیئس سیزر کے حملوں کے تقریباً سو سال بعد 43ء میں شاہ روم کلاؤیس کے عہد میں ایک پھر رومی حملہ آور ہوئے۔ شہنشاہ کلاؤیس کے خصوصی حکم پر اس مرتبہ رومی افواج فتح کے بعد یٹین قیام پذیر ہوئیں۔

جزائر برطانیہ ان دنوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھے۔ رومیوں کے حملے کی زد میں پہلے شاہ سمبلین Cymbeline اور اس کے اتحادی آئے۔ برطانیہ پر اس مرتبہ حملہ کی قیادت آلوں پلائئس Aulus Plautius نامی ایک رومی جرنیل کر رہا تھا۔ اس کی قیادت میں رومیوں نے برطانوی مزاحمت کو خس و خاشاک کی مانند بھا کر رکھ دیا۔ لیکن اس کے باوجود کئی بہادر برطانوی سرداروں نے کئی سال تک رومیوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ ان بہادر سرداروں میں کیریک ٹیکس Caractacus نامی ایک سردار نے سات سال تک رومیوں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی۔

آج کل کا جدید نارفورک Norfolk ان دنوں آئینیچی Icenii کہلاتا تھا۔ اس زمانے میں آئینیچی پر شاہ پر اسوٹیکس Prasutagus کی حکومت تھی۔ کلاؤیس کے بعد جب رومہ میں نیرخت نشین ہوا تو کسی وجہ سے پر اسوٹیکس نے اپنی آدمی سلطنت کو شہنشاہ رومہ کے نام کر دیا اور آدمی سلطنت کو اپنی ملکہ بوڈیکا Boudicca اور دو بیٹیوں کے پاس رہنے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ پر اسوٹیکس نے یہ اقدام اس ناپسندی اور خیر سگالی کے طور پر اٹھایا گیا تاکہ اس کے بعد رومی اس کے خاندان کو حکمران نہ بنے دیں لیکن اس کے اس اقدام کے باوجود جب 61ء میں شاہ پر اسوٹیکس کا انتقال ہوا تو رومی افواج آئینیچی پر مکمل طور پر قابض ہو گئیں اور انہوں نے لوٹ مار اور غارتگری کا بازار گرم کر دیا۔

شاہی محل پر غاصبانہ حملے کے دوران جب رومیوں نے ملکہ اور اس کی بیٹیوں سے بھی اچھا سلوک نہ کیا تو ملکہ بوڈیکا نے غاصب رومیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس بغاوت میں آئینیچی کی عوام نے ملکہ کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہیں دنوں برطانیہ کا رومی گورنر واپس روم آ گیا۔ اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بوڈیکا نے نہ صرف ایک لیجن رومی افواج کو تباہ کر دیا۔ بلکہ آگے بڑھ کر لندن اور کول چیسٹر کی رومی نوآبادیوں کو آگ لگا دی۔

جب بوڈیکا کی فوجی کامیابیاں حد سے بڑھیں تو رومی گورنر تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار کا لشکر لے کر واپس جزائر برطانیہ لوٹا۔

رومی گورنر، سیوٹونئس پائلس Suetonius Paulinus نے آگے بڑھتی ہوئی بوڈیکا کو بلا خرگشت سے دو چار کیا۔ بوڈیکا نے بڑی بہادری سے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں 80 ہزار سے زائد برطانوی مارے گئے اور خود بوڈیکا نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ بوڈیکا کی مزاحمت ختم ہونے کے بعد اگلے چار سو سال کے لئے رومی جزائر برطانیہ پر مکمل طور پر حکمران بن گئے۔ ایک اور رومی جرنیل جولیئس ایگریکولا Julius Agricola نے 78ء تک تمام جزائر برطانیہ کو مکمل طور پر فتح کر لیا۔